خطباتِ جمعہ اور دروسِ مساجد کے لیے راہنما کتاب

لأصحاب الفضيلة

ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس، ڈاکٹر سعود الشریم،

ڈاکٹر صالح بن حمید، محمد بن عبداللہ السبیل،

ڈاکٹر اُسامہ خیاط، ڈاکٹر عمر بن محمد السبیل

ترجمہ وتفہیم

تحقیق وتخریج

حافظ شاہد محمود

فاضل مدینہ یونیورسٹی

خطباتِ مکہ مکرمہ ۱۴۲۲ھ

خطباتِ جمعہ اور دروسِ مساجد کے لیے راہنما کتاب

سال بھر کی ترتیب کے ساتھ

خطباتِ حرمین

لأصحاب الفضيلة

ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس، ڈاکٹر سعود الشریم،

ڈاکٹر صالح بن حمید، محمد بن عبداللہ السبیل،

ڈاکٹر اُسامہ خیاط، ڈاکٹر عمر بن محمد السبیل

ترجمہ

فضیلۃ الشیخ محمد منیر قمر حفظہ اللہ

تحقیق وتخریج

حافظ شاہد محمود

فاضل مدینہ یونیورسٹی

ناشر

مکتبہ کتاب وسنت

ریحان چیمہ۔ ڈسکہ

اُم القریٰ پبلی کیشنز

سیالکوٹ روڈ گوجرانوالہ

نام کتاب

خطبات حرمین

ترجمہ
فضیلۃ الشیخ محمد منیر قمر حفظہ اللہ

تحقیق وتخریج
حافظ شاہد محمود
فاضل مدینہ یونیورسٹی

کمپوزنگ: عدنان قمر سلمہ اللہ

سیٹنگ: ابوسفیان عزیزی

تعداد: 1100

اشاعت: ستمبر 2011ء

ام القری پبلی کیشنز

سیالکوٹ روڈ فتو منڈ، گوجرانوالہ فون: 0333-8110896. 0321-6466422

Www.umm-ul-qura.org

فہرس

خطبات ماہِ محرم

خطبات ماہِ صفر

خطبات ماہِ ربیع الأول

خطبات ماہِ ربیع الثانی

خطباتِ ماہِ جمادی الأولیٰ

خطبات ماہِ جمادی الأخریٰ

خطبات ماہِ رجب

خطبات ماہِ شعبان

خطباتِ ماہِ رمضان

خطباتِ ماہِ شوال

خطباتِ ماہِ ذوالقعدہ

خطباتِ ماہِ ذوالحجہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ .أَمَّا بَعْدُ :

قارئین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

گزشتہ چند سالوں کے دوران ہمیں یہ شرف حاصل رہا ہے کہ حرمین شریفین مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں کی مساجدِ مبارکہ: مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کے خطباتِ جمعہ کا ہر ہفتے ترجمہ کرکے طریق السلام مدینہ منورہ میں قائم ایک ادارے لجنۃ الدعوۃ (موجودہ لجنۃ التعریف بالاسلام) کو بذریعہ فیکس بھیج دیے جاتے اور وہ انھیں کمپوز کرواکر انٹرنیٹ پر اپنی ویب سائیٹ میں ڈال دیتے۔ یہ سلسلہ کئی سالوں تک جاری رہا اور پھر یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔

اب ہم افادۂ عام کے لیے اُن خطباتِ حرمین شریفین کو ترتیب وار قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کرنے جارہے ہیں۔ ان خطبات کے سلسلہ میں بعض امور پیشِ نظر رہیں:

۱۔ قرآنِ کریم کی آیات کی عربی نصوص اور انکا اردو ترجمہ ذکر کر دیا گیا ہے۔

۲۔ ہر مقام پر نصوصِ حدیث کے ذکر کا التزام تو نہیں کیا گیا، تاہم بیشتر مقامات پر اہم نصوص ذکر کرکے بعض دیگر کے صرف ترجمہ پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

۳۔ خطبات میں بعض جگہوں پر ضعیف احادیث آگئی ہیں جنھیں باقی رہنے دیا گیا ہے تاکہ ہماری طرف سے حرمین شریفین کے ان خطبات میں کوئی تصرّف نہ ہو۔ یہاں ہم اُن خطبات اور ارقامِ احادیث کی نشاندہی کرکے بات کو طویل نہیں کرنا چاہتے کیونکہ حواشی کو دیکھتے ہی یہ معلوم ہوجاتا ہے۔

خطبہ نمبر (۴۸) میں ایک حدیث موضوع ومن گھڑت بھی مذکور ہے، لیکن وہ محض تنبیہ کے

لیے ہے لہٰذا اس کا بحال رکھنا تو از بس ضروری تھا۔

۴۔ عزیزِ محترم حافظ شاہد محمود (فاضل مدینہ یونیورسٹی) نے خطبات میں مذکور احادیث و آثار کی مکمل تخریج کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ انکے اس علمی عمل کو انکے میزانِ حسنات کا حصہ بنائے۔

۵۔ ان خطبات کی کمپوزنگ اور سیٹنگ وغیرہ میں ہمارے لختِ جگر عدنان قمر سلمہٗ اللہ نے بھی کافی کدوکاوش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اس علمی خدمت کو قبول فرمائے اور اسے مزید توفیقِ خدمتِ دین سے نوازے۔

خطباتِ حرمین شریفین کی طباعت و اشاعت کے سلسلہ میں ہمارے ساتھ معروف سماجی شخصیت جناب انجینئر محمد طارق برلاس صاحب (الطّویرقی گروپ آف کمپنیز) نے تعاون کیا ہے۔ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَ عُمْرِهِ وَ أَعْمَالِهِ الصَّالِحَةِ.

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان ''خطباتِ حرمین شریفین'' کو محترم خطباء و واعظین، معزز علماء و طلباء اور تمام قارئینِ کرام کے لیے باعثِ استفادہ بنائے۔ آمین

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

ابو عدنان محمد منیر قمر نواب الدین

ترجمان سپریم کورٹ۔ الخبر

وداعیہ متعاون بمراکز الدعوۃ والارشاد

الدمام، الظہران، الخبر۔ سعودی عرب

حرر قبل صلوٰۃ الفجر فی:

۲۲/۹/۱۴۳۲ھ = ۲۲/۸/۲۰۱۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفے چند

زیر نظر کتاب ''خطباتِ حرمین'' میں مسجد حرام مکہ ۔اور مسجد نبوی مدینہ منورہ میں دیے جانے والے خطباتِ جمعہ کو اردو ترجمہ کے بعد قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

یہ اس سلسلہ کی پہلی جلد ہے جس میں ۱۴۲۲ھ =۲۰۰۲ء کے خطباتِ مکہ مکرمہ کو جمع کیا گیا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ جلد ہی ۱۴۲۲ھ ہی کے خطباتِ مدینہ منورہ پر مشتمل اس سلسلہ کی دوسری جلد قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جائے گی اور بعد ازاں اسی ترتیب سے تسلسل کے ساتھ خطبات حرمین کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ کو جنھوں نے اس مفید سلسلے کا آغاز کیا ہے تاکہ اردو داں حضرات بھی ان تقاریر وخطبات سے استفادہ کر سکیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مبارک سلسلہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں جن حضرات نے علمی وعملی تعاون کیا ہے، انھیں جزائے خیر عطا فرمائے اور روزِ جزا اس عمل کو ان کی مغفرت اور بلندی درجات کا باعث بنائے۔ آمین یا رب العالمین

حافظ شاہد محمود

۱۲/ ۱۰/ ۱۴۳۲ھ

۱۱/ ۰۹/ ۲۰۱۱ء

سوانح ائمہ وخطباءِ حرم

(مکہ مکرمہ)

خطباتِ حرمین شریفین کے سلسلہ میں خطباتِ مکہ مکرمہ کی اس جلدِ اول میں جن آئمہ و خطباء کرام کے خطباتِ جمعہ شامل ہیں، یہاں پر صرف انکی حیات و خدمات کا مختصر تذکرہ پیشِ خدمت کر رہے ہیں:

① فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبد الرحمٰن السدیس حفظہ اللہ

نام ونسب اور ولادت:

ابوعبدالعزیز عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز بن محمد بن عبداللہ السدیس۔

آپ معروف عربی قبیلہ عنزہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۳۸۲ھ میں ریاض شہر میں آپ کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔

حصولِ تعلیم:

ریاض شہر میں آپ نے مختلف مدارس میں ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد کلیۃ الشریعہ ریاض سے ۱۴۰۳ھ میں گریجویشن کی۔ ۱۴۰۸ھ میں آپ نے جامعہ امام محمد بن سعود الاسلامیہ سے ایم اے کیا اور ۱۴۱۶ھ میں آپ نے جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

اساتذہ کرام:

۱۔ سماحۃ الشیخ علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ۔

۲۔ علامہ عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ۔

۳۔ فضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان الفوزان حفظہ اللہ۔

۴۔ الشیخ عبدالرحمٰن بن ناصر البراک۔

۵۔ علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ الراجحی۔

۶۔ فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن التویجری۔

۷۔ فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آل شیخ۔

۸۔ فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین۔

۹۔ فضیلۃ الشیخ صالح بن غانم السدلان۔

۱۰۔ فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن عبداللہ الدرویش۔

مناصب اور اہم ذمہ داریاں:

۱۔ آپ نے مختلف اوقات میں ریاض کی متعدد مساجد میں امامت کے فرائض سرانجام دیے۔

۲۔ ۱۴۰۴ھ میں آپ مسجد حرام مکہ مکرمہ میں امام و خطیب مقرر ہوئے۔ آپ نے مسجد حرام میں سب سے پہلے ۲۲ شعبان ۱۴۰۴ھ بروز اتوار نمازِ عصر سے امامت کا آغاز کیا اور پہلا خطبہ ماہِ رمضان کی پندرہ تاریخ کو ارشاد فرمایا۔

۳۔ ۱۴۰۸ھ میں آپ نے جامعہ ام القریٰ میں تدریس کا آغاز کیا۔

۴۔ ۱۴۱۶ھ میں مسجد حرام میں بھی تدریس کا آغاز کیا۔ جس میں آپ نمازِ مغرب کے بعد عقیدہ، تفسیر، حدیث اور فقہ جیسے موضوعات پر درس اور موسم حج میں افتاء کی ذمہ داری سرانجام دیتے ہیں۔

دعوتی جہود ونشاطات:

آپ نے متعدد ممالک کی طرف دعوت وتبلیغ کی خاطر سفر کیا اور بے شمار ندوات میں شرکت کی۔ کئی مساجد و مدارس کا افتتاح کیا اور دروس وخطبات کے ذریعے خلقِ کثیر کو نفع پہنچایا۔

تصانیف:

۱۔ المسائل الأصولية المتعلقة بالأدلة الشرعية التي خالف فيها ابن قدامة، الغزالي.

۲۔ الواضح في أصول الفقه لابن عقيل (دراسة و تحقيق)

۳۔ كوكبة الخطب المنيفة من جوار الكعبة الشريفة.

٤۔ إتحاف المشتاق بلمحات من منهج و سيرة الشيخ عبد الرزاق.

۵۔ أهم المقومات في صلاح المعلمين والمعلمات.

٦۔ دور العلماء في تبليغ الأحكام الشرعية.

٧۔ رسالة إلى المرأة المسلمة.

٨۔ التعليق المأمول على ثلاثة الأصول.

٩۔ الإيضاحات الجلية على القواعد الخمس الكلية.

② فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سعود بن ابراہیم الشریم حفظہ اللہ

نام ونسب:

سعود بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن ناصر بن ابراہیم بن محمد بن شریم.

آپ کے دادا محمد بن ابراہیم الشریم، ۱۳۲۵ھ تک شقراء نامی شہر کے میئر (MAYOR) رہے۔ شریم خاندان معروف عربی قبیلے بنوزید سے تعلق رکھتا ہے۔

ولادت اور ابتدائی تعلیم:

آپ ریاض میں ۱۳۸٦ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ریاض ہی کے مختلف مدارس میں حاصل کی۔ پھر کلیہ اصول الدین جامعہ امام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض سے ۱۴۰۹ھ میں گریجویشن کی اور معہد العالی للقضاء سے ۱۴۱۳ھ میں ایم اے کیا۔ بعد ازاں ۱۴۲۳ھ میں جامعہ ام القری مکہ مکرمہ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔

اساتذہ کرام:

آپ نے مندرجہ ذیل اساتذہ اور کبار علماءِ کرام سے استفادہ کیا:

۱۔ سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ۔

۲۔ علامہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن جبرین رحمہ اللہ۔

۳۔ علامہ عبداللہ بن عبدالعزیز بن عقیل۔

۴۔ فضیلۃ الشیخ عبد الرحمن البراک حفظہ اللہ۔

۵۔ فضیلۃ الشیخ عبد العزیز الراجحی حفظہ اللہ۔

۶۔ فضیلۃ الشیخ عبداللہ الغدیان حفظہ اللہ۔

۷۔ علامہ صالح بن فوزان الفوزان حفظہ اللہ۔

خدمات اور مناصب:

۱۔ آپ نے سب سے پہلے ۱۴۰۷ھ میں حي النهضه ریاض میں نمازِ تراویح میں امامت کروائی۔

۲۔ ۱۴۱۲ھ میں آپ مسجد حرام مکہ مکرمہ میں امام وخطیب متعین ہوئے۔

۳۔ ۱۴۱۳ھ میں آپ مکہ مکرمہ کی عدالت میں قاضی مقرر ہوئے لیکن ۱۴۱۸ھ میں تعلیمی مصروفیات کی بنا پر عہدہ قضاء سے مستعفی ہو گئے اور دورانِ تعلیم ہی جامعہ ام القریٰ میں تدریس کی ذمہ داری بھی سنبھال لی۔

۴۔ ۱۴۱۴ھ میں آپ نے ہفتے میں تین دن: ہفتہ، سوموار اور بدھ کے دن بعد نمازِ فجر مسجد حرام میں تدریس کا آغاز کیا۔

۵۔ ۱۴۲۵ھ میں آپ کلیۃ الشریعہ (شریعت کالج) جامعہ ام القریٰ کے عمید (DEAN) مقرر ہوئے۔

شخصی اوصاف:

فضیلۃ الشیخ سعود الشریم حفظہ اللہ اپنے کریمانہ اخلاق اور شخصی اوصاف: سخاوت و فیاضی اور ورع وللّٰہیت کی بنا پر محبوبِ خلائق ہیں۔ آپ ایک عمدہ شاعر ہیں اور خواب کی تعبیر بتانے میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ مسجد حرام مکہ مکرمہ میں امام وخطیب متعین ہونے سے پہلے آپ کو خواب میں مسجد حرام کی امامت وخطابت کی خوشخبری ملی تھی۔

آپ اپنے وقت کی حفاظت کرتے اور اس سے ہر دم استفادے کی فکر میں رہتے ہیں۔ آپ نے میٹرک کے زمانے میں قرآن کریم کے حفظ کا آغاز کیا اور انتہائی محنت اور لگن سے اس کی تکمیل کی۔ خود فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں مجھے جو وقت بھی ملتا اس میں قرآن حفظ

کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا حتی کہ جب میں راستے میں ٹریفک کے اشارات پر ٹھہرتا تو اس وقت بھی قرآن کا ورد کیا کرتا تھا اور انھیں اشارات پر وقوف کے دوران میں نے سورۂ نساء مکمل حفظ کر لی۔

تصانیف:

آپ نے متعدد مناصب اور ذمہ داریوں کی ادائیگی کے دوران تصنیف و تالیف کی طرف بھی توجہ کی اور مندرجہ ذیل کتب تالیف کیں:

۱۔ كيفية ثبوت النسب.
۲۔ كرامات الأنبياء.
۳۔ المهدي المنتظر عند أهل السنة والجماعة.
٤۔ المنهاج للحاج والمعتمر.
٥۔ وميض من الحرم (مجموعه خطبات)
٦۔ خالص الجمان في تهذيب مناسك الحج من أضواء البيان.
۷۔ أصول الفقه (سؤال و جواب)
۸۔ التحفة المكية في شرح حائية ابن أبي داود العقدية.
۹۔ حاشية على لامية ابن القيم.
۱۰۔ إسراج الخيول بنظم القواعد الأربع وثلاثة الأصول.
۱۱۔ الشامل في فقه الخطيب والخطبة.
۱۲۔ وبل السحابة على نظم الصبابة في مدح المدينة طابة.
۱۳۔ المراجعات حول إنكار مصطفى محمود أحاديث الشفاعات.

③ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر اُسامہ بن عبداللہ خیاط حفظہ اللہ

نام ونسب اور حصولِ تعلیم:

اسامہ بن عبداللہ بن عبدالغنی بن محمد بن عبدالغنی بن ابراہیم خیاط۔

آپ اپنے والدِ محترم فضیلۃ الشیخ عبداللہ خیاط رحمہ اللہ کے بعد حرم کے امام وخطیب مقرر

ہوئے۔ آپ کی ولادت مکہ مکرمہ میں یکم رجب ۱۳۷۵ھ میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مکہ مکرمہ کے مختلف مدارس میں مکمل کی اور اپنے والد محترم کے زیرِ سایہ قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر ۱۳۹۷ھ میں جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں گریجویشن کی اور ۱۴۰۲ھ میں جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ سے ایم اے کیا۔ بعد ازاں ۱۴۰۸ھ میں آپ نے جامعہ ام القریٰ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔

اساتذہ کرام:

۱۔ فضیلۃ الشیخ علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ۔

۲۔ فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ خیاط رحمہ اللہ۔

۳۔ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد ابو شہبہ۔

۴۔ فضیلۃ الشیخ السید سابق۔

۵۔ فضیلۃ الشیخ سید احمد صقر۔

۶۔ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد العروسی عبد القادر۔

۷۔ فضیلۃ الشیخ عبداللہ البسام۔

۸۔ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالمجید محمود۔

۹۔ فضیلۃ الشیخ علامہ عبیداللہ مبارک پوری۔

۱۰۔ فضیلۃ الشیخ محمد حیات سنبھلی۔

مناصب اور اہم ذمہ داریاں:

۱۔ ۱۳۹۹ھ میں آپ نے جامعہ ام القریٰ میں تدریس کا آغاز کیا۔

۲۔ آپ ۱۴۱۴ھ میں سعودی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔

۳۔ آپ ۱۴۱۸ھ میں مسجد حرام کے امام وخطیب مقرر ہوئے۔

۴۔ ۱۴۱۸ھ ہی میں آپ کو علامہ عبدالعزیز عبداللہ بن باز رحمہ اللہ نے رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کا رکن منتخب کیا۔

مؤلفات:

۱۔ مختلف الحديث بين المحدثين والأصوليين والفقهاء.

٢۔ التقييد والإيضاح للحافظ العراقي (دراسة و تحقيق)

٣۔ التفسير النبوي للقرآن.

٤۔ شهر الرحمة والمغفرة.

٥۔ بناء الشخصية المسلمة تحت أضواء الكتاب والسنة.

٦۔ المدخل إلى دراسة الصحيحين.

٧۔ المدخل إلى دراسة الموطأ.

٨۔ السراب الأكبر.

٩۔ دليل المسلم في الاعتقاد على ضوء الكتاب والسنة (تحقيق و تخريج).

١٠۔ اعتقاد السلف (تحقيق و تخريج).

④ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر صالح بن حمید حفظہ اللہ

نام ونسب اور حصولِ تعلیم:

صالح بن عبداللہ بن محمد بن حمید۔ آپ ۱۳۶۹ھ میں بریدہ شہر میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مکہ مکرمہ میں ۱۳۹۲ھ میں گریجویشن کی اور ۱۳۹۶ھ میں ماسٹر کیا۔ بعد ازاں مکہ مکرمہ ہی میں ۱۴۰۲ھ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

اہم مناصب:

۱۔ آپ ۱۴۰۴ھ میں مسجد حرام میں امام وخطیب متعین ہوئے۔

۲۔ ۱۴۲۱ھ میں ہیئت کبار علماء کے رکن منتخب ہوئے۔

۳۔ آپ رابطہ عالم اسلامی کی مجلس مساجد کے رکن ہیں۔

۴۔ ایک عرصہ تک آپ امورِ حرمین شریفین کے صدر رہے۔

۵۔ آجکل آپ سعودی مجلسِ شوریٰ کے صدر ہیں۔

مؤلفات:

۱۔ وضع الحرج في الشريعة الإسلامية.

۲۔ أدب الخلاف.

۳۔ تلبيس مردود في طريق العزة.

٤۔ أحداث و مواقف في طريق العزة.

٥۔ توجيهات و ذكرى من خطب المسجد الحرام.

٦۔ البيت السعيد و خلاف الزوجين.

۷۔ القدوة، مبادئ و نماذج.

۸۔ مفهوم الحكمة في الدعوة.

۹۔ التوجيه غير المباشر في التربية و تغير السلوك.

۱۰۔ ضابط المثلي و القيمي عند الفقهاء.

۱۱۔ نظرة تأصيلية في الخلاف بين أهل العلم.

⑤ فضیلۃ الشیخ علامہ محمد بن عبداللہ السبیل حفظہ اللہ

نام ونسب، ولادت اور حصولِ تعلیم:

محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز السبیل۔

آپ ۱۳۴۵ھ میں قصیم کے شہر بکیریہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی اور ۱۴ سال کی عمر میں فضیلۃ الشیخ سعدی یاسین سے تجوید و قراءت سیکھی، پھر اپنے برادرِ مکرم فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز السبیل، فضیلۃ الشیخ محمد المقبل اور فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن حمید سے مختلف علوم وفنون کی تکمیل کی۔

اہم خدمات:

۱۔ آپ ۱۳۷۳ھ میں معہد علمی بریدہ کے نگران مقرر ہوئے۔

۲۔ ۱۳۸۵ھ میں مسجد حرام کے امام وخطیب منتخب ہوئے۔

۳۔ ۱۴۱۱ھ میں الرياسة العامة لشؤون الحرمين کے رئیس متعین ہوئے۔

۴۔ ۱۴۱۵ھ میں ہیئت کبار علماء اور عالمی فقہ اکیڈمی کے رکن منتخب ہوئے۔

مؤلفات:

۱۔ ديوان خطب المسجد الحرام.

۲۔ رسالة في بيان حق الراعي و الرعية.

۳۔ حكم الاستعانة بغير المسلمين في الجهاد.

٤۔ رسالة في حد السرقة.

٥۔ رسالة في حكم التجنس بجنسية دولة غير مسلمة.

٦۔ رسالة في الرد على القاديانية.

⑥ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عمر بن محمد السبیل رحمہ اللہ

نام ونسب اور حصول تعلیم:

عمر بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز السبیل۔ آپ نجد کے مشہور قبیلہ بنو زید سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ رمضان ۱۳۷۷ھ میں قصیم کے نزدیک بکیریہ شہر میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے والد محترم فضیلۃ الشیخ علامہ محمد السبیل رحمہ اللہ (امام وخطیب مسجد حرام) کے زیر سایہ پرورش پائی۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز مکہ مکرمہ سے کیا۔ پندرہ سال کی عمر میں حفظ قرآن مکمل کیا۔ بعد ازاں جامعہ امام محمد بن سعود ریاض سے ۱۴۰۲ھ میں گریجویشن کی اور وہیں پر لیکچرار منتخب ہوئے، پھر آپ مکہ مکرمہ منتقل ہوگئے اور جامعہ ام القریٰ میں تدریس کا آغاز کیا، وہیں پر آپ نے ۱۴۰۶ھ میں ایم اے کیا اور ۱۴۱۲ھ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

اساتذہ کرام:

۱۔ علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ السبیل رحمہ اللہ۔

۲۔ علامہ محمد بن عبداللہ السبیل حفظہ اللہ۔

۳۔ فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ۔

۴۔ فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ بن محمد بن حمید رحمہ اللہ۔

۵۔ فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن غدیان۔

۶۔ فضیلۃ الشیخ سعید محمد عبداللہ۔

۷۔ فضیلۃ الشیخ محمد صالح حبیب۔

۸۔ فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ صومالی۔

اہم ذمہ داریاں:

۱۔ آپ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ میں مسجد حرام مکہ مکرمہ میں امام وخطیب متعین ہوئے۔

۲۔ اس کے ساتھ آپ نے مسجد حرام میں تدریس کا آغاز کیا۔

۳۔ آپ نے ملک اور بیرون ملک متعدد ندوات میں شرکت کی۔

۴۔ آپ ۱۴۱۵ھ میں مرکز الدراسات العلیا جامعہ ام القریٰ کے مدیر مقرر ہوئے۔

۵۔ پھر ۱۴۱۷ھ میں کلیۃ الشریعۃ (شریعت کالج) کے عمید (DEAN) منتخب ہوئے۔

مؤلفات:

١ ـ أحكام الطفل اللقيط.

٢ ـ إيضاح الدلائل في الفرق بين المسائل للإمام عبد الرحيم الحنبلي (دراسة و تحقيق)

٣ ـ البصمة الوراثية و مدى مشروعية استخدامها في النسب و الجناية.

٤ ـ حكم الطهارة لمس القرآن الكريم.

٥ ـ من منبر الحرم المكي (مجموعة الخطب)

وفات:

آپ یکم محرم ۱۴۲۳ھ میں ایک ٹریفک حادثہ میں فوت ہوئے اور آپ کی نمازِ جنازہ مسجد حرام میں آپ کے والد محترم فضیلۃ الشیخ علامہ محمد بن عبداللہ السبیل نے پڑھائی۔

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ[1]

''بلا شبہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ ہم اسی کی تعریف کرتے، اسی سے مدد مانگتے اور اسی سے بخشش طلب کرتے ہیں۔ اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے برے اعمال سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ راہ دکھائے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ دھتکار دے اسے کوئی راہ راست پر نہیں لاسکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

''حمد وصلوٰۃ کے بعد! یقیناً تمام باتوں سے بہتر بات اللہ کی کتاب اور تمام طریقوں سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا ہے اور تمام امور میں سے برے کام (دین میں) خود ساختہ (بدعت والے) کام ہیں، ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔''

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ ②

''اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں اس حال میں موت آئے کہ تم مسلمان ہو۔ لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، (پھر) اس سے اس کی بیوی کو بنایا اور (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں اور انہیں (زمین پر) پھیلا دیا۔ اللہ سے ڈرتے رہو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قطع رحمی سے (بچو)۔ یقیناً اللہ تم پر نگران ہے۔ اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرو اور سیدھی (سچی اور کھری) بات کہو۔ اللہ تمہارے اعمال سنوار دے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، یقیناً اس نے عظیم کامیابی حاصل کر لی۔''

① ((مسلم' الجمعة' بابا تخفيف الصلوة و الخطبة' حديث ٨٦٨ و ٨٦٧۔ والنسائی' ٣٢٧٨))

② ((رواه الاربعة واحمد والدارمی و روی البغوی فی شرح السنة مشکوٰة مع تعلیقات الابانی' النکاح' باب اعلان النکاح...... وقال الالبانی حديث صحيح۔))

تنبیہات:

- صحیح مسلم' سنن نسائی اور مسند احمد میں ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیث میں خطبہ کا آغاز ((ان الحمدلله)) سے ہے لہٰذا ((الحمدلله)) کی بجائے ((ان الحمدلله)) کہنا چاہیے۔
- یہاں ((نومن به ونتوكل عليه)) کے الفاظ صحیح احادیث میں موجود نہیں ہیں۔
- یہ خطبہ نکاح' جمعہ اور عام وعظ وارشاد یا درس وتدریس کے موقع پر پڑھا جاتا ہے۔ اسی خطبہ حاجت کہتے ہیں اسے پڑھ کر آدمی اپنی حاجت وضرورت بیان کرے۔

ماہِ محرم
پہلا خطبہ
ہجرتِ نبوی
سے
ماخوذ اسباق
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس حفظہ اللہ
30/3/2001 = 5/1/1422
دوسرا خطبہ
رزقِ حلال
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل حفظہ اللہ
6/4/2001 = 12/1/1422
تیسرا خطبہ
حقیقی فقیری
اور
مفلسی
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر اُسامہ الخیاط حفظہ اللہ
13/4/2001 = 19/1/1422
چوتھا خطبہ
کافروں کے ساتھ مشابہت
کی ممانعت
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ صالح بن حمید حفظہ اللہ
20/4/2001 = 26/1/1422

ہجرتِ نبوی سے ماخوذ اسباق

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

اللہ کے بندو! میں تمھیں اور اپنے آپ کو تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ یہ سب سے زیادہ نفع بخش تجارت، زبردست ہدیہ اور بلند ترین منقبت ہے۔ اسی کی بدولت بلند ترین مناصب اور عظیم ترین مقاصد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

وقت سے عبرت حاصل کریں:

اللہ کے بندو! امت ان دنوں ایک مکمل سال کا آفتاب غروب ہونے کے بعد، جو اپنی خوشیوں اور غموں سمیت گزر گیا، نئے بابرکت ہجری سال کا استقبال کر رہی ہے۔

احباب کرام! کتنی جلدی دن اور راتیں گزر رہی ہیں، ماہ و سال گردش میں ہیں! لیکن وہ شخص صاحبِ توفیق ہے جو اس سے درسِ عبرت حاصل کرتا ہے، نصیحت حاصل کرنے کی غرض سے یا ڈانٹ ڈپٹ سن کر رک جانے والے کی حیثیت سے استفادہ کرتا اور پھر وہ اس گزرگاہِ حیات سے مستقل ٹھکانے کے لیے سامان سفر لے لیتا ہے۔ کیونکہ بالآخر اللہ ہی کی طرف لوٹنا اور اسی کے پاس ٹھکانہ بنانا ہے۔

دانا اور صحیح رائے کا مالک آخرت سے غفلت برتنے سے بچتا ہے، لہٰذا وہ بھولپن میں زندگی نہیں گزارتا کہ اچانک موت کے حملے کا شکار ہو جائے، پھر بعد میں نشانِ عبرت بن جائے!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس سال کو ہر جگہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے نصرتِ ایزدی اور اصلاحِ احوال کا سال بنائے، اور امت اسلامیہ پر بھلائی، مدد اور اقتدار کا سال بن کر لوٹے۔

ہجرت کے اہم اسباق:

برادرانِ اسلام! ہر ہجری سال کے آغاز میں ہجرت کی مناسبت سے گفتگو کرنا، ان عظیم الشان واقعات کو موضوعِ گفتگو بنانا جو تاریخ نے قلمبند کیے ہیں، ایک اہم نقطہ ہے۔ وہ واقعات جن کا اسلامی دنیا میں ایک اپنا مقام ہے اور امت کی عزت و قوت کے سلسلے میں ان کے بڑے دور رس اثرات ہیں، وہ واقعات جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ ہر زمان و مکان میں یہ شریعت دنیا و آخرت کے معاملات میں لوگوں کے مفادات کو حقیقت کا رنگ دینے کی مکمل صلاحیت اور تڑپ رکھتی ہے۔

فرزندانِ اسلام! نئے سال کی ابتدا ہے، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اہم قابلِ ذکر اور باعثِ نصیحت واقعات اور مسائل کی طرف سرسری سے اشارے کرتے جائیں۔ شائد یہ باتیں کتاب وسنت کو مضبوطی اور سنجیدگی سے تھامنے کے لیے لوگوں کو ایک عزمِ نو اور ولولہ تازہ بخش دیں، اور نصیحت آموزی اور عبرت خیزی کا کوئی سامان پیدا کر دیں، امت کو دقیق محاسبے اور مسلسل نظر ثانی کا شعور عطا کر دیں، مختلف مواقف اور نقطۂ ہائے نظر کی تجدید ہو سکے، طریقہ ہائے عمل کی اصلاح کا کوئی پہلو نکل سکے، اور تمام اطراف میں انداز ہائے بودو باش کی درستی ممکن ہو سکے۔

ہم عقیدہ بھائیو! سب سے پہلا اشارہ اس عظیم الشان واقعے کے متعلق ہوگا جس واقعے کو بنیاد بنا کر ہجری سنہ کا آغاز کیا گیا۔ وہ واقعہ جس نے تاریخ کا دھارا بدل دیا۔ وہ واقعہ جو اپنے پہلو میں بہادری، قربانی، خودی، صبر، نصرت، فداکاری، توکل، قوت، بھائی چارے اور اللہ اکیلے پر فخر کے کئی معانی سمیٹے ہوئے ہیں۔ یہ ہجرتِ نبوی ﷺ کا واقعہ ہے، جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نصرت وعزت کا راستہ، اسلام کا جھنڈا بلند کرنے کی راہ، اسلامی مملکت مستحکم کرنے کا راز اور ایمانی تہذیب کا قصر تعمیر کرنے کا وسیلہ بنا دیا ہے۔ اگر اسلام اپنی جائے پیدائش تک ہی محدود رہتا تو کبھی اس کا نور دنیا کے کونے کونے کو منور نہ کر پاتا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اپنی شریعت، کائنات اور مخلوق میں بڑی بالغ نظر حکمت ہے۔

اس عظیم الشان واقعے میں اس قدر روشن نشانیاں، واضح آثار، بالغ نظر اسباق اور عبرتیں ہیں کہ اگر آج امتِ اسلام، جو ایک چوراہے پر کھڑی ہے، ان کا ادراک کر لے اور ان کی روشنی میں عملی اقدام کرے تو یہ اپنی عزت وعظمت اور ہیبت وسطوت کا خواب پورا کر سکتی ہے، اور اس کو علم الیقین ہو جائے کہ اس کی مشکلات کا حل اور حالات کی اصلاح کا راز صرف اسلام و ایمان اور عقیدہ توحید میں پنہاں ہے۔

عزت کا راز؛ اقامتِ دین:

اللہ کی قسم! جس نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، دنیا اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک دین قائم نہ ہو، نہ مسلمان ہی عزت وکرامت اور نصرت واقتدار کے وارث ہو سکتے ہیں جب تک رب العالمین کے سامنے جھک نہ جائیں۔

اس وقت تک امن وسلامتی اور خوشحالی کی نسیم جانفزا نہیں چل سکتی جب تک انبیاء اور پیغمبروں کا دیا ہوا راستہ نہ اپنایا جائے، اگر یہ خواہش حقیقت کا روپ دھار لے، اہل اسلام اور امت اس ماہ کامل کی طرح روشن حقائق کو یاد کر لے اور اپنی واقعاتی زندگی میں ان کو عملی جامہ پہنانے کا تہیہ کر لے تو یہ اس کے ہاتھ میں وہ آتشیں اور کارگر ہتھیار ثابت ہوسکتا ہے جو میدانِ قتال میں کشتوں کے پشتے لگا دے۔ اور یہی وہ مضبوط زرہ ہے جو ان وسیع ترین حملوں اور شدید ترین عالمی کشمکش کے سامنے دیوار بن کر کھڑی ہوسکتی ہے۔

- قوت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جبکہ عزت محض اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے۔

عزت کا سرِ نہاں توحید:

اے امتِ توحید و اتحاد! ہجرت نبویہ سے حاصل ہونے والے اسباق اس حقیقت کی توثیق وتاکید کرتے ہیں کہ امت کی عزت کا راز کلمہ توحید کو عملی زندگی میں اپنانے اور اسی کو بنیاد بنا کر اتحاد کا جامہ پہننے میں مضمر ہے۔ عقیدے کے معاملے میں کسی بھی طرح کی فرقے بندی یا دینی بھائیوں کے معاملے میں کسی بھی طرح کی کوتاہی، افرادی کمزوری، معاشرتی بگاڑ اور امت کی شکست کی صورت میں منتج ہوتی ہے۔

پوری تاریخِ انسانی میں قوموں کی شکست و ریخت کے اسباب پر اگر غور وفکر کیا جائے تو یہی حقیقت منہ اٹھا کر سامنے آتی ہے کہ عقیدے کے معاملے میں کوتاہی اور معنوی مسلمات میں تساہل برتنا، چاہے مادی وسائل کس قدر ترقی کر جائیں، ان اسباب میں سے اہم ترین ہیں۔

ایمانی قوت ہی باعث اطمینان ہے:

ایمانی قوت بھی حیرت ناک بلکہ معجزانہ کام کروا دیتی ہے۔ یہ ایک مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ پر سچے اعتماد اور اس پر بھروسہ کرنے کا بیج بو دیتی ہے، خصوصاً مشکل ترین حالات میں یہ اعتماد اور اطمینان مزید بڑھ جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار کے باہر مشرکوں کے قدموں کی چاپ سن رہے تھے اور اپنی نظر

ان کے پاؤں کے پیچھے پیچھے لگا رہے تھے اور کہنے لگے:

«یا رسول اللّٰہ، لو نظر أحدھم إلی موضع قدمیه لأبصرنا»

''اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر ان میں کوئی اپنے قدم رکھنے کی جگہ پر جھانک لے تو ہمیں دیکھ لے گا۔''

رسول کریم ﷺ نے جو جواب دیا وہ اللہ تعالیٰ کی مدد پر پختہ یقین کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ فرمایا:

«یا أبا بکر ما ظنك باثنین اللّٰہ ثالثھما؟»[1]

''ابوبکر! ان دو کے بارے میں تمھارا کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہے؟''

اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہے؟ پھر اپنے اولیاء کی کہاں کہاں تک مدد کر دیتا ہے؟ یہاں امت کے مبلغین اور اصلاح پسند افراد کے لیے اہم سبق پنہاں ہے کہ اندھیرا، خواہ کتنا ہی گہرہ اور کثیف ہو جائے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ لامحالہ آنے والا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿حَتّٰٓی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ﴾ [یوسف: ۱۱۰]

''یہاں تک کہ جب رسول بالکل ناامید ہو گئے اور انھوں نے گمان کیا کہ بے شک ان سے یقیناً جھوٹ کہا گیا تھا تو ان کے پاس ہماری مدد آ گئی، پھر جسے ہم چاہتے تھے وہ بچا لیا گیا اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے ہٹایا نہیں جاتا۔''

عقیدہ توحید؛ ایک مضبوط ترین بندھن:

ہجرت نبویہ کے اسباق میں سے ایک یہ سبق بھی ملتا ہے کہ عقیدہ توحید ہی وہ بندھن اور تعلق ہے جس کے سامنے قومیت پرستی، قبائلی امتیازات اور گروہی تعلقات ماند پڑ جاتے ہیں۔ امت کی بزرگی اور عظمت کا استحقاق اس کے عقیدے کی طرف نسبت اور مبادیات کے ساتھ گہرے تعلق کا مرہون منت ہے۔

اہل اسلام! یہ باتیں اس زمانے میں کہی جا رہی ہیں جب امت میں شکست خوردہ اور کم ہمت افراد کی بہتات ہو چکی ہے، ملحدانہ افکار کے طوفان اٹھ رہے ہیں، ہم عصر جھوٹے اور جعلی اصول و

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۳٤٥۳) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۳۸۱)

مبادیات، خود ساختہ شعارات اور گمراہ کن آوازیں بلند کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے یہ نعرے بلند کر کے ذلت، رسوائی، اہانت، بدبختی، تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں کمایا۔ اعتقادات میں خواہش پرستی، سیاست میں مذاہب بندی اور اقتصادیات وسماجیات میں مسالک سازی، ان سب کا نتیجہ کیا نکلا؟ رسوا کن پسماندگی اور قابل نفرت طوائف الملو کی!

اس عیب ناک واقعاتی صورتحال کے طوفان میں ہمارا حق بنتا ہے کہ افسوس اور رنجیدگی کے لہجے میں یہ سوال کریں: توحید اور اتحاد کا درس دینے والے ہجرت کے اسباق کہاں ہیں؟ موجودہ حقوق انسانی کے جھوٹے اور کھوکھلے نعروں میں مہاجرین وانصار کی اخوت کہاں گم ہوگئی ہے؟

دین اسلام؛ حقوقِ انسانیت کا ضامن:

میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: ذرا بتاؤ! اس دین قیم کے سوا کون سا نظام ہے جو انسانی حقوق کی حفاظت وکفالت اور انسان کا احترام اس سے بڑھ کر سکھاتا ہے؟

اگر انسانی حقوق کی یہ عالمی تنظیمیں صدق دل اور اصول پسندی سے حقیقت کا کھوج لگانا چاہتی ہیں تو ان حقائق کا بآواز بلند اعلان کریں اور اسلام، اہل اسلام اور بلاد اسلام کے خلاف افواہوں کو ایک طرف پھینک دیں۔ یہ قربانی، فیاضی، فدا کاری، انسانی عزت کا خیال اور اس کی آزادی اور حقوق کی حفاظت کی ایک چھوٹی سی جھلک ہے جو ہجرت نبوی سے ماخوذ ہے۔

مسلمانوں کا درد محسوس کریں:

برادرانِ اسلام! یہ جھلک ہم کو یہ دعوت دیتی ہے کہ ہم دنیا کے کونے کونے میں بکھرے ہوئے اپنے ہم عقیدہ بھائیوں کے حالات بھی یاد کریں، جن پر مصیبتوں، آفتوں اور پریشانیوں کے پہاڑ ٹوٹے ہوئے ہیں۔ نبوتوں کی سرزمین، تہذیبوں کی گود، رسالتوں کے گھر اور معجزات کے بلاد، فلسطین کی سرزمین مقدس اور مجاہدین سر بکف سے بھی ذرا سوال کر کے دیکھو۔ اے ارض مقدسہ! تم یہودی تکبر اور رعونت خیز صیہونی کینے کا کس طرح سامنا کر رہے ہو؟

چیچنیا اور کشمیر وغیرہ کے المناک حالات کا بھی ذرا جائزہ لو، شاید ہجرت کے یہ اسباق سوئی ہوئی غیرت کو ہلا دیں، کوئی عزمِ نو، کوئی ولولہ تازہ پیدا کر دیں کیونکہ اللہ کے لیے تو یہ مشکل نہیں۔

نوجوانوں اور اہل خانہ کا کردار:

برادرانِ ایمان! نوجوانوں، مردوں اور عورتوں کی تربیت اور گھر اور خاندان کے میدان میں بھی ہجرت نبوی کا گہرا اثر ہویدا ہوتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کی خدمت ونصرت کے معاملے میں حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کا کردار دعوت میں نوجوانوں کے اثر اور دین وملت کی تائید میں ان کے کردار پر روشنی ڈالتا ہے۔ کتنا فرق ہے اس کردار میں اور اس آواز میں جو امت کی تہذیب وثقافت سے خار کھانے والے، نوجوانوں کو شہوت پرستی، سیٹلائٹ چینلز اور انٹرنیٹ کی گندگی کی چاٹ لگانے کی خاطر بلند کر رہے ہیں، جبکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تیز رفتار تبدیلیوں اور رسوا کن عالمگیریت کے دعووں کے سامنے ان کو دین، اخلاق اور اقدار پر ثابت قدم رہنے کے لیے تیار کیا جائے۔

مسلمان عورت کا کردار:

بھائیو اور بہنو! حضرت اسماء بنت ابی بکر (اللہ تعالیٰ ان سے اور آل ابوبکر سے راضی ہو) کا موقف دین اور دعوت دین کی خدمت میں مسلمان عورت کے کردار پر روشنی ڈالتا ہے۔ کہاں یہ حقیقت اور کہاں اس ناپختہ تمدن کے داعیوں کی دعوت؟ جو اپنے تمام لاؤلشکر سمیت عورت کو ''ہدف اصلاح'' بنائے ہوئے ہیں۔ کتنا جھوٹا ان کا گمان ہے کہ عورت اگر اپنے عقیدے اور اقدار کے ساتھ چمٹی رہے، اپنے حجاب اور عفت پر فخر کرے تو اس کی آزادی سلب ہوجائے گی، اس کے پاؤں میں قدامت پسندی کی بیڑیاں لگ جائیں گی اور اس کی شخصیت مسخ ہوجائے گی۔ کتنا برا ان کا گمان ہے؟!

بیچاری عورت اس وہمی خیالی خوشی اور ترقی کی طلب میں گھر سے نکلی اور اسے گلیوں، بازاروں، سڑکوں، کلبوں اور کارخانوں میں تلاش کرنے لگی لیکن جب واپس آئی تو شرافت لٹوا آئی، عزت کی چادر میلی کروا آئی، حقوق غصب کروا آئی، حیا گم کر آئی اور غیرت زندہ درگور کر چکی!

یہ ہے ماڈرن زمانے کی کم عقل آزادی اور بزعم خویش انسانی تمدن کی ایک جھلک! لہٰذا سراب کے دھوکے میں آنے والوں اور خوابوں کا شکار کرنے والوں کو اس حقیقت کا بھی علم ہونا چاہیے۔

اپنے اسلامی تشخص پر فخر کریں:

احبابِ کرام! ہجرت نبوی کے واقعے میں ایک اور اشارہ بھی ہے جو ایک اہم مسئلے کے متعلق ہے۔ یہ اشارہ واضح انداز میں یہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ امت کو اپنے اسلامی تشخص پر فخر کرنا

چاہیے اور ساری دنیا کے سامنے اپنے ممتاز منہج اور طریقہ عمل کے استقلال کو ثابت کرنا چاہیے۔ یہ وہ منہج ہے جو امت کے عقیدے، تاریخ اور تہذیب سے ماخوذ ہے۔ یہ وہ اسلامی مسئلہ اور سنت عمری ہے جس پر تمام مسلمانوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اجماع کیا تھا کہ سنہ کا آغاز اور وقت بندی کی ابتدا ہجرت نبوی ﷺ کے سال سے ہونی چاہیے۔ اس فیصلے کا کتنا عظیم مقصد تھا؟ آج امت کو اس امر کی ضرورت ہے کہ وہ اس مقصد کو یاد کرے اور اس کے مطابق عمل کرے۔ ایسا ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ آج کچھ فرزندانِ امت اپنی تاریخوں اور خوشیوں کے مواقع میں غیروں کی تقلید اور مشابہت اختیار کرنے کے فتنے میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اسلام کی عزت کہاں چلی گئی؟! مسلمان کا تشخص کہاں کھو گیا؟ کیا زندگی کی ترغیبات اور لذتوں کے ہجوم میں یہ بھی اِدھر اُدھر ہو گیا؟

ان لوگوں کی خدمت میں، جو اپنے مسلّمہ عقائد و اقدار سے اجنبی ہو گئے، جنھوں نے اپنی شناخت مسخ کر دی، جنھوں نے اپنی امت کا حافظہ ضائع کرنے کی کوشش کی، جو قابلِ مذمت انداز میں اپنے دشمن کے سامنے معذرت خواہانہ انداز اپنائے ہوئے ہیں، ان کی خدمت میں یہ محبت اور شفقت بھری مگر دردمندانہ گزارش ہے کہ ٹھہر جاؤ، رک جاؤ، ہم تو وہ امت ہیں جو عظمتوں کی مالک ہے، جو امت اصیل ہے، جس کی اپنی تاریخ، تہذیب اور امتیازی منہج ہے جو قرآن و سنت کے چشمہ صافی سے پھوٹتا ہے۔ لہٰذا عقیدے، اخلاق و اقدار اور تاریخ کسی چیز پر کوئی سودے بازی قبول نہیں، ہمیں غیر کی تقلید کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ حقیقت میں اغیار کو اس چیز کی ضرورت ہے کہ وہ ہماری اصالت اور تہذیب سے مستفید ہوں لیکن بعض مسلمان، تقلید، دست نگری، داخلی شکست اور اندھی مشابہت میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔ اللہ انھیں ہدایت دے!

رسول کریم ﷺ نے اپنی امت کو اس سے ڈرایا ہے۔ فرمایا:

((من تشبه بقوم فهو منهم)) [1]

''جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی وہ انھی میں سے ہے۔''

اللہ اپنے دوستوں کی مدد کرتا ہے:

برادرانِ اسلام! اس ماہ محرم میں رونما ہونے والے عظیم ترین واقعے میں تیسرا اشارہ اللہ

[1] صحيح. سنن أبي داود (٤٠٣١)

تعالیٰ کی اپنے اولیاء کی مدد اور ان کے دشمنوں سے انتقام لینے کے متعلق ہے۔ یہ دشمن چاہے جتنے زیادہ سرکش ہو جائیں۔ یہ ایک پرانا قصہ ہے جو ہر زمانے اور علاقے میں نیا لباس زیب تن کیے ظاہر ہو جاتا ہے اور شراب کہن در جام نو کی یاد تازہ کرتا ہے۔ یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کے سرکش دشمن فرعون کو ہلاک کر کے فتح نصیب فرمائی۔ یہ واقعہ داعیان دین کے لیے کتنے زیادہ اسباق، دروس اور عبرتیں رکھتا ہے؟ مکر و فریب، ظلم و تعدی اور تسلط، خواہ کتنا بڑھ جائے، اللہ تعالیٰ کی نصرت بہر حال قریب ہے۔

فرعون کی راہ پر چلنے والے اللہ اور اس کے رسول کے ہر دشمن کے لیے سامانِ عبرت ہے کہ جلد یا بدیر اللہ تعالیٰ ہر حال میں سرکش ظالموں سے انتقام لینے والا ہے۔ ہجرت کا دن اور یومِ عاشوراء یہ دونوں ہی ابدی نصرت کے دن ہیں۔ لہٰذا اہلِ حق اور داعیانِ صدق کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، انجام کار کامیابی متقین ہی کے حصے میں آئے گی۔ اس لیے اس سے پہلے کہ وقت گزر جائے اہل باطل اور داعیانِ دروغ ہوش کے ناخن لے لیں۔ إن في ذلك لعبرة لمن يخشى. إن ربك لبالمرصاد.

واقعات میں عبرت ہوتی ہے اور تاریخ میں خیر۔ آیات میں انذار اور ڈراوا ہوتا ہے اور قصوں اور خبروں میں نصیحت کی گولی ہوتی ہے یا ڈانٹ کا کوڑا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ [یوسف: ۱۱۱]

”بلاشبہ یقیناً ان کے بیان میں عقلوں والوں کے لیے ہمیشہ سے ایک عبرت ہے۔ یہ ہرگز ایسی بات نہیں جو گھڑ لی جائے اور لیکن اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔“

برادرانِ اسلام! سال کے پہلے مہینے ماہ محرم کی طرف چوتھا اشارہ ہے۔ یہ ایک عظیم ترین مہینہ ہے جو بلند مقام کا مالک اور زمانہ قدیم ہی سے حرمت کا مہینہ اور سال کا ابتدائیہ ہے۔ اس حرمت والے مہینے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون اور اس کے گروہ پر فتح

دی۔ اس مہینے کی یہ فضیلت ہے کہ اس میں اعمال صالحہ کا بہت بلند مقام ہے، خصوصاً روزے کا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أفضل الصيام بعد رمضان شهر الله المحرم؟))[1]

''رمضان کے بعد بہترین روزے محرم کے روزے ہیں، فرض نماز کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے۔''

اس مہینے کا بہترین دن یوم عاشوراء (دس محرم) ہے۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: اس دن کی کیا شان ہے کہ تم اس میں روزہ رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا: یہ وہ عظیم دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو نجات دی، اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بطور شکریہ یہ روزہ رکھا، لہٰذا ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کی نجات کا شکریہ ادا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا۔[2]

صحیح مسلم میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوم عاشوراء کے روزے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ سے یہ امید ہے کہ وہ اسے اس سے پہلے ایک سال کا کفارہ بنا دے۔[3]

اللہ اکبر! کتنی عظیم فضیلت ہے۔ ایک حرمان نصیب ہی اس سے محروم ہو سکتا ہے!

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ ظاہر کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی مخالفت کرتے ہوئے اس سے ایک دن پہلے کا روزہ بھی رکھیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لإن بقيت إلى قابل لأصومن التاسع))[4]

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٦٣)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٩٠٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٣٠)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٦٢)

[4] صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٣٤)

''اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو نو (۹) محرم کا روزہ ضرور رکھوں گا۔''

اس لیے مسلمانوں کے لیے مستحب ہے کہ وہ انبیاء کرام کی سنت کی اقتداء کرتے ہوئے اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے اس دن روزہ رکھیں اور یہودیوں کی مخالفت کی غرض سے اس سے ایک دن پہلے یا بعد میں بھی روزہ رکھیں تاکہ رسول کریم ﷺ کی مقرر کردہ سنت پر عمل ہو سکے۔

سبحان اللہ! تھوڑا سا عمل ہے لیکن اس کا اجر و ثواب کتنا بڑا ہے؟

برادرانِ ایمان! یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کی ایک صورت ہے، اس سال کا افتتاح افضل عمل کے ساتھ کریں، جس کے ثواب کی بھرپور امید ہے۔

ایک دانا، ہوشمند اور دور اندیش آدمی اچھی طرح سمجھتا ہے کہ یہ ایک بڑا بہتر فائدہ ہے، اس کے نامہ اعمال کے سر پر اس کا تاج ہونا چاہیے۔ کامیابی ہمت مند آدمی ہی کا مقدر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و احسان سے ہم سب کو ان کی صف میں شامل کر دے۔

رزقِ حلال

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اے اہلِ اسلام! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے، اس کا تقویٰ مومنوں کا شعار اور متقین کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تمام لوگوں کو نصیحت ہے، لہٰذا ہر کام میں جو تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

رزقِ حلال قبولیتِ اعمال کی اولین شرط:

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ نے مال کی محبت اور اسے حاصل کرنے کی حرص انسانی جبلت میں ودیعت کر دی ہے، کیونکہ لوگوں کی زندگی کا دارومدار، معیشت کا انتظام اور مفادات کی تکمیل اسی پر موقوف ہے۔

شریعت حنیفیہ نے مال حاصل کرنے اور کمانے کی بہت زیادہ ترغیب دلائی ہے، کیونکہ یہ نیک مقاصد اور جائز اغراض تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے۔ دینِ اسلام نے اس کے ایسے اصول اور ضوابط مقرر کر دیے ہیں جو نہایت واضح ہیں اور ان سے تجاوز کرنا جائز نہیں، تاکہ افراد اور معاشرے کے لیے بہترین مفادات حاصل ہو سکیں۔

شریعت نے ہر مسلمان پر یہ واجب قرار دیا ہے کہ وہ دولت کمانے اور مال حاصل کرنے کے وہ ذرائع اپنائے جو جائز اور حلال ہیں تاکہ آدمی دوسروں سے مانگنے اور مخلوق کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے بچ جائے۔ رزق کی طلب نہ صرف مومن کی آبرو اور مسلمان کی عزت ہے بلکہ عزتیں محفوظ کرنے اور شرافت بچانے کا اہم ذریعہ بھی ہے۔ اس کے ساتھ آدمی بہت سارے نیک اعمال میں مدد حاصل کرتا ہے، بنا بریں اچھا مال نیک آدمی کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔

صحابی رسول حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((يا حبذا المال! أصون به عرضي وأرضي به ربي))

''کتنا اچھا ہے وہ مال جس کے ساتھ میں اپنی عزت کی حفاظت کرتا ہوں اور اپنے رب کو

راضی کرتا ہوں۔"

پاکیزہ کمائی اور حلال مال دل کو منور کرتا ہے، سینہ فراخ کرتا ہے، اطمینان وسکون اور خشیتِ الٰہی کا وارث بناتا ہے اور اعضاءِ بدن کی عبادت وفرمانبرداری میں مدد کرتا ہے، بلکہ یہ عمل صالح اور دعا کی قبولیت کا ایک اہم سبب ہے۔ جبکہ گندی اور حرام کمائی آدمی کے لیے نحوست اور مصیبت ہوتی ہے، اس کی وجہ سے اس کا دل سخت ہوجاتا ہے، ایمان کی روشنی بجھ جاتی ہے، اللہ کا غضب اتر آتا ہے، اور دعا قبول نہیں ہوتی۔

حرام مال کی جڑیں بڑی گندی ہوتی ہیں۔ اس سے برکت اٹھ جاتی ہے، اگر آدمی اسے نیکی میں صرف کرے تو اسے اس کا اجر نہیں ملتا، اگر کسی مفید کام میں خرچ کرے کوئی اس کا شکریہ ادا نہیں کرتا، بلکہ وہ اس گناہ کا بوجھ اٹھاتا ہے جس پر اس کو سزا دی جائے گی۔

کسی دانشور کا کہنا ہے:

"بدترین ہے وہ مال جس کی کمائی کا گناہ تیرے سر ہو اور تو اسے خرچ کرنے کے اجر سے محروم ہو۔"

طبرانی میں حدیث ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے وہ مجھے مستجاب الدعوات بنا دے (یعنی میں جو دعا کروں وہ قبول ہوجائے) نبی کریم ﷺ نے ان سے کہا: اے سعد! اپنا کھانا پاک کر تو مستجاب الدعوات ہوجائے گا۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، آدمی اپنے پیٹ میں حرام کا ایک لقمہ ڈال لے تو چالیس دن تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا اور جس بندے کا گوشت حرام اور سود سے پرورش پائے تو آگ ہی اس کا صحیح ٹھکانہ ہے۔"[1]

صحیح مسلم میں ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کا ذکر کیا جو لمبا سفر طے کرتا ہے، اس کے بال پراگندہ

[1] **ضعیف جدا.** المعجم الأوسط للطبراني (۲/ ۳۱) اس کی سند میں ایک سے زیادہ راوی ضعیف ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: مجمع الزوائد (۱۰۱۸۱) السلسلة الضعیفة، رقم الحدیث (۱۸۱۲) البتہ یہ الفاظ جو گوشت حرام غذا سے پرورش پاتا ہے تو وہ آگ ہی کے لائق ہے۔ صحیح حدیث میں موجود ہے۔

ہیں اور چہرہ غبار آلود۔ وہ آسمان کی طرف دونوں ہاتھ پھیلائے یارب، یارب کی پکار لگا رہا ہے، درآں حالیکہ اس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام اور وہ بذات خود حرام سے پروردہ، تو اس کی دعا کس طرح قبول ہوگی؟'' [1]

یہ آدمی عاجزی، مسکینی، ضرورت اور فاقہ کی تمام صفات ہاتھ میں لے کر اللہ کے حضور پیش ہوا، اس کی حالت اتنی خستہ اور اس کی ضرورت اتنی شدید تھی کہ اس کا مرثیہ پڑھنے کو دل کرتا ہے لیکن اس نے اپنے رب کے ساتھ اپنا تعلق منقطع کر لیا تھا اور اپنے آپ کو اللہ کے فضل اور مدد سے محروم کر ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قطع تعلقی قبولیتِ دعا کے آڑے آ گئی، کیونکہ اس نے کھانے، پینے اور پہننے میں حرام استعمال کیا۔ جب آدمی کا اللہ سے تعلق منقطع ہو جائے، اس کی دعا مردود ہو جائے، اس کے درمیان اور رحمتِ الٰہی کے درمیان پردہ حائل ہو جائے تو پھر اس کے پاس کیا رہ جاتا ہے؟

اس لیے سلف صالحین حرام سے حد درجہ خوف کھایا کرتے تھے اور اس سے ڈرانے میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے تھے، حتی کہ کسی نے کہا ہے:

''اگر تم ستون کی طرح کھڑے ہو کر عبادت بھی کر لو تو تمھیں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا جب تک تم یہ نہ دیکھو کہ تیرے پیٹ میں کیا داخل ہو رہا ہے؟'' [2]

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا، وہ ایک دن ان کے پاس کوئی چیز لے کر آیا، انھوں نے اس سے کچھ کھا لیا۔ غلام نے کہا: کیا آپ کو پتہ ہے یہ کیا ہے؟ آپ نے پوچھا: کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے جاہلیت میں ایک انسان کے لیے کہانت کی، حالانکہ مجھے اچھی طرح کہانت نہیں آتی مگر میں نے اس کو دھوکا دیا، وہ آج مجھے ملا اور اس نے مجھے یہ کھانا دیا جس سے آپ نے کھایا ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ پیٹ میں ڈالا اور پیٹ میں جو کچھ تھا قے کر دیا۔'' [3]

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰۱۵)

[2] حلیة الأولیاء (۸/ ۱۵٤) یہ امام وہیب بن ورد کا قول ہے۔

[3] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۳٦۲۹)

ایک روایت میں ہے:

''اگر اس کو نکالتے نکالتے میری جان بھی چلی جاتی تو میں اسے بھی نکال دیتا۔ اے اللہ! میں بری ہوں جو رگوں نے اٹھایا اور آنتڑیوں کے ساتھ خلط ملط ہو گیا۔''[1]

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دودھ پیا جو آپ کو بہت زیادہ پسند آیا۔ آپ نے پلانے والے سے پوچھا: یہ کہاں سے لائے ہو؟ اس نے کہا: میں صدقے کے اونٹوں کے پاس سے گزرا جو گھاٹ پر پانی پی رہے تھے تو میں نے ان کا دودھ دوہ لیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ منہ میں ڈالا اور قے کر دی۔[2]

ایک نیک عورت نے اپنے خاوند کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

''اے اللہ کے بندے! ہمارے رزق کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر جا کیونکہ ہم بھوک تو برداشت کر سکتے ہیں لیکن آگ نہیں!''

کتنی عجیب بات ہے کہ کچھ لوگ بیماری کے ڈر سے تو حلال سے بچتے ہیں لیکن آگ کے ڈر سے حرام سے نہیں بچتے! یہ اس لیے کہ دل سخت ہو چکے ہیں، لوگوں پر غفلت چھا چکی ہے، ایمان کمزور ہو چکا ہے اور دین میں بصیرت کی بہت زیادہ کمی واقع ہو چکی ہے۔

حرام کمائی کے معاشرتی اثرات:

اللہ کے بندو! حرام کمائی فرد اور معاشرے دونوں پر بہت برے اثر ڈالتی ہے۔ یہ دینداری اور بصیرت ختم کر دیتی ہے، روزی سے برکت مٹا دیتی ہے، اور مصیبتوں، آفتوں، زبردست مالی بحرانوں، بے روزگاری، بغض، دشمنی اور عداوت کو جنم دیتی ہے۔

کتنے دکھ کی بات ہے کہ کچھ لوگ حرام کمائی سے بالکل پرہیز نہیں کرتے بلکہ جس طریقے اور وسیلے سے بھی ممکن ہو اسے حاصل کرتے ہیں۔ ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ مال و دولت کے ڈھیر اکٹھے کر لیں، اثاثوں کے انبار لگ جائیں۔ ان کے نزدیک وہ سب حلال ہے جسے حاصل کر سکیں اور وہ سب حرام ہے جسے حاصل کرنے سے عاجز آ جائیں۔ اس کی طلب میں وہ ہر غلط اور مشکوک راہ پر

---

[1] حلية الأولياء (١/ ٣١)

[2] **ضعيف.** موطأ الإمام مالك (٢/ ٣٧٩) رقم الحديث (٩٢٤) اس کی سند منقطع ہے۔

چلنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں بلکہ حرام، گندی، خبیث کمائی اور حرام طریقے سے مال پر قبضہ جمانے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتے اور علی الاعلان اس کا اظہار کرتے پھرتے ہیں۔

افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ مسلم معاشروں میں یہ قبیح چیز اور قابل نفرت طریقہ کار روز بروز عام ہوتا جا رہا ہے۔ سود خوری، رشوت ستانی، چوری چکاری، لوٹ مار، حرام اشیا جیسے: شراب فروشی، نشے کا کاروبار، موسیقی اور سامان لہو ولعب کی تجارت، ماپ تول میں کمی، خرید وفروخت اور معاملات میں فراڈ اور دھوکا دہی، جھوٹی قسمیں کھا کر سودا بیچنا، یتیموں اور بے کسوں کا مال ہڑپ کر جانا، مختلف طریقوں اور حیلوں سے لوگوں کے اموال، حقوق اور جائیداد پر قبضہ جما لینا، نہ اللہ کا خوف کھانا نہ بندوں سے کچھ شرم کرنا۔ یہ وہ عام بیماریاں ہیں جو جونک کی طرح مسلم معاشروں کو لگ چکی ہیں، ان کا خون چوس رہی ہیں اور دیمک کی طرح انھیں آہستہ آہستہ کھا رہی ہیں۔ جب ضمیر مردہ ہو جائے اور مروت اور اخلاقیات اپنا بستر سمیٹ لے تب یہ لالچ، حرص وطمع اور تکبر کی تمام مکروہ شکلیں اپنے خون آشام پنجے نکالے معاشرے کو کھانے کے لیے چاروں طرف سے حملہ آور ہو جاتی ہیں۔ شائد اس زمانے پر وہ حدیث نبوی صادق آتی ہو کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی قطعاً پرواہ نہیں کرے گا کہ حلال سے لے رہا ہے یا حرام سے!''[1]

حرام خوری پر وعید:

ایسے لوگ ان ڈرانے والی قرآنی آیات اور احادیث نبویہ سے کتنی دور ہیں جو حرام خوری اور اس کے انجام بد پر خبردار کرتی ہیں؟ کیا یہ کوئی نصیحت، عبرت یا ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش قبول نہیں کرتے؟

اللہ تعالیٰ سود پر خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرة: ٢٧٨]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو باقی ہے چھوڑ دو، اگر تم

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٩٥٤)

مومن ہو۔"

یتیموں کا ناحق مال کھانے والوں کا بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴾ [النساء: ١٠]

"بے شک جو لوگ یتیموں کے اموال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں کھاتے اور عنقریب وہ بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے۔"

ماپ تول میں کمی کرنے والوں کو ڈراتے ہوئے اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴾ [المطففين: ١۔٤]

"بڑی ہلاکت ہے ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔ وہ لوگ کہ جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب انھیں ماپ کر، انھیں تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ یقین نہیں رکھتے کہ بے شک وہ اٹھائے جانے والے ہیں؟"

حضرت ابو امامہ حارثی بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس نے اپنی قسم کے ساتھ کسی مسلمان آدمی کا حق مارا، اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے آگ واجب قرار دے دی اور جنت حرام کر دی۔"

ایک آدمی نے کہا: چاہے تھوڑی سی چیز ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"چاہے پیلو کی ایک ٹہنی ہی ہو!" ❶

حضرت عدی بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا:

"جس کو ہم نے کسی کام پر ذمے دار مقرر کیا، پھر اس نے ایک دھاگا بھی چھپایا تو یہ وہ خیانت ہوگی جسے وہ لے کر روزِ قیامت حاضر ہوگا۔" ❷

---

❶ صحيح مسلم، رقم الحديث (١٣٧)

❷ صحيح مسلم، رقم الحديث (١٨٣٣)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ مَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ [آل عمران: ١٦١]

''اور جو خیانت کرے گا قیامت کے دن لے کر آئے گا جو اس نے خیانت کی، پھر ہر شخص کو پورا دیا جائے گا جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

مشکوک رزق کا ترک کرنا موجبِ سعادت ہے:

اللہ کے بندو! یہ ذہن نشین رہے کہ بندے کی کامیابی، سعادت اور توفیق کی یہ علامت ہے کہ وہ خبیث رزق اور ناجائز کاروبار سے رک جائے۔ جو مشکوک ہو اسے بھی چھوڑ دے تاکہ اپنے دین اور عزت کو محفوظ کر سکے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:

''جو مشکوک کاموں سے بچ گیا تو اس نے اپنا دین اور عزت بچا لی۔''[1]

جامع ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

آدمی اس وقت تک متقین کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اس کو بھی نہ چھوڑ دے جس میں کوئی حرج نہ ہو، تاکہ جس میں کوئی حرج ہو اس سے بھی بچ جائے۔''[2]

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے:

''تقویٰ تب تک متقین کے ساتھ رہا جب تک انھوں نے بہت ساری حلال چیزوں کو بھی اس خوف سے چھوڑے رکھا کہ کہیں یہ حرام نہ ہوں۔''[3]

بندگانِ رحمٰن! یہ بھی یاد رکھو کہ مشکوک کاموں اور مشتبہ چیزوں کی وجہ سے دل مضطرب رہتا ہے اور وہ ہر وقت شک اور یقین کے دوراہے پر کھڑا رہتا ہے، جبکہ پرہیزگار آدمی مشکوک معاملات میں توقف کرتا ہے، جس پر دل مطمئن ہو اسے اپنا لیتا ہے اور جس پر دل مطمئن نہ ہو اسے چھوڑ دیتا ہے۔ یہی صالحین کا مذہب اور متقین کا مسلک ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٥٩٩)

[2] ضعيف. سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٤٥١) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤٢١٥)

[3] جامع العلوم والحكم لابن رجب (١/ ٧٤)

اے اہلِ ایمان! تقویٰ اختیار کرو اور اپنے کھانے، پینے اور تمام معاملات میں پاکیزگی اختیار کرو۔

﴿ وَ اتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ [البقرة: ۲۸۱]

''اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو پورا دیا جائے جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

حقیقی فقیری اور مفلسی

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر اُسامہ خیاط ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اے اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بے شک بندہ اتنی دیر تک خیر کے ساتھ رہتا ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے، اپنے آقا کی طرف متوجہ رہے، اپنے نفس اور خواہش کی مخالفت کرے اور اپنی دنیا سے سامانِ آخرت پیدا کرے۔

اعمال کی حفاظت اموال کی حفاظت سے زیادہ اہم ہے:

اے مسلمانو! دور اندیش نظر، بیدار مغز، باشعور بصیرت اور فعال ہوشمندی یہ وہ ساری چیزیں ہیں جنھیں عقلمند افراد تمناؤں کے حصول، آرزوؤں کے ادراک، مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے اور دنیا وآخرت میں نیک بختی پانے کے لیے بطور وسیلہ استعمال کرتے ہیں۔ آپ انھیں دیکھتے ہیں کہ وہ اس مقصد کی خاطر ہر راستے کی بادیہ پیمائی کرتے ہیں اور اچھی اور بری کے درمیان تمیز، اور جھاگ اور نیچے رہ جانے والی مفید اشیا کے درمیان فرق کرنے کے لیے ہر وسیلہ استعمال کرتے ہیں۔

آپ انھیں پائیں گے کہ یہ قوتِ محرکہ، شدتِ رغبت اور کمالِ طلب کے باوجود ایک ایسی زود حسی، ڈر اور خدشے کا شکار رہتے ہیں جس کی وجہ سے انھیں ہمیشہ یہ خوف رہتا ہے کہ انھوں نے جو مضبوط عمارت تعمیر کی ہے اس میں کہیں کوئی دراڑ واقع نہ ہو جائے یا ایسے سوراخ پیدا نہ ہو جائیں جو ان کے ذخیرہ کردہ اعمال کے خزانوں اور باقی رہنے والے نیک افعال کے ذخیروں میں کسی قسم کی کمی یا نقب زنی کا سبب بن جائیں کیونکہ انھوں نے یہ نیک اعمال بڑے قیمتی ایام اور بہترین اوقات صرف کر کے حاصل کیے ہیں۔ وہ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ تھوڑے کا جانا زیادہ جانے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ چھوٹے کاموں میں لاپرواہی کرنا بڑے بڑے کاموں میں کوتاہی برتنے کا باعث ہوتا ہے، اور صغیرہ گناہوں کو حقیر سمجھنا کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہونے کا سبب بن جاتا ہے، خصوصاً جب معاملات کو ہلکا سمجھا جائے، ان کے اسباب مستقل موجود رہیں، ان کی اصل باقی رہے اور فرق مٹانے، کمی پوری کرنے اور نادرست کو درست کرنے میں غیر ذمے داری کا مظاہرہ کیا جائے۔

جس طرح یہ عقلمند حضرات اپنے اعمال کی حفاظت کے سلسلے میں بڑے محتاط ہوتے ہیں بالکل

ایسے ہی وہ لوگ بھی بڑے محتاط ہوتے ہیں جن کے پاس سونے چاندی کے ڈھیر، بہترین گھوڑے مویشی اور بڑے بڑے فارم ہاؤس ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ان مادی ذخائر کو اکٹھا کرنے اور مالی بیلنس کو بڑھانے کے لیے اپنی زندگیاں صرف کر دیتے ہیں اور خون پسینہ ایک کر دیتے ہیں تاکہ یہ مال بوقت ضرورت ان کے کام آ سکے اور انھیں حادثاتِ زمانہ کی دست برد سے محفوظ رکھے۔ اس لیے یہ لوگ اس مال کو محفوظ کرنے کی خاطر اور اس میں اضافہ کرنے کے لیے اس سے سرمایہ کاری کرتے ہیں اور اسے ضائع اور فنا کرنے سے ہمیشہ محتاط رہتے ہیں۔

ان بیدار مغز لوگوں کو چاہیے کہ وہ نبی پاک ﷺ کے قدموں کے پیچھے چلتے ہوئے، آپ کی سیرت کو اپناتے ہوئے، جو حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے، اس درست طریقے اور صراط مستقیم پر گامزن ہوں جس کے واضح خطوط ایک عظیم الشان حدیث میں بیان کیے گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس حدیث میں گفتگو کا آغاز سوالیہ انداز اپنا کر کیا ہے کیونکہ سوالیہ انداز اپنانے کا ایک یہ فائدہ ہوتا ہے کہ انسان مکمل دھیان سے بات سنتا ہے، اس کا ذہن تیز ہو جاتا ہے، دل میں بات بیٹھ جاتی ہے اور اسے سمجھنا اور یاد کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

مفلسی کی غربت:

صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أتدرون ما المفلس؟قالوا: المفلس فينا من لا درهم له، ولا متاع، فقال رسول الله ـصلى الله عليه وسلم: "إن المفلس من أمتي من يأتي يوم القيامة بصلاة، وصيام، وزكاة، ويأتي، وقد شتم هذا، وقذف هذا، وأكل مال هذا، وسفك دم هذا، وضرب هذا، فيعطى هذا من حسناته، وهذا من حسناته، فإن فنيت حسناته قبل أن يقضى ما عليه، أخذ من خطاياهم فطرحت عليه ثم طرح في النار» [1]

''کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ انھوں نے کہا: ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم ہوں نہ کوئی سامان۔''

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٨١) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٤١٨)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں مفلس وہ ہے جو روزِ قیامت نماز، روزے اور زکاۃ کے ساتھ آئے گا، جب وہ آئے گا تو اس نے کسی شخص کو گالی دی ہوگی، کسی انسان پر الزام لگایا ہوگا، کسی آدمی کا مال کھایا ہوگا، کسی بندے کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوا ہوگا۔ ان تمام کو اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی۔ اس کے ذمے جو ادائیگیاں ہوں گی ان کا فیصلہ ہونے سے پہلے ہی اگر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان شکایت کرنے والوں کی غلطیاں لے کر اس کے سر ڈال دی جائیں گی، پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔''

یہ ایک عمدہ تصویر کشی، بلند مرتبہ بیان اور انتہائی دقیق اور ماہرانہ انداز میں معاملے کا حل پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بے مثال نکات ایک ایسے پر مغز خطاب میں یکجا کر دیے گئے ہیں کہ جس کے حروف و الفاظ گو انتہائی کم ہیں لیکن معانی اور مقاصد بہت زیادہ ہیں۔

علمائے کرام اس کی مراد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ ہے مفلسی کی حقیقت! جس کے پاس مال نہیں ہوتا یا بہت تھوڑا ہوتا ہے اور لوگ اسے مفلس کہتے ہیں یہ افلاس کی حقیقت نہیں، کیونکہ یہ تو ایک ایسی حالت ہے جو اس کی موت کے ساتھ ہی زائل اور منقطع ہو جاتی ہے، یا جب اس کے بعد زندگی میں فراوانی میسر ہو تب بھی یہ حالت ختم ہو جاتی ہے۔ حالانکہ مفلسی کی حقیقت وہ ہے جو اس حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ ایسا شخص مکمل تباہ ہونے والا اور بالکل محروم ہوتا ہے جس کی نیکیاں لے کر اس کے قرض خواہوں کو دے دی جائیں، جب نیکیاں ختم ہو جائیں تو ان کے گناہ لے کر اس کے پلڑے میں ڈال دیے جائیں، پھر اسے آگ میں ڈال دیا جائے۔ یہ ہے اس کا مکمل خسارہ!

ہلاکت اور مفلسی:

اس میں کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ اصحابِ عقل و دانش نبی کریم ﷺ کے بیان کو شعوری طور پر سمجھیں۔ انھیں علم ہونا چاہیے کہ آدمی دنیا میں جو عمل بھی کرتا ہے اور پھر اسے آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیتا ہے ان تمام اعمال پر ہر وقت خطرے کی تلوار لٹک رہی ہوتی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ان اعمال میں آہستہ آہستہ کمی واقع ہوتی رہتی ہے، حتی کہ ان کے پھول مرجھا جاتے ہیں، ان کے چشمے

خشک ہو جاتے اور ان کی شادابی خزاں رسیدہ ہو جاتی ہے۔

جس کا مطلب ہے کہ حقوق العباد کے بوجھوں کے ڈھیروں تلے جن پر اس نے دنیا کی زندگی میں ناحق ظلم کیا تھا، بلکہ ظلم اور زیادتی کا اس نے بازار گرم کر رکھا تھا، اس کے گھر پر بے رحمی اور زیادتی کے جھنڈے لہرا رہے تھے، اس کی کھیتی میں ظلم کے خبیث درخت ستم ظریفی کے کڑوے پھلوں سے لدھے پھدے تھے، جس کے ہوتے ہوئے اس کے نیک اعمال میں کمی واقع ہوتی رہتی ہے، اعمال صالحہ کے پھول مرجھا جاتے ہیں، نیکی کے چشمے خشک ہو جاتے ہیں، ان کی شادابی خزاں رسیدہ ہو جاتی ہے اور اس کا سارا ذخیرہ خزاں رسیدہ پتوں کے مانند ہو جاتا ہے، اور انجام کار یہ حقیقی مفلسی سے دو چار ہو جاتا ہے، کیونکہ اب یہ وہ کرنسی خرچ کرنے پر مجبور ہے جو اپنی قیمت کھو چکی ہے، وہ بیلنس استعمال کرنا چاہتا ہے جو بکھر چکا ہے، اس کرنٹ اکاونٹ سے خرچ کرنا چاہتا ہے جو منجمد اور بند ہو چکا ہے، وہ ایسا چیک دے رہا ہے جو بوگس ہو چکا ہے۔ اب اس جیسے شخص کے لیے، جس کا دیوالیہ نکل چکا ہے کہ نیک اعمال کی کرنسی ختم ہو چکی ہے، اعمال کا بیلنس فنا ہو چکا ہے، باقی رہنے والے نیک اعمال کے ذخیروں کا کرنٹ اکاونٹ بند ہو چکا ہے، کس طرح ممکن ہے کہ وہ اپنے گم شدہ اور ہاتھ سے نکل جانے والے مال کو دوبارہ اپنے قبضے میں لا سکے؟!

کچھ لوگ یہ بدگمانی کرتے ہیں کہ یہ صحیح حدیث اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ مذکورہ بالا فرمان، جو مفلسی کی حقیقت بیان کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے خلاف ہے:

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰى﴾ [الأنعام: ١٦٤]

''اور نہ کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسری کا بوجھ اٹھائے گی۔''

اس گمان کی بنا پر یہ لوگ اس حدیث کو رد کرتے ہیں، اس پر تنقید کرتے ہیں اور اسے باطل قرار دیتے ہیں، بلاشبہ یہ لوگ اس قرآنی آیت اور حدیث کے مفہوم سے صحیح طور پر آشنا نہیں کیونکہ حقیقت میں ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

اس مفلس کو، جس طرح اہل سنت والجماعت کہتے ہیں، اس کے اپنے فعل، بوجھ اور ظلم کی سزا دی گئی ہے، لہٰذا اس کے قرض خواہوں کے جو حقوق تھے وہ اس کے سامنے لائے گئے تو انھیں اس کی نیکیاں دے دی گئیں، جب نیکیاں ختم ہو گئیں اور حقوق ابھی باقی تھے تو ان باقی ماندہ کی ادائیگی کو اللہ

تعالیٰ کی حکمت کے مطابق، جو اس کے بندوں کی تخلیق اور عدل میں کارفرما ہے، طے کیے گیا، اس طرح اسی قدر اس کے حریف کی غلطیاں لے کر اس کے سر پر ڈال دی گئیں اور پھر اسے آگ کی سزا سنا دی۔ لہٰذا سزا کی حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف اس کے ظلم کی وجہ سے ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو ظلم اور جرم کے بغیر سزا نہیں دی۔ اس طرح حدیث اور آیت دونوں کا ایک ہی معنی ہو جاتا ہے۔ اہل سنت کے ہاں ان میں کوئی تعارض پیدا نہیں ہوتا۔ جو اس امت کے سلف صالحین اور بہترین لوگ ہیں وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول میں تضاد تلاش نہیں کرتے، بلکہ دونوں پر ایک ساتھ ایمان رکھتے ہیں، کیونکہ یہ دونوں ایک اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے نازل کردہ ہے، جو واحد ہے، احد ہے، فرد ہے، بے نیاز ہے، اس کی ذات، نام اور صفات بڑی مقدس ہیں۔ وہ شریک اور مثالوں سے پاک ہے۔ فرمایا:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ [الشوریٰ: ۱۱]

”اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔“

نیک اعمال کی حفاظت سے غافل نہ ہوں:

اس لیے سامعین کرام! اپنے نیک اعمال کے ذخیروں کی حفاظت کے لیے بہت زیادہ حرص رکھو، زمین پر ناحق ظلم کرنے اور مخلوق پر زیادتی کرنے سے بچو تم کامیاب ہو جاؤ گے اور اللہ خالق مالک اور پروردگارِ عالم کی خوشنودی پا لو گے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ [یونس: ۲۳]

”پھر جب اس نے انھیں نجات دے دی، اچانک وہ زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! تمھاری سرکشی تمھاری جانوں ہی پر ہے، دنیا کی زندگی کے فائدے کے لیے، پھر ہماری ہی طرف تمھارا لوٹ کر آنا ہے، تو ہم تمھیں بتائیں گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔“

کافروں کے ساتھ مشابہت کی ممانعت

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر صالح بن حمید ﷾

خطبہ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اے لوگو! میں تمھیں اور اپنے آپ کو تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ تقویٰ ایک ایسا مضبوط کڑا ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا۔ جس نے اسے مضبوطی سے تھام لیا یہ اسے انجامِ بد سے محفوظ رکھے گا، اور جس نے اسے اپنے گلے کا ہار بنا لیا یہ اسے ہر مصیبت سے بچا لے گا۔ اس لیے تقویٰ لازمی طور پر اختیار کرو، نیک اعمال میں سنجیدگی کے ساتھ مصروف رہو اور ان سے فائدہ اٹھا لو، کیونکہ زمانہ عمروں کی مسافتیں طے کیے جا رہا ہے اور ہر بندہ یہ دنیا چھوڑنے والا ہے۔

حق و باطل کی باہمی پیکار فطرت کی پکار ہے:

اہل اسلام! اس دنیا میں یہ قانونِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ حق و باطل باہم معرکہ آرا رہیں، ہدایت اور گمراہی باہم دست و گریبان رہیں اور صلاح و فساد ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑتے رہیں۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ [الحج: ٤٠]

''اور اگر اللہ کا لوگوں کو ان کے بعض کو بعض کے ذریعے ہٹانا نہ ہوتا تو ضرور ڈھا دیے جاتے (راہبوں کے) جھونپڑے اور (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں، جن میں اللہ کا ذکر بہت زیادہ کیا جاتا ہے، اور یقیناً اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرے گا، بے شک اللہ یقیناً بہت قوت والا، سب پر غالب ہے۔''

لہٰذا اس دنیا میں یہ دھکم پیل بلا انقطاع جاری و ساری ہے۔ یہ باہمی نزاع اس زندگی کے

رازوں میں سے ایک راز اور مخلوقِ الٰہی میں جاری الٰہی قوانینِ فطرت میں سے ایک قانون ہے جو تقدیر کے مطابق چلتا ہے اور انتہائے غایت تک جائے گا۔ یہ حکمت وعلم کے مالک کی تدبیر ہے۔ اسی حکمت کا یہ تقاضا تھا کہ معاشرے اپنی صفات اور خوبیوں میں متنوع اور بوقلموں ہوں، ہر جماعت چند ایسی مشترکہ صفات سے تشکیل پائے جو اس میں الفت، اتحاد، اتفاق اور استحکام پیدا کر دے، اور پھر وہ ایک جسم کے مانند نظر آئے۔ فی الوقت ہر جماعت یا مجموعہ چند مستقل اور انفرادی خصائص اور عوامل کی بنا پر دوسرے مجموعے سے ممتاز نظر آئے، اس طرح ہر مجموعے کے افراد کے درمیان باہمی مشابہت اسے بکھرنے اور ٹوٹنے سے محفوظ رکھتی ہے، اور دوسرے مجموعے اور قوم کی مخالفت اسے کمزور ہونے اور اس میں ضم ہونے سے بچا کر رکھتی ہے۔

دینِ اسلام دینِ فطرت ہے جو اس سنتِ الٰہی اور نظامِ ربانی کو برقرار رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح لوگوں کو قوموں اور قبائل میں تقسیم کیا ہے اسی طرح ان کو امتیں بھی بنایا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴾ [الحج: ٦٧]

’’ہر امت ہی کے لیے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے جس کے مطابق وہ عبادت کرنے والے ہیں، سو وہ تجھ سے اس معاملے میں ہرگز جھگڑا نہ کریں اور تو اپنے رب کی طرف دعوت دے، بے شک تو یقیناً سیدھے راستے پر ہے۔‘‘

نیز فرمایا:

﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴾ [المائدة: ٤٨]

’’تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک راستہ اور ایک طریقہ مقرر کیا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تمھیں ایک امت بنا دیتا اور لیکن تاکہ وہ تمھیں اس میں آزمائے جو اس نے تمھیں دیا ہے، پس نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو، اللہ ہی کی طرف تم سب کا لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمھیں بتائے گا، جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔‘‘

اس باب میں قوانینِ فطرت کے تقاضوں کے مطابق اسلام نے مسلمانوں کو امت مسلمہ ہونے کے ناطے دیگر تمام امتوں سے ممتاز رکھنے کے لیے بہت زیادہ اہتمام کیا ہے۔ دلائل اور نصوص اس دین کی حفاظت کرنے، اس کا امتیاز و استقلال برقرار رکھنے، اسے غلو پسند لوگوں کی تحریف سے محفوظ رکھنے، باطل پرست فرقوں کے کھلواڑ اور جاہلوں کی تاویل سے بچانے پر پُرزور دلالت کرتی ہیں۔

کفار کی مشابہت سے ممانعت:

رسول کریم ﷺ کی سنت، آپ کی شریعت و منہج، اقوال و افعال اور مظاہر مغضوبین (یہودیوں) اور گمراہوں (عیسائیوں) کی راہ کی مخالفت اور کفار و مشرکین، مجوسیوں اور صنم پرستوں کے راستے پر چلنے کی ممانعت کرتے ہیں۔

دین اسلام کفار کی مشابہت اختیار کرنے سے دور رہنے پر مبنی ہے۔ حق اور اہل حق کا باطل اور اہل باطل سے فرق قائم رکھنا، اسی طرح ہدایت اور سنت کی راہ بیان کرنا اور اس کی دعوت دینا، گمراہی کی راہ کھول کر بیان کرنا، پھر اس سے ڈرانا اسلام کے عظیم ترین اصول و مقاصد میں سے ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں قیامت تک تلوار دے کر بھیجا گیا ہوں، حتی کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کی جائے۔ میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھا گیا ہے، ذلت اور رسوائی اس کا مقدر کر دی گئی ہے جو میرے حکم کی مخالفت کرے، اور جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی تو وہ انھی میں سے ہے۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن جبکہ حافظ عراقی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس حدیث کا کم از کم یہ تقاضا ہے کہ ان کے ساتھ مشابہت رکھنا حرام ہے۔ اگرچہ اس کا ظاہری معنی ان کے ساتھ مشابہت رکھنے والے کے کفر کا مطالبہ کرتا ہے۔''[2]

---

[1] مسند أحمد (٢/ ٥٠) سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٠٣١) اس حدیث کو امام ابن تیمیہ نے ''جید'' حافظ عراقی نے ''سندہ صحیح'' اور علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ (مجموع الفتاوی: ٢٥/ ٣٣١، تخريج الإحياء: ١/ ٣٤٢، حجاب المرأة المسلمة، ص: ١٠٤)

[2] اقتضاء الصراط المستقيم (ص: ٨٣)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

《لیس منا من تشبه بغیرنا》[1]

''جس نے ہمارے غیر کے ساتھ مشابہت رکھی وہ ہم میں سے نہیں۔''

رسول کریم ﷺ کا یہ قول بکثرت مروی ہے کہ مشرکین کی مخالفت کرو، مجوسیوں کی مخالفت کرو، یہودیوں کی مخالفت کرو، اہل کتاب کی مخالفت کرو، جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت رکھی وہ انھی کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

اہل علم حضرات نے کافروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے ممانعت پر سو سے زیادہ دلائل ذکر کیے ہیں۔ ان کا کہنا ہے:

''حتی کہ اس نماز میں، جسے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول پسند فرماتے ہیں، صرف ظاہری شکل وصورت میں بھی ان کی مشابہت اختیار کرنے سے ہمیں بچنے کا حکم جاری کیا گیا ہے، جیسے: طلوع آفتاب یا غروبِ آفتاب کے وقت نماز پڑھنا، چاہے فرضی ہو یا نفلی!''

اہل علم کے ایک گروہ کا یہ کہنا ہے کہ مشابہت رکھنا درحقیقت اس محبت اور موالات ہی کی ایک صورت ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں داخل کر دیتی ہے:

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ [المجادلة: ٢٢]

''تو ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔''

کسی کے ساتھ مشابہت محبت کا تقاضا کرتی ہے:

اہل اسلام! مشابہت ایسا کام کرنے کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے کہ دشمنوں نے ویسا ہی کیا ہو۔ جو صرف اس وجہ سے کوئی کام کرتا ہے کہ ایسا اس کے غیر نے بھی کیا ہے تو وہ اس کے ساتھ مشابہ ہوجاتا ہے۔ جو کسی دوسرے کی ایسے کام میں اتباع کرتا ہے، جو اس کی طرف منسوب ہو، وہ بھی اس

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٦٩٥) علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے شواہد کی بنا پر اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: السلسلة الصحيحة، رقم الحديث (٢١٩٤)

کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور ظاہری بات ہے کہ مشابہت رکھنے والا جس کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اس کے ساتھ اور اس کی عادتوں کے ساتھ محبت رکھتا ہے، لہٰذا آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ وہ محبت رکھے گا۔ انسان فطری طور پر اپنے جیسے اور اپنی شبیہ کی طرف میلان رکھتا ہے، یہ انسان کی جبلت اور فطرت ہے، اور یہی چیز محبت اور انس پیدا کرتی ہے، لہٰذا جو فرد کسی قوم یا گروہ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے تو وہ اپنے دل میں ان کے لیے میلان اور پیار رکھتا ہے، جس طرح جن کی وہ مخالفت کرتا ہے ان کے خلاف وہ اپنے دل میں نفرت اور دوری کے جذبات رکھتا ہے۔

محسوسات اور وجدان اس بات کے گواہ ہیں کہ لوگ جس کی اتباع کرتے ہیں اس کے ساتھ محبت رکھنا ان کی فطرت میں شامل ہے۔ جو اپنے غیر کی ظاہری شکل و شباہت، عادت، کردار، زبان یا کسی بھی چیز میں مشابہت اختیار کرتا ہے تو یہ اس میں ان کے قریب رہنے اور ان کے ساتھ ہمدردی رکھنے کے شعور اور احساس کو جنم دیتی ہے۔ آخر پرندے اپنے ہم شکل کے پاس ہی آتے ہیں!

جب دنیوی معاملات میں مشابہت محبت، مودت، میلان اور اس جیسے دیگر جذبات پیدا کر دیتی ہے تو دین، تعلیم و تربیت، اور اخلاق کے معاملات میں دشمنوں کے حالات، مبادیات اور نظام ہائے حیات کا دلدادہ ہونا اور انھیں بنظر استحسان دیکھنا کس قدر نقصان دہ ہوگا؟

موالات اور دوستی کی ان اقسام میں اس حد تک اس مشابہت کو شریک اور شامل کر لینا اس قدر خطرناک ہے کہ یہ ایسے آدمی کو ایمان اور اعتقاد کے مسائل میں بھی داخل کر سکتا ہے۔

اہلِ اسلام! یہی وجہ ہے کہ تمام اقوامِ کفار کے ساتھ ان کے عقائد کے متعلقہ تمام امورِ عبادات اور عادات کے ساتھ مشابہت رکھنے سے ڈرانے اور خبردار کرنے کے لیے متواتر اور بکثرت نصوص وارد ہوئی ہیں۔

عقائد کے باب میں:

قبروں کو سجدہ گاہیں بنانے، نیک لوگوں اور اولیاء اللہ کے ساتھ غلو کرنے، قبروں پر دربار اور مزارات بنانے، عمارتیں کھڑی کرنے، دین میں فرقے بندی، پارٹی بازی، امتیازی نشانات، میت پر نوحہ گری، حسب ونسب پر فخر وشیخی، لوگوں کے نسب میں طعنہ زنی اور جاہلیت کے جوش اور تعصب سے منع کر دیا گیا ہے۔

عبادات میں:

اذان و مساجد کے بہت سے مسائل میں، ان کے اوقات اور ان کے انداز کے مطابق نماز ادا کرنے، ان کے روزے کے اوقات میں روزہ رکھنے، ان کے طریقے کے مطابق حج ادا کرنے اور ان کی شریعت کے مطابق نکاح کرنے، جانور ذبح کرنے اور خوشیاں منانے سے روک دیا گیا ہے۔

عادات اور آداب میں:

لباس، فیشن، زیب و زینت، کھانے، داڑھی بڑھانے، مونچھیں ترشوانے، سفید بال رنگنے، سلام کہنے کے طریقے، اٹھنے بیٹھنے، لیٹنے، بائیں ہاتھ سے کھانے، سونے کی انگوٹھی پہننے، کپڑے لٹکانے، تصویریں اٹھانے، کتے ساتھ رکھنے اور گھٹیا فنون جمیلہ، رقص و سرود اور شیطانی چال بازیوں اور آلات موسیقی وغیرہ میں ان کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے۔

ان کے عقائد، عبادات اور عادات میں مشابہت رکھنا حقیقت میں ان کے باطل ادیان اور فاسد عبادات کے اظہار اور تبلیغ کا اہم ذریعہ ہے، اور ان کی عادتوں اور صفات میں ان کے ساتھ مشابہت رکھنا امت کی رسوائی، کمزوری، ذلت، پستی اور دست نگری کا احساس ہے۔ جس کام میں مسلمانوں کو مخالفت کا حکم دیا گیا ہے اس میں مخالفت دین میں مصلحت، اس کی بقا اور اس میں بگاڑ پیدا کرنے والے اسباب کی روک تھام کے لیے ہے۔ اسی طرح اس کام میں ان کی موافقت کرنا جس میں ان کی موافقت سے منع کیا گیا ہے، دین کے لیے نقصان دہ اور اسبابِ فساد میں پھنسانے والی ہے۔

مشابہت ذہنی پسماندگی پیدا کرتی ہے:

کس قدر افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ ان جدید ادوار اور متاخرہ زمانوں میں ایک ایسی نسل پیدا ہوچکی ہے جو ذہنی پسماندگی اور فکری غلامی کا شکار ہے، کفار کی مشابہت میں ان کے ہم قدم چلنا ان کا شعار اور شیوہ ہے۔ کچھ اصحابِ فکر و دانش لباس، اٹھنے بیٹھنے، ظاہری شکل وصورت اور اخلاقی عادات میں کفار کے ساتھ مشابہت رکھنے کے معاملے کو اتنی زیادہ اہمیت نہیں دیتے، حتی کہ یہ لوگ امت میں ایک بگڑی ہوئی شکل کے حامل بن چکے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ کافروں کے احوال کے ساتھ مانوسیت رکھتے ہیں، ان کے طور اطوار اور کاموں پر خوش اور راضی ہیں، مسلمانوں کے ساتھ حقارت

کے ساتھ پیش آتے ہیں، ان کے لباس اور کردار، شرم و حیا اور دینداری کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہیں۔ جو شخص اپنے اہلِ دین کے رسم و رواج سے بغاوت کرتا ہے وہ اپنے دشمن کی شان میں قصیدہ گوئی کرتا ہے اور ان کے دین کو مسلمانوں کے دین پر فوقیت دیتا ہے۔

کافروں کی مشابہت بگاڑ کی راہ ہے:

بہت سارے لوگ جو کافروں کی مشابہت میں زندگی گزار دیتے ہیں یہ مشابہت انھیں کفار میں گھل جانے اور بگاڑ کی راہ پر لے جاتی ہے، بلکہ یہ فسق و فجور، مادر پدر آزادی، ناجائز اختلاطِ مرد و زن، بے پردگی اور حرام زیب و زینت کے شوقِ اظہار کی دلدادہ بنا دیتی ہے، اور یہ ایک خوفناک حقیقت ہے کہ اس اہم مسئلے سے غفلت برتنے کی وجہ سے بہت سارے مسلمانوں میں روحانی کمزوری واقع ہو چکی ہے، حوصلے پست ہو چکے ہیں، حالات دگرگوں ہو چکے ہیں، افکار و خیالات مضطرب ہو چکے ہیں، ان کی عقلوں اور دیار میں تباہ کن نظریات اور منحرف افکار اپنی جگہ بنا چکے ہیں، اور ان میں ایسے گروہ پرورش پا رہے ہیں جن کے ہاں دین کی کوئی قدر ہے نہ اخلاق کا کوئی وزن!

ایسے ایسے باغیانہ مظاہر، اخلاق و عادات میں انحراف کے نشانات، انواع و اقسام کے فسق و فجور میں حد درجہ انہماک اور طرح طرح کے جرائم کا انتشار دیکھنے میں آ رہا ہے جو مسلمانوں کے ہاں ایک غیر متعارف چیز تھی۔

حیرت ہے کہ فرزندانِ امت کے ان گروہوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ لوگ اس قدر ہلکے ہو کر دشمنوں کی جھولی میں پکے آم کی طرح گر چکے ہیں؟!

انھوں نے اللہ کے دین کو قائم کیا نہ اپنے دشمنوں کے ساتھ ہی وفا نبھائی۔ یہ کمزور شخصیات کے مالک جس قدر زیادہ اپنے دینی امور سے دست بردار ہو کر ان کی شخصیت میں ڈھل جائیں اور ٹیڑھے منہ سے ان کی زبان بولنا شروع کر دیں کبھی انھیں اپنا مددگار بنا سکیں گے نہ ان میں سے کسی کی محبت ہی حاصل کر سکیں گے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ﴾ [الملک: ۲۰]

''یا کون ہے وہ جو تمھارا لشکر ہو، تمھاری مدد کرے، رحمان کے مقابلے میں؟''

مصلحین کی دعوت ... مشابہت پر تنبیہ:

اے اہلِ اسلام! کفار کی مشابہت اختیار کرنے سے ڈرانا اور خبردار کرنا یہ مخلص مصلحین کی دعوت ہے، جو دین وملت کے پاسبان ہیں۔ یہ وہ اصلاح پسند لوگ ہیں جنھوں نے اسباب اور علل کی نگاہ سے شکستوں کا مشاہدہ کیا ہے اور عزت کے طریقوں، شخصیت مسخ کرنے والے اسباب، اور مظاہر شخصیت، زندگی اور اندازِ فکر میں ان کی غلامی اور دست نگری پیدا کرنے والے تمام راستے واضح کر کے بتا دیے ہیں۔ یہ وہ ریفارمرز ہیں جنھیں اس حقیقت کا ادراک ہے کہ راستے کی اصلاح خالص امتیاز اور خصوصیات برقرار رکھنے میں ہے۔

لہٰذا جو شخص اپنے دین کے ساتھ شدید محبت رکھنے والا اور اپنی روح کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کا شدید خواہشمند ہے اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے، اسلام کی راہ اپنائے، مومنوں کے راستے پر چلے اور مشرکین، مغضوبین اور گمراہوں کی راہ سے علیحدہ ہو جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

[الروم: ۳۰]

’’پس تو ایک طرف کا ہو کر اپنا چہرہ دین کے لیے سیدھا رکھ، اللہ کی اس فطرت کے مطابق، جس پر اس نے سب لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی پیدائش کو کسی طرح بدلنا (جائز) نہیں، یہی سیدھا دین ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔‘‘

دین اسلام مکمل دین ہے:

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ نے یہ دین مکمل کر دیا، اسے پسند فرمایا اور اس کے ساتھ مومنوں پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [المائدۃ: ۳]

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا، پھر جو شخص بھوک کی کسی صورت میں مجبور کر دیا جائے، اس حال میں کہ کسی گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

یہ امت اسلام کی وجہ سے بہترین امت تھی، اور یہ بات حتمی اور قطعی طور پر معلوم ہے کہ یہ ''بہتری'' دینِ کامل، عقیدۂ خالص اور جامعیتِ شریعت کے چشمے سے پھوٹتی ہے۔ اسے عزت اور رفعت صرف اس کی وجہ سے حاصل ہو سکتی ہے، بلکہ دنیا و آخرت میں اس کے بغیر نجات کی کوئی صورت ہی نہیں۔ انسان کو جس طرح کھانے پینے کی ضرورت ہے اسی طرح اسے اس دین کی بھی ضرورت ہے۔ یہ دین کی کتنی مکمل صورت ہے کہ وہ ایک طرف تو عقائد و احکام اور اخلاق میں ان کے ساتھ مشابہت رکھنے سے منع کرتا ہے اور دوسری طرف غیروں کے علوم و معارف، صنعت و حرفت، اسالیبِ تجارت اور تکنیکی وسائل سے استفادہ کرنے کی اجازت بھی دیتا ہے۔ اس باب میں کوئی مشابہت نہیں، کیونکہ علوم اور پیشوں کا تعلق خالص انسانی، علمی، عقلی اور تجرباتی کوششوں کے ساتھ ہے۔ اسی طرح ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا اور عدل و احسان سے کام لینا اور چیز ہے، اور محبت و موالات رکھنا چیزے دیگر۔ جس طرح قرآن مجید میں ہے:

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾

[الممتحنة: ٨]

''اللہ تمھیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیک سلوک کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ

خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ [المائدۃ: ۸]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر خوب قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنا دے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔''

اسلام نے اپنی مستقل شریعت اور انفرادی و ذاتی اخلاقیات اور مبادیات کے ذریعے اپنے وجود اور قوت کی حفاظت کی ہے، اور ایسی مشابہت سے اسے دور رکھا ہے جو کسی میں فنا ہو جانے، اپنا وجود کھو دینے اور اپنی صفت سے نکل کر بگاڑ کی راہ پر چلا دے۔

اس لیے فرزندانِ اسلام! اللہ تعالیٰ سے ڈریں، اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان پہچانیں، اپنے دین کی تعظیم کریں اور اس کی قدر کریں کیونکہ عزت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے ہے لیکن منافق اس حقیقت سے لاعلم ہیں۔

ماہِ صفر
پہلا خطبہ
نیک اعمال میں کوتاهی
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر سعود الشریم حفظہ اللہ
27/4/2001 = 3/2/1422
دوسرا خطبہ
جادو اور شعبدہ بازی کے خطرات
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس حفظہ اللہ
4/5/2001 = 10/2/1422
تیسرا خطبہ
یوم جمعہ کی فضیلت
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ عمر بن محمد السبیل رحمہ اللہ
11/5/2001 = 17/2/1422
چوتھا خطبہ
انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر اُسامہ الخیاط حفظہ اللہ
18/5/2001 = 24/2/1422

نیک اعمال میں کوتاہی

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سعود الشریم ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اے لوگو! میں تمھیں اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور خوشحالی اور تنگی میں اسی کے دامن کو تھامنے کی تلقین کرتا ہوں۔ نہ حق کو باطل کے ساتھ ملاؤ اور نہ اسے چھپاؤ، اور تم جانتے ہو (کہ ایسا کرنا بہت بڑا جرم ہے) اور جان لو کہ تمھارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں۔ پھر بھی تم اس سے ڈرتے نہیں؟

مواقع ضائع کر دینا نادانی ہے:

اے بندگانِ الٰہی! یہ دنیا مثالوں اور قابل عبرت باتوں سے بھری پڑی ہے۔ لوگ وقتاً فوقتاً اپنی مجلسوں میں اپنی زندگی کے تجربات اور مشاہدات کا ذکر کرتے رہتے ہیں، اور اکثر اوقات یہ بات موضوعِ بحث لاتے ہیں کہ وہ لوگ کس قدر بیوقوف ہیں جو قسمت کی طرف سے دیے گئے مواقع ضائع کر دیتے اور ظاہری فوائد کے حصول میں، خصوصاً وہ فوائد اور مصالح جن کا تعلق رزق سے ہو، لاپرواہی برتتے ہیں، جبکہ ان کی قیمت بھی بہت تھوڑی ہو لیکن نتیجے میں بہت بڑی کامیابی اور وافر مقدار میں رزق مہیا ہو جائے؟

یہ ایک فطری اور معروف بات ہے کہ اگر کسی کو کسی چیز میں کم خرچ کر کے بہت زیادہ نفع حاصل ہو اور وہ اس کے حصول میں لاپرواہی سے کام لے تو ساری دنیا اس کو بے وقوف اور کم عقل کہے گی، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے خلاف یہ دعوی دائر کر دے کہ یہ کم خرچے میں بہت بڑا منافع بلا عذر ضائع کر رہا ہے لہٰذا اس کے تصرفات پر کم عقلی کی وجہ سے پابندی لگا دی جائے۔

یہاں ہم جس معاملے پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں یہ اس کیفیت کے ساتھ ملتا جلتا ہے جس کا ہم نے ابھی مختصراً ذکر کیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ معاملہ آخرت کا معاملہ ہے، دنیا کا نہیں۔ وہ قابل ترجیح بات ہے، لائقِ نظر انداز نہیں، بلکہ وہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں سے کہیں بہتر، قارون کے مال سے بہت بڑھ کر قیمتی اور ملکۂ سبا کے ذرائع پیداوار اور نعمتوں سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ تو وہ نیکیاں ہیں

جو برائیاں مٹا دیتی ہیں، نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نصیحت ہیں۔ ہماری گفتگو کا عنوان ہے:
نیک اعمال میں کوتاہی۔ میں ان میں سے خاص طور پر فضائلِ اعمال کا تذکرہ کروں گا۔

سامعین محترم! جب ہم فضائلِ اعمال اور فقہ اعمال کے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو ذہن بڑے شوق سے اس طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ شائد بات لمبی ہو جائے اور دل اس کو مکمل سننے کے لیے بے چین ہو لیکن یہاں ہم خصوصاً اپنے اس منفی شعور اور غیر ذمہ دار احساس پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں جو فضائلِ اعمال کی حقیقی صورت کے متعلق ہے۔ خصوصاً وہ اعمال جو چھوٹے کاموں کے بدلے بڑی بڑی نیکیاں کمانے کا ذریعہ ہیں، جنہیں عموماً عام لوگ کرتے رہتے ہیں، البتہ جو ان کے اثرات سے بے خبر یا ان کے اجر سے ناواقف ہو تو وہ کم ہی انھیں ادا کرتا ہے جبکہ کچھ لوگ انھیں معمول کا کام سمجھ کر کرتے ہیں، کچھ ایسے بھی ہیں جو بالکل ان سے دور رہتے ہیں، اگر انھیں ان کے اجر کا علم ہوتا تو یہ اپنے آپ کو بے وقوف شمار کرتے۔

عمر کا حساب اور نیک اعمال کی ضرورت:

اللہ کے بندو! انسان کی عمر خواہ کتنی لمبی ہو جائے وہ کم ہوتی جاتی ہے۔ اگر ہم ایک لمحے کے لیے رسول کریم ﷺ کی یہ حدیث ذہن میں لائیں کہ ''میری امت کی عمریں ۶۰ اور ۷۰ کے درمیان درمیان ہیں۔''[1]

جس کی عمر ۶۰ سال ہو چکی ہو اس کو تقسیم کریں تو حساب اس طرح بنے گا کہ اگر وہ روزانہ سات گھنٹے سوتا ہے تو حتمی بات ہے کہ عمر کا ایک تہائی حصہ تو نیند کی نذر ہو جاتا ہے۔ اگر تین وقت کا کھانا کھائے تو تقریباً دو سال کھانا کھانے میں صرف ہو جاتے ہیں، اور تقریبا ۱۵ سال بچپن کی نذر ہو جاتے ہیں جن میں انسان دینی پابندیوں سے آزاد ہوتا ہے۔ اس طرح حقیقت میں اس کے پاس ۶۰ سال میں صرف ۲۳ برس بچتے ہیں، یہ تمام اعداد و شمار آدمی کو یہ حقیقت باور کرواتے ہیں کہ اسے ہر نیک عمل کی طرف سبقت کرنے کی کتنی شدید ضرورت ہے؟

نیک اعمال کی مثالیں:

اے مسلمانو! صاحبِ عقل و دانش کے لیے مثالیں بیان کر دینا ہی کافی ہوتا ہے، اس لیے

[1] حسن. سنن الترمذي، رقم الحديث (۳۵۵۰)

اے بندگانِ الٰہی! آپ کی خدمت میں مختلف مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ ان مثالوں سے واضح ہو جائے گا کہ ہم نیک اعمال میں جلدی کرنے سے کس قدر دور ہیں؟

۱۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ پڑھتے، پھر واپس آ جاتے۔ جب انھیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث پہنچی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«من تبع جنازة فله قيراط»[1]

''جو جنازے کے ساتھ آیا تو اس کے لیے ایک قیراط اجر ہوگا۔''

تو وہ فرمانے لگے: ''ہم نے بہت سارے قیراطوں میں لاپرواہی برتی۔''

دیکھیں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ندامت کا اظہار کر رہے ہیں اور ان قیراطوں کو کھو دینے پر افسوس کا اظہار کر رہے ہیں، اور کیوں نہ ہو جبکہ ایک قیراط احد پہاڑ کی طرح ہے!

۲۔ صحیحین میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی قدر ہے:

''جس نے صبح شام سو مرتبہ ''سبحان اللّٰه و بحمده'' پڑھا، اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے، چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی ہوں۔''[2]

۳۔ صحیح مسلم ہی میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تم میں سے کوئی ہر روز ایک ہزار نیکی کمانے سے عاجز ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نشینوں میں سے ایک نے سوال کیا: ہم سے کوئی ایک ہزار نیکیاں کس طرح کما سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سو مرتبہ ''سبحان اللّٰه'' کہنے سے ایک ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں یا اس کی ایک ہزار غلطیاں مٹا دی جاتی ہیں۔[3]

۴۔ مسند احمد اور سنن اربعہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے ''سبحان الله و بحمده'' کہا اس کے لیے جنت میں ایک کھجور لگا دی جاتی ہے۔''[4]

سامعینِ محترم! اللہ آپ کی حفاظت کرے۔ یہ کتنی زبردست اور بے پناہ نیکیاں ہیں اور ان

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٢٦٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٤٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٠٤٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٩١)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٩٨)

[4] **صحيح**. سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٤٦٤)

کے مقابلے میں عمل کتنا آسان ہے؟ یہ تو اتنی نیکیاں ہیں کہ انسان ان کے جام کے جام چڑھا جائے لیکن اس کی پیاس نہ مٹے، صرف اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی توفیق درکار ہے۔

احباب کرام! کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جنت کی کھجور دنیا کی کھجور کی طرح ہے؟ اللہ کی قسم! ہم اس دنیا میں بہترین کھجور بڑی بڑی رقمیں دے کر خریدتے ہیں۔ جنت کی کھجور کی قیمت صرف ''سبحان الله وبحمده'' ہے۔ آہ! ہم نے کتنی کھجوریں ضائع کر دیں!

حسنِ اخلاق:

سامعین محترم! یہ تو ذکر کے متعلق تھا، لیکن اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو حسنِ اخلاق کا مالک ہو، لوگوں کو تکلیف پہنچانے سے گریز کرے، مجسمہ رحمت ہو، فضولیات سے اپنے دامن کو پاک رکھے، اعلیٰ مقاصد کا طلبگار ہو، صلہ رحمی کرے، صدقہ و خیرات کرے، نیکی کرے، وعدہ ایفا کرے، اپنے بھائی کو دیکھ کر خندہ پیشانی کا مظاہرہ کرے۔ اگر اس پر ظلم کیا جائے تو صبر کرے، اگر غلطی کرے تو معذرت کرے، نہ غصے میں آئے اور نہ بیوقوفی کا مظاہرہ کرے۔ اس جیسے لوگوں کے بارے میں فرمانِ نبوی ہے:

«ما من شيء أثقل في ميزان المؤمن يوم القيامة من خلق حسن، وإن الله ليبغض الفاحش البذيء»[1]

''روزِ قیامت مومن کے میزان میں حسنِ خلق سے بڑھ کر کوئی چیز وزنی نہیں ہوگی، اور یقیناً اللہ تعالیٰ فحش گو، دریدہ دہن کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔''

سنن ابی داود میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إن المؤمن ليدرك بحسن خلقه درجة الصائم القائم»[2]

''بلا شبہ مومن حسنِ خلق کے ذریعے ہمیشہ روزہ رکھنے والے اور قیام کرنے والے کے مرتبے کو پالیتا ہے۔''

اللہ کی قسم کتنی حیرت ناک بات ہے! اگر حسنِ خلق کا اس قدر عظیم اجر ہے تو کس بنا پر

---

[1] **صحيح**. سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٠٠٢)

[2] **صحيح**. مسند أحمد (٦/ ١٣٣)

لوگ بے وقوفیاں کرتے ہیں، دوسروں کے لیے تنگ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہیں؟ کیوں حسد وغرور میں مبتلا ہیں؟ کیوں حق کو جھٹلاتے اور دوسروں کو حقیر جانتے ہیں؟ یاد رہے اللہ تعالیٰ نے فروخت کے لیے جو سامان لگایا ہے وہ بہت زیادہ گراں قیمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وہ سامان جنت ہے۔

نفلی روزے:

اللہ کے بندو! نفلی روزوں کے فضائل اور اجر اس قدر زیادہ ہے کہ اگر تقصیر کرنے والے کو علم ہو جائے تو وہ کف افسوس ملتا رہے گا کہ وہ کوتاہی کی صف میں بیٹھا رہا اور آخر کار لاپرواہوں کی قطار میں جا کھڑا ہوا۔ یہ لاپرواہی کرنے والا اگر ان احادیث نبویہ کو دیکھ لے جو نفلی روزے کی فضیلت بیان کرتی ہیں تو اس کو رغبت دلانے کے اس راز کا علم ہو جائے گا، پھر وہ مواقع کی تلاش میں رہے گا تا کہ ان سے فائدہ اٹھالے۔

صحیح حدیث میں ہے:

«من صام رمضان ثم أتبعه ستا من شوال كان كصيام الدهر»[1]

''جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد شوال میں چھ روزے رکھے تو وہ ایسا ہے جیسا اس نے سارا سال روزے رکھے۔''

یعنی سال کے جتنے دن اتنے ہی روزے۔ ایک دوسری صحیح حدیث میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر مہینے کے تین دن روزہ رکھنا ایسا ہی ہے جیسا سارے سال کے روزے رکھنا۔[2]

سامعین محترم! اگر ہم سال میں دونوں روزوں کے مجموعی حاصل کو دیکھیں تو یہ ۴۲ دن بنتے ہیں، تو نتیجہ کچھ اس طرح ہوگا کہ جس نے یہ مکمل روزے رکھے گویا اس نے ۷۲۰ روزے رکھے یعنی سترہ گنا سے بھی زیادہ۔ لا إله إلا الله والله أكبر۔ ہم کس قدر سستی کرتے ہیں؟!

وقت گزرنے سے پہلے فائدہ اٹھالیں:

اللہ کے بندو! جن اعمال کا ذکر ہو چکا ہے وہ سمندر کا ایک قطرہ ہے۔ قیمتی مواقع اگر ضائع ہو جائیں تو ان کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ ان سے فائدہ اٹھالینا عزم وارادے کی مضبوطی کی دلیل ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٦٤)

[2] صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث (٢٤٠٩)

جس کو کسی بھلائی کا علم ہو جائے تو وہ اس کو جلد از جلد حاصل کرے، کیونکہ شائد اس کی خواہش اس پر غالب آ جائے۔

اگر گزرتے وقت میں کوئی غنیمت اس کے ہاتھ آ جائے تو اس کے لیے بہتر ہوگا وگرنہ اسے نقصان ہی اٹھانا پڑے گا۔ جو بے کاری پر خوش ہوتا ہے وہ عمل کرنے میں بزدل ہو جاتا ہے۔ انسان کے پاس خواہ اعمال کے فضائل اور اجر کا کتنا زیادہ علم ہی کیوں نہ ہو اور اس کی نیت بھی سچی ہو وہ اس وقت تک اس سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا جب تک ہر موقع سے فائدہ نہ اٹھائے۔ پھر عموماً نیک اعمال لوگوں کا اتنا وقت بھی نہیں لیتے جتنا وقت لوگوں کے خود ساختہ اعمال لے لیتے ہیں کہ جن کی مشقت اٹھاتے اٹھاتے ان کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔

وقت دوڑ رہا ہے:

اے مسلم بھائی! تجھے علم ہونا چاہیے کہ تم دوڑ کے میدان میں ہو اور اوقات پوری رفتار کے ساتھ دوڑ رہے ہیں، سستی اور کسل مندی سے بچنا، جو کھو جائے اس کا سبب سستی ہی ہوتی ہے اور جو حاصل ہو وہ صرف عزم اور جد و جہد کے ساتھ ممکن ہوتا ہے۔ دونوں معاملات کا پھل یہ ہے کہ فضائل کو حاصل کرنے کے لیے مشقت اٹھانے والا حقیقت میں راحت پاتا ہے جبکہ ان کے حصول میں سستی کرنے والا درحقیقت مشقت اور رسوائی کماتا ہے۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے:

اے بندہ رحمن! اللہ تمھاری حفاظت کرے۔ اگر سمجھ ہے تو ہوش کے ناخن لو۔ یہ دنیا آباد کاری کے لیے نہیں بلکہ یہ ایک محض گزرگاہ ہے۔ لوگ ان چیزوں کے فقدان پر افسوس کرتے ہیں جو ان کے لیے کارآمد اور مفید ہوں، جبکہ اس وقت ان کا کفِ افسوس ملنا شائد ان کی کوتاہی کی دنیا میں سزا ہو۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ اپنے زمانے کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

''بغداد میں قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں، جب بھی جَو آتے ہیں ریٹ بڑھ جاتا ہے، اور لوگ غلہ خریدنے کے لیے دھکم پیل کرتے ہیں۔ جو ہر سال اپنی غذائی ضروریات کے لیے غلہ بو لیتا ہے اس کی خوشی قابل دید ہوتی ہے، اور جو ریٹ دو گناہ ہونے سے پیشتر

اور سب لوگوں سے پہلے غلہ خرید لیتا ہے اس کا چہرہ بھی خوشی سے چمک رہا ہوتا ہے، اور فقیروں کے گھروں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اسے ذلت کے بازار میں پھینک دیتے ہیں، اور وہ لوگ جو بڑے عزت دار تھے ان کے چہروں پر ذلت کے آثار عیاں ہوتے ہیں اس صورتِ حال کو دیکھ کر میں نے کہا: اے میری جان! اس صورتحال سے یہ اشارہ حاصل کرلے کہ جس کے پاس ضرورت کے وقت نیک اعمال ہوں گے لوگ اس پر رشک کریں گے، اور جس کے پاس سوال کا جواب ہوگا وہ بہت زیادہ خوش ہوگا۔''

امام مالک رحمہ اللہ نے موطأ میں درج کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ اپنی بعض دعاؤں میں کہا کرتے تھے:

«اقبضني إليك غير مضيع ولا مفرط»[1]

''میری روح اس حالت میں قبض کرنا کہ میں نہ کسی چیز کو ضائع کرنے والا ہوں نہ لا پرواہی برتنے والا۔''

اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ﴾ [الكهف: ٢٨]

''اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھ جو اپنے رب کو پہلے اور پچھلے پہر پکارتے ہیں۔''

اعمال میں کوتاہی کے اسباب:

اللہ کے بندو! تقویٰ اختیار کرو، اور یہ ذہن نشین کرلو کہ اعمال میں کوتاہی کے بہت زیادہ اسباب ہیں جن کو شمار کرنا مشکل ہے، تاہم اہم ترین اسباب حسب ذیل ہیں:

۱۔ مسلمان کی کئی گنا اجر کی اہمیت وضرورت سے غفلت۔

ان نیک اعمال کے ذریعے فرائض میں پیدا ہونے والا بہت بڑا نقصان پورا ہو جاتا ہے جبکہ نیکی کے زادِ راہ کی اپنی ایک اہمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ [البقرة: ١٩٧]

''اور زادِ راہ لے لو کہ بے شک زادِ راہ کی سب سے بہتر خوبی (سوال سے) بچنا ہے۔''

---

[1] موطأ الإمام مالك (٢/ ٨٢٤)

۲۔ بعض اعمال کے کئی گنا اجر کے متعلق صحیح تصور نہ ہونا۔

کیونکہ کسی ایک چیز کو پکڑے رکھنا وہ اس کے تصور اور ادراک ہی کی ایک قسم ہے۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"من لمح فجر الأجر هان عليه ظلام التكليف"

''جس شخص نے اجر کی صبح کا نظارہ کر لیا تو اس کے لیے (شرعی) پابندی کا اندھیرا آسان ہو جاتا ہے۔''

۳۔ بعض لوگ اس خام خیالی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ وہ ایمانی معاملات میں درجہ کمال کو پہنچ چکے ہیں۔ جو ان لوگوں کے سامنے نیک اعمال کے مواقع سے فائدہ اٹھانے کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ کھڑی کر دیتا ہے۔

۴۔ سستی اور عاجزی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کیفیتوں سے پناہ مانگا کرتے تھے۔[1] اگرچہ عاجز آدمی بعض حالات میں عدم قدرت کی بنا پر معذور ہوتا ہے لیکن سستی کا شکار، جو طاقت کے ہوتے ہوئے بھی کاہلی سے کام لیتا ہے، شائد معذور نہ سمجھا جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴾ [التوبة: ٤٦]

''اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ رکھتے تو اس کے لیے کچھ سامان ضرور تیار کرتے اور لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا ناپسند کیا تو انھیں روک دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔''

۵۔ آخری سبب یہ ہے کہ جائز امور میں بکثرت مشغول رہنا جس کی بنا پر آدمی سست اور ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اس لیے سلف صالحین کا یہ واضح طریقہ تھا کہ وہ ہر جائز اور غافل کر دینے والے امر میں اتنی زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ اگر دل ان چیزوں کے ساتھ مانوس ہو جائے تو یہ اس کو مستحب کہہ کر چھوڑ دے گا اور نیکی کمانے کے مواقع سے محروم ہو جائے گا۔

اس لیے امام احمد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٦٦٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٠٦)

"إني لأدع ما لا بأس فيه خشية الوقوع مما فيه بأس"

''جس میں کوئی گناہ نہ ہو میں اس کو اس خدشے سے چھوڑ دیتا ہوں کہ کہیں میں ایسے عمل میں نہ پڑ جاؤں جس میں کوئی گناہ ہو۔''

گناہ کو حقیر نہ جانیں:

سامعین کرام! یہ بات بھی واضح ہو جانی چاہیے کہ کچھ گناہ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بڑھتے رہتے ہیں حتیٰ کہ آدمی کے میزان کو بھاری کر دیتے ہیں۔ بظاہر یہ ایسے گناہ ہیں کہ آدمی ان میں اس طرح کا کوئی بڑا خطرہ محسوس نہیں کرتا۔ مثلاً بعض اوقات منہ سے کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جو اتنی کڑوی ہوتی ہے کہ اگر اسے سمندر میں ڈال دیا جائے تو سارا پانی کڑوا ہو جائے۔[1]

یا آدمی اس کی پرواہ نہ کرے لیکن وہ آدمی کو لیکر جہنم میں ستر سال تک پھینک دیتی ہے،[2] یا وہ ایسی بات ہوتی ہے جو کسی برائی کو جنم دیتی ہے، اور لوگ اس کے پیچھے لگ کر گمراہ ہو جاتے ہیں تو اس کا اپنا گناہ اور جو بھی اس کے بعد اس کے مطابق عمل کرے اس کا بوجھ بھی اس کے سر پڑ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لِيَحْمِلُوٓا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ مِنْ أَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ أَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ﴾ [النحل: ٢٥]

''تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے بوجھ پورے اٹھائیں اور کچھ بوجھ ان کے بھی جنھیں وہ علم کے بغیر گمراہ کرتے ہیں۔ سن لو! برا ہے جو بوجھ وہ اٹھا رہے ہیں۔''

فرمانِ نبوی ہے:

«لا تقتل نفس ظلما إلا كان على ابن آدم الأول كفل من دمها لأنه أول من سن القتل»[3]

''جو شخص بھی مظلوم قتل ہوتا ہے اس کا گناہ آدم کے پہلے بیٹے کو جاتا ہے کیونکہ اس نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ جاری کیا۔''

---

1. دیکھیں: سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٨٧٥)
2. مسند أحمد (٢/ ٢٣٦)
3. صحيح البخاري، رقم الحديث (٣١٥٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٧٧)

ہوش کے ناخن لیں:

اس لیے اے مسلمان! اس بات سے بچ کہ تو اس وحشت ناک جال میں پھنس جائے، یا تو کوئی ایسی برائی کرے جس کا اثر صرف تم تک محدود نہ رہے بلکہ دوسرے مسلمانوں تک بھی پہنچ جائے۔ امام شاطبی نے کتنی اچھی بات کی ہے کہ "اس کے لیے خوشخبری ہے جس کی موت کے ساتھ اس کے گناہ بھی مر گئے، اور اس کے لیے طویل ہلاکت ہے جو خود تو مر جائے لیکن اس کے گناہ اس کے بعد سو سال تک یا دو سو سال تک رہیں اور اس کو قبر میں عذاب ہوتا رہے، اور اس سے اس وقت تک اس کے بارے میں سوال ہوتا رہے جب تک وہ مٹ نہ جائیں"!

اے اللہ! ہمیں اپنی پناہ میں رکھنا۔

جادو اور شعبدہ بازی کے خطرات

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ تقویٰ آگ سے بچانے والا اور جنت میں، جو گوشۂ سکون ہے، داخل ہونے کا سبب ہے۔ لہٰذا نیکوں اور پرہیز گاروں کا راستہ اپناؤ، اور نافرمانوں اور بدکرداروں کی راہ سے الگ ہو جاؤ۔

توہّم پرستی عقل کی دشمن ہے:

برادرانِ اسلام! انسانی تاریخ وثقافت پر غور وفکر کرنے اور اس کا بھرپور جائزہ لینے سے ایک انتہائی تکلیف دہ اور کڑوی حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ انسانی عقل اس طویل تاریخی دورانیے میں بہت سی تباہ کن اور ہلاکت خیز کارروائیوں کا شکار رہی ہے جس کے لیے خرافات اور توہّمات کا اسلحہ استعمال ہوتا رہا ہے اور فریب دہی اور شعبدہ بازی کی بارودی سرنگیں بچھائی جاتی رہی ہیں۔ یہ انسان کے عقلی، فکری اور باطنی پہلو پر کیا جانے والا شدید ترین اور مہلک وار ہے۔

خرافات، توہمات، فریب دہی اور شعبدہ بازی کی زنجیروں اور جکڑ بندیوں سے حقیقی آزادی ہی انسان کی عقل وفکر کو پریشان خیالات اور خرافات سے محفوظ رکھ کر اس کے اہم ترین انسانی حق کی حفاظت کے لیے ایک مضبوط فصیل اور محفوظ قلعہ مہیا کرتی ہے۔ لہٰذا انسانی عقل کو ہر اس چیز سے آزاد کرانے کے لیے کوشش کرنا جو اس کی فطرت کے ساتھ متصادم اس کی سوچ سلب کرنے والی اور اس کی اقدار ومبادیات کو قتل کرنے والی ہو، عقیدے کی ایک مقدس جنگ ہے۔

ان کم عقل شعبدہ بازوں کے وجود سے زندگی آباد ہوتی ہے نہ تہذیبیں پروان چڑھتی ہیں کیونکہ ان کے ہاں نہ انسان کی کوئی عزت ہے اور نہ عقل کی کوئی اہمیت!

عقیدہ توحید ...خرافات کا علاج:

ہم عقیدہ بھائیو! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث کیا، ان کے ذریعے جاہلیت کے تمام راستے مسدود کر دیے، شرک اور صنم پرستی کے تمام

نشانات مٹا دیے، اس ناسور کی جڑیں کاٹ ڈالیں اور اس بیماری کے تمام جراثیم ہلاک کر دیے۔

ان خرافات اور توہمات میں سر فہرست یہ فضول خیالات تھے جو انسانی عقل کی توہین ہے کہ لوگ بتوں اور پتھروں کے ساتھ امیدیں وابستہ کر لیتے اور انھیں اپنے دکھوں کا مداوا سمجھتے۔ جب ان پر کوئی جانور پیشاب کر جاتا تو انھیں چھوڑ دیتے۔ کچھ دوسرے لوگ کھجوروں اور دیگر کھانے کی چیزوں سے معبود بناتے، اور جب بھوک لگتی تو انھیں ہی کھا جاتے۔ ایک گروہ ایسا بھی تھا جو شعبدہ بازی اور قیافہ شناسی کا بازار گرم کرنے کے لیے اور عقل وفکر کو سلب کرنے کے لیے تعویذ، دھاگوں، گنڈھوں، اور عملیات کا سہارا لیتا۔

جب اسلام خالص توحید کا عقیدہ لے کر آیا اور زمین کا کونہ کونہ اس کے نور سے منور ہو گیا تو اس عقیدہ توحید نے دلوں کو غیر اللہ کی غلامی سے آزادی بخش کر عزت وشرف اور پاکیزگی کی بلندیوں پر بٹھایا اور عقلوں کو خرافات اور صنم پرستی کی گندی دلدل اور بھنور سے نکال باہر کیا۔

اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ ایک مسلمان کا عقیدہ ہی اس کی سب سے قیمتی چیز اور متاع جان ہے، جس کے ہوتے ہوئے وہ شدید ترین چیلنجز اور مشکل ترین آزمائشوں کا صبر وتحمل کے ساتھ مقابلہ کر سکتا اور ہر قسم کی پریشانی، اضطراب، بے چینی اور نفسیاتی افسردگی کا مردانہ وار سامنا کر سکتا ہے۔ اسی کے ذریعے وہ گمراہیوں، جھوٹے خیالات، خرافات اور شعبدہ بازی کے سیلاب کے آگے بند باندھ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰىنَا وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [التوبة: ٥١]

''کہہ دے ہمیں ہرگز کوئی نقصان نہ پہنچے گا مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا، وہی ہمارا مالک ہے اور اللہ ہی پر پس لازم ہے کہ ایمان والے بھروسا کریں۔''

نیز فرمایا:

﴿ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ﴾ [الزمر: ٣٨]

''کہہ تو کیا تم نے دیکھا کہ وہ ہستیاں جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے تو کیا وہ اس کے نقصان کو ہٹانے والی ہیں؟''

خرافات امت کی تباہی کا سبب ہیں:

اہلِ ایمان! اسلام نے اپنے پیروکاروں کے ذہنوں سے جاہلیت کے بوجھ اور اوہام دور کر دیے ہیں۔ اس نے ان کے نفوس کو شرک کی گندگی اور جھوٹے خیالات سے پاک کر دیا ہے، اور ان کو حقارت آمیز رویوں اور سفلہ پن کی تمام صورتوں اور نمونوں سے دور کر دیا ہے جن میں سرفہرست جادوگری، شعبدہ بازی، دھوکہ دہی اور خرافات کے تمام مظاہر شامل ہیں۔ توہمات کی یہ تمام شکلیں عقیدے پر براہ راست شدید ترین حملہ اور پر شکوہ قصرِ توحید کو منہدم اور زمین بوس کرنے کی صورتیں متصور ہوتی ہیں، جن کے نتیجے میں غیرت کوچ کر جاتی ہے، شکست خوردگی اور ہزیمت اس کی جگہ لے لیتی ہے، قوت کمزور ہو جاتی ہے، ارادے ٹوٹ جاتے ہیں، مسلّمات اور بدیہیات سے یقین اٹھ جاتا ہے اور افسانوی باتوں اور بے حقیقت کہانیوں کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ معاشرہ انتشار کا شکار ہو جاتا ہے، امت میں انارکی پھیل جاتی ہے، عقیدے کی حفاظتی دیوار میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں، اور بالآخر امت کی کشتی فنا کی راہ پر گامزن ہو کر عدم کے بھنور میں ہچکولے کھاتی کھاتی غرقِ آب ہو جاتی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ [الأنعام: ۸۲]

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا، یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔''

شعبدہ باز عقلوں کے ساتھ کھیلتے ہیں:

اے امتِ اسلام! ایک طویل عرصہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نئے زمانے میں امت کے کئی گروہوں میں شرمناک قسم کی پسماندگی اور بدترین جہالت کی وجہ سے حقائق کی تکذیب اور ان سے غفلت برتنے کی کئی صورتیں پیدا ہو چکی ہیں، جن کے سائے میں الفاظ کے ساتھ کھلواڑ کیا جا رہا ہے اور بڑے شیریں الفاظ میں اصطلاحات میں تحریف کی جا رہی ہے، جو بظاہر بڑے خوش کن ہیں لیکن حقیقت میں زہر میں بجھے ہوئے ہیں۔ جس کے نتیجے میں شرک کی بعض صورتوں کو قابلِ قبول بنایا

جا رہا ہے اور بعض بدعتی رواجوں کے بازار کو گرم کیا جا رہا ہے۔ جادو اور شعبدہ بازی کے مظاہر اس جعل سازی کے عملی نمونے ہیں جس کا شکار امت ہو چکی ہے۔ اسی کی وجہ سے اس کا مسلّمات، مبادیات، اور شرک وخرافات کی گندگی سے پاک عقیدے کا گراں قدر سرمایہ لٹ چکا ہے۔

اور یہیں پر بس نہیں بلکہ ہر روز فریب کاری، دروغ بافی، بیہودگی، افواہوں اور خرافات کی دنیا میں نت نئے طریقے متعارف کروائے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے امت کے لیے اعتقادی تحفظ کی ضرورت مزید بڑھ گئی ہے تاکہ توہمات کے جراثیم اور شعبدہ بازی کے خلیے امت اور معاشرے کی رگوں میں سرایت نہ کر سکیں۔

اگر ایسا ہوا تو اس کا انجام بڑا خطرناک ہوگا، ہر طرف ویرانی چھا جائے گی کیونکہ شعبدہ بازی جس دل میں اتر جائے وہاں اندھیرا کر دیتی ہے، اور جس معاشرے میں اپنے قدم ڈال دے وہاں تباہی پھیل جاتی ہے۔

عام لوگوں میں، جو افواہوں کے پیچھے دیوانہ وار بھاگتے ہیں اور نئی نئی باتوں کے چسکے میں اپنی عقل معطل کر دیتے ہیں، یہ بیماری اس حد تک پھیل چکی ہے کہ اہل توحید کے ہوش وحواس اڑ چکے ہیں۔ یہ لوگ توہمات، جھوٹی باتوں اور خوابوں کے اس قدر دلدادہ ہو چکے ہیں کہ بے سوچے سمجھے ان کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان شعبدہ بازوں نے بہت سارے دین وملت کا درد رکھنے والوں کی عقلوں کو بھی گمراہی کے راستے پر ڈال دیا ہے۔ اس کے بعد یہ قابل نفرت طرز ہائے عمل عوام الناس اور سادہ لوح لوگوں کی عقل کے ساتھ کیا کچھ گل کھلاتے ہیں؟ اس کے بارے میں تو سوال ہی نہ کریں!

اے اللہ کے بندو! ایمان کہاں چلا گیا اور دانشمند وسلیقہ شعار عقلیں کہاں کھو گئی ہیں؟

کیا ہم یہ آیات نہیں پڑھتے اور ان پر ایمان نہیں رکھتے:

﴿ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ [یونس: ۱۰۷]

''اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرلے تو کوئی اس کے فضل کو ہٹانے والا نہیں،

وہ اسے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے اور وہی بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

لیکن کس قدر تعجب کی بات ہے کہ ہر کم عقل دعوے دار کی بات کے سامنے عقل وفکر سے دامن چھڑا لیا جاتا ہے!

شعبدہ بازوں کی تصدیق کرنا گمراہی ہے:

برادرانِ اسلام! علم غیب کا دعویٰ کرنے والوں کی تصدیق کرنا، جادوگروں، کاہنوں، جوتشیوں، نجومیوں اور شعبدہ بازوں کے پاس آنا، جو علم غیب کا جھوٹا دعویٰ اور نفع ونقصان پہنچانے، خوش بختی لانے اور بدبختی دور کرنے کی معجزانہ طاقتوں کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں، بہت بڑی گمراہی اور کھلم کھلا گناہ ہے۔

غیب کا علم صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کے پاس اور اسی کے ساتھ مخصوص ہے:

﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [النمل: ٦٥]

''کہہ دے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے غیب نہیں جانتا۔''

جادو معاشرتی اختلافات کی جڑ ہے:

ہم آج ایسے زمانے میں جی رہے ہیں جس میں جھوٹے دعوے دار دجالوں کی کثرت ہے۔ یہ ایک خطرناک بیماری اور وسیع پیمانے پر پھیلنے والا شر ہے، جو افراد کی خوشحالی، خاندانوں کے اطمینان اور معاشرتی امن کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔

شعبدہ بازی کے کام شیطانی خصلت، ابلیسی عادت، کفریہ آلودگی اور یہودی سازش ہے۔

ان کا معاملہ بہت بڑھ چکا ہے، ان کا خطرہ سنگین ہو چکا ہے، ان کا شر پھیل چکا ہے، اور ان کے شعلے بہت بلند ہو چکے ہیں۔ ان کی وجہ سے کتنے ہی گھر اجڑ چکے ہیں، ازدواجی تعلقات بگڑ چکے ہیں، اور محبت کے رشتے ٹوٹ چکے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ﴾

[البقرة: ١٠٢]

''پھر وہ ان دونوں سے وہ چیز سیکھتے جس کے ساتھ وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیتے، اور وہ اس کے ساتھ ہرگز کسی کو نقصان پہنچانے والے نہ تھے مگر اللہ کے اذن کے ساتھ۔ اور وہ ایسی چیز سیکھتے تھے جو انھیں نقصان پہنچاتی اور انھیں فائدہ نہ دیتی تھی۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۞ وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ [یونس: ۸۱، ۸۲]

''تو جب انھوں نے پھینکا، موسیٰ نے کہا تم جو کچھ لائے ہو یہ تو جادو ہے، یقیناً اللہ اسے جلدی باطل کر دے گا۔ بے شک اللہ مفسدوں کا کام درست نہیں کرتا۔ اور اللہ حق کو اپنی باتوں کے ساتھ سچا کر دیتا ہے، خواہ مجرم برا ہی جانیں۔''

جادو کے نقصانات:

اہلِ اسلام! جادو کروانے اور جادوگروں کے پاس جانے کے دو نقصانات ہیں، ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا، دوسرے لوگوں کو ایذا پہنچانا اور زمین پر فساد مچانا۔ بہت سے معاشروں میں ایک کثیر تعداد اس گندگی کو بطور پیشہ اپنائے ہوئے ہے جو کوتاہ ہمتوں اور حسد کی آگ میں جلتے ہوئے بے ضمیروں سے محض چند ٹکوں کے حصول کی خاطر دن رات امت کے عقائد خراب کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔ اس طرح یہ اپنے مسلمان بھائیوں کی جادو کے بد اثرات کی وجہ سے بری حالت سے بطور تماشائی لطف اندوز ہوتے ہیں۔

یہ لوگ اس وقت تک چین کی نیند سوئیں گے نہ آرام کریں گے جب تک ان شعبدہ بازوں کا بازار گرم نہ ہو جائے اور یہ کونے کونے میں پھیل نہ جائیں۔ کبھی یہ دیسی علاج کے دروازے سے داخل ہوتے ہیں تو کبھی میاں بیوی کے درمیان الفت پیدا کرنے کے بہانے سے۔ اور ایسی چیزیں پیش کرتے ہیں جو ان کے دعوے کے مطابق میاں بیوی میں محبت بڑھا دیتی ہیں، اور کبھی یہ دو دشمنوں

کے درمیان انتقام کے جذبے کو ہوا دینے کو استعمال کرتے ہیں اور اس مقصد کے لیے تعویذ گنڈے پیش کرتے ہیں۔ ان کا فساد اس حد تک پھیل چکا ہے کہ اس کی آنچ سے کوئی تعلیم یافتہ محفوظ ہے اور نہ کوئی عبادت گزار ہی۔

ان بدنصیبوں اور سوختہ بختوں نے کتنی ہی دشمنیوں کے بیج بو دیے ہیں اور کتنے ہی جرموں کی بنیاد رکھی ہے! اللہ ان کو تباہ کرے۔ یہ بظاہر لوگوں کے سامنے معجزانہ چیزیں پیش کرتے ہیں لیکن درحقیقت سادہ لوح لوگوں کو تعویذات اور طلاسم کے چکر میں ڈال دیتے ہیں۔

شعبدہ بازی محض فریب ہے:

یہ اللہ کے دشمن رسوا ہوں، جو ہوا میں اڑتے ہیں، پانی پر چلتے ہیں، روحیں حاضر کرنے کے دعوے کرتے ہیں، عمل تنویم کے ذریعے لوگوں کو ہپناٹائز کرتے ہیں، ہاتھ پر پیالی رکھ کر شعبدہ بازی کے کرتب دکھاتے ہوئے آنکھوں کو دھوکا دیتے ہیں اور اس طرح کے دیگر مداری گری کے کرتب دکھا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

کچھ عقل کے دشمن بڑی بھاری گاڑیوں کو دانتوں سے کھینچنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کچھ زمین پر لیٹ کر اپنے اوپر سے گاڑی گزارنے کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور کئی دیگر دبائیوں کو سینکڑوں اور ہزاروں کو ملین میں تبدیل کرنے کی شعبدہ بازی کرتے ہیں اور مادی ہوس کے پجاری عقل سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«من أتی عرافا فسأله عن شيء لم تقبل له صلاة أربعين ليلة»[1]

''جو کسی نجومی کے پاس گیا اور اس سے کچھ پوچھا تو چالیس دنوں تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔''

ستاروں سے احوال پرسی کفر ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«من أتی عرافا أو كاهنا فصدقه بما يقول فقد كفر بما أنزل علی محمد

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۲۳۰)

صلی اللہ علیه و سلم»[1]

''جو کسی نجومی یا کاہن کے پاس گیا، اور جو وہ کہتا ہے اس کی تصدیق کی تو اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ (شریعت) کا انکار کیا۔''

نبی مصطفی ﷺ نے جادو کو سات مہلک چیزوں میں شمار کیا ہے جس طرح صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[2]

اللہ کے بندو! ستاروں اور برجوں سے احوال پرسی بھی ان تباہ کن اشیا میں شامل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس کی پیدائش فلاں برج میں ہو وہ اپنی زندگی میں خوش بخت ہوگا۔ مال، عزت، جاہ، خوش نصیبی جو چاہے گا حاصل کرے گا۔ اور جس کی پیدائش فلاں برج میں ہو تو وہ جنم جلا اور منحوس ہوگا، اور زندگی میں فلاں فلاں مصیبتوں اور دکھوں کو پائے گا۔ اس طرح کی دیگر رسوا کن اور بیہودہ باتیں پھیلائی جاتی ہیں جن کو شریعت مانتی ہے نہ عقل اور نہ منطق ہی تسلیم کرتے ہیں۔ بازاروں میں لوگوں کے پاس اس طرح کی عجیب عجیب باتیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

اس لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ان شیطانی اعمال سے بچنے کے لیے عقیدے اور ایمان کا مضبوط اور کثیف حصار کھینچا جائے۔ اسی طرح اس گمراہ گروہ کا خاتمہ کرنا بھی ضروری ہے جو امت کے سر پر منڈلاتا ہوا ایک عظیم خطرہ، معاشرتی امن کا جان لیوا دشمن، لوگوں کے عقائد خراب کرنے کی زبردست مہم، ان کی عقل کے ساتھ کھیلنے اور ان کے مال لوٹنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

جادوگر کی سزا:

جادوگر کی سزا قتل ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت جندب سے مرفوعاً اور موقوفاً بیان کیا ہے کہ جادوگر کی سزا گردن زدنی ہے۔[3]

بجالہ تمیمی کی حدیث میں ہے:

''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ مراسلہ بھیجا کہ ہر جادوگر کو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، قتل

---

[1] صحيح. المستدرك (١/ ٤٩)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٧٦٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٩)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٤٦٠) یہ حدیث موقوفاً ہی صحیح ہے کیونکہ مرفوع روایت کی سند میں اسماعیل بن مسلم راوی ضعیف ہے۔

کردو۔ وہ کہتے ہیں: ہم نے تین جادوگر عورتوں کو قتل کیا۔"[1]

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے صحیح حدیث مروی ہے کہ انھوں نے اپنی اس لونڈی کو قتل کرنے کا حکم دیا جس نے ان پر جادو کیا، لہٰذا اس کو قتل کر دیا گیا۔[2]

دیگر کئی صحابہ کرام اور تابعین عظام سے بھی جادوگر کو قتل کرنا ثابت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے:

"اکثر علماء کرام کا یہ موقف ہے کہ جادوگر کو قتل کیا جائے۔"[3]

اور یہی امام ابو حنیفہ، احمد اور مالک کا قول ہے۔ امام ابن قدامہ فرماتے ہیں:

"یہی مشہور ہے، اس کا انکار ثابت نہیں، لہٰذا اس پر اجماع ہے۔"[4]

اسی طرح یہ تمام مسلمانوں کی ذمے داری ہے کہ وہ ان شعبدہ بازوں کا قلع قمع کرنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں، ان کے متعلق قومی سلامتی کے اداروں اور نگرانی کرنے والی کمیٹیوں کو اطلاع دیں، اور اس سلسلے میں ان کے ساتھ بھرپور تعاون کریں۔ تاکہ یہ لوگ امت کے مسلّمہ عقیدے میں نقب لگانے، امن عامہ کو خراب کرنے اور معاشرتی استحکام کو کمزور کرنے کی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

آج دنیا ٹیکنا لوجی اور تمدن کے زمانے میں سانس لے رہی ہے۔ گمان تو یہ ہونا چاہیے کہ لوگ خرافات سے دور بھاگیں، شعبدہ بازی کی مخالفت کریں اور فراڈ بازی کے خلاف جنگ کریں لیکن ایک غیرت مند کے لیے یہ کس قدر مقام مایوسی ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ خرافات بھی زمانے کے ہم قدم ترقی پذیر ہیں، اور خوش بختی کے حصول کی خواہش اقتصادیات، سماجیات اور میڈیا کے مختلف میدانوں میں اپنے قدم جما چکی ہے بلکہ اس سلسلے میں باقاعدہ بعض خصوصی چینلز اور میڈیا سیلز کا اجراء کیا جا چکا ہے جو ذہنوں میں تشویش اور شک کے بیج بونے کے لیے ان خرافات کا سر عام پرچار کر رہے ہیں۔

---

[1] مسند أحمد (١/ ١٩٠)

[2] موطأ الإمام مالك (٢/ ٨٧١)

[3] مجموع الفتاوىٰ (٢٩/ ٣٨٤)

[4] المغني لابن قدامة (١٠/ ١١١)

یہاں اہل علم اور مبلغین کے سر پہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ امت کے عقائد درست کرنے پر اپنی توجہ مرکوز کریں اور ان میں احتساب اور اصلاح کا جذبہ پیدا کریں۔

اگر چہ آج اکثر اہل اسلام کی عقلیں خرافات اور شعبدہ بازی کے لگائے ہوئے چرکوں سے تار تار ہیں، اور ہر طرف تاریکی کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں تاہم اس بات کی قوی امید ہے کہ لوگ اپنے عقیدے کے سلسلے میں جس لا پرواہی کا شکار ہو چکے ہیں اس سے باز آ جائیں، اور توہمات اور باطل کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے والے گم گشتگان راہ کو نجات اور امن کے ساحل پر لے آنے کی بھرپور کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اپنے عقیدے، معاشرے اور امت کے لیے مخلصانہ کوششیں کرنے والوں کے شامل حال ہوتی ہے۔

جادوگری کے اعمال......عقیدے کے دشمن:

اللہ کے بندو! تقویٰ اختیار کرو، تقویٰ رحمان کے اولیا اور شیطان کے اولیا کے درمیان ایک بنیادی فرق سمجھا جاتا ہے۔ آج تمام لوگ اور انسانی معاشرے جس شدید ترین مصیبت کا شکار ہیں وہ یہ ہے کہ جادوگری، شعبدہ بازی، بدفالی، بدشگونی کے اعمال اور بعض مہینوں، راتوں، دنوں، بیماریوں، بیماروں، اور آفت زدگان کے متعلق توہم پرستی کی وجہ سے امت کی سب سے قیمتی چیز، یعنی اس کے عقیدے اور ایمان، میں نقص واقع ہو چکا ہے۔

ایک سچا مومن پاک طینت اور صاف ستھرے کردار کا مالک ہوتا ہے، وہ نہ تو توہم پرستی کو اپنے دل میں کوئی جگہ دیتا ہے اور نہ خوف و گھبراہٹ ہی اس کے سینے میں جگہ پاتے ہیں۔

جادو ایک حقیقی بیماری ہے:

برادران کرام! اس میں کوئی شک نہیں کہ جادو ایک واقعاتی حقیقت ہے، اور آسیب زدگی، ذہنی خبط اور نظر لگ جانا، شریعت اور واقعات کی نظر میں حقائق ہیں مگر کچھ لوگ اپنے تمام معاملات میں وہم کی دنیا میں رہتے ہیں، اور توہمات اور وسوسات زدہ رہتے ہیں۔ اگر کسی ایسے شخص کو سر میں درد ہو تو کہے گا: یہ آسیب کا اثر ہے۔ اور اگر زکام لگ جائے تو کہے گا: مجھے نظر لگ گئی ہے۔ جبکہ یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ آزمائش سنت ہے جو بندے کو گناہوں سے پاک کرنے کے لیے ہوتی ہے۔

جادو کا علاج:

برادرانِ اسلام! بیماری کی تشخیص ہونے کے بعد علاج اور دوا تجویز کرنا بھی ضروری ہے لیکن یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کی بیماری کی شفا حرام طریقہ علاج اور ادویہ میں نہیں رکھی۔ جائز دم اور جدید طب کے مختلف طریقہ ہائے علاج سے علاج کرنا درست ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر توکل کرنے کے منافی نہیں، لیکن معالج کی صلاحیت، دین،عقیدے، استقامت، سچائی اور دیانتداری کی جانچ پڑتال ضرور کرنی چاہیے۔

جادو کا توڑ اور نظر کا علاج جادو کے ذریعے کرنا جائز نہیں۔ اس طریقہ علاج کو ''نشرہ'' (جادو کے ذریعے جادو زدہ کا علاج کرنا) کہا جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"هو من عمل الشيطان" [1] ''یہ شیطانی عمل ہے۔''

بلکہ اس کا علاج جائز ادویہ سے کرنا چاہیے، اور یہ ضروری نہیں کہ دم کرنے والا کوئی مشہور ومعروف آدمی ہو یا کوئی لوگوں کا مال بٹورنے والا اور ان کی جیبوں پر ڈاکا ڈالنے والا پیشہ ور ہو بلکہ قرآن کریم ہر بیماری اور مرض کی شفا ہے:

﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ﴾ [حم السجدة: ٤٤]

''کہہ دے یہ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہدایت اور شفا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴾ [بني إسرائيل: ٨٢]

''اور ہم قرآن میں سے تھوڑا تھوڑا نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے سراسر شفا اور رحمت ہے اور وہ ظالموں کو خسارے کے سوا کسی چیز میں زیادہ نہیں کرتا۔''

اس لیے سامعین محترم! اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے۔ قرآن کریم کی طرف متوجہ ہوں، اور گناہ سے کنارہ کشی اختیار کریں۔ اگر آج اہل اسلام کا ایمان کمزور نہ ہوتا اور مختلف گھروں اور معاشروں میں نافرمانی کا چال چلن نہ ہوتا تو شعبدہ بازی کبھی ان معاشروں میں پہنچنے نہ پاتی۔

---

[1] صحیح۔ سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٨٦٨)

پیش بندی کے طور پر جائز دم، مسنون ادعیہ، اذکار اور اوراد کے ذریعے اپنا اور اپنی اولاد کا تحفظ کیجیے۔ یہ مسنون دعائیں انسان کو ایک مضبوط قلعہ اور محفوظ حصار مہیا کرتی ہیں۔ صبح وشام کے اذکار، گھر میں آنے جانے اور سونے کی دعاؤں پر ہیشگی کریں اور بکثرت سورۃ فاتحہ، آیۃ الکرسی، سورۂ بقرۃ کی آخری آیات، سورۂ اخلاص اور معوذتین (سورۂ ناس اور فلق) کی تلاوت کریں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان پر ہیشگی کرنے والے انسان کا ہر بیماری اور مصیبت سے بچاؤ کرتی ہیں۔

اب یہاں ایک نبوی نسخہ ذکر کیا جاتا ہے جو بہترین علاج اور تحفظ کا ضامن ہے۔

حضرت عبداللہ بن حبیب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''صبح اور شام کے وقت تین تین مرتبہ سورت اخلاص، ناس اور فلق کی تلاوت کرو۔ یہ تمھیں ہر چیز سے کفایت کر دیں گی۔''[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ بھی ہر دن صبح اور شام کے وقت تین مرتبہ یہ دعا پڑھے:

《 بسم الله الذي لا يضر مع اسمه شيء في الأرض ولا في السماء وهو السميع العليم》[2]

''اللہ کے نام سے جس کے نام کے ساتھ زمین اور آسمان میں کوئی چیز بھی تکلیف نہیں دے سکتی، اور وہ خوب سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔''

تو اس کو کوئی چیز بھی نقصان نہیں دے گی۔

تمام تعریفات کے لائق اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ ہے جس نے ہر بیماری کی دوا نازل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو روحانی اور جسمانی بیماریوں سے شفا بخش کر ہم پر احسان عظیم فرمائے۔

---

[1] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث (٥٠٨٢) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٥٧٥)

[2] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث (٥٠٨٨) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٣٨٨)

یومِ جمعہ کی فضیلت

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عمر بن محمد السبیل رحمہ اللہ

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔ اسی کے ذریعے گمراہی سے بچاؤ اور بے راہ روی سے سلامتی ممکن ہے، اور قیامت کے دن کامیابی اور نجات پانے کی یہی راہ ہے۔ اس کی فرمانبرداری اور خوشنودی کو لازمی طور پر اختیار کرو، اور یہ بات بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوقات کو منتخب فرما کر ان کی عزت افزائی کے لیے ان کو دوسروں پر فضیلت عنایت فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿ وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ ﴾ [القصص: ٦٨]

''اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور چن لیتا ہے۔''

جمعہ کے دن کی فضیلت:

اللہ تعالیٰ نے اپنی جن مخلوقات کو فضیلت سے نوازا ہے ان میں بعض ایام بھی شامل ہیں، اس نے ان بعض دنوں کو دیگر ایام پر فوقیت دی ہے، اپنا فضل اور انعام کرنے کے لیے انھیں نیکیوں کا موسم اور اپنے اولیا اور اصفیا کے لیے بازار جنت بنایا ہے۔ وہ ان ایام کو موقع غنیمت جانتے ہوئے ایسے اعمال کرتے ہیں جو انھیں اللہ کی رحمت اور خوشنودی کے قریب کر دیں گے۔

یاد رہے روز جمعہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر ومنزلت اور فضیلت وعزت کے اعتبار سے تمام دنوں سے بڑھ کر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دن کو منتخب فرما کر اور اسے دیگر ایام اور اوقات پر فوقیت عنایت کر کے امت اسلامیہ کے ساتھ اسے مخصوص کر دیا ہے۔ یہود ونصاریٰ اس سے گمراہ ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ کو عزت وتکریم دینے کے لیے اپنے نبی ﷺ کی برکت سے اس کی راہ سمجھائی اور امت نے اپنے نبی کی رسالت کی برکت سے ہر بھلائی اور فضیلت حاصل کر لی۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أضل الله عن الجمعة من كان قبلنا، فكان لليهود يوم السبت، وكان للنصارىٰ يوم الأحد، فجاء الله بنا فهدانا ليوم الجمعة»[1]

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٥٦)

''اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو ہم سے پہلے تھے جمعے سے گمراہ کردیا تو یہودیوں کے لیے ہفتے کا دن مقرر ہوا اور عیسائیوں کے لیے اتوار۔ پھر اللہ تعالیٰ ہمیں لے کر آئے اور ہمیں جمعے کے دن کی راہ سمجھائی۔''

لہٰذا جمعے کا دن تمام دنوں کا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو عظیم ترین خصوصیات اور بہت بڑی خوبیوں سے نوازا ہے جو کسی دوسرے دن کے حصے میں نہیں آئیں۔ اللہ بزرگ و برتر نے اس دن کے فوائد اور فضائل سمیٹنے کے لیے اور اس دن کی مخصوص عبادات میں جلدی کرنے کے لیے بندوں کو دعوت دی ہے۔ اس دن کے فضائل اور خصائص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« خير يوم طلعت عليه الشمس يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه أدخل الجنة، وفيه أخرج منها، ولا تقوم الساعة إلا في يوم الجمعة »[1]

''جمعے کا دن وہ بہترین دن ہے جس میں سورج طلوع ہوا، اس دن آدم پیدا ہوئے، اسی دن انھیں جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن انھیں اس سے نکالا گیا، قیامت بھی جمعے کے دن ہی قائم ہوگی۔''

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت ابولبابہ بدری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یقیناً جمعے کا دن تمام دنوں کا سردار اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے عظیم ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے دن سے بھی بہت بڑھ کر ہے، اس کی پانچ خصلتیں ہیں: اس دن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا، اسی دن ان کو زمین پر اتارا، اور اسی نے انھیں فوت کیا، اس میں ایک ایسی گھڑی ہے جس میں بندہ جو کچھ بھی مانگے اللہ اسے عطا کردیتے ہیں جب تک وہ کوئی حرام چیز نہ مانگے۔ اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ ہر مقرب فرشتہ، آسمان، زمین، ہوا، اور سمندر جمعے کے دن سے ڈرتے ہیں۔''[2]

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٥٤)

[2] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٠٨٤) مسند أحمد (٣/ ٤٣٠)

قبولیت کی گھڑی:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں اس دن کی بعض خوبیاں اور خصوصیات شمار کی ہیں۔ ان میں سے ایک اہم ترین خصوصیت وہ ہے جس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے کہ اس میں ایک گھڑی ہوتی ہے جسے جو مسلمان بھی پالے اور اللہ تعالیٰ سے جس چیز کو طلب کرے وہ اسے عطا کر دیتے ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وہ گھڑی جس میں قبولیت کی امید کی جاتی ہے اکثر احادیث کے مطابق عصر کی نماز کے بعد ہوتی ہے۔''[1]

ابو داود، حاکم اور نسائی میں صحیح حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«التمسوها آخر ساعة بعد العصر»[2]

''اسے عصر کے بعد آخری ساعت میں تلاش کرو۔''

اس دن کے لیے جو عبادات مشروع و مخصوص ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ سورۃ کہف کی تلاوت کرنا، جیسا کہ سنن نسائی اور مستدرک حاکم میں حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«من قرأ سورة الكهف في يوم الجمعة أضاء له من النور فيما بينه وبين الجمعتين»[3]

''جو کوئی جمعے کے دن سورۃ کہف کی تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دو جمعوں کے درمیان نور روشن کر دے گا۔''

نمازِ جمعہ کی فضیلت و اہمیت:

اللہ کے بندو! اس بابرکت دن کی سب سے اہم خصوصیت اور سب سے عظیم کام نماز جمعہ ادا کرنا ہے۔ یہ تمام نمازوں میں مرتبے، تاکید اور ثواب کے اعتبار سے عظیم ترین نماز ہے۔ اسلام نے اس پر بھرپور توجہ دی ہے، اس کے لیے غسل کرنے، صفائی ستھرائی اختیار کرنے، خوشبو لگانے، ناپسندیدہ

---

[1] تحفة الأحوذي (٢/ ٥٠٣)

[2] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث (١٠٤٨) سنن النسائي، رقم الحديث (١٣٨٩)

[3] المستدرك (٢/ ٣٩٩) سنن البيهقي (٣/ ٢٤٩)

بد بو ختم کرنے، خوبصورت لباس زیب تن کر کے آنے، اس کے لیے جلدی نکلنے، امام کے قریب بیٹھنے اور وعظ ونصیحت کو خوب دھیان سے سننے پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو جمعے کے دن غسل جنابت جیسا غسل کرے، پھر پہلی ساعت میں مسجد میں آجائے تو جیسے اس نے ایک اونٹ کی قربانی دی، اور جو دوسری ساعت میں آئے تو گویا اس نے ایک گائے کی قربانی دی، اور جو تیسری گھڑی میں آئے تو جیسے اس نے ایک سینگوں والے مینڈھے کی قربانی پیش کی، اور جو چوتھی ساعت میں آئے تو گویا اس نے ایک مرغی کی قربانی دی اور جو پانچویں ساعت میں آئے تو جیسے اس نے ایک انڈہ قربانی کے لیے پیش کیا۔ جب امام نکل پڑے تو فرشتے حاضر ہو کر ذکر کی سماعت کرتے ہیں۔''[1]

امام ابو داود اور حاکم نے حضرت سمرہ بن جندب سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«احضروا الجمعة وادنوا من الإمام فإن الرجل ما يزال يتباعد حتى يؤخر في الجنة وإن دخلها»[2]

''جمعے میں حاضر ہو کر امام کے قریب بیٹھو، آدمی مسلسل پیچھے ہٹتا رہتا ہے حتیٰ کہ جنت میں بھی اگر داخل ہوا تو پیچھے ہی رکھا جائے گا۔''

پھر آدمی جب مسجد میں آئے تو عبادت، نیکی، نماز، ذکر اور تلاوت قرآن میں مشغول رہے یہاں تک کہ امام نکل آئے۔ جب امام نکل آئے تو بڑی توجہ کے ساتھ خطبہ سنے، اللہ تعالیٰ اور آخرت کے گھر کی یاد دہانی کرانے والی، شریعت مطہرہ کی تعلیمات اپنانے پر زور دینے والی اور دنیا و آخرت میں فرد اور امت کی اصلاح اور نیکی پر ابھارنے والی جو آیات و احادیث بیان ہوں، ان سے نصیحت حاصل کرے۔ پھر سکون اور خشوع کے ساتھ نماز ادا کرے، جن آیات کی تلاوت کی جائے ان پر تدبر کرے۔ نماز میں جو بندگی اور عاجزی کی حالتیں ہیں ان پر غور وفکر کرے، جب فرض نماز سے فارغ ہو تو نماز کے بعد مخصوص اذکار میں مشغول ہو جائے۔ پھر سنت کی رو سے مسجد میں چار رکعت نفل نماز

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث (٨٨١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٥٠)
2. حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث (١١٠٨) مسند أحمد (٥/ ١١)

ادا کرے یا گھر میں دو نفل پڑھے جبکہ انھیں مؤخر کر کے گھر میں پڑھنا افضل ہے، جس طرح صحیحین میں ثابت ہے۔[1]

جو شخص خالص نیت کے ساتھ اس طرح اسے ادا کرے تو یہ شخص اس قابل ہے کہ اس بابرکت دن کی فضیلت پالے اور اللہ منعم و کریم کی جانب سے اس کے اجر عظیم کا مستحق ٹھہرے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«من توضأ فأحسن الوضوء، ثم أتى الجمعة فاستمع وأنصت غفرله ما بينه وبين الجمعة وزيادة ثلاثة أيام»[2]

''جو احسن انداز میں وضو کرے اور جمعے کے لیے آئے، پھر خاموشی اور دھیان سے سنے، تو اس جمعے تک اور مزید تین دن تک اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

جمعہ ضائع کر دینے والے امور سے اجتناب کریں:

اللہ کے بندو! ہر اس چیز سے بچو جس سے شریعت نے منع کیا اور ڈرایا ہے جو جمعے کا اجر ضائع کرنے یا ثواب کم کرنے کا سبب ہو، جیسے: جمعے کے لیے آنے میں اتنی تاخیر کرنا حتیٰ کہ امام بھی آجائے یا نمازیوں کی گردنیں پھلانگ کر ان کی توجہ منتشر کرنا۔

نبی کریم ﷺ جمعے کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اس دوران میں آپ نے ایک آدمی کو دیکھا جو لوگوں کی گردنیں پھلانگ رہا تھا، آپ نے اس کے عمل کو ناپسند فرماتے ہوئے فرمایا:

«اجلس فقد آذيت و آنيت»[3]

''بیٹھ جاؤ، تم نے تکلیف دی ہے اور لیٹ ہوئے ہو۔''

جو شخص ایسا کرتا ہے اس کے متعلق یہ خدشہ ہے کہ وہ کہیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے عمومی حکم میں داخل نہ ہو جائے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ [الأحزاب: ٥٨]

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث (٩٣٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٨٢)
2. صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٥٧)
3. **صحیح**. سنن ابن ماجه (١١١٥) امام ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ذہبی اور البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

''اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیف دیتے ہیں، بغیر کسی گناہ کے جو انھوں نے کمایا ہو تو یقیناً انھوں نے بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا۔''

اسی طرح بلند آواز میں ذکر یا تلاوت قرآن کرنے سے بھی بچیں تاکہ لوگ تنگ نہ ہوں۔ رسول کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو جب ان کی آوازیں قراءت کرتے ہوئے بلند ہوگئیں تو ان الفاظ میں منع کر دیا:

«لا يجهر بعضكم على بعض بالقرآن»[1]

''ایک دوسرے کے سامنے بلند آواز میں تلاوت نہ کرو۔''

اس سے بھی بدتر صورتحال یہ ہے کہ خصوصاً خطبے کے دوران ہی میں دنیاوی معاملات کے متعلق باتوں کا سلسلہ شروع کر کے لوگوں کو پریشانی میں مبتلا کیا جائے، آدمی کے لیے اس سے بڑھ کر اور کون سی حرمان نصیبی اور بے بصیرتی ہوگی کہ وہ باتوں میں مشغول رہ کر یا کنکریوں وغیرہ سے کھیل کر خطبے سے بالکل بے توجہ ہو جائے اور جمعے کے ثواب اور فضیلت سے محروم ہو جائے۔

آپ ﷺ نے اس سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

«من مس الحصىٰ فقد لغا»[2] ''جس نے کنکری کو چھوا تو اس نے لغو حرکت کی۔''

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إذا قلت لصاحبك: أنصت والإمام يخطب فقد لغوت»[3]

''اگر تو نے اپنے ساتھی سے یہ کہا کہ خاموش ہو جاؤ، اور امام جمعے کا خطبہ دے رہا ہو تو تم نے لغو حرکت کی۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«من قال لصاحبه، والإمام يخطب: صه، فقد لغا، ومن لغا فليس له في جمعته تلك شيء»[4]

---

[1] **صحيح**. مسند أحمد (٤/ ٣٤٤)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٥٧)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٨٩٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٥١)

[4] **ضعيف**. سنن أبي داود، رقم الحديث (١٠٥١) اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔

''جس نے خطبے کے دوران میں اپنے ساتھی سے کہا: خاموش ہو جاؤ تو اس نے لغو حرکت کی، اور جس نے لغو حرکت کی تو اس کا جمعہ نہیں۔''

ترکِ جمعہ کبیرہ گناہ ہے:

اللہ کے بندو! کسی مسلمان کا کسی شرعی عذر کے بغیر جمعے سے پیچھے رہنا کبیرہ گناہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بڑے سخت انداز میں اس پر تنبیہ فرمائی اور یہ وضاحت کی ہے کہ جو ایسا کرتا ہے وہ اپنے آپ کو ''اللہ تعالیٰ سے غفلت برتنے'' اور دل پر مہر لگ جانے کی بیماری کا شکار بنا دیتا ہے۔ جس کے دل پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دے اس کی بصیرت بے نور ہو جاتی ہے اور اس کا ٹھکانہ بھی انتہائی برا ہو جاتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« لينتهين أقوام عن ودعهم الجمعات، أو ليختمن الله على قلوبهم، ثم ليكونن من الغافلين »[1]

''لوگ جمع چھوڑنے سے ضرور باز آ جائیں وگرنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دیں گے، پھر وہ غافل ہو جائیں گے۔''

مسند احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« من ترك الجمعة ثلاث مرات من غير ضرورة طبع الله على قلبه »[2]

''جس نے بلا ضرورت تین مرتبہ جمعہ چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ نے اس کے دل پر مہر لگا دی۔''

اس لیے اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور جمعے کو ایسے جلیل القدر نیک اعمال کرنے کے لیے موقع غنیمت سمجھو جن کی وجہ سے تمھیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے اور تم اس کی رحمت و رضا کے انتہائی زیادہ نزدیک ہو جاؤ۔ کیونکہ یہ دنیا اور آخرت میں کامیابی اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کے اسباب میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٦٥)

[2] صحيح. مسند أحمد (٥/ ٣٠٠)

اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [الجمعة: ٩]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔''

بکثرت درود پڑھو:

اللہ کے بندو! تمھیں علم ہونا چاہیے کہ جمعرات اور جمعے کے دن کیے جانے والے نیک اعمال میں سے افضل اور بہترین عمل رسول کریم ﷺ پر بکثرت درود و سلام بھیجنا ہے۔

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فأكثروا علي من الصلاة فيه، فإن صلاتكم معروضة علي »[1]

''جمعے کا دن تمھارے بہترین دنوں میں سے ہے، لہٰذا اس دن مجھ پر بکثرت درود بھیجا کرو کیونکہ تمھارا درود مجھے پیش کیا جاتا ہے۔''

امام بیہقی نے حسن سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« أكثروا من الصلاة علي يوم الجمعة وليلة الجمعة »[2]

''جمعرات اور جمعے کے دن مجھ پر بکثرت درود بھیجا کرو۔''

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ تمام مخلوق کے سردار ہیں، اور جمعہ تمام دنوں کا سردار، اس لیے اس دن درود بھیجنے کی جو خوبی ہے وہ کسی اور دن کی نہیں۔ اس میں ایک اور حکمت بھی ہے کہ امت نے دنیا و آخرت میں جو بھی بھلائی پائی ہے وہ صرف آپ ﷺ کے ہاتھ سے پائی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائیاں اکٹھی کر دیں، اور انھیں جو سب سے بڑی عزت حاصل ہوگی وہ جمعے کے روز ہوگی، اس دن وہ انھیں جنت

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (١٠٤٧) سنن النسائي، رقم الحديث (١٣٧٤)

[2] حسن. سنن البيهقي (٣/ ٢٤٩)

میں ان کے گھروں اور محلات کی طرف بھیجے گا، جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو یہ ان کے لیے مزید اجر کا دن ہوگا، اور یہ ان کے لیے دنیا کی عید کا دن ہے، اس دن اللہ تعالیٰ ان کی تمام درخواستوں اور ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں اور کسی سائل کو رد نہیں کرتے۔ مسلمانوں کو ان ساری باتوں کا علم آپ ﷺ ہی کے توسط سے حاصل ہوا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حمد وشکر اور آپ ﷺ کے حق کی تھوڑی سی ادائیگی کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اس دن اور اس کی رات آپ پر بکثرت درود بھیجیں۔'' [1]

اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ [الأحزاب: ٥٦]

''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلاۃ بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اس پر صلاۃ بھیجو اور سلام بھیجو، خوب سلام بھیجنا۔''

[1] زاد المعاد (١/ ٣٦٤)

انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر اُسامہ خیاط ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے دارالعزت (جنت) میں عظیم الشان بادشاہ کے ہاں بلند ترین اور اعلیٰ درجات پر فائز ہوں گے۔ جسے وہاں اس جنت میں گھنے درختوں کے سائے تلے جگہ مل گئی وہ ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتوں سے بہرہ ور اور سرفراز ہوگا۔

اللہ کا وعدہ سچا ہے:

اے اہلِ اسلام! وہ سچا اور برحق وعدہ جو ہر قیمت پورا ہو کر رہے گا وہ رحمٰن کا وعدہ ہے، جسے حق جل شانہ نے اپنے کلامِ محکم اور سچی ترین کتاب میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [یونس: ۵۵]

''سن لو! آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ سن لو! بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے۔''

نیز فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ [الفاطر: ۵]

''اے لوگو! یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے تو کہیں دنیا کی زندگی تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور کہیں وہ دھوکے باز تمھیں اللہ کے بارے میں دھوکا نہ دے جائے۔''

ایک وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں سے کیا ہے جو اپنے اموال نیکی کی راہوں میں خرچ کرتے ہیں کہ وہ ان کا خاتمہ بالخیر کرے گا اور انھیں اس مال کا، جو وہ اللہ کے دیے ہوئے مال سے سخاوت اور فیاضی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، پورا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل واحسان، جود وسخا اور کرم وعنایت سے اس کا نعم البدل بھی عطا کرے گا۔

اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ لَهٗ وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ وَ هُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ﴾ [السبا: ۳۹]

''کہہ دے بے شک میرا رب رزق فراخ کرتا ہے، اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے اور اس کے لیے تنگ کر دیتا ہے اور تم جو بھی چیز خرچ کرتے ہو تو وہ اس کی جگہ اور دیتا ہے اور وہ سب رزق دینے والوں سے بہتر ہے۔''

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے دنیاوی اور اخروی فوائد:

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو تمھارے لیے حلال کیا ہے تم اس میں سے اس کا حکم بجا لاتے ہوئے جتنا بھی خرچ کرو گے وہ دنیا میں تمھیں اس کا بدل دے گا اور آخرت میں اس کی جزا اور ثواب عطا کرے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

''اے ابن آدم! خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔''[1]

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ما من یوم یصبح فیه إلا و ملکان ینزلان»

کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرتا کہ جس کی صبح جب لوگ بیدار ہوں تو دو فرشتے نہ اتریں۔ ایک کہتا ہے:

«اللهم أعط منفقا خلفا»

اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس کا نعم البدل عطا فرما۔''

اور دوسرا کہتا ہے:

«اللهم أعط ممسکا تلفا»[2]

''اے اللہ! نہ خرچ کرنے والے کا سرمایہ تلف کر دے۔''

یاد رہے، یہاں خرچ کرنے والے کے حق میں فرشتے کی یہ دعا کہ ''اللہ اسے نعم البدل عطا فرمائے۔'' دنیا اور آخرت دونوں کو شامل ہے، دنیا میں اللہ تعالیٰ اس کے مال میں برکت ڈالتے اور اس

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۵۳۵۲) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۹۹۳)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۱۴۴۲) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰۱۰)

میں اضافہ فرماتے ہیں اور آخرت میں اسے اچھا ثواب اور بہترین بدلہ عطا فرمائیں گے۔

اور دوسرے فرشتے کی ''نہ خرچ کرنے والے'' کے لیے بد دعا کے نتیجے میں یا تو اس کا سارا مال ضائع ہو جاتا ہے یا پھر صاحب مال بذات خود نقصان سے دو چار ہو جاتا ہے۔ بہر حال اس سے یہ مراد ہے کہ آدمی برے اعمال میں مشغول رہ کر نیک اعمال سے محروم ہو جاتا ہے۔

صحیحین ہی میں حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أنفقي ولا تحصي فيحصي الله عليك، ولا توعي فيوعي الله عليك»[1]

''خرچ کر اور گنتی نہ کر، وگرنہ اللہ تعالیٰ بھی تمھیں گن گن کر دے گا اور اسے بند کر کے نہ رکھ، وگرنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ پر بند کر کے رکھ دے گا۔''

اس حدیث میں حضرت اسما رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام سے منع فرمایا کہ وہ زائد از ضرورت مال کو خرچ نہ کرے اور ختم ہونے کے ڈر سے نیکی کے کاموں میں صرف نہ کرے، جس کا انجام یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا رزق ہی بند کر سکتا ہے اور خرچ کرنے کی برکت سے محروم کر سکتا ہے، اور یہ کس قدر برا اور بدنما انجام ہے؟

خرچ کرنے کے اصول:

تاہم یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ یہ خرچ کرنا شریعت کریمہ کے پیش کیے ہوئے بہترین، مضبوط اور پائیدار طریقوں کے مطابق ہی ہونا چاہیے، یعنی میانہ روی اور اعتدال کی چال چلنا، جسے قرآن حکیم ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

﴿ وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾ [الإسراء: ٢٩]

''اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا کر لے اور نہ اسے کھول دے، پورا کھول دینا، ورنہ ملامت کیا ہوا، تھکا ہارا ہو کر بیٹھ رہے گا۔''

یہ فضول خرچی اور کنجوسی کی دو برائیوں کے درمیان رہنے والی نیکی ہے۔ یہ دونوں ہی مذموم ترین اور قبیح ترین خصلتیں ہیں اور ایک ہوشمند مسلمان کے لیے ان دونوں سے دور رہنا، ان کی راہ کا راہی

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٤٣٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٢٩)

بننے سے علیحدہ رہنا اور ان کی گہری کھائی میں گرنے سے بچنا از بس ضروری ہے۔

اس ربانی وعدے کے مقابل انسان کے لیے فقیری کا شیطانی وعدہ بھی ہے، وہ انسان کو اس بات سے ڈراتا ہے کہ اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال سے کچھ خرچ کیا تو وہ فقیر اور غربت زدہ ہو جائے گا۔ اور علامہ ابن قیم کے الفاظ میں شیطان کا وعدہ جھوٹے، غدار اور نافرمان کا وعدہ ہے۔[1] لہٰذا جو اس کے وعدے کے دھوکے میں آ جاتا ہے وہ حقیقت میں فریب خوردہ اور نقصان رسیدہ ہوتا ہے۔ جو اس کے دھوکے میں آ جاتا ہے اور اس کی پکار پر لبیک کہتا ہے تو پھر وہ اس کو اٹھا کر بدترین جگہوں پر چھوڑ آتا ہے۔ اور یہ بھی غور طلب بات ہے کہ شیطان کا انسان کو فقر سے ڈرانا اس کی خیر خواہی یا اس پر شفقت کرنے کی غرض سے نہیں، جس طرح ایک بھائی دوسرے بھائی کو نصیحت کرتا ہے، نہ اس وجہ ہی سے ہے کہ وہ اسے ہمیشہ مالدار دیکھنے کا خواہشمند ہے، بلکہ اس کا فقیر اور حاجتمند رہنا تو اس کو ہر چیز سے زیادہ بھلا لگتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ جو انسان کو فقیری سے ڈراتا اور اسے بخل کا حکم دیتا ہے تو اس کی غرض صرف یہ ہے کہ انسان اپنے پروردگار کے متعلق بدگمان ہو جائے، اس کی رضا کی خاطر اس کی پسندیدہ جگہوں پر خرچ کرنا چھوڑ دے اور حرمان نصیبی کا مستحق ہو جائے۔

اہلِ اسلام! یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور وہ شیطان کا وعدہ۔ اب بخیل اور خرچ کرنے والے کو دیکھنا چاہیے کہ دونوں وعدوں میں سے کون سا وعدہ زیادہ قابلِ اعتبار ہے؟ کس کے وعدے پر دل مطمئن ہوتا ہے؟ اللہ جسے چاہے توفیق سے نوازتا ہے اور جسے چاہے ذلت کی پستیوں میں گرا دیتا ہے، وہ بہت زیادہ وسعت اور علم والا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَ اللّٰهُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴾ [البقرة: ٢٦٨]

''شیطان تمھیں فقر کا ڈراوا دیتا ہے اور تمھیں شرمناک بخل کا حکم دیتا ہے اور اللہ تمھیں اپنی طرف سے بڑی بخشش اور فضل کا وعدہ دیتا ہے اور اللہ وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

---

[1] طریق الهجرتین و باب السعادتین (ص: ٥٥٤)

اللہ کے متعلق اچھا گمان رکھیں:

حضرات! خرچ کرنے والے کا اپنے رب کے متعلق حسن ظن رکھنا اس بات کی واضح ترین دلیل ہے کہ اس آدمی کا نفسیاتی وجود تندرست اور سلامت ہے، اس کا اپنے رب پر مکمل توکل ہے، اسے اس وعدے کی سچائی کا یقین ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خرچ کرنے والے بندوں سے کیا ہے، وہ سچا وعدہ جو پورا ہونے والا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

لہٰذا اہل اسلام! اپنے رب کے متعلق اچھا گمان رکھیں، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمھیں مال دیا ہے، اسے خوش دلی سے خرچ کریں، تم اس وعدے کے مستحق ہو جاؤ گے کہ دنیا میں تمھیں اس کا نعم البدل ملے گا اور آخرت میں اجر عظیم اور حسن ثواب تمھارا مقدر ٹھہرے گا۔

ماہِ ربیع الأول
پہلا خطبہ
امت مسلمہ کی طاقت کا سرچشمہ
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ صالح بن حمید حفظہ اللہ
25/5/2001 = 2/3/1422
دوسرا خطبہ
عیدمیلاد النبی ﷺ کی بدعت
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل حفظہ اللہ
1/6/2001 = 9/3/1422
تیسرا خطبہ
تفریحِ طبع کا اسلامی مفہوم
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر سعود الشریم حفظہ اللہ
8/6/2001 = 16/3/1422
چوتھا خطبہ
شادی اور اس کے متعلقہ معاملات میں آسانی کی ترغیب
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر عمر بن محمد السبیل رحمہ اللہ
15/6/2001 = 23/3/1422

امت مسلمہ کی طاقت کا سرچشمہ

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر صالح بن حمید ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اے لوگو! میں تم کو اور اپنے آپ کو تقویٰ کی نصیحت کرتا ہوں۔ اللہ تم پر رحمت کرے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔ جو اپنے رب سے ڈر گیا وہ کامیاب اور خوش نصیب ٹھہرا، اور وہ روزِ جزا وعدے کے مطابق بہترین صلے کا حقدار ہوگا۔ اپنے رب کی بندگی اور اطاعت شعاری اخلاص کے ساتھ کرو، جمعے اور جماعت کا التزام کرو، نیک اعمال میں سبقت لے جاؤ، اس دن کے لیے تیاری کرو جس دن خرید وفروخت ہوگی نہ کوئی دوستی ہی کام آئے گی۔ ان لوگوں سے عبرت حاصل کرو جو تاریخ کے ورق بن چکے ہیں اور اس بات سے نصیحت حاصل کرو کہ موت نے حد سے گزرنے والوں کا نام تک مٹا دیا ہے۔

حق کی قوت:

مسلمانو! حق کی قوت کس قدر خوشنما ہے جو ٹھنڈک اور سلامتی بن کر ابھرتی ہے، ٹوٹے ہوئے دلوں پر ٹوٹنے والے مظالم کو روک دیتی ہے، اور کمزوروں اور مظلوموں پر برسنے والی تکلیفوں کو مٹا دیتی ہے۔ حق کی تائید کرنے والی قوت کی فضیلت وہی جانتا ہے جو ایک زمانے تک ظلم کی چکی میں پستا رہا ہے۔ کمزور اور مظلوم دونوں ہی قوت کے آثار اور اس کی صدا کو صبح کی کرن سمجھتے ہوئے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ جو رات کی تاریکیوں کا سینہ چیر کر صبح کو روشن کرتی ہے، اس انصاف پرور قوت کے کیا کہنے کہ جب حق کا اثبات اور باطل کا خاتمہ ہو جائے!

وہ قوت جو لوگوں کے درمیان عدل کے ترازو قائم کر دے، اور ان میں انصاف کا بول بالا کر دے۔ درحقیقت یہی وہ قوت ہے جس کا اسلام حکم دیتا ہے اور مسلمانوں کی اس کے مطابق تربیت کرتا ہے بلکہ اسلام تو اس کے لیے ہر اعلیٰ چیز بلکہ اپنی جان تک قربان کر دینے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے:

«المؤمن القوي خير وأحب إلى الله من المؤمن الضعيف، وفي كل خير»[1]

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٦٤)

''طاقتور مومن اللہ تعالیٰ کو کمزور مومن سے زیادہ بہتر اور محبوب لگتا ہے، اور ہر ایک میں بھلائی ہے۔''

قرآن کریم میں ہے:

﴿ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ﴾ [الأنفال: ٦٠]

''اور ان کے (مقابلے کے) لیے قوت سے اور گھوڑے باندھنے سے تیاری کرو۔''

کھویا ہوا حق صرف وہی مردان جرأتمند واپس لوٹا سکتے ہیں جن کی حق میں جرأت ان کے حریفوں کی باطل میں جرأت سے کہیں بڑھ کر ہو، اور ان کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی دینے کا جذبہ ان کے دشمن کے خطرات میں کودنے، لوٹ مار مچانے اور حرام کی کمائی کو محفوظ رکھنے کے جذبے سے زیادہ شدید ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ [التوبة: ١١١]

''بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لیے ہیں، اس کے بدلے کہ یقیناً ان کے لیے جنت ہے، وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں، پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں اس کے ذمے پکا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ اپنا وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟ تو اپنے اس سودے پر خوب خوش ہو جاؤ جو تم نے اس سے کیا ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''

دشمنوں کی سطوت کا راز ... مسلمانوں کی کمزوری:

اے امت مسلمہ! دشمنوں کے غلبے اور سطوت کا یہ راز نہیں کہ وہ بہت زیادہ طاقتور ہیں بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر اس کا سبب مسلمانوں کی صفوں میں پھیلی ہوئی کمزوری ہے۔ آج ظلم واستبداد، سرکشی اور حق و انصاف کے ترازو میں عدم توازن کی وجہ سے دنیا کو ایک ایسی قوت کی ضرورت ہے جو عدل اور

منصفانہ نظام کو قائم کردے، دنیا کی یہ ضرورت کھانے پینے کی ضرورت سے زیادہ اہم ہے کیونکہ خوف اور ظلم کے سائے میں نہ کھانے کی کوئی لذت ہوتی ہے نہ پانی کا کوئی ذائقہ۔

مسلمانوں کی کمزوری کا سبب:

برادران اسلام! آج وقت مسلمانوں کے الٹ چل رہا ہے، وہ پھیلنے کے بعد سکڑ رہے ہیں اور قوت کے بعد کمزوری کا شکار ہو چکے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس میں بھی کوئی راز ہو لیکن اب یہ راز راز نہیں رہا، پیارے پیغمبر ﷺ نے اپنے اس فرمان میں اس راز سے پردہ اٹھایا ہے:

''قریب ہے کہ تم پر قومیں اس طرح ٹوٹ پڑیں جس طرح بھوکے کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔''

صحابہ کرام پوچھنے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا اس دن ہم تھوڑے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ''بلکہ اس دن تم بہت زیادہ ہوگے، لیکن تم سیلاب کی جاگ کے ساتھ آنے والی گندگی کی طرح ہوگے، اللہ تعالیٰ تمھارے دشمنوں کے دلوں سے تمھارا رعب ختم کردیں گے اور تمھارے دل میں ''وہن'' ڈال دیں گے۔'' انھوں نے پوچھا: ''وہن'' کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: ''دنیا کی محبت اور موت سے نفرت!''[1]

حقیقی کمزوری اور ذلت کا سب سے بڑا یہی سبب ہے کہ یہ امت دنیا کے سامان میں کھو جائے، اس کی شہوت بجھانے کے لیے معمول کے کاموں کی قیدی ہوجائے، اور صرف دنیا کی خواہشات اس کا مطمح نظر ٹھہریں۔ دنیا کی محبت ایک شیر دل اور بہادر انسان کو کمزور اور بزدل کر دیتی ہے۔ جس عورت سے وہ محبت کرے اس کے سامنے کمزور پڑ جاتا ہے، یا جس شہوت کی طمع رکھے اس کے آگے عاجز آجاتا ہے، یا جس بھی عارضی لذت کے پیچھے بھاگے اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔ موت کی نفرت افراد اور جماعتوں کو عزت کی موت کے بجائے ذلت کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتی ہے، وہ ایسی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں جس میں وہ ہر روز مرتے اور ذلیل ہوتے ہیں۔

حدیث کی وضاحت:

سیلاب کی جھاگ کے مانند زندگی کی دو علامتیں ہیں:

۱۔ خفیف الوزن ہونا۔

۲۔ کمزور ہونا اور بکھرنا۔

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٢٩٧)

ان دونوں علامتوں کا نتیجہ بڑا خطرناک ہے، جس کا مطلب ہے صراط مستقیم کو کھو دینا کیونکہ سیلاب کی جھاگ کناروں اور اطراف میں بکھر جاتی ہے۔

اس وہن اور جھاگ کے نتیجے میں چمگادڑ پیدا ہوتے ہیں، جن کی بکواس پیداوار سے زیادہ ہوتی ہے، دعوے حقیقت سے زیادہ ہوتے ہیں اور ان کی خواہشات ان کی لگاموں کو اپنے ہاتھوں میں تھامے رکھتی ہیں۔ امت بحرانوں اور شکستوں سے گزر رہی ہے جبکہ یہ چمگادڑ لہو ولعب میں مصروف ہنس کھیل رہے ہیں، ان کی آنکھوں سے آنسوں خشک ہو چکے ہیں، یہ فضول گوئی کی محفلیں برپا کیے ہوئے ہیں، بے مقصد بحث مباحثے میں منہ کھول کھول کر گفتگو میں حصہ لیتے ہیں، مختلف چینلوں، اسٹیشنوں اور اخبارات میں لسانی معرکوں کی سیج سجاتے ہیں، جس کے نتیجے میں احساس اور شعور کی موت واقع ہو چکی ہے۔ امت کے غموں کی کسی کو پرواہ نہیں۔ کمزوری، ذلت اور اس سیلابی گندگی کی زندگی میں آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ بدکاریوں کے رسیا ہو چکے ہیں، عوام اسراف کے عادی ہو چکے ہیں اور قومیں دنیا کی محبت اور آخرت سے نفرت کرنے کی وجہ سے ٹوٹ کر بکھر چکی ہیں۔

ایسی حالت میں کافروں کا فتح یاب ہونا اور باطل پرستوں کا پھیل جانا ایک یقینی امر ہے۔ جب امت کمزور ہو جائے تو پھر کمزور ترین افراد بھی جرأت دکھاتے ہوئے اسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ جب بکری ریوڑ سے جدا ہو جائے تو بھیڑیوں سے پہلے کتے اسے چیر پھاڑ کر کھا جاتے ہیں، جنگیں وہی لوگ جیتتے ہیں جو اصول وعقائد کے مالک اور جذبہ قربانی سے سرشار ہوں، لاغر ترین افراد، خواہشات کے غلام اور دنیا کے قیدی کبھی جنگ جیت نہیں سکتے۔

خون مسلم کی ارزانی:

اس سے بڑھ کر ذلت، رسوائی اور کمزوری کیا ہوگی کہ مسلمانوں اور عربوں کا قتل عام کیا جا رہا ہے لیکن اسے کوئی دہشت گردی نہیں کہتا؟ انھیں پابند سلاسل بنایا جا رہا ہے، قید خانوں میں پھینکا جا رہا ہے لیکن اسے کوئی انسانی تذلیل شمار نہیں کرتا؟ لیکن اگر کسی دوسری قوم کے راستے میں بھی کوئی کھڑا ہو جائے یا ان کے امن کے لیے کوئی خطرہ ثابت ہو رہا ہو یا ان کی مصلحت کے خلاف کوئی کھڑا ہو جائے تو یہ ایک بہت بڑا جرم سمجھا جاتا اور عالمی سطح پر بحران کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ انٹرنیشنل ادارے حرکت میں آجاتے ہیں، اور میڈیا پر بھی اس کی بازگشت سنائی دیتی ہے!

آج امت مسلمہ مختلف علاقوں اور ممالک میں ایسے حالات سے گزر رہی ہے کہ اس کا وجود ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا ہے، اتفاق واتحاد کی چادر تارتار ہو چکی ہے، اور دشمن اس کا کام تمام کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں۔

کافروں کے افکار...خطرناک اسلحہ:

اے مسلمانو! مسلمان جو ہاتھ سے نکل جائے اس پر تعزیتی مجالس قائم نہیں کرتا، نہ کسی مصیبت کے آنے پر اپنی قسمت کو کوستا ہے بلکہ وہ غور وفکر اور تامل کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے قوانین کی گہرائی معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ بخوبی جانتا ہے کہ فتح وشکست محض اندھی قسمت یا اندھا دھند آنے والی چیز نہیں بلکہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین اور اندازوں کے مطابق اپنے انجام تک پہنچتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو کوئی بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

گہرے غور وخوض اور تحقیق وتدقیق کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کمزور اپنی کمزوری کا خود ذمے دار ہے، خودکشی کرنے والا کسی کو اپنے قتل کا الزام نہیں دیتا کیونکہ وہ خود اپنا قاتل ہوتا ہے، دشمن اپنی قوت کے بل بوتے پر اس قدر فتح سے ہمکنار نہیں ہوتے جس قدر زیادہ وہ دلوں میں ایمان کی کمزوری اور صفوں میں اتحاد کی کمی سے ظفریاب ہوتے ہیں۔

مسلمانو! ہمارے دشمن کا سب سے خطرناک اسلحہ فوجی طاقت، ایٹم بم یا بائیولوجیکل اسلحہ نہیں بلکہ ہمارے دشمن کا خطرناک اور تیز تر اسلحہ وہ کھوٹے اور بے حقیقت افکار ہیں جو مسلمانوں کو تباہی کی راہ پر چلا رہے ہیں۔ اور ان میں خواہش پرستی، شہوت رانی، انانیت اور مادی ضروریات کے پیچھے بھاگنے کی ہوس پیدا کر رہے ہیں، جس کے نتیجے میں ظلم عام ہو چکا ہے، حقوق ہضم کیے جا رہے ہیں، ایمان کی چولیں ڈھیلی ہو چکی ہیں، اخلاقی ضوابط کا سینہ چھلنی چھلنی ہے اور دلوں پر مایوسی اور ناامیدی چھائی ہوئی ہے۔

کافر اپنی کوششوں میں مشغول ہیں:

برادرانِ اسلام! امت کی شکستوں اور دشمنوں کے ساتھ کشمکش پر گہری نگاہ رکھنے والا اس حقیقت کا ادراک کرتا ہے کہ دشمنوں کی تعلیم وتربیت اور میڈیا کے میدانوں میں کی جانے والی پُرفریب کوششیں بار آور ہو رہی ہیں اور ان کا کڑوا پھل پک کر تیار ہو چکا ہے۔

ہزاروں سالوں سے کافر اس سنجیدہ کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ مسلمانوں کی نسلوں کو قرآن کریم سے دور کردیا جائے اور ان میں ان کے دین کے متعلق جہالت پھیلائی جائے۔ کافر طاقتیں بہت زیادہ چالباز ہیں، جہاں نرمی کی ضرورت ہو وہاں نرم پڑ جاتی ہیں، اور جہاں سختی کی ضرورت ہو وہاں سخت ہو جاتی ہیں۔ نرمی کی حالت میں یہ زہر پھیلاتی رہتی ہیں اور سختی کے عالم میں یہ درندگی کو بھی مات دے دیتی ہیں، ہر معاہدے کو توڑ دیتی ہیں، ہر مسئلے میں دھوکا دہی سے کام لیتی ہیں۔ ان کے ہاں مقصد ہر وسیلے کو جائز کردیتا ہے، جاسوسی کرنے، فساد مچانے، لوگوں کے ساتھ کھیلنے اور حقائق مسخ کرنے کے فن میں یہ طاق ہوتی ہیں۔

مسلمانو! ان جیسے حالات میں ضروری ہے کہ پیشانیوں پر سوچ و بچار کی شکنیں پڑ جائیں، لوگ سنجیدہ ہو جائیں اور آنکھوں سے نیند اڑ جائے۔

قوت کا سرچشمہ صرف اسلام:

احباب کرام! ان تمام حالات کے باوجود یہ خطرناک دشمن اتنا بھی ناقابل شکست نہیں جس قدر یہ خوفزدہ، شکست خوردہ اور قنوطی حضرات خیال کرتے ہیں۔ دشمنوں پر فتح پانا، چاہے ایک طویل وقت ہی کیوں نہ گزر جائے، صرف ایک ہی ہتھیار کے ذریعے ممکن ہے جسے سچائی، اخلاص، سنجیدگی اور عزیمت کے ساتھ استعمال کیا جائے اور وہ حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کا اسلحہ ہے، اللہ پر ایمان کا ہتھیار ہے، توحید اور عبادت میں اخلاص کا حربہ ہے، اور جنگ اور امن کے عالم میں آنحضرت ﷺ کے طریقہ کار کو اپنانے کا راستہ ہے۔

مسلمانوں کو اس حقیقت کا شعور ہونا چاہیے کہ صرف اکیلا اسلام قوت کا سرچشمہ ہے جو بفضلہ تعالیٰ ان کے چراغوں کو روشن کرسکتا اور ان کی مشعلیں جلا سکتا ہے، اسلام کے بغیر وہ شیشے کے خالی خول ہیں جن کو کوئی تیل جلا سکتا ہے نہ کوئی چقماق ہی روشن کرسکتا ہے۔

مسلمانوں کی اگر عزت، بزرگی وعظمت حق ہے تو صرف اسلام کے ساتھ، اگر وہ اس سے انکار کریں یا اجنبیت کا اظہار کریں تو اللہ کے سوا نہ کسی کو دوست پائیں گے نہ مددگار، اسلام کے بغیر تو وہ آپس میں لڑنے والی قومیں، بکھرے ہوئے ریوڑ بلکہ گرے ہوئے سامان کی طرح بے قدر و قیمت اور خالی صفروں کی طرح بے مایہ ہیں۔ اس لیے امت کو خطرات میں کودنے کی تربیت دینی چاہیے، تاکہ

اس کی زندگی دین اور اخلاق کے مضبوط ستونوں پر قائم ہو۔ اور دل کی گہرائیوں سے یہ دعا کرنی چاہیے:

﴿ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَ اِسۡرَافَنَا فِیۡۤ اَمۡرِنَا وَ ثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَ انۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ﴾ [آل عمران: ١٤٧]

''اے ہمارے رب! ہمیں ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کام میں ہماری زیادتی کو بھی اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور کافر لوگوں پر ہماری مدد فرما۔''

مایوسی نہیں:

جہاں تک مایوس ہونے اور مایوس کرنے کا تعلق ہے تو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ یہودی ہزاروں سال تک انتشار اور خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے رہے لیکن اپنی موعود زمین کو نہیں بھول پائے، تو کیا اہل حق مسلمان صرف پچاس ساٹھ سالہ تکلیفوں کی وجہ سے پریشان ہو جائیں اور اپنے حقوق میں لاپرواہی سے کام لیں؟ نہیں نہیں! امت کو سنجیدہ تربیت کی ضرورت ہے جو ایمان کے قالب میں ان کی نسلوں کو ڈھال کر میدان جہاد، صبر اور مسلسل جدوجہد کی صفوں میں انھیں کھڑا کر دے۔

قرآن کے مطابق تربیت:

مسلمانو! ہمارے پاس ہمارے رب کی کتاب ہے جو ہماری تربیت کرتی ہے اور ہمیں راہ دکھاتی ہے، اس میں ہمارے لیے مختلف واقعات اور عمدہ مثالیں بیان ہوئی ہیں۔ پھر اس میں ہے:

﴿ وَجَعَلۡنَا بَعۡضَکُمۡ لِبَعۡضٍ فِتۡنَۃً ؕ اَتَصۡبِرُوۡنَ ۚ وَ کَانَ رَبُّکَ بَصِیۡرًا﴾ [الفرقان: ٢٠]

''اور ہم نے تمھارے بعض کو بعض کے لیے ایک آزمائش بنایا ہے۔ کیا تم صبر کرو گے؟ اور تیرا رب ہمیشہ سے سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''

قرآنی تربیت کے ساتھ امت میں ہمت اور بلند حوصلہ پیدا ہوگا کیونکہ جس قدر کسی چیز کی اہمیت ہو اسی قدر انسان اس کے لیے زیادہ پر عزم ہوتا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ وَ لَمَّا یَاۡتِکُمۡ مَّثَلُ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ ؕ مَسَّتۡہُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلۡزِلُوۡا حَتّٰی یَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ﴾ [البقرة: ٢١٤]

''یا تم نے گمان کر رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تک تم پر ان لوگوں جیسی حالت نہیں آئی جو تم سے پہلے تھے، انھیں تنگدستی اور تکلیف پہنچی اور وہ سخت ہلائے گئے، یہاں تک کہ رسول اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، کہہ اٹھے اللہ کی مدد کب ہوگی؟ سن لو بے شک اللہ کی مدد قریب ہے۔''

قوت کا اظہار:

مسلمانو! انسانی عظمت اور ایمانی قوت کا اظہار اس قدر فراخی کی حالت میں نہیں ہوتا جس قدر تنگی کے عالم میں ہوتا ہے، بڑے لوگ چیلنج کے وقت اپنی زمام کار اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ یاد رہے معاشرے کی سعادت اور خوشی کا راز اس کے مضبوط اور طاقتور افراد کے وجود میں مضمر ہے، اور اس کی بدبختی اور ذلالت اس وقت شروع ہو جاتی ہے جب اس میں کمزور اور ناتواں افراد کی کثرت ہو، جو نہ کسی ملک کی مدد کر سکتے ہیں کسی دشمن کو ڈرا سکتے ہیں، کسی تحریک میں جان ڈال سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے جھنڈے کو بلند کر سکتے ہیں۔ زمانے نے آج تک مسلمان کی طرح کا طاقتور، سخی اور فداکار نہیں دیکھا۔ مومن قوت سے ڈرتا ہے نہ کثرت تعداد سے خوف کھاتا ہے، وہ ایسی ایسی قربانیاں، فدائی اعمال اور سخاوت کے دریا بہاتا ہے کہ دشمن اس کی تصدیق نہیں کر سکتا۔

مسلمان بہادر ہوتا ہے:

مسلمان کو اس کے حق سے نہ وعدے اور چکنی باتیں روک سکتی ہیں نہ دھمکیاں اس کی راہ کی رکاوٹ بن سکتی ہیں، نہ اس کو لالچ اس کے راستے سے ہٹا سکتی ہے اور نہ خواہش اور شہوت اس کو گمراہ کر سکتی ہے، وہ ہمیشہ خیر کی دعوت دینے والا، شر کا مقابلہ کرنے والا، نیکی کا حکم دینے والا، برائی سے منع کرنے والا، حق کی راہ دکھانے والا اور باطل کو رسوا کرنے والا ہوتا ہے۔ اگرچہ کوئی توپ اس کی تلوار کو توڑ بھی دے لیکن باطل اس کے حق کو کسی صورت نہیں توڑ سکتا، مومن طاقتور ہوتا ہے کیونکہ وہ عقیدہ توحید اور حق کی راہ پر گامزن ہوتا ہے، نہ وہ جاہلی عصبیت کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے نہ کسی پر ظلم کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ وہ اپنے ایمان کی وجہ سے مضبوط ہوتا ہے، اسلام کے مضبوط کڑے کو تھامے رکھتا ہے اور دین کے مضبوط قلعے میں پناہ گزین ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا

انْفِصَامَ لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ [البقرة: ٢٥٦]

''پھر جو کوئی باطل معبود کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو یقیناً اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جسے کسی صورت ٹوٹنا نہیں اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

مومن اپنے ایمان کی وجہ سے کوئی ضائع مخلوق یا کوئی مہمل نمبر نہیں ہوتا، چاہے ساری دنیا ہی اس کے خلاف اکٹھ کیوں نہ کرے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ [آل عمران: ١٧٣]

''وہ لوگ کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ بے شک لوگوں نے تمھارے لیے (فوج) جمع کر لی ہے، سو ان سے ڈرو، تو اس (بات) نے انھیں ایمان میں زیادہ کر دیا اور انھوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا وَ لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيْتُمُوْنَا وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ [إبراهيم: ١٢]

''اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ پر بھروسا نہ کریں، حالانکہ اس نے ہمیں ہمارے راستے دکھا دیے ہیں اور ہم ہر صورت اس پر صبر کریں گے جو تم ہمیں تکلیف پہنچاؤ گے اور اللہ ہی پر پس لازم ہے کہ بھروسا کرنے والے بھروسا کریں۔''

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈر جاؤ، اپنے دین اور حق کو مضبوطی سے تھام لو اور اپنے رب کے بارے میں حسن ظن رکھو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [آل عمران: ٢٠٠]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر کرو اور مقابلے میں جمے رہو اور مورچوں میں ڈٹے رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

عید میلاد النبی ﷺ کی بدعت

امام و خطیب: فضیلۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل حفظہ اللہ

خطبۂ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور خلوت و جلوت میں اس کی نگرانی کا خوف کھاؤ، اس کا شکر یہ ادا کرو کہ اس نے تمھیں دین اسلام کی راہ دکھا کر تم پر احسان کیا اور تمھیں سب سے بہتر نبی کا امتی بنایا۔ جس کو اس نے ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ وہ اسے تمام ادیان پر غلبہ عطا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو روشن آیات اور واضح معجزات دے کر بھیجا، اس پر یہ قرآن عظیم نازل فرمایا جو سراسر ہدایت اور تمام امراض کے لیے کامل شفا ہے، تمام شکوک و شبہات، خواہشات اور ظلم و جہالت جیسے امراضِ قلب کا مداویٰ ہے۔ یہ وہ نور ہے جو تمھارے سامنے راستہ روشن کرتا اور حق کی راہ دکھاتا ہے۔

قرآن راہِ ہدایت ہے:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا﴾ [الإسراء: ٩]

”بلاشبہ یہ قرآن اس (راستے) کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور ان ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں، بشارت دیتا ہے کہ بے شک ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔“

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ قرآن کریم اپنے بہترین رسول اور افضل نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمایا اور ہمیں آپ کی اقتدا کرنے، آپ کی سیرت اپنانے اور آپ کی سنت اختیار کرنے کا حکم دیا۔

رسول بہترین نمونہ ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ [الأحزاب: ٢١]

”بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے، اس کے لیے جو

اللہ اور یوم آخر کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔‘‘

آپ ﷺ ہی ہر معاملے میں نمونہ ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے ہر بھلائی کی طرف امت کی راہنمائی کی ہے اور ہر برائی پر خبردار کیا ہے۔ [1] آپ ﷺ نے اپنے افعال، اقوال اور تقریرات سے ہر اچھائی کی دعوت دی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے دلوں کو علم، یقین اور ایمان سے مالا مال کر دیا۔ تمام بندوں پر عدل، رحمت اور شفقت کا سایہ کر دیا، اچھے اخلاق کو گھٹیا عادات سے پاک کر دیا، تمام فضائل اور اعلیٰ اقدار کو مکمل کر دیا، آپ پر ایمان رکھنے والے شرک کے بعد توحید و اخلاص کے مجسمے بن گئے، انحراف اور کجروی کے بعد ہدایت، استقامت اور توفیق الٰہی کی راہ کے مسافر بن گئے، فتنوں اور افتراقات کے بعد محبت اور بھائی چارے کی عملی تصویر بن گئے، قطع رحمی اور والدین کی نافرمانی کے بعد صلہ رحمی کرنے والے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے ہوگئے، ظلم وجور اور بدکرداروں کے بعد عدل و انصاف اور حقوق و واجبات کو ادا کرنے والے ہوگئے۔

آپ رحمۃ للعالمین ہیں:

بلاشبہ آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت اور تمام لوگوں کے لیے باعث ہدایت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیج کر فساد کو اصلاح میں اور بدبختی کو نجات میں بدل ڈالا۔ آپ کی رواداری شریعت اور قابل قدر تعلیمات ہی اتفاق پیدا کرنے، امن بحال کرنے اور اطمینان پھیلانے کی ضامن ہیں۔ جب تک مسلمان ان پر عمل پیرا رہے ان کی یہی حالت رہی لیکن جونہی اکثر لوگوں نے قرآن و حدیث کی روشنی کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ سے راہنمائی لینا شروع کر دی تو وہ ان کی مضبوط رسی سے علیحدہ ہوگئے۔ انھوں نے ایک دوسرے کے ساتھ قطع تعلقی شروع کر دی اور آپس میں نفرت، بغض اور سازشیں کرنا شروع کر دیں، دینی غیرت کمزور ہوگئی، ایمانی بھائی چارہ صرف نام کی حد تک رہ گیا، خیالات میں اختلاف پیدا ہوگیا، خواہشات کی کثرت ہوگئی۔ ہر کوئی اپنی رائے کے سحر میں کھو گیا اور ہر کسی نے اپنے خیالات اور خواہشات کو حق کا نام دے دیا جبکہ اکثر لوگوں نے اپنے دینی معاملات میں حقائق کے بجائے صرف مظاہر پر اکتفا کر لیا۔ لہٰذا جس سے ان کو ڈرایا جاتا تھا بالآخر وہی ہو کر رہا کہ دشمن ان پر جھپٹ پڑے، دوست منتشر ہوگئے، دوری افتراق اور لڑائی جھگڑا ان کا مقدر ٹھہرا، جس کے نتیجے میں دینی بصیرت کمزور پڑ گئی اور سنتِ رسول سے اعراض برتا جانے لگا۔

[1] دیکھیں: السلسلة الصحيحة (٧/ ٦٧)

بدعت سے بچیں:

اللہ کے بندو! اس سے ڈر جاؤ، اور اپنے نبی کی سنت کو تھام کر رکھو تم کامیاب ہو جاؤ گے، اور دین میں نو ایجادات اور بدعات سے بچو، کیونکہ دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔[1]

اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں:

اللہ کے بندو! کچھ لوگوں نے یہ نئی عید بنا لی ہے جنھیں وہ عید میلاد النبی کا نام دیتے ہیں، جبکہ اسلام میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے سوا کوئی تیسری عید نہیں۔ یہ تمام عیدیں، جو بہترین زمانوں کے بعد کی پیداوار ہیں، بدعات میں شمار ہوتی ہیں جو امت اسلامیہ میں یہود و نصاریٰ کی پیروی اور ان کی تقلید سے متاثر ہو کر داخل ہوئی ہیں، حالانکہ نبی مکرم ﷺ نے ہمیں اس سے ڈرایا ہے، اور بتایا ہے کہ یہ امت ضرور بالضرور ان جیسے کام کرے گی۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«لتتبعن سنن من كان قبلكم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتى لو دخلوا جحر ضب لدخلتموه»[2]

"تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کی مکمل پیروی کرو گے یہاں تک کہ اگر وہ گوہ (سوسمار) کے بل میں داخل ہوں گے تو تم بھی اس میں داخل ہو جاؤ گے۔"

نبی مکرم ﷺ ہمیں ان کی پیروی سے ڈرانے اور خبردار کرنے کے لیے اس کام کی پیشین گوئی فرما رہے ہیں۔

کچھ لوگوں نے اس مہینے میں عیسائیوں کی کرسمس منانے میں مشابہت اختیار کرتے ہوئے عید میلاد النبی کی بدعت ایجاد کر لی ہے، جس طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور دیگر علما نے بیان کیا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عید میلاد النبی منانا آپ ﷺ کی شان اور عزت میں اضافہ نہیں کرتا، آپ کی شان اور فضیلت تو تمام انسانوں میں سب سے بڑھ کر ہے، آپ سید الاولین والآخرین اور

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٦٠٧) مسند أحمد (٢/ ٤٥٠)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٢٦٩)

اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ معزز ہیں، آپ کی محبت دین حق کی شرط اول ہے، اتنی دیر تک آدمی کا ایمان درست نہیں ہوسکتا جب تک وہ آپ ﷺ سے محبت نہ رکھے بلکہ جب تک اپنی جان سے بھی زیادہ آپ کے ساتھ محبت نہ رکھے، جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قصے میں مذکور ہے۔[1]

اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ ہمارے سلف صالحین ہم سے زیادہ آپ ﷺ کے ساتھ محبت رکھنے والے تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے یہ محافل میلاد نہیں سجائیں، بلکہ انھوں نے اس سے منع اور خبردار کیا ہے کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ عید میلاد منانا محبت کا عنوان نہیں بلکہ آپ کی محبت کا اظہار آپ کی فرمانبرداری، اطاعت گزاری اور آپ کی سیرت اپنانے میں ہے جو آپ ﷺ کا اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل تھا۔

اس لیے اللہ کے بندو! تقویٰ اختیار کرو، اپنے رب کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لو تو ہدایت پاؤ گے، اور اپنے نبی کی سنت پر عمل کرو کامیاب ہو جاؤ گے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [الحشر: ۷]

''اور رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے تو رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔''

ابتداع نہیں اتباع کا راستہ اختیار کرو:

مسلمانو! یہ بات جان لو کہ اس ربیع الاول کے مہینے میں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، اسی میں آپ نے ہجرت فرمائی اور اسی میں آپ کی وفات ہوئی، لہٰذا یہ ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم اس مہینے کو خوشی منانے یا اظہار غم کے لیے باقاعدہ تہوار کا درجہ دے دیں بلکہ جو کرنے کا کام ہے وہ یہ ہے کہ ہم ہمیشہ آپ ﷺ کے حالات کو مدنظر رکھیں اور آپ کی عبادت، دعوت، تبلیغ اور جہاد میں آپ کی اتباع کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے دین مکمل کر دیا اور اپنی تمام مخلوق پر اپنی نعمت پوری کی۔ لہٰذا آپ کے اقوال و افعال کو اپناؤ، یہی تمھاری آپ ﷺ کے ساتھ محبت کا سبب اور بخشش کا

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٢٥٧)

ذریعہ ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [آل عمران: ۳۱]

''کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھیں تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

تفریح طبع کا اسلامی مفہوم

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سعود الشریم ﷾

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ سب سے سچی بات اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور بہترین سیرت محمد ﷺ کی سیرت، جبکہ بدترین امور محدثات (دین میں نئے کام) ہیں، ہر نیا کام بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور جماعت مسلمین کو لازم پکڑو، بے شک اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو ان سے جدا ہوا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

ماڈرن زندگی مشینی زندگی ہے:

مسلمانو! عموماً لوگوں کی زندگی بہت ساری مصروفیات اور بہت بھاری مشغولیات سے بھری ہوئی ہے جس میں بہت سارے کام سرانجام دینے ہوتے ہیں، اس کے لیے قابل ترجیح کاموں کی فہرست مرتب کرنے کے لیے کچھ چیزوں کی چھٹائی اور ترتیب کی ضرورت ہوتی ہے اور اس بات کو بھی مدنظر رکھا جاتا ہے کہ زیادہ مفید کو کم مفید پر فوقیت دی جائے۔

پھر معاملات کی اس بھیڑ کے نتیجے میں پیدا ہونے والا بہت بڑا نفسیاتی اور معاشرتی دباؤ بھی انسان میں دنیا کے اس ڈھیر میں اپنی پیاس بجھانے والی اشیا کی جستجو میں غیر معمولی حرص اور ہوس جنم دیتا ہے۔

آج عالمی تہذیب دنیا میں اسلحہ، انڈسٹری اور عالمگیریت کی دوڑ میں لگی ہوئی ہے، یہ وہ تہذیب ہے جس نے انسان کو ایک نیم مشین میں بدل دیا ہے جو سارا دن کام کرتی رہتی ہے۔ ان کثرتِ شواغل کی بدولت وہ رات کو جاگتا رہتا ہے یا بے پرواہ ہو کر پھرتا رہتا ہے یا پھر ساری رات بالکل بجھا سا رہتا ہے یہ ہے اس مشینی تہذیب کا حتمی نتیجہ!

یہ تہذیب کلی طور پر ایک عقل مند انسان، جو قوتِ ادراک رکھتا ہو، اس دنیا میں اپنے وجود کی قدر و قیمت اور اپنی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی حکمت سے باخبر ہو، پیدا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی بلکہ اس تہذیب میں ترقی یافتہ مشینیں اور ٹیکنالوجی عمومی زندگی میں فراغت اور خالی پن پیدا کرنے کا کسی نہ کسی حیثیت سے ایک اہم سبب ہے، اسی کے نتیجے میں آج مغرب ''فراغت'' کی دعوت دے رہا ہے۔

اگر کم از کم یہ فراغت وقت کی فراغت نہیں تو نفسیاتی، قلبی، روحانی اور سنجیدہ اہداف اور صاف ستھرے مقاصد کے نہ ہونے کی فراغت ضرور ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ﴾ [الانشقاق: ٦]

''اے انسان! بے شک تو مشقت کرتے کرتے اپنے رب کی طرف جانے والا ہے، سخت مشقت، پھر اس سے ملنے والا ہے۔''

عالمی تہذیب فرصت پیدا کرتی ہے:

یہ عالمی تہذیب جہاں انسان کے لیے سائنسی ترقی اور انڈسٹریل جدوجہد کے ذریعے انسانی قوت اور نشاط کو محفوظ رکھتی ہے وہاں اس کے لیے وافر مقدار میں وقت بھی بچاتی ہے جس کی وجہ سے اس کے دل، نفس اور روح میں فراغت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہیں سے پریشانی کی ابتدا ہوتی ہے، اور یہیں وہ بیماری چھپی بیٹھی ہے جو معاشروں میں فارغ اوقات کو اس حد تک وسعت کے ساتھ گزارنے کی لت لگا دیتی ہے کہ وہ فرصت معاشرے کی فکری، امنی اور ذاتی نقل وحرکت کے لیے ایک بہت بڑا بوجھ اور بہت ساری کوششوں اور مفید طاقتوں کو ضائع کرنے کا وسیلہ بن جاتی ہے۔

فارغ اوقات کو پیدا کرنے والی اس جدید تہذیبی صورتحال کے تجزیے، شعوری راہنمائی اور ضوابط کی غیر موجودگی اس بات کی سب سے واضح دلیل ہے کہ اس تہذیبی منصوبے اور آزاد عالمگیریت میں بہرکیف ایک وسیع شگاف موجود ہے، اور یہ کچھ بعید نہیں کہ اسی شگاف سے امت مسلمہ کو نقصان پہنچایا جا سکے۔

فارغ اوقات گزارنے کے سلسلے میں اختیار کیے جانے والے طریقہ کار کی خطرناکی سے ہماری مکمل ناواقفیت اور ان اوقات کو تعمیری، ترقیاتی، فکری اور اقتصادی سرگرمیوں میں مشغول رکھنے کے لیے مناسب مواد کے متعلق ہمارا ناقص شعور ایسی کیفیت ہے جو اس قابل ہے کہ وہ اس کی صورت کو دیگر کئی تخریبی آلات کے ساتھ مل کر ایک تباہ کن ہتھیار میں تبدیل کر دے خواہ ہمیں اس کا احساس ہو سکے یہ نہ ہو۔

اور مسلمانوں کی تہذیب کو ملیا میٹ کرنے کے لیے یہ بدیسی ثقافت دن رات بغیر کسی استثنا کے ہر میدان میں اس غیر شعوری کیفیت کو پھیلانے میں مصروف عمل ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو؟ جبکہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

«نعمتان مغبون فيهما كثير من الناس: الصحة والفراغ» [1]

''دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں اکثر لوگ دھوکا کھا کر نقصان اٹھاتے ہیں، ایک صحت اور دوسری فراغت۔''

اسلام فطری دین ہے:

اسلام ایک ایسا دین ہے جو زندگی اور حقیقت حال کے لیے بالکل مناسب ہے، وہ لوگوں کے ساتھ اس طرح پیش آتا ہے کہ وہ انسان ہیں اور ان کے بھی دلی شوق اور نفسیاتی خوشیاں ہیں۔ اس لیے اس نے ان پر یہی پابندی نہیں لگائی کہ ان کی ہر گفتگو ذکر ہو، ہر پریشان خیالی ضرور کوئی سوچ ہو، ہر غور وفکر عبرت ہو اور ہر فرصت عبادت ہی میں صرف ہو۔ نہیں بلکہ اسلام نے انسانی فطرت سلیمہ کے خوشی، غمی، مزاح اور دل لگی کے تمام بشری تقاضوں کے ساتھ بڑے وسیع انداز میں شرعی اور اسلامی آداب کی حدود میں رہتے ہوئے رویہ اپنایا ہے۔

اللہ کے بندو! فارغ وقت کو کھیل کود اور تفریح طبع میں مشغول رکھنے کا معاملہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا روزمرہ زندگی کے میدان میں ایک حقیقی رنگ ہے۔ بہت سارے معاشروں میں اس سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں بلکہ فرصت کو لازمی قرار دینے کے اسباب کے ہوتے ہوئے، جیسے چھٹیاں وغیرہ، معاملہ مزید بڑھ جاتا اور شدت اختیار کر جاتا ہے بلکہ بہت سارے لوگوں کے ہاں روزمرہ کی عمومی زندگی کے باقاعدہ پروگراموں میں چھٹیاں بھی درج ہوتی ہیں لیکن یہ عموماً برجستہ خود بخود ملے غلّے سے بھرپور اور کسی بھی صحتمند مقصد کے بغیر ہوتی ہیں جو شرعی ضوابط تو ایک طرف رہے کسی زمانی اور مکانی ضابطے کی بھی پابند نہیں ہوتیں اور اچھی یا بری تفریح کا بھی ان میں خیال نہیں رکھا جاتا۔

تفریح ذریعہ نشاط ہے:

اللہ کے بندو! تفریحِ طبع اور دل لگی کا مطلب ہے نفس کو سرور پہنچانا، اس کی کثافت دور کرنا، اس کی نشاط کی تجدید کرنا اور اس سے اکتاہٹ اور تنگ دلی دور کرنا۔

رسول کریم ﷺ کی واقعاتی زندگی انسانی زندگی میں اس پہلو کی تاکید اور تائید کرتی ہے۔ سماک بن حرب فرماتے ہیں کہ میں نے جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا تم رسول کریم ﷺ کی مجلس میں

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٤١٢)

شریک ہوتے تھے؟ انھوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ خاموش طبع تھے، آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے پاس شعروشاعری کرتے، جاہلیت کی باتیں ذکر کرتے اور ہنستے، جب وہ ہنستے تو آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ تبسم فرماتے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے "الأدب المفرد" میں حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمن سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"اصحاب رسول نہ راہ حق سے منحرف تھے اور نہ زاہد خشک اور مردہ دل ہی۔ وہ اپنی مجلسوں میں ایک دوسرے کو شعر سنایا کرتے اور اپنے زمانہ جاہلیت کے معاملات ذکر کرتے، جب کسی کے دین کے بارے میں کوئی بات کی جاتی تو اس کی آنکھوں کے پپوٹے گھوم اٹھتے۔"[2]

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "میں حلال دل لگی (کھیل کود) کے ذریعے اپنے نفس کو تازہ دم رکھتا اور راحت پہنچاتا ہوں، جس کی وجہ سے وہ حق کے لیے زیادہ طاقتور ہو جاتا ہے۔"[3]

ابن ابی نجیح نے اپنے باپ سے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"مجھے یہ پسند ہے کہ آدمی اپنے گھر میں بچے کی طرح رہے، اگر اس سے کوئی ضرورت طلب کی جائے تو پھر مرد بن جائے۔"[4]

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"دلوں کو راحت پہنچاؤ اور ان کے لیے حکمت آمیز لطائف ڈھونڈو، جس طرح بدن اکتا جاتے ہیں اسی طرح یہ بھی اکتا جاتے ہیں۔"[5]

امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٦٧٠)
[2] **حسن**. الأدب المفرد (ص: ١٩٥)
[3] تأويل مختلف الحديث (ص: ٢٩٥)
[4] شرح السنة للبغوي، رقم الحديث (٣٦٠٧)
[5] جامع بيان العلم (١/ ٢٠٨)

''میں نے انسان کو دیکھا ہے کہ اس پر پابندیوں میں سے مشکل ترین چیزوں کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے، اور جو سب سے وزنی بوجھ اس پر ڈالا گیا ہے وہ اس کا اپنے نفس کی خاطر داری کرنا ہے جس کے لیے یہ پابندی ہے کہ جس چیز کے ساتھ نفس محبت رکھے اس سے اس کو روکے رکھے، اور پھر ہر ناپسندیدہ چیز پر صبر کرے، لہٰذا میں نے یہ درست سمجھا کہ صبر کی راہ کو تفریح طبع اور نفس کے ساتھ خوشگوار انداز اپنا کر طے کیا جائے۔''

ابوالوفا ابن عقیل بھی ایسی ہی باتیں کرتے ہوئے ذکر کرتے ہیں:

''ایک سمجھدار انسان جب اپنی بیوی اور لونڈی کے ساتھ خلوت اختیار کرتا ہے، اس کے ساتھ دل لگی اور ہنسی مذاق کرتا ہے تو وہ بیوی اور اپنے نفس کا حق ادا کرتا ہے، اور جب اپنے بچوں کے ساتھ ہوتا ہے تو ان کے سامنے ایک بچے کی طرح پیش آتا ہے اور بسا اوقات سنجیدگی کو ایک طرف رکھ دیتا ہے۔''

تفریح کا اسلامی اور غیر اسلامی مفہوم:

اے اللہ کے بندو! کھیل کود، ہنسی مذاق اور تفریح طبع کے مفہوم کے متعلق یہ چند سنہری اقوال ہیں جن سے اس بات کی تاکید اور تائید ہوتی ہے کہ اسلام نے اس پہلو پر بھرپور توجہ دی ہے، تاہم ہم یہاں تفریح طبع کے متعلق اسلامی مفہوم کے درمیان اور موجود زمانے میں کھیل کود اور ہنسی مذاق کے درمیان وسیع خلیج کی وجہ بیان کرنا چاہتے ہیں جو یقیناً وسیع تحقیق کی محتاج ہے جس کا مقصد اس تحقیقی پروجیکٹ کے دائرہ میں رہ کر اس سے استفادہ کرکے ایک مثالی طریقے تک پہنچنا ہے۔

لہٰذا مثبت اور منفی تفریحی سرگرمیوں پر تحقیق کرکے ان سرگرمیوں پر عمل کرنے والے طبقے کے دینی و معاشرتی بیک گراؤنڈ کے درمیان اور ان سرگرمیوں کے درمیان ربط پیدا کرنا چاہیے، اور یہ بھی ذکر کرنا چاہیے کہ تفریح اور عمومی مصلحت کے قریب کردینے والے عوامل اور اللہ تعالیٰ کو راضی یا ناراض کرنے والے عناصر تک پہنچنے میں تخلیقی صلاحیت بروئے کار لانے کا کس حد تک امکان اور فائدہ ہے؟ پھر دینی اور معاشرتی تقاضوں کے نتائج و حقائق کے درمیان اور ذاتی بدنما خواہشات کے تقاضوں کے

درمیان فعل اور ردِفعل کا تجزیہ بھی کرنا چاہیے، اور یہ بھی بیان کرنا چاہیے کہ ان پیداواری قوتوں اور صلاحیتوں کو، جو خاندانوں اور معاشروں کے لیے دین و دنیا میں مفید ثابت ہوں، جلا بخشنے کے لیے کی جانے والی کوششوں کا کیا اثر ہے؟

مسلمان ہونے کے اعتبار سے یہ ہم سب کی اجتماعی ذمے داری ہے کہ ہم ممکن حد تک غیر صحت مند تفریح میں یا ایسے کام میں جس کا گناہ اس کے فائدے سے بڑھ کر ہو، وقت ضائع کرنے سے بچیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تفریح کے نام پر اپنی رسی بالکل کھلی نہ چھوڑ دیں کہ وہ سنجیدہ عمل اور با مقصد بیداری کی راہ میں رکاوٹ بن جائے، اور نہ فرائض سے منہ موڑا جائے، یا اس میں اس قدر انہماک پیدا کرلیا جائے کہ فرائض اور حقوق کی بھی کچھ پرواہ نہ رہے، کیونکہ سنجیدہ کاموں کے درمیان تفریحِ طبع کی اجازت صرف ایک طرح کی معاونت اور حق کے بوجھ اٹھانے کے لیے ہمت بندھنا، اس کی تکالیف پر صبر پیدا کرنا اور یہ احساس پیدا کرنا ہے کہ سنجیدہ کاموں کو لہو و لعب اور تفریحی امور پر فوقیت حاصل ہے۔ اس مفہوم کے ساتھ رسول کریم ﷺ کے اس فرمان کو سمجھنا چاہیے جو آپ ﷺ نے حضرت حنظلہ بن عامر سے فرمایا تھا جب انھوں نے یہ شکایت کی تھی کہ ان کا کچھ وقت بچوں اور بیویوں کے ساتھ خوش طبعی میں گزر جاتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«ولكن ساعة و ساعة»[1] ''لیکن وقت وقت کی بات ہے۔''

لیکن اگر تفریحِ نفس صبح شام اور خلوت و جلوت میں زندگی کا شعار اور اس میں ایک بنیادی معاشرتی فکر بن جائے تو پھر یہ اپنے مقصد اور فطرت سے انحراف کی راہ پر چل نکلتی ہے اور زندگی کو فضولیات اور بربادی کی شاہراہ پر گامزن کر دیتی ہے۔

تفریح کے وقت تفریح، کام کے وقت کام:

اس لیے ایک سنجیدہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے لیے اور اپنے اہل و عیال کے لیے دل لگی اور تفریح کے لیے کچھ وقت مقرر کرے اور کام اور محنت کے اوقات متعین کرے نہ کہ اس کے عکس رویہ اختیار کرے۔ خصوصاً جبکہ ہم ایک ایسے زمانے میں زندگی گزار رہے ہیں جس میں اکثر لوگ ہر نئی اور

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٥٠) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٥١٤)

انوکھی چیز کے اسیر ہو جاتے ہیں، اور تفریح اور دل لگی کے میدان میں آنے والی ہر نئی چیز کو اپنانے کے لیے اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔

شعوری پابندیوں سے آزاد تفریح ایک بڑا خطرہ:

سامعین محترم! اس میں کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ ہم میں سے اکثر کے ہاں فکری سستی اور اخلاقی اقدار کو کنٹرول کرنے والے ضابطے کا کمزور اور خستہ ہونا یہ دو ایسی حالتیں ہیں جنہیں لوگ تفریح ظرافت اور بذلہ سنجی کے لیے بہترین اوقات شمار کرتے ہیں۔ یہاں خطرہ چھپا بیٹھا ہے اور بیماری زوروں پر ہے۔ اللہ کے بندو! شعوری پابندیوں سے آزاد کھلی تفریح یقیناً ایک ایسی چیز ہے جو اسلام کی اصالت کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے، اور یہ اصالت اس کی وجہ سے ان دو خطروں کے درمیان لڑھکتی رہے گی۔

ایک اشیاء کے مفاہیم میں خطرہ اس طرح سے کہ جو معلوماتی مقابلے کروائے جاتے ہیں (اگر ان میں معلومات نام کی کوئی چیز ہو تو) ان میں سے اکثر کی بنیاد فکری تضادات جمع کرنے یا ثقافتی کشمکش کو پروان چڑھانے یا مسلمانوں کے ہاں تسلیم شدہ حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کرنے پر ہوتی ہے، اس بات سے قطع نظر کہ ان میں تاریخ اور زندگی کی جو مادی تفسیر کی جاتی ہے یا کم از کم ایسی چیزوں کو بکثرت بحث کے لیے پیش کیا جاتا ہے جس کی کسی ذہین آدمی کو ضرورت ہوتی ہے نہ کوئی کند ذہن اس سے مستفید ہی ہوتا ہے۔

اور دوسرا خطرہ۔ اللہ کے بندو۔ سیٹلائیٹ کے ذریعے پیش کیے جانے والے تفریحی چینلز اور وسائل ہیں جو معلومات اور شہوات کے حوالے سے مختلف دلچسپ طریقوں کے ذریعے گمراہ کن مفہوم پھیلاتے ہیں تاکہ ڈراموں، دیو مالائی قصے کہانیوں، فتنہ خیز نمائشوں کے ذریعے یا پھر جادو اور شعبدہ بازی اور ان جیسی دیگر اشیا کے توسط سے فکر اور سوچ میں نقب لگائیں۔

بے شک دونوں خطروں کا انجام ایک خطرناک پھوٹ ہے جو ازدواجی بدسلوکی یا اسلامی خاندان کے افراد میں دوری کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جب کہ یہ مسائل تو درکنار ان سے بڑھ کر قتل، اغوا، خودکشی، ریشہ دوانی اور منشیات کا استعمال اور اس طرح کے دیگر کئی بہت زیادہ بدصورت معاملات بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ جس کو اس طرح کی تفریح کی لت پڑ جائے اس کا حال اس شخص کی

طرح ہو جاتا ہے جس کے متعلق شاعر کہتا ہے:

"وداوني بالتي كانت هي الداء"

''میرا علاج اس کے ساتھ کر جو بذات خود بیماری ہے۔''

یا جس طرح شرابی شراب کے ذریعے علاج کرتا ہے۔ جبکہ بعض اوقات کوئی تفریح ایسی ہوتی ہے جس کا صرف ایک مرتبہ کا استعمال علم اور تعلیم نفس کے مضبوط محل کو زمین بوس کر دیتا ہے۔ اور اللہ کی قسم کتنی ہی ایسی ایک گھڑی کی لذتیں ہیں جو ایک طویل غم کو پیچھے چھوڑ جاتی ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل: ٩٥]

''بے شک وہ چیز جو اللہ کے پاس ہے وہی تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔''

نیز فرمایا:

﴿ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ وَ لَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [النحل: ٩٦]

''جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور یقیناً ہم ان لوگوں کو جنھوں نے صبر کیا، ضرور ان کا اجر بدلے میں دیں گے، ان بہترین اعمال کے مطابق جو وہ کیا کرتے تھے۔''

تفریح کی حدود:

لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور جان لو کہ اسلامی شریعت ایک نہایت روشن شریعت ہے جو بالکل کامل متوازن اور اعتدال پسند ہے، اسلام نے انسان کو حقِ تفریح عطا کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس تفریح میں کچھ مفید ہے اور کچھ غیر مفید۔

سنن نسائی میں صحیح حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ہر کھیل کود باطل ہے مگر آدمی کا اپنے گھوڑے کو سدھانا، اپنے اہل کے ساتھ خوش طبعی کرنا اور تیر اندازی کرنا۔''[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

[1] سنن النسائي، رقم الحديث (٣٥٧٨)

''یہاں باطل اعمال سے مراد وہ اعمال ہیں جن میں کوئی فائدہ نہیں مگر وہ حرام بھی نہیں، اس میں ان لوگوں کے لیے رخصت ہے جو مفید کام پر صبر نہیں کر سکتے اور جس قدر اس کی ضرورت ہے اس میں یہی حق ہے خصوصاً ان اوقات میں جن میں اس کا تفریح کا تقاضا ہو، جیسے: عیدین، شادی بیاہ کے مواقع اور گھر سے باہر رہنے والے کا گھر میں آنا وغیرہ۔''[1]

امام ابن العربی رحمہ اللہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

''اس حدیث میں آپ کے لفظ ''باطل'' سے مراد حرام نہیں بلکہ آپ کی یہ مراد ہے کہ اس میں کوئی ثواب نہیں اور وہ صرف دنیا کے لیے ہے، جس کا آخرت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور جائز میں سے باطل ہے۔''

غافل کر دینے والی تفریح حرام ہے:

اللہ کے بندو! یہ ہے جائز تفریح۔ رہا سوال حرام تفریح کا یا ایسی تفریح کا جو حرام کا سبب بن سکتی ہو تو۔اللہ تمھاری حفاظت فرمائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ بات ذرا دھیان سے سنو جس کا ذکر انھوں نے اپنی صحیح میں کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"باب كل لهو باطل، إذا أشغله عن طاعة الله"

''یعنی ہر وہ تفریح باطل ہے جب وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے دور کر دے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یعنی وہ شخص بھی جو نفل نماز، تلاوت قرآن، ذکر، یا قرآن کریم کے معانی پر غور کرتا رہے حتیٰ کہ جان بوجھ کر فرض نماز کا وقت نکال دے، اس ضابطے کے تحت آتا ہے جب یہ صورتحال ان اشیا کے متعلق ہے جن کی رغبت دلائی جاتی ہے اور جنھیں کرنا مطلوب و مقصود ہے، تو جو ایسے نہیں ان کا کیا حال ہوگا؟!''[2]

---

[1] الاستقامة (ص: ٢٧٧)

[2] فتح الباري (١١/ ٩١)

تفریح شرعی ضوابط کی پابند ہے:

سامعین کرام! حاصل گفتگو یہ ہے کہ تفریح طبع اور دل لگی کو شرعی ضوابط کا پابند کرنا چاہیے۔ ان میں سے کچھ چیزیں اگر اللہ تعالیٰ کی حدود سے بغاوت کریں تو یاد رکھیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ﴾ [البقرة: ٢٢٩]

''یہ اللہ کی حدیں ہیں، سو ان سے آگے مت بڑھو۔''

اس لیے جو خوشی منانا چاہتا ہے اور کھیل کود کا دلدادہ ہے تو اسے چاہیے کہ اس کی خوشی طاقتور پرہیز گاروں کی سی ہو جس میں نہ کوئی کجی ہوتی ہے اور نہ بغاوت کا کوئی شائبہ، بلکہ وہ شور وغل سے پرہیز کرے جو ذکر کرنے والے کو پریشان کر دیتا ہے اور شکر گزار کی دل شکنی کرتا ہے۔ اللہ کی قسم! یہاں امام ابو حامد غزالی رحمہ اللہ نے کتنی خوبصورت گفتگو فرمائی ہے جس میں وہ تفریح میں حد سے بڑھنے والوں کی حالت بیان کرتے ہیں کہ وہ اس کی طرف ایک پیاسے کی طرح بھاگتے ہیں، نہ حق کے کسی نشان کی پیروی کرتے ہیں اور نہ حدود کا کچھ خیال کرتے ہیں۔ وہ ''احیاء العلوم'' میں ان کی خوشی کے متعلق بیان کرتے ہیں:

''یہ دل کو تشویش میں مبتلا کر دینے والی چیز ہے، سوائے ان لوگوں کے جو مضبوط ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی عقل اور دین دونوں کو بالکل ہلکا اور حقیر جانا ہے کیونکہ ان کا مقصد صرف ریا کاری، نمود ونمائش اور شہرت کمانا ہے، ان کا کوئی مفید مقصد ہے نہ یہ اپنے آپ کو کوئی ادب سکھانا چاہتے ہیں، یہ کڑھائی والے کپڑے پہنتے ہیں، سیر سپاٹے کرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ بڑا اچھا کام کر رہے ہیں۔ ان کے خیال میں ہر کالی چیز کھجور ہی ہوتی ہے، ایسا شخص کس قدر احمق اور موٹی عقل کا مالک ہے جو چربی اور سوزش کے درمیان فرق نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ فارغ جوانی کو ناپسند فرماتے ہیں ان لوگوں کو یہ کام کرنے پر صرف جوانی اور فراغت نے اکسایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴾ [الجمعة: ١١][1]

[1] إحياء علوم الدين (٢/ ٢٥٠)

”اور جب وہ کوئی تجارت یا تماشا دیکھتے ہیں تو اٹھ کر اس طرف چلے جاتے ہیں اور تجھے کھڑا چھوڑ جاتے ہیں، کہہ دے جو اللہ کے پاس ہے وہ تماشے سے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ سب رزق دینے والوں سے بہتر ہے۔“

شادی اور اس کے متعلقہ معاملات میں آسانی کی ترغیب

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عمر بن محمد السبیل رحمہ اللہ

خطبہ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اللہ کے بندو! اس دنیا میں خوشی ایک عظیم اور جلیل مقصد ہے جس کے حصول کے لیے ہر ذی روح ہر وسیلہ اور ہر ذریعہ اختیار کر کے تگ و دو کرتا ہے، لیکن اس دنیا میں انسان کو خوشی اور اطمینان قلب صرف ان راستوں اور احکام کو اپنا کر مل سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے شریعت میں متعین کر دیے ہیں۔

شادی خوشی کا ایک اہم سبب ہے:

اللہ بزرگ و برتر نے جو خوشی کے اسباب متعین کیے ہیں اور انسان کی جبلت میں انھیں ودیعت کیا ہے ان میں ایک سبب شادی کے بندھن میں بندھنا ہے، اگر میاں بیوی کے درمیان مکمل اتفاق اور ہم آہنگی ہو تو یہ اس دنیا میں خوشی، اطمینان، سکون، آسودگی اور نفسیاتی راحت کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنی اس خصوصی نعمت کو جتاتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ [الروم: ۲۱]

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھی سے بیویاں پیدا کیں، تاکہ تم ان کی طرف (جا کر) آرام پاؤ اور اس نے تمھارے درمیان دوستی اور مہربانی رکھ دی، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو غور کرتے ہیں۔''

مسند احمد میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

《أربع من السعادة》[1] ''چار چیزیں سعادت بخش ہیں۔''

اور آپ ﷺ نے ''نیک بیوی'' کو بھی ان میں شمار کیا۔

---

[1] مسند أحمد (۹/ ۳٤۰)

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الدنيا متاع، و خير متاع الدنيا المرأة الصالحة»❶

''دنیا سامان زیست ہے اور اس کا بہترین سامان نیک عورت ہے۔''

نکاح انبیاء کرام کی سنت اور صالحین کا طریقہ ہے۔ اللہ جل شانہ نے اس کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾ [النساء: ٣]

''عورتوں میں سے جو تمھیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو، دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے، پھر اگر تم ڈرو کہ عدل نہیں کرو گے تو ایک بیوی سے، یا جن کے مالک تمھارے دائیں ہاتھ ہوں (یعنی لونڈیاں) یہ زیادہ قریب ہے کہ تم انصاف سے نہ ہٹو۔''

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً اور قولاً اس کی ترغیب دلائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

«وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتي فليس مني»❷

''میں عورتوں کے ساتھ شادی بھی کرتا ہوں، جس نے میری سنت سے منہ موڑا تو وہ مجھ سے نہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانان امت کو بھی یہ نصیحت فرمائی ہے کہ اگر وہ ذمے داری اٹھانے اور ازدواجی زندگی کے امور انجام دینے پر قادر ہوں تو جلد از جلد شادی کر لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

«يا معشر الشباب! من استطاع منكم الباءة فليتزوج، فإنه أغض للبصر، وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء»❸

''اے نوجوانوں کی جماعت! جو تم میں شادی کی (جسمانی اور مادی) صلاحیت رکھتا ہے وہ شادی کرے، کیونکہ یہ نظر میں حیا پیدا کرنے اور شرمگاہ کے تحفظ کا اہم ذریعہ ہے، اور جو اس کی استطاعت نہیں رکھتا وہ روزہ رکھے کیونکہ یہ اس کی شہوت کو ختم کر دے گا۔''

❶ صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٤٦٧)

❷ صحیح البخاري، رقم الحدیث (٥٠٦٣) صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٤٠١)

❸ صحیح البخاري، رقم الحدیث (٥٠٦٥) صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٤٠٠)

نیک عورت کا انتخاب:

جو شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے آپ ﷺ نے اس کی راہنمائی کرتے ہوئے اسے نیک، صحیح دین والی، اچھے اخلاق کی مالک، پاکیزہ تربیت کی حامل، بہت محبت کرنے والی اور بکثرت اولاد پیدا کرنے والی عورت کو بطور بیوی منتخب کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«تنكح المرأة لأربع خصال: لمالها، و لحسبها و لجمالها و لدينها، فاظفر بذات الدين، تربت يداك» ❶

''عورت کے ساتھ نکاح کرتے وقت چار چیزیں مدنظر رکھی جاتی ہیں: اس کا مال، حسب ونسب، خوبصورتی اور دینداری۔ دین دار ہی کو بیوی بنانے میں کامیاب ہونا تمھارے ہاتھ خاک آلود ہوں!''

سنن ابی داود اور نسائی میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بہت زیادہ محبت کرنے والی اور کثرت سے بچے جننے والی عورت کے ساتھ شادی کرو، کیونکہ میں تمھاری کثرت کے باعث دیگر امتوں پر فخر کروں گا۔'' ❷

رسول کائنات ﷺ نے اگر نیک بیوی منتخب کرنے کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے تو اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ایسی عورت سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ ازدواجی حقوق ادا کرے گی، خاوند کے متعلقہ معاملات ذمے داری سے ادا کرے گی، بچوں کی تربیت کا اہتمام کرے گی اور تقویٰ اور ایمان کی بنیاد پر خاندان کی عمارت تعمیر کرے گی۔ لیکن اگر بیوی کمزور دین کی مالک اور بداخلاق ہو تو پھر اس سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایک اچھے خاندان کی تعمیر کرے گی، اس کے ہوتے ہوئے سکون محسوس ہو سکتا ہے نہ راحت ہی میسر آ سکتی ہے، بلکہ ایسی بیوی خاوند کے لیے بلائے جان بھی بن سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے حقیقی حسن کو دیکھے بغیر، جو دین، شائستگی اخلاق اور اچھی تربیت کے زیور سے آراستہ ہوتا ہے، محض ظاہری خوبصورتی کے دھوکے میں آنے سے خبردار کیا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٠٩٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٦٦)

❷ **صحيح**. سنن النسائي، رقم الحديث (٣٢٢٧) سنن البيهقي (٧/ ٨١)

«لا تزوجوا النساء لحسنهن، فعسیٰ حسنهن أن یردیهن، ولا تزوجوهن لأموالهن، فعسیٰ أموالهن أن تطغیهن، ولکن تزوجوهن علی الدین» [1]

''عورتوں کے حسن کی وجہ سے ان کے ساتھ شادی نہ کرو، ہوسکتا ہے ان کا حسن انھیں ہلاک کر دے، نہ ان کے مال کی بنا پر ان کے ساتھ نکاح رچاؤ، ممکن ہے یہ انھیں سرکش بنا دے، لیکن ان کے ساتھ دین کی وجہ سے شادی کرو۔''

خانگی زندگی اور اسلام کی راہنمائی:

سامعین محترم! یہ نبوی ارشادات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ اسلام نکاح کے معاملے کو کتنی اہمیت دیتا اور ازدواجی خوشی اور پرسکون زندگی کے حصول کے لیے کس قدر مناسب راہنمائی کرتا ہے۔

بیوی کے معاملے کو بھی اسلام بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے، اس سلسلے میں ہمارا دین عورتوں کے سرپرستوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ ان کے نکاح کے معاملے میں ہم پلہ اور برابر کے رشتے تلاش کرنے میں پوری کوشش کریں، جب کوئی نیک، دیندار اور با اخلاق شخص پیغام نکاح دے تو اسے رد نہ کریں۔ رسول کریم ﷺ نے اسی کو قبول کرنے اور رد کرنے کا معیار قرار دیا ہے، اس کے علاوہ کسی ایسے معیار کی حوصلہ افزائی نہیں کی جو بعض معاشروں میں رواج پذیر ہیں، جن کی دین اسلام میں کوئی دلیل اور بنیاد نہیں بلکہ ان کے نتیجے میں بے شمار نقصانات اور خرابیاں وجود میں آتی ہیں۔

اسی وجہ سے رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إذا أتاکم من ترضون دینه وخلقه فزوجوه إلا تفعلوا تکن فتنة في الأرض وفساد عریض» [2]

''جب تمھارے پاس کوئی ایسا رشتہ آئے جس کا دین اور اخلاق تمھیں پسند آئے تو اس کے ساتھ شادی کر دو، وگرنہ زمین پر فتنہ اور وسیع پیمانے پر فساد برپا ہوجائے گا۔''

عورتوں کو معاشرتی رواجوں کی بھینٹ نہ چڑھائیں:

اللہ کے بندو! یہ بڑی افسوسناک حقیقت ہے کہ کچھ سرپرست محض دنیوی مفادات یا

[1] **ضعیف.** سنن ابن ماجه (۱۸۵۹) اس کی سند میں عبدالرحمن بن زیاد بن انعم الافریقی راوی ضعیف ہے۔

[2] **حسن.** سنن الترمذي، رقم الحدیث (۱۰۸٤) سنن ابن ماجه، رقم الحدیث (۱۹٦۷)

معاشرتی رواجوں کی وجہ سے اپنی بیٹیوں یا بہنوں کا نکاح نہیں کرتے اور انھیں گھر بٹھائے رکھتے ہیں، حالانکہ اسلام میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ اس کی وجہ سے ایسے اولیا اور سرپرست اپنی بیٹیوں، بہنوں اور ماتحتوں کو عظیم ترین نقصان، شدید ترین حسرت اور ناقابل بیان تکلیف سے دوچار رکھتے ہیں۔ ایسے سرپرستوں کو اس کام سے بچنا چاہیے جو انھیں اللہ تعالیٰ کے غضب کا سزاوار ٹھہراتا ہے کیونکہ روز قیامت ان سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«كلكم راع، و كلكم مسؤول عن رعيته»[1]

''تم میں سے ہر کوئی سرپرست ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ۔''

نکاح کی مصلحت:

اے اہل اسلام! اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نکاح کو مخلوق کی مصلحت اور اس کائنات کو آباد کرنے کے لیے مشروع قرار دیا ہے، نکاح میں بہت زیادہ مصلحتیں اور بے شمار فوائد ہیں۔ انسانی معاشرہ اور امت جس قدر زیادہ اس کے معاملے کو اہمیت دے گی، نوجوان نسل کی شادی میں مخلص ہوگی اور نکاح کے اسباب میں آسانی پیدا کرے گی اسی قدر امت کی اپنے فرزندوں کو خوشی دینے اور معاشرے کو امن اور اطمینان کا گہوارہ بنانے کی خواہش پوری ہوگی۔

فضول رسموں سے بچیں:

لیکن حقیقت حال کس قدر تکلیف دہ ہے کہ آج اکثر لوگ اسلامی ہدایات اور شرعی قواعد سے دور ہو چکے ہیں جو نکاح اور اس کے اسباب میں آسانی پیدا کرنے کی دعوت دیتے ہیں؟ کچھ لوگ غیر معمولی حق مہر کا مطالبہ کرتے ہیں، گراں قدر اخراجات کرتے ہیں، دعوتوں میں فضول خرچی کرتے ہیں اور دولت کے مظاہرے کرتے ہیں، یہ ساری فضول خرچیاں مالداروں کا مال برباد کرتی ہیں اور غریبوں کو ڈھیروں بوجھ تلے دفنا دیتی ہیں۔ درحقیقت یہ شادی کے سلسلے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے، بہت سارے نوجوان ان اخراجات کی سکت نہیں رکھتے اور نتیجے کے طور پر بہت ساری لڑکیاں نکاح کے شرعی حق سے محروم رہ جاتی ہیں اور ہم پلہ نوجوانوں کے ساتھ شادی نہیں کر پاتیں۔

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٨٩٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٨٢٩)

رسمیں نکاح میں رکاوٹ ہیں:

اللہ کے بندو! آج اسلامی معاشروں میں کتنے ایسے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ہیں جو شادی کے ان بے جا اخراجات یا اسلام کے خلاف معاشرتی رواجوں کی بھینٹ چڑھے ہوئے ہیں اور وہ اپنی شادی کی سکون واطمینان کے سائے تلے زندگی گزارنے کی فطری خواہش پوری کرنے سے قاصر ہیں؟

بعض اسلامی معاشرے انحراف کا شکار ہو چکے ہیں اور پاکدامنی اور عفت کی راہ سے دور ہو چکے ہیں۔

بااثر معاشرتی طبقات کی ذمے داری:

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اپنی تمام کاوشوں کو بروئے کار لاؤ، خصوصاً معاشرے کے بااثر افراد، علماء، سردار، مصلحین، مفکرین، صحافی اور قلمکار حضرات کا یہ فریضہ ہے کہ وہ نکاح کے امور، اسباب اور وسائل میں آسانی کرنے کی ترغیب دلائیں اور اس سلسلے میں جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت کے پیشِ نظر عمومی شعور اور بیداری کی مہم چلائیں۔ فرمان ربانی ہے:

﴿ وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴾ [النور: ۳۲]

''اور اپنے میں سے بے نکاح مردوں، عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے غلاموں اور اپنی لونڈیوں سے جو نیک ہیں ان کا بھی، اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ انھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

شادی میں برکت کے اسباب:

اللہ کے بندو! ہر کام میں جسے تم کرتے ہو یا چھوڑتے ہو اللہ کے خوف کو مدنظر رکھو اور ہر مقصد اور ارادے میں بھلائی اور برکت کے اسباب تلاش کرو۔ تمھیں علم ہونا چاہیے کہ شادی میں برکت اور موافقتِ الٰہی کے حصول کے قوی ترین اسباب یہ ہیں کہ میاں بیوی نیک ہوں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رضا پر ثابت قدم رہیں، اسلامی آداب واخلاق سے آراستہ ہوں، نکاح کے اخراجات میں آسانی پیدا کریں، فضول خرچی اور عیاشی سے پرہیز کریں۔ یہ ہیں وہ طاقتور اور مفید ترین عوامل و وسائل جن کی بدولت ازدواجی زندگی میں خوشی اور ہم آہنگی حاصل ہو سکتی ہے۔

رسول کریم ﷺ نے نکاح کے معاملے میں اسباب برکت اور موافقت الٰہی پر روشنی ڈالتے ہوئے امت سے فرمایا:

«أعظم النساء بركة أيسرهن مؤنة»❶

''وہ عورت سب سے زیادہ بابرکت ہے جس کا خرچہ آسان ہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''عورتوں کے حق مہر میں غیر معمولی اضافہ نہ کرو، اگر یہ دنیا میں عورتوں کے حق میں کوئی باعث عزت چیز ہوتی، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی تقوے کا سبب ہوتا تو رسول کریم ﷺ تم سب سے پہلے اس کا اہتمام کرتے۔''❷

آسانیاں پیدا کرو:

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ، نوجوان نسل کی شادی کرنے میں گہری دلچسپی لو اور ان کے لیے نکاح کے اسباب میں آسانیاں پیدا کرو تاکہ وہ مکمل سکون اور راحت کے ساتھ اس کی طرف راغب ہوں، اچھے خاندانوں کی بنیاد رکھیں، جو امت میں ایک فعال اور متحرک اینٹ بن سکیں۔ یہی وہ چیز ہے جو معاشروں کی اصلاح کر سکتی ہے، امت کو خوشی دے سکتی ہے، اس کے معاملات کی درستی اور حالات کی اصلاح کر سکتی ہے اور اپنے فرزندوں کو عزت اور ترقی کے تخت پر بیٹھا ہوا دیکھنے کی تمنا پوری کر سکتی ہے۔

❶ ضعيف. مسند أحمد (٦/ ١٤٥) اس کی سند میں ''ابن سخبرہ'' راوی مجہول ہے۔ البتہ ایک روایت بایں الفاظ حسن سند کے ساتھ مروی ہے: "إن من يمن المرأة تيسير خطبتها وتيسير صداقها وتيسير رحمها" دیکھیں: مسند أحمد (٤١/ ٢٨) نیز دیکھیں: إرواء الغليل (٦/ ٣٤٨)

❷ صحيح. سنن الدارمي (٢/ ١٩٠)

ماہِ ربیع الثانی
پہلا خطبہ
سیرو سیاحت
شریعت کی نظر میں
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس حفظہ اللہ
22/6/2001 = 1/4/1422
دوسرا خطبہ
شادی میں رکاوٹیں اور
خوشی کے مواقع پر ہونے والی برائیاں اور
شریعت کی خلاف ورزیاں
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس حفظہ اللہ
29/6/2001 = 8/4/1422
تیسرا خطبہ
عقل پرستی
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر سعود الشریم حفظہ اللہ
6/7/2001 = 15/4/1422
چوتھا خطبہ
زبان کا تحفظ
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ صالح بن حمید حفظہ اللہ
13/7/2001 = 22/4/1422
پانچواں خطبہ
امن کی حقیقت
فضیلۃ الشیخ
امام وخطیب
ڈاکٹر سعود الشریم حفظہ اللہ
20/7/2001 = 29/4/1422

سیر و سیاحت؛ شریعت کی نظر میں

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔ لوگوں کو کیا ہے کہ وہ مسافر ہونے کے باوجود تقوے سے زادِ راہ نہیں لیتے؟ عزائم کو کیا ہو چکا ہے کہ وہ متقین کے قافلے کے ساتھ ملنے کا حوصلہ نہیں پاتے؟ کیا وجہ ہے کہ زبانیں اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہیں؟ کیا سبب ہے کہ آنکھیں اس فانی دنیا کی دلکشی میں کھوئی ہوئی ہیں اور ہدایت کے واضح راستے کے ہوتے ہوئے بھی حیران وغلطاں ہیں؟

اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ جو تمھارا رب ہے، اس کے فرامین اور منع کردہ باتوں کو اہمیت دو اور اس کی آیات میں غور وفکر کرو جو نصیحت اور عبرت سے بھری پڑی ہیں۔

عقیدہ اصلاح کا ضامن ہے:

برادرانِ اسلام! جب تک امت نے اپنے عقیدے کو تھامے رکھا تب تک اس کے حالات درست رہے۔ اسلامی معاشروں میں مخالفِ دین مظاہر کا کوئی وجود نہیں تھا لیکن جیسے ہی فرزندان اسلام نے اسلام میں لاپرواہی سے کام لیا اور لگام کو ڈھیلا چھوڑ دیا تو مسلمان درآمد شدہ افکار، کمزور ترین ضوابطِ حیات اور مغربی ثقافات میں اندھا دھند کھو گئے، اور شرعی آداب اور ضوابط کو خاطر میں لائے بغیر انھوں نے بڑی وسیع الظرفی کے ساتھ جدید ترقی کا استقبال کیا، جس کی وجہ سے ان میں شریعت اسلامی کے مخالف مظاہر اور رواجات پھیل گئے، جن کا افراد اور معاشروں دونوں پر بڑا گہرا منفی اثر پڑا ہے۔ غیرت مند حضرات اور امت کا درد رکھنے والے افراد کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ ان جیسے مظاہر کا علاج تلاش کرنے کی مخلصانہ کوششیں کریں۔

چھٹیوں کے لیے لوگوں کی تیاریاں:

مسلمانوں کی جماعت! یہ ایک ایسا معاشرتی ہوش ربا مظہر اور ایک انتہائی خطرناک تربیتی مسئلہ ہے جس کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی اور تحقیق کے ساتھ خصوصی پروگرام تشکیل دینے کی اشد

ضرورت ہے تاکہ اس کے لیے قانون سازی اور ضوابط طے کیے جاسکیں۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو ہر سال ان دنوں میں پیدا ہوتا ہے جب گرمی اپنی شدت پہ ہوتی ہے اور بعض علاقوں کو موسم گرما کے زہریلے تھپیڑے اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں، جس کی وجہ سے اکثر لوگ ٹھنڈے مقامات، سیر گاہوں، سمندروں کے کناروں اور تفریح گاہوں (Resorts) کی طرف بھاگتے ہیں، اور رخت سفر باندھ کر سیر و سیاحت کے لیے نکل پڑتے ہیں، تاکہ فرصت کے لمحات سے لطف اندوز ہوسکیں، اور کتنے طالبعلم تعلیمی سال کی مشقوں سے فارغ ہوکر موسم گرما کی چھٹیوں سے لطف اٹھانے کے لیے ان مقامات کا رخ کرتے ہیں۔

اکثر لوگ چھٹیاں منانے کے پروگرام تشکیل دے چکے ہوتے ہیں جبکہ لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد ان مقامات کی طرف رخت سفر باندھ چکی ہوتی ہے جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ بکنگ آفس پر لوگوں کا تانتا بندھا ہوتا ہے اور دھڑا دھڑ ٹکٹیں فرخت ہو رہی ہوتی ہیں۔ لوگ مختلف براعظموں اور صحراؤں کی طرف گامزن ہوجاتے ہیں۔

اس لیے سامعین محترم میں آپ کی توجہ کا طالب ہوں کہ اس مسئلے کو شریعت کے میزان میں تولا جائے، اسے کتاب وسنت پر پیش کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کی واقعاتی اور زمینی صورتحال پر بھی مختصر تبصرہ کیا جائے گا اور یہ بھی بیان کیا جائے گا کہ اگر ان واقعاتی مسائل میں شرعی قوانین اور ضوابط کی پابندی نہ کی جائے تو اس کے کیا منفی اثرات ظاہر ہوتے ہیں؟ ہماری موجودہ گفتگو مندرجہ ذیل مختصر مگر اہم نکات کے مطابق ہوگی۔

مقصد تخلیق:

۱۔ اس زندگی میں انسان کا سب سے اہم کام، جو اس کے وجود کا راز، اس کی عزت کا تاج اور اس کی خوشحالی کے لیے اکسیر اعظم ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بندگی کرنا اور اس کے لیے تمام تر اللہ کی دی ہوئی طاقتوں کو بروئے کار لانا ہے جس سے لمحہ بھر کے لیے بھی غفلت نہیں برتنی چاہیے، جس طرح فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾ [الذاريات: ٥٦]

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

ایک سچے مسلمان کی یہ نشانی ہے کہ وہ مبادیاتِ اسلام پر ثابت قدم رہتا ہے، اپنے دین اور

عقیدے کے ساتھ وفادار رہتا ہے، اپنی اصول پسندی اور شخصیت پر فخر کرتا ہے، اپنے عقیدے اور بنیاد پر ناز کرتا ہے، اسے اپنے پیغام پر عمل کرنے اور اپنے رب کی بندگی کرنے سے کوئی زمان روک سکتا ہے نہ کوئی مکان ہی۔ اس کا جینا بھی اللہ کے لیے ہوتا ہے اور اس کے تمام اعمال بھی اپنے آقا ومولیٰ کی رضا کے لیے ہوتے ہیں:

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ [الأنعام: ۱۶۲، ۱۶۳]

''کہہ دے بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے، جو جہانوں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں حکم ماننے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔''

جہاں بھی وہ جائے اور جس جگہ بھی ڈیرا ڈالے وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اپنے رب کی اطاعت ہی کو اپنا اوڑنا اور بچھونا بناتا ہے۔ ایک سچے مسلمان، مضبوط مومن اور مثبت انداز فکر کے حامل امتی کا یہی منہج اور اسلوب حیات ہوتا ہے۔

ان گزشتہ دہائیوں میں امت جس سب سے بڑی مصیبت کا شکار ہے وہ یہ ہے کہ غیر ضروری اشیا کی فکر اور اسلام کے ساتھ منفی انداز میں اس کی نسبت کا عام رواج ہو چکا ہے۔ یہ رواج اس قدر عام ہو چکا ہے کہ زندگی کے اکثر گوشوں پر چھا چکا ہے جس کے نتیجے میں ایک ایسی نسل اور پود پرورش پا رہی ہے جو حقیقی اسلام کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کر رہی ہے اور اپنی شخصیت کی تعمیر میں گمراہ سوچ کی گندگیوں اور حرام رویوں کے مظاہر سے خمیر لے رہی ہے جس کے نتیجے میں یہ نسل واضح شکست خوردگی کے ساتھ قابل نفرت اور لائق مذمت انداز میں تشبیہ اور تقلید کے فیشن کے سراب کے پیچھے اندھا دھند دوڑ رہی ہے۔ اور مقام افسوس ہے کہ یہ نام نہاد مسلمان، مسلمانوں کی صفوں میں پھیلے ہوئے سیکولرزم کی چمک دمک سے اندھے ہو چکے ہیں اور اپنی دینی شناخت اور اسلامی شخصیت کھو چکے ہیں۔

لہٰذا آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ فرزندان اسلام کے دلوں میں اسلامی غیرت کی روح کو پھر سے جگایا جائے۔ کیونکہ فرمانِ ربانی ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

[المنافقون: ۸]

''حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے اور لیکن منافق نہیں جانتے۔''

وقت اللہ کی رضا میں صرف کریں:

۲۔ برادران ایمان! وقت اس زندگی کا بنیادی عنصر اور زمانہ عمر کے لیے پیمانے کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی اطاعت میں صرف کرنا از حد ضروری ہے، کیونکہ انسان سے پوچھا جائے گا کہ اس نے اپنی عمر کن کاموں میں فنا کی اور اپنی جوانی کیسے گزاری؟ جس طرح کہ جامع ترمذی میں حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے۔[1]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سال ایک درخت ہے، مہینے اس کی شاخیں ہیں، دن اس کی ٹہنیاں ہیں، گھڑیاں اس کے پتے ہیں جبکہ سانس اس کے پھل۔ جس کے سانس اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزریں اس کے درخت کا پھل پاکیزہ ہوگا، اور جس کے سانس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں گزریں تو اس کا پھل کڑوا زہر ہوگا، کٹائی کا دن آخرت کا دن ہے اور کٹائی کے وقت ہی پھل کا میٹھا یا کڑوا ہونا ظاہر ہوگا۔''[2]

اس لیے جو لوگ اپنے اوقات بیدردی سے ضائع کر رہے ہیں اور اللہ کی مرضی کے خلاف اپنی عمریں تباہ کر رہے ہیں انھیں اس بات کا بخوبی علم ہونا چاہیے۔

فرصت ایک عظیم نعمت:

۳۔ فرصت و فراغت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جسے صرف شرعی وسائل کے ذریعے مصروف رکھنا چاہیے۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ فارغ اوقات عبادت الٰہی میں گزریں یا کم از کم یہ کوشش ضرور ہونی چاہیے کہ فارغ وقت شرعی اعتبار سے جائز کاموں میں صرف ہو اور حرام سے بچا جائے۔ کیونکہ جو

[1] **صحيح**. سنن الترمذي، رقم الحديث (۲٤۱۷)

[2] الفوائد لابن القيم (ص: ۲۱۲)

کام اللہ تعالیٰ نے حلال کیے ہیں ان کے ہوتے ہوئے حرام کاریوں کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ہدایات دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴾ [الانشراح: ۷، ۸]

''تو جب تو فارغ ہو جائے تو محنت کر۔ اور اپنے رب ہی کی طرف پس رغبت کر۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((نعمتان مغبون فيهما كثير من الناس : الصحة ، والفراغ))[1]

''دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں اکثر لوگ خسارہ اٹھاتے ہیں، ایک تندرستی اور دوسری فراغت۔''

آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھ۔ ان میں سے ایک آپ نے یہ شمار کی کہ مصروفیت سے پہلے پہلے فراغت کو غنیمت جان۔''[2]

یہ فراغت ہی انحراف اور فساد کی تمام شکلوں کا سب سے بڑا سبب ہے، جب اس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے تو نافرمانی میں صرف ہونے کی وجہ سے یہ الٰہی انتقام اور مصیبت کا سبب بھی بن جاتی ہے۔

تفریح شرعی حدود کے اندر ہو:

۴۔ میرے ہم عقیدہ بھائیو! جائز انداز میں سیر وتفریح کرنے اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے دل بہلانے (Entertainment) میں کوئی عیب اور مضائقہ نہیں بلکہ بعض اوقات شرعی مقاصد کے لیے یہ مطلوب بھی ہوتی ہے جس طرح حدیثِ حنظلہ میں ہے کہ ''ولکن ساعة و ساعة''[3] لیکن بہر کیف اس کا شرعی حدود کے اندر رہنا ضروری ہے۔ اسلام مسلمانوں پر کوئی ایسی پابندی نہیں لگاتا کہ ان کو سیر وتفریح سے منع کرے یا وہ اپنے اہل وعیال کو اس کے مواقع مہیا کریں اور اس کے لیے شرعی وسائل اختیار کریں۔

لیکن اگر اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کو ایسے کاموں میں صرف کیا جائے جو ایمان کمزور

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٤١٢)

[2] المستدرك (٤/ ٣٤١)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٥٠)

کردیں، عقیدہ متزلزل کردیں، حیا مجروح کردیں، بے حیائی کا شکار بنادیں تو پھر یہ ہرگز جائز نہیں، چاہے لوگ اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔

سفر اسلام کی نظر میں:

۵۔ دین اسلام سفر کرنے پر کوئی قدغن نہیں لگاتا بلکہ کبھی تو سفر شرعی اغراض ومقاصد کے لیے نہایت ضروری ہوتا ہے۔

امام ثعالبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سفر کی ایک فضیلت یہ ہے کہ مسافر شہروں اور علاقوں میں عجیب وغریب اشیا کا مشاہدہ کرتا ہے، اور لوگوں کے آثار و باقیات کے محاسن ملاحظہ کرتا ہے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے متعلق اس کے علم میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر اس کا شکریہ ادا کرتا ہے۔''

تِلْكَ الطَّبِيْعَةُ قِفْ بِنَا يَا سَارِ
حَتّٰى أُرِيْكَ بَدِيْعَ صُنْعَ الْبَارِيْ
فَالْأَرْضُ حَوْلَكَ وَالسَّمَاءُ اهْتَزَّتَا
لِرَوَائِعِ الْآيَاتِ وَالْآثَارِ

''یہ فطرت ہے اے راہ گزر! یہاں ٹھہر کہ میں تجھے پروردگار کی انوکھی کاریگری دکھاؤں، تیرے اردگرد زمین وآسمان خوشنما نشانیوں اور آثار کو دیکھ کر جھوم رہے ہیں۔''

کہا جاتا ہے: سفر وسیلہ ظفر ہے۔ کھڑا پانی خراب ہوجاتا ہے سورج اگر افق ہی میں کھڑا رہے تو جل جائے۔

وَالْأَسَدُ لَوْلَا فِرَاقُ الْغَابَةِ مَا افْتَرَسَتْ
وَالسَّهْمُ لَوْلَا فِرَاقُ الْقَوْسِ لَمْ يُصِبْ

''شیر اگر جنگل کو نہ چھوڑیں تو درندگی نہ کریں، اور تیر جب تک کمان کو نہ چھوڑے تب تک ہدف تک نہیں پہنچ سکتا۔''

لیکن اسلام میں سفر کے شرعی ضوابط اور حدود ہیں۔ ان آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ

سفر حدود کی حفاظت کرنے والے اسلامی ممالک تک ہی محدود رہنا چاہیے لیکن ایسے ممالک کی طرف عازم سفر ہونا جو گندگیوں کے جوہڑ، شک کے بھنور اور ثقافتی اعتبار سے وبا آلود علاقے ثابت ہوں وہاں جانا، جب تک کوئی خاص ضرورت نہ ہو، جائز نہیں لیکن اسلامی شعائر کے اظہار کی قدرت ہونا بہر نوع از حد ضروری ہے۔ کیا جنگلی درندوں سے بھرے ہوئے جنگل میں کوئی امانت سے لدے ہوئے اونٹ پھینک جاتا ہے؟

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أنا بريئ من رجل يبيت بين ظهراني المشركين» [1]

''میں اس آدمی سے بری الذمہ ہوں جو مشرکوں کے درمیان رہتا ہے۔''

اہل علم اس سے صرف اس مریض کو مستثنیٰ خیال کرتے ہیں جو بغرض علاج ایسے ممالک کی طرف سفر کرنے پر مجبور ہو۔

سیاحت کے مقاصد:

٦۔ اللہ تمھاری حفاظت کرے! تم لوگ کیا جانو سیاحت کی حقیقت کیا ہے؟ یہ ایک خوشنما لفظ اور دلکش عبارت ہے، اس کے اپنے شرعی تقاضے ہیں، سلف صالحین زمین کے مشرق ومغرب میں جہاد فی سبیل اللہ، اپنے اقوال وافعال، کردار اور حسن سلوک کے ذریعے دعوت دین پھیلانے کے لیے گھومتے۔ اس اعلیٰ شرعی مقصد کے لیے تو سیاحت سے فائدہ اٹھانا کیا خوب ہے! سیر وسیاحت کے اس پاک صاف، اجلے ہوئے اور شرعی ضوابط کی قید میں مقید مفہوم کے ہم سب مؤید ہیں اور اس کی پر زور حمایت کرتے ہیں۔

لیکن غم کی لہریں تو دل میں اس وقت اٹھتی ہیں جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ امت میں اندرونی طور پر شکست خوردہ ایسے افراد زیادہ ہو چکے ہیں جو مغربی ثقافت کے اتنے جام چڑھا چکے ہیں کہ اس کے نشے میں مست رہتے ہیں۔ اور بر بنائے غلط وہ یہ سوچ رکھتے ہیں کہ سیر وسیاحت صرف کالے دنوں، سرخ راتوں، فضائل کو لات مار کر، حیا کو پس پشت ڈال کر، رسوائیوں کا اعلان کر کے اور برائیوں کا اظہار کر کے ہی ممکن ہے جبکہ صاحب ایمان افراد اور اخلاق وکردار کی پاسداری کرنے والے معاشرے نہ اس بات کو

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٦٤٥)

پسند کریں گے نہ قبول ہی کریں گے کہ ان گدلے پانیوں میں ڈبکیاں لگائی جائیں، اور معاصر قوموں اور منحرف معاشروں کی بیماریوں اور بدبودار آرائشوں کے پیچھے پیچھے زبان نکال کر بھاگا جائے۔

ہاں، سیاحت کی تاثیر ہونی چاہیے لیکن کسی سے متاثر نہیں ہونا چاہیے، حیا داری ہونی چاہیے لیکن بے حیائی نہیں، ثابت قدم رہنا چاہیے نہ کہ متزلزل۔ کیونکہ یہ بات ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ دشمنانِ اسلام مسلمان سیاحوں کو شکار کرنے کے لیے نشانہ بناتے ہیں اور فکری اور اخلاقی جنگ کے ذریعے ان کو اپنے ملکوں کی چکا چوند سے خیرہ کرتے اور بہت سارے سیاحوں کا اقتصادی اور اخلاقی خون چوس لیتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ انھیں بے حیائی، بدکاری، منشیات، شراب نوشی، بے پردگی، ننگے پن اور اختلاط مرد وزن کا عادی بنا دیتے ہیں بلکہ کچھ لوگ تو اس حالت کو پہنچ جاتے ہیں کہ وہ اپنے دین، معاشرے، ملک اور امت کے لیے اجنبی بن کر لوٹتے ہیں۔

کیا ایڈز اور سوزاک کے مریضوں کے حیرتناک اعداد وشمار اور منشیات پھیلانے والے نیٹ ورکس اور گروہوں کے کارنامے غور وفکر کرنے کے لیے کافی نہیں؟

ہم مسافروں اور سیاحوں کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنے متعلق اپنے خاندانوں، اپنے معاشرے اور امت کے بارے میں اللہ کا خوف کھائیں، اور قدم اٹھانے سے پہلے خوب سوچ سمجھ لیں کہ کہیں وہ پھسلن پر تو پاؤں نہیں رکھ رہے؟

البتہ جو لوگ بھلائی، حیا اور دعوت واصلاح کی غرض سے سفر کرتے ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں۔ اپنے اسلامی ممالک کی نمائندگی کرو، اپنے دین کا اظہار کرو، اس کی رواداری نہ مبادیات کی دعوت دو کیونکہ دنیا ایک ایسے دین کی تلاش میں ٹھوکریں کھا رہی ہے جو اس کے لیے امن اور آزادی کا ضامن ہو۔ اور یہ امن اور آزادی صرف اسلام کے سائے میں نصیب ہو سکتی ہے۔

اس لیے مسافروں سے التماس ہے کہ وہ اپنے ممالک اور دین کے سفیر بنیں اور دین اسلام کی بہترین نمائندگی کریں، اپنے افعال اور کردار کے ذریعے اپنے دین کی تبلیغ کریں اور اپنے ساتھ ایسے کتابچے بھی رکھیں جو اسلام کا تعارف پیش کریں اور اس کی خوبیاں اور فیاضانہ تعلیمات بیان کریں۔

«فو اللّٰه لأن يهدي اللّٰه بك رجلا خير لك من أن يكون لك حمر النعم»[1]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٨٤٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٤٠٦)

''اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ تمھارے ذریعے کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو وہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہوگا۔''

اس بات سے ہمیشہ محتاط رہیں کہ دنیا مسلمانوں اور مسلم نوجوانوں کے بارے میں یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ شہوت کے پجاری اور لذتوں کے مارے ہوئے ہیں، بلکہ دنیا والوں کو اپنے کردار سے یہ سمجھاؤ کہ تم ایک پیغام پیش کرنے والے، اعلیٰ اور اشرف ہدف کے مالک، منفرد شخصیت کے حامل، پائندہ تابندہ شریعت کے ماننے والے اور ایک ایسے دین پر ایمان رکھنے والے ہو جو ایک طرف تو عقیدے اور اخلاق واقدار کی حفاظت کرنے والا ہے تو دوسری طرف سچائی، انصاف اور امن کے ساتھ زندگی کا نظم ونسق چلاتا ہے، اور ہر اس چیز کا متلاشی ہے جو دنیا کے لیے ترقی، بالیدگی اور تہذیب وتمدن کی ضامن ہو۔

سیاحتی اداروں کے دام میں نہ آئیں:

امت مسلمہ! ذمے داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اور امت کی خیر خواہی کی غرض سے میں یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ بعض سیاحتی کمپنیاں لوگوں کو ان وبا آلود ممالک کی طرف سفر کی دعوت دینے کے لیے بڑے زرق برق اور دلکش انداز میں اعلانات کرتی اور اشتہار بازی کی مہمات چلاتی ہیں، جو بظاہر خوشنما لیکن اندرونی طور پر زہر آلود، چھپے ہوئے بم اور زیر زمین بارودی سرنگوں کی طرح ہیں، جنھیں اخلاق واقدار اور فضائل کو اڑانے کے لیے نصب کیا گیا ہے اس لیے ان سے بچیں۔

اسلامی ممالک سیاحتی دولت سے مالا مال ہیں:

یہاں مقام شکر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے اسلامی ممالک کو شرعی، تاریخی اور تہذیبی دولتوں سے مالامال کر رکھا ہے جس کی بدولت یہ صاف ستھری سیاحت کے علاقے بننے کی پوری صلاحیت اور اس کا صحیح تصور اور تابناک چہرہ پیش کرنے کی مکمل قدرت رکھتے ہیں لیکن بعض شکست خوردہ اور مبتلائے فتنہ یہ سمجھتے ہیں کہ ٹورزم بدکاری، مادر پدر آزادی اور حیاباختگی کی انڈسٹری ہے۔ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرمین شریفین اور اس کے علاقوں پر احسان نہیں کیا جو مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن اور ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں؟ کیا ہمارے علاقے ایسی متنوع فضا کے مالک نہیں جو ایک مکمل مجموعہ پیش کرتے ہیں جس کی دنیا میں مثال ملنا مشکل ہے؟ یہاں مقدس مقامات ہیں، خوبصورت

ساحل ہیں، مادی تہذیب کے امراض اور آرائشوں سے پاک اور صحت مند ساحل ہیں، دلربا مناظر کے حامل بلند وبالا پہاڑ ہیں، صاف ستھری ہوا ہے، دلکش وادیاں ہیں، جاذب نظر ہموار اور کشادہ زمین ہے، رواں ندیاں ہیں، خوبصورت ٹھنڈے مقامات ہیں، انوکھے صحرا ہیں، فلک بوس چوٹیاں ہیں، وسیع وعریض نشیبی زمین ہے، اور حیرتناک سنہری ریت کی حامل تاحد نگاہ پھیلی ہوئی سنگ ریزوں والی زمین ہے۔

ان مادی اور حسی ارکان سے بھی اہم وہ معنوی ارکان، شرعی خوبیاں، اسلامی تہذیبی خصائص اور اصلی عربی آداب ہیں جو ایمان کے عطر سے معطر اور مروّت واحسان کی شبنم میں مرطوب تاریخ اور تہذیب کی خوشبو کو بیان کرتے ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی لوگ بہتر چیز کے بدلے بدتر چیز پسند کرتے ہیں؟ جس کے اس قدر خطرناک اعتقادی وثقافتی اثرات، اور وبائی امراض ہیں جو صاحبان عقل ودانش پر بالکل مخفی نہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کا مقصد پورا ہوسکتا ہے جو پاکیزگی، پاکدامنی، صفائی، فضیلت، بھلائی، حیا اور جائز سیاحتی فضا سے لطف اندوز ہونے کی پر زور دعوت دیتے ہیں اور ان آوازوں کا ناطقہ بند کیے ہوئے ہیں، اور ان حسد آمیز قلموں کا گلا گھونٹ رہے ہیں جو اس بابرکت ملک اور اس کے باشندوں کو اس طرف لے جانے کی کوشش کر رہی ہیں، جہاں پہنچ کر اس کے خصائص وخصوصیات ختم ہو جاتی ہیں، اور اس کی اصل اور بنیاد مجروح ہو جاتی ہے۔ آخر یہ لوگ کیا چاہتے اور کیا مقصد رکھتے ہیں؟

ہمیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا چاہیے اور اس کی اطاعت کے ساتھ اس پر ہمیشگی کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اس ملک اور دیگر تمام اسلامی ممالک کے عقیدے، قیادت، امن وایمان کو سازشیوں کی سازشوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

امت کا فخر... جوان خون:

۷۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ۔

أهدي الشباب تحية الإكبار
هم كنزنا الغالي وسر فخاري
هل كان أصحاب محمد
إلا شبابا شامخ الأفكار

''جوانی کی خدمت میں بڑھاپے کا سلام پیش کرتا ہوں، وہ ہمارا گراں مایہ سرمایہ اور فخر کا راز ہیں، اصحاب محمد ﷺ بھی تو بلند افکار کے مالک نوجوان ہی تھے۔''

نوجوانی امت کا ستون، اس کا دھڑکتا ہوا دل، اس کی اچھلتی ہوئی شریانیں اور اس کے سینے کا چمکتا دمکتا ہار ہے۔ یہ آج کی نسل، کل کے لوگ، تہذیب کے بانی، عظمتوں کے معمار، دل کے ثمرات اور جگر کے ٹکڑے ہیں۔ اس لیے ان کی صحیح اور ہر جانب سے مکمل تربیت کرنا بہت زیادہ ضروری ہے، ہمیں ان کے فارغ اوقات کو متوازن انداز میں مصروف کار رکھنا چاہیے۔ ان مہینوں میں جب یہ پڑھائی کے مشاغل سے فارغ ہیں تو سرپرستوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس فراغت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے لیے ایسے بھرپور پروگرامز تشکیل دیں جو ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھائیں، ان کے ایمان کو مضبوط کریں، ان کی فکر کو سنواریں اور ان کے علم وثقافت میں اضافہ کریں۔

چھٹیوں سے فائدہ اٹھانے کے شرعی پروگرامز:

والدین اور تربیت کرنے والوں کے سامنے بے شمار جائز شرعی منصوبے ہیں۔ جیسے بچوں کو قرآن کریم حفظ کروانا، انھیں کچھ احادیث یاد کروانا، مفید علم سکھانا، نئے اور پرانے اسلامی ہیروز کی سوانح عمریوں کا مطالعہ کرنے کی ترغیب دینا، سیرت و تاریخ اور ادب کا مطالعہ کرنا، عمرے کی غرض سے انھیں بیت اللہ کی زیارت کروانا، یا مسجد نبوی کی زیارت کا کوئی پروگرام بنانا، یا اپنے ملک میں موجود دیگر ٹھنڈے مقامات کی سیر کے لیے انھیں لے چلنا جہاں ان کا دین اور اخلاق بھی محفوظ رہیں، رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہوئے ان کے ہاں آنا جانا، تاکہ وہ انٹرنیٹ، ڈش، کیبل یا بے کار فضولیات اور دیگر جنسی محرکات کا شکار ہونے سے بچ جائیں۔

مسلمان کے لیے تو یہ خوشی کا مقام ہے کہ وہ ان چھٹیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بچوں کی شادیاں کردے، یہ ایک انتہائی اہم مسئلہ ہے، لیکن ہم مسلمانوں کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں اسلامی طریقہ اپنائیں اور اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی نہ کریں، اس لیے انھیں چاہیے کہ وہ فضول خرچی، تکبر، حق مہر میں زیادتی، رت جگے اور ناقابل برداشت اخراجات سے بچیں، اور خوشیوں کے موقع پر ہونے والی دیگر برائیوں سے بھی اجتناب برتیں۔

اللہ کی نگہبانی کا احساس:

۸۔ سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ انسان کو اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ اس کا رب ہر دم اس کی نگرانی کر رہا ہے، اس لیے جہاں سے اللہ تعالیٰ نے اس کو منع کیا ہے وہاں وہ نہ پایا جائے اور جس کام کا اس کے رب نے حکم دیا ہے وہاں وہ موجود ہو۔

﴿ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴾ [النساء: ۱]

''بے شک اللہ ہمیشہ تم پر پورا نگہبان ہے۔''

گرمی کی شدت آخرت کی یاد کا ذریعہ ہے:

۹۔ احباب کرام! چاہیے تو یہ کہ دنیا میں گرمی کی شدت ہمیں آخرت کی یاد دلائے کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کا سانس ہے۔[1] اللہ اپنی پناہ میں رکھے! کیا ہم نے کبھی اس بات سے عبرت پکڑی ہے؟ ہم دنیا کے کاموں میں مصروف ہیں، کیا ہمیں کبھی اس کی یاد آتی ہے؟ کیا ہم نے اس سے بچنے کا کوئی بندوبست کیا ہے؟ اے اللہ! ہم تیری رحمت کے طالب ہیں۔

ہر جگہ مسلمانوں کو یاد رکھیں:

۱۰۔ ایک مسلمان اپنے اسلام، ایمان اور اسلامی بھائی چارے کے ساتھ مربوط ہے، اسے اپنے بھائیوں کا مکمل احساس ہونا چاہیے، ان کے حالات اور پریشانیوں کو یاد رکھنا چاہیے خصوصاً وہ لوگ جو ظلم، زیادتی اور قتل وغارت کے سائے میں زندگی گزار رہے ہیں، کیا ان کے شعور کا یہی احساس ہے کہ ہم ان کے مسائل بھول جائیں؟ آج وہ نازک اور حساس جذبات کہاں ہیں؟ کیا لوگوں کو اپنے ہم عقیدہ بھائیوں کی کوئی فکر ہے؟ کیا انھیں امت کے مقدس مقامات کا کوئی خیال ہے؟ آج مسجد اقصیٰ کس کرب سے گزر رہی ہے اور فلسطینی مسلمان کس درد کو برداشت کر رہے ہیں جہاں خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں اور کسی صیہونی یا یہودی کو کسی کا کوئی ڈر اور خوف نہیں؟

یہی حالت چٹان کی طرح مضبوط چیچنیا اور جہاد کے علمبردار کشمیر کی ہے لیکن لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ چھٹیاں گزارنے اور سیر و سیاحت کے لیے مختلف مقامات کی طرف رواں دواں ہیں!!

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥١٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (٦١٥)

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈر جاؤ۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ [البقرة: ٢٨١]

''اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو پورا دیا جائے گا جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

شادی میں رکاوٹیں اور خوشی کے مواقع پر ہونے والی برائیاں اور شریعت کی خلاف ورزیاں

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس حفظہ اللہ

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اللہ کے بندو! میں تم کو اور اپنے آپ کو تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ سب سے بڑھ کر عظیم وصیت، بہترین ذخیرہ اور آخرت کی تیاری کا سامان ہے۔

شادی کے مقاصد اور اس کی اہمیت:

گرامی قدر! نسل انسانی کی بقا، اس زمینی سیارے کی اصلاح اور اس دنیوی کائنات کی آباد کاری کرنا اللہ حکیم وخبیر کی حکمت کا تقاضا ہے۔ اس احکم الحاکمین نے اپنی حکمت کے تحت ایک ایسا ضابطہ بنایا جس کے تحت مرد وعورت کے درمیان تعلقات استوار کیے جا سکیں اور اسے مقاصد اور آداب سمیت قانون بنا کر جاری کر دیا۔

شادی زندگی کی عمارت قائم کرنے، خاندان اور گھر کی بنیاد اٹھانے، مضبوط ترین تعلقات کو فروغ دینے، استقامتِ حال، سکون خاطر، راحتِ ضمیر اور مانوسیت کی فضا قائم کرنے کے لیے ایک سماجی ضرورت ہے۔

اس سے پہلے کہ شریعت اس کی ترغیب دلائے فطرت مستقیم اور طبع سلیم بھی اس کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ پاکدامنی، سرور، سکون، انس اور ایک دوسرے میں گھل مل جانے کا نام ہے۔ یہ غم غلط کرنے کا ذریعہ اور رنج والم مٹانے کا وسیلہ ہے، اس سے خاندان متعارف ہوتے ہیں اور تعلقات مضبوط ہوتے ہیں۔ اسی کے ساتھ نفسیاتی سکون اور دائمی راحت حاصل ہوتی ہے، اور معاشرتی زندگی کے بوجھ اٹھانے میں تعاون ملتا ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پر دلالت کرنے والی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور اس کی عظمتِ تخلیق اور اچھوتی کاریگری میں غور وفکر کی دعوت دینے والا اہم سبب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ﴾

[الروم: ٢٠]

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھیں حقیر مٹی سے پیدا کیا، پھر اچانک تم بشر ہو، جو پھیل رہے ہو۔''

حدیث پاک میں ہے:

«يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج، فإنه أغض للبصر، وأحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء»[1]

''اے نوجوانو! جو تم میں سے شادی کی استطاعت رکھتا ہے تو اسے شادی کرنی چاہیے کیونکہ یہ نظر میں جھکاؤ پیدا کرنے اور شرمگاہ کی پاکدامنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اور جو اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو اسے روزہ رکھنا چاہیے کیونکہ یہ اس کے لیے ڈھال ہے۔''

اور ایک حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

«تزوجوا الودود الولود، فإني مكاثر بكم الأمم»[2]

''زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی کے ساتھ شادی کرو کیونکہ میں تمھاری وجہ سے دیگر امتوں پر کثرت ظاہر کروں گا۔''

شادی انبیائے کرام کی سنت ہے:

قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ [الرعد: ٣٨]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے کئی رسول تجھ سے پہلے بھیجے اور ان کے لیے بیویاں اور بچے بنائے اور کسی رسول کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی نشانی لے آتا، مگر اللہ کے اذن سے۔ ہر وقت کے لیے ایک کتاب ہے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قبیصہ سے کہا:

«ما يمنعك عن الزواج الا العجز أو الفجور»[3]

''نکاح سے تمھیں صرف معذوری روک سکتی ہے یا پھر بدکاری!''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٠٦٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٠٠)

[2] **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٠٥٠)

[3] سير أعلام النبلاء (٥/ ٤٨)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

«لو لم يبق من أجلي إلا عشرة أيام ، ولي طول على النكاح لتزوجت كراهية أن ألقى الله عزبا»[1]

''اگر میری عمر میں سے صرف دس دن باقی رہ جائیں اور میرے پاس شادی کی استطاعت ہوتو میں شادی کرلوں گا مگر کنوارے پن میں مجھے اپنے رب کے ساتھ ملاقات کرنا پسند نہیں۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے:

«ليست العزوبة من الإسلام في شيء ، ومن دعاك إلى غير الزواج، دعاك إلى غير الإسلام»[2]

''کنوارے پن کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں، جس نے تمھیں شادی ترک کرنے کی دعوت دی اس نے تمھیں اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کی طرف دعوت دی۔''

شادی میں رکاوٹیں!

اگر شادی کی اتنی اہمیت، حکمت اور اسرار ہیں تو کیا وجہ ہے کہ اکثر لوگ اس کے متعلق شکوے شکایات کرتے ہیں اور اس سے منہ چھپاتے پھرتے ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ سماجی مشکلات سنگین ہوکر خطرات کی حدود کو چھو رہی ہیں؟ خاندانی بیماریاں بکثرت پھیل رہی ہیں؟ بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ شادی کا معاملہ ایک شرعی مسئلے اور انسانی ضرورت سے بڑھ کر ایک خطرناک سماجی الجھن میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس میں ایسی رسمیں ایجاد کر لی گئی ہیں جن کا اس کے ساتھ دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں اور نہ عقل وشریعت ہی کا ان کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔

آج ازدواجی مشکلات کا موضوع زبان زد عام ہے۔ اس موضوع پر مقالات اور تحریروں کی بھرمار ہے۔ شادی کے مسائل، الجھنوں، خلاف ورزیوں، رسموں، فخر ومباہات اور سامان زیب وزینت میں اسراف اور فضولیات سے خبردار کرتے کرتے غیرت مند افراد کے گلے خشک ہو چکے ہیں۔

---

[1] المغني لابن قدامة (٧/ ٣٣٤)

[2] المغني لابن قدامة (٧/ ٣٣٤)

ان مشکلات کا کوئی حل نکالیں!

برادرانِ اسلام! یہ ایک گہرا معاشرتی مسئلہ ہے جو مختلف حالات اور درجات کے اعتبار سے معاشرے کے ہر فرد اور ہر خاندان کی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ ماہ وسال کے گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ نہ صرف موجود ہے بلکہ نئی شکلوں میں سامنے آ رہا ہے۔ وقت گزر رہا ہے لیکن رکاوٹیں بڑھ رہی ہیں، گویا شادی میں رغبت رکھنے والوں کے سامنے راستے بند ہو چکے ہیں اور طرح طرح کی رکاوٹیں ان کا منہ چڑا رہی ہیں۔ یہاں تک کہ صورت حال ایک خطرناک انجام کی منظر کشی کر رہی ہے۔ شادی کے مسائل اب فوری علاج اور مسلمانوں خصوصاً ذمہ داران اور اربابِ اصلاح کی سنجیدہ کوششوں کا تقاضا کر رہے ہیں۔

اس لیے اسلامی فریضے کو ادا کرتے ہوئے، شادی کرنے کی صلاحیت نہ رکھنے والوں کے المیے کا احساس کرتے ہوئے اور گھروں میں بیٹھی ہوئی شادی کے انتظار میں بوڑھی ہو جانے والی کنواریوں کے دکھ کو سمجھتے ہوئے اس کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالنا ہوگا، جن کے لیے شادی کے اخراجات اٹھانا ایک بھیانک تصور اور زندگی میں سب سے بڑی رکاوٹ بن چکے ہیں حالانکہ وہ شہوت کی آگ میں جھلس رہے ہیں، اور اس کے شعلوں کی تپش میں جل رہے ہیں!

سادہ نکاح... برکت کا موجب:

ہم عقیدہ بھائیو! ہماری شریعت مطہرہ نے اس اہم مسئلے کے حل کا واضح راستہ متعین کر دیا ہے، اور شادی کے متعلق امور میں آسانی پیدا کرنے اور میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«إن أعظم النساء بركة أيسرهن مؤنة»[1]

''وہ عورتیں سب سے زیادہ بابرکت ہیں جو اخراجات کے اعتبار سے آسانی پسند ہوں۔''

لہٰذا جو لوگ ٹال مٹول کر کے تاخیری حربوں سے کام لیتے ہیں اور بوجھ ڈالنے اور معاملات کو الجھانے کے لیے اس واضح راستے کی مخالفت کرتے ہیں ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی شریعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی وعملی سنت کی مخالفت کرتے ہیں۔

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٠٦٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٠٠)

سامعین محترم! آپ کی توجہ چاہتے ہوئے میں یہاں اس اہم مسئلے کے متعلق بعض پریشانیوں کی طرف اشارہ کرنے کی اجازت چاہوں گا اور ساتھ ساتھ شادی کے راستے میں حائل رکاوٹوں اور مشکلات کا ذکر بھی کروں گا، اور ان کے معاشرے اور افراد پر بداثرات کا مختصر جائزہ بھی لوں گا، پھر ان کا صحیح علاج اور درست طریقہ بھی بیان کروں گا، شائد کسی کی سماعت پر اور کسی کے دل پر اس کا اثر ہو جائے، اور مرض کی تشخیص کے ساتھ دوا کی تجویز بھی ہو جائے۔

شائد کے اتر جائے تیرے دل میں میری بات

پہلا مظہر: آئیڈیلزم:

سب سے پہلی پریشانی لڑکیوں کو گھر بٹھائے رکھنا ہے۔ اکثر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنی امیدوں، خوابوں، بلند توقعات اور آئیڈیلزم کے ساتھ چمٹے رہنے کی وجہ سے شادی سے گریز کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ تمام شیطانی خیالات ہیں، کچھ لوگ اعلیٰ تعلیم کے حصول کا بہانہ بناتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شادی تعلیمی سلسلے کو جاری رکھنے میں رکاوٹ پیدا کر سکتی ہے۔ یہ ایک کمزور ترین شبہ ہے۔ بھلا شادی تعلیم حاصل کرنے میں رکاوٹ کس طرح بن سکتی ہے؟ بلکہ تجربات اور واقعاتی صورتحال سے ثابت ہوتا ہے کہ کامیاب ازدواجی زندگی ذہنی فراغت، باطنی طہارت، فکری راحت اور قلبی مانوسیت کے لیے بہت زیادہ معاون ثابت ہوتی ہے۔

یہاں ہم کھلے الفاظ میں عورت سے پوچھتے ہیں کہ اگر وہ ساری زندگی گھر بیٹھی رہے، اس سے شادی کی گاڑی چھوٹ جائے اور غیر شادی شدہ رہ کر نہ اس کو خاوند کی محبت نصیب ہو نہ اس کے آنگن میں پھول کھلیں، جو اس کی دنیوی زندگی کے لیے سامان زینت ہوں اور آخرت کے لیے ذخیرہ، تو اس کو ان ڈگریوں اور سرٹیفکیٹس کا کیا فائدہ؟

کتنی ہی ایسی عورتیں ہیں جن سے شادی کا قافلہ چھوٹ چکا ہے جس کی وجہ سے ان کے چہروں کی رونق پھیکی پڑ چکی ہے؟ ان کے پھول جیسے چہرے مرجھا چکے ہیں اور ان کا دل چاہتا ہے کہ ان سندوں کو پھاڑ کر بھاڑ میں پھینکیں، تاکہ اپنے بچے کی زبان سے لفظ ''ماں'' سن سکیں، لیکن کاش! کاش سمجھدار عورتیں عقل کے ناخن لیں اور تجربات کی بھٹی سے گزرنے والی عورتوں کی حسرتوں بھری آہ و پکار سے عبرت حاصل کریں!

اس جیسی پریشانی کا سبب صرف سوچ وبچار اور فکر وعقل میں خلل اور تیرگی ہے۔ بلکہ اگر ہم یہ کہیں کہ اس کا سبب عقیدے میں کمزوری، بے دینی، عدم توازن اور شرعی احکام سے عدم واقفیت ہے تو اس میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہوگی۔ مستقبل کا وہمی خوف، اعلی مناصب کی تمنا، نوکریوں اور ڈگریوں کے حصول کی خواہش، اور کام کے مواقع کی یقین دہانی چاہنا ایسی چیزیں ہیں جو اللہ تعالی کی ذات پر اعتماد اور اس کے فیصلے پر رضا مندی کو متزلزل کر دیتی ہیں، اور بصیرت افروز نظر اور ہوش مند فکر کو کمزور کر دیتی ہیں۔

نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ جب شادی کے معاملات میں آسانی مہیا ہو تو عملی طور پر فوراً شادی کر لیں اور آئیڈیلزم کے ساتھ نہ چمٹے رہیں جو ان کے اور ان کی خوشی کے درمیان ایک دیوار بن کر حائل رہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَاَنكِحُوا الْاَيَامٰى مِنكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ [النور: ۳۲]

”اور اپنے میں سے بے نکاح مردوں، عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے غلام اور اپنی لونڈیوں سے جو نیک ہیں ان کا بھی، اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ انھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا، اور اللہ وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

«أطيعوا الله فيما أمركم من النكاح ، ينجز لكم ما وعدكم من الغنىٰ»[1]

”تم اللہ تعالیٰ کا حکم مانتے ہوئے نکاح کرو، وہ تمھیں غنی کرنے کا اپنا وعدہ پورا کرے گا۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

«التمسوا الغنىٰ في النكاح»[2] ”تونگری نکاح میں تلاش کرو۔“

عورتوں کو بٹھائے رکھنا... خطرناک:

پیروانِ امتِ اسلام! معاشرے میں عورتوں کو گھر بٹھائے رکھنے اور شادی سے دور بھاگنے

[1] فتح القدير (٤/ ٤٥)

[2] تفسير الطبري (٩/ ٣١١)

کے خطرناک نقصانات ہیں جن کے بھیانک نتائج ساری امت بھگت رہی ہے۔ خصوصاً اس پرفتن دور میں کہ جس میں شہوت رانی کے منحرف راستے وافر مقدار میں موجود ہیں، لہٰذا اخلاقی فساد اور ذلالت کے گھڑے میں گرنے سے بچانے کے لیے شرعی شادی کے سوا کوئی راستہ نہیں۔

غیور بھائیو! یہ مسئلہ بلندئ اخلاق، فضیلت یا پھر گراوٹ اخلاق اور رذیلت کا مسئلہ ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ بعض نوجوان تیس چالیس برس کے ہو رہے ہیں لیکن انھوں نے ابھی تک شادی کے متعلق کچھ بھی نہیں سوچا؟ فساد کے دروازے صرف اس وجہ سے کھلے ہیں کہ شادی میں رغبت رکھنے والوں کے سامنے مشکلات حائل ہیں۔ بلکہ بدکاری اور زنا کاری کے پھیلنے میں سب سے زیادہ کردار ان عشق بازیوں، ناجائز تعلقات، گندے معاشروں کی طرف سفر اور شادی کے معاملات کو مشکل بنانے کا ہے۔ نیز وہ پڑھی، سنی اور دیکھی جانے والی چیزیں بھی کچھ کم رکاوٹ نہیں جو بلندئ اخلاق وکردار کی دشمن اور عفت وعصمت کی قاتل ہیں۔ آج ٹی وی چینلز اور انٹرنیٹ جیسی ایجادات آتش فشاں ہیں جو فطری مسلّمات میں رخنہ ڈال کر امت کے اخلاق وکردار کو تباہ کرنے کے درپے ہیں۔

ان سے اللہ ہی سمجھے کہ اسی سے شکوہ ہے۔ لاحول ولا قوة الا بالله!

دوسرا مظہر: سرپرستوں کی ہٹ دھرمی:

برادران اسلام! شادی کے راستے میں حائل دوسری مشکل یہ ہے کہ بعض ذمہ داران اور سرپرست عورتوں کو ان کے مناسب اور اہل اشخاص سے شادی کرنے سے روک دیتے ہیں۔ جبکہ رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے:

> ''جب تمھارے پاس کوئی ایسا رشتہ آئے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس کے ساتھ شادی کردو، اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بہت فتنہ اور فساد برپا ہو جائے گا۔''[1]

کچھ ایسے سرپرست بھی ہیں۔ اللہ ان کو ہدایت دے۔ جو اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے سلسلے میں اپنے اوپر عائد ذمے داری میں خیانت کرتے ہوئے ان کے دین، اخلاق اور امانتداری میں ہم پلہ افراد کے ساتھ شادی کرنے سے ان کو روک دیتے ہیں۔ اگر کوئی مناسب اور ہم پلہ شخص ان سے رشتہ

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٠٨٥)

طلب کرے تو بے ہودہ قسم کے عذر تراش کر ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں، اور اس میں ظاہری امور اور چمک دمک تلاش کرتے ہوئے کبھی اس کے مال کے متعلق سوال کرتے ہیں تو کبھی اس کی نوکری کے بارے میں استفسار، کبھی اس کے معاشرتی مقام و مرتبے کے بارے میں پوچھتے ہیں تو کبھی اس کے عزت و جاہ کے متعلق پرسش لیکن اس کے دین، اخلاق اور امانتداری سے مکمل غفلت برتتے ہیں۔

بلکہ کچھ سرپرست اور اولیا تو لالچ میں اس قدر اندھے ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنی آزاد عزت دار مسلمان بیٹی کو سامان تجارت سمجھتے ہوئے باقاعدہ بولی لگا کر سودے بازی کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔ یہ بے چارے بالکل نہیں جانتے کہ یہ بہت بڑا ظلم اور خیانت ہے۔ بعض اوقات اگر ان کی بیٹی سکول ٹیچر ہو یا کہیں ملازم ہو تو اس کی تنخواہ پر نظر رکھتے ہوئے اس کو روکے رکھتے ہیں۔ کیا ایسے اولیا بالکل بے رحم ہو چکے ہیں؟ یہ آخر انجام سے اس قدر غافل کیوں ہو چکے ہیں؟ کیا یہ اپنی بیٹیوں کی رسوائی کی خبریں سن کر خوش ہونا چاہتے ہیں جس کو سن کر حیا اور فضیلت کی پیشانی بھی شرم سے جھک جائے؟

سبحان اللہ! ایک غیرت مند مسلمان جو عورت کی فطرت سے آگاہ ہو کس طرح اس کو گھر میں عمر قید کی سزا سنا کر بند کر سکتا ہے؟ اگر ان میں ذرا بھی عقل کی رمق باقی ہوتی تو اپنی لڑکیوں کے لیے مناسب رشتے ڈھونڈتے۔

یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں جو کبھی اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ حضرت ابوبکر کو پیش کرتے ہیں تو کبھی حضرت عثمان کو۔[1] یہ سیدنا سعید بن مسیب رحمہ اللہ ہیں جنھوں نے اپنے شاگرد ابو وداعہ کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔[2] یہ ان سنہری ادوار میں سلف صالحین کی روش تھی۔

شادی کے مواقع تنگ اور مشکل کرنے کی وجہ سے علاقے ویران ہو جاتے ہیں، نیند کافور ہو جاتی ہے، پاکدامنی کا قتل ہونے لگتا ہے، فضیلت کو زندہ درگور کر دیا جاتا ہے، بد اخلاقیاں چھا جاتی ہیں، عزتیں پامال ہو جاتی ہیں، برائیاں اور بدکاریاں پھیل جاتی ہیں۔

اے سرپرستو! اپنی ماتحت بیٹیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔ اگر دینی اور اخلاقی

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٧٨٣)

[2] تفصیل کے لیے دیکھیں: سير أعلام النبلاء (٤/ ٢٣٣)

اہلیت کے حامل شادی کے خواہشمند پیغام نکاح دیں تو فوراً ان کے ساتھ ان کی شادی کردو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین پر بہت بڑا فتنہ اور فساد برپا ہو جائے گا۔ [1]

عورتوں کو روکے رکھنا اور اہل رشتوں سے انکار کرنا نہ صرف اپنی جان بلکہ اس نوجوان لڑکی اور اس کے ساتھ نکاح کے خواہشمند لڑکے کے خلاف جرم بلکہ تمام معاشرے کے خلاف جرم اور قانون شکنی کا ارتکاب ہے۔ جبکہ دین میں برابری، خاندانی شرافت ونجابت، اچھی تربیت اور راست بازی ہی اصل معیار ہے۔

ایک دانا شخص نے شادی کے وقت اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

''پیارے بیٹے! عورتوں کا حسن تمھیں اصل اور نسب کی شرافت سے صرف نظر کرنے پر مجبور نہ کردے، کیونکہ شریفوں کے ساتھ نکاح کرنا ہی عزت کے مدارج ومراتب ہیں۔ اور اس سے بھی بلیغ ترین رسول کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

''دین دار کو حاصل کرنا، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں!'' [2]

اس لیے اے سرپرستو! اپنی ذمے داریوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

تیسرا مظہر: حق مہر میں زیادتی:

اے امتِ خیر وفضیلت! شادی کی راہ میں حائل ایک تیسری شدید ترین مشکل بعض معاشروں میں حق مہر میں زیادتی اور مبالغہ ہے۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کے لیے شادی کرنا مشکل ترین بلکہ ناممکن ہو چکا ہے بلکہ بعض علاقوں میں تو حق مہر خیالی حد تک پہنچ چکا ہے جس کے لیے خاوند کو اپنے سر پر قرض کے پہاڑ اٹھانے پڑتے ہیں۔

غیرت مند حضرات کے لیے کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ بعض سرپرست اس قدر لالچی ہو جاتے ہیں کہ لوگوں سے اس قدر غیر معمول رقم کا تقاضا کرتے ہیں کہ اگر خود ساری زندگی اتنا جمع کرتے رہیں تو کبھی نہ کرسکیں۔ بعض لوگ اس حد تک دنیا کی محبت اور مال کے لالچ میں ڈوب چکے ہیں!

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٠٨٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٠٩٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٦٦)

کس طرح یہ لوگ عورت کو بازار کا سامان بنا دیتے ہیں اور اس کی سودے بازی کرتے ہیں، حالانکہ وہ اس سے کہیں بلند ہے۔ اس بدسلوکی اور ان اوچھے ہتھکنڈوں کی وجہ سے عورتوں کی ایک کثیر تعداد گھروں میں قیدی بن کر رہ گئی ہے۔

حق مہر شادی کا وسیلہ ہے مقصد نہیں:

اللہ کے بندو! حق مہر شادی میں صرف ایک وسیلہ ہے، مقصد نہیں، اور اس میں زیادتی کے برے اثرات افراد اور معاشروں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ عقل مند پر مخفی نہیں کہ یہ شادی کی راہ میں رکاوٹ ہے، یا ایسے معاشروں میں شادی کرنا جو دین وشریعت کے پابند معاشروں کے خلاف ہوں اس کے بڑے خطرناک نتائج ہیں۔ کبھی ایک لمحے کی لذت قیامت تک کے لیے ندامت کے دروازے کھول دیتی ہے۔ بعض لوگ لالچ اور طمع میں اس قدر اندھے ہو چکے ہیں کہ انھوں نے سلف صالحین کی راہ سے بالکل الگ راہ اپنائی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''خبردار! عورتوں کے مہر میں گراں باری پیدا نہ کرو، اگر یہ دنیا میں کوئی باعث عزت چیز ہوتی یا آخرت میں سامانِ تقوی ہوتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس روش پر چلنے میں تم سب سے آگے ہوتے۔ آپ نے اپنی بیویوں میں سے کسی کو بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر دیا اور نہ کسی نے آپ کی کسی بیٹی ہی کو اس سے زیادہ حق مہر کی رقم دی۔''[1]

شائد موجودہ کرنسی میں یہ ۱۲۰ ریال، یا ۲۴۰۰ روپے کی رقم بنتی ہے۔ ایک آدمی کی شادی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جتنا قرآن حفظ تھا اس کے عوض میں کر دی۔[2] حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے گٹھلی کے برابر سونے کے عوض نکاح کر لیا۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق مہر میں زیادتی کرنے والوں کو ناپسند فرمایا ہے۔ ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں نے ایک عورت کے ساتھ چاندی کے چار اوقیوں (۱۶۰ درہم) کے عوض نکاح کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

❶ **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث (٢١٠٦)

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٨٣٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٢٥)

❸ صحيح البخاري، رقم الحديث (١٩٤٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٢٧)

''آہ! چاندی کے چار اوقیوں کے عوض!! گویا تم اس پہاڑ سے چاندی تراشتے ہو؟ ہمارے پاس تمھیں دینے کے لیے کچھ نہیں۔''[1] واللہ المستعان

لیکن آج زیادتی کرنے والوں کا کیا حال ہے؟! کیا ان لوگوں کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ان سے ان کی امانتوں اور رعایا کے بارے میں خبر گیری ہوگی؟ کیا دلوں سے رحم دلی اٹھا لی گئی ہے؟ اللہ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے!

چوتھا مظہر: گراں قدر اخراجات اور سماجی رسمیں:

امت مسلمہ! شادی کے متعلق چوتھی مشکل جو منہ اٹھائے کھڑی ہے وہ گراں قدر اخراجات، اور سماجی رسمیں ہیں جو اکثر لوگوں نے محض دوسروں کی پیروی میں، اورنام ونمود اور ناک ساکھ رکھنے کے لیے اپنے اوپر عائد کر لی ہیں جس میں بے دردی سے مال ضائع کرتے ہیں۔

اے امت اسلام! یہ سب کچھ آخر کس لیے ہے؟ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں:

﴿ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوٓا إِخْوَانَ الشَّيٰطِينِ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهِ كَفُورًا﴾ [بني إسرائيل: ٢٧]

''بے شک بے جا خرچ کرنے والے ہمیشہ سے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان ہمیشہ سے اپنے رب کا بہت ناشکرا ہے۔''

یہ کس قدر شرم کا مقام ہے کہ صرف ایک ایک تقریب میں بیش بہا مال ضائع کر دیا جاتا ہے؟ آخر کس راستے میں یہ مال خرچ کیا جاتا ہے؟ کیا یہ لوگ محض اس بات سے دھوکا کھا جاتے ہیں کہ ان کے پاس بڑا مال ہے؟ کیا انھوں نے یہ حدیث نہیں سنی:

«إن رجالا يتخوضون في مال الله بغير حقه، لهم النار يوم القيامة»[2]

''کچھ لوگ تکلف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے مال میں ناحق تصرف کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے روزِ قیامت آگ ہے۔''

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٢٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣١١٨)

اللہ کے بندو! تم دنیا میں ان مسلمان بھائیوں کے حالات سے عبرت کیوں حاصل نہیں کرتے کہ جن کے پاس جان بچانے کے لیے روٹی کا کوئی ٹکڑا ہے نہ ستر ڈھاپنے کے لیے کپڑے کا کوئی پارچہ؟ اللہ تعالیٰ کفرانِ نعمت سے اپنی پناہ میں رکھے، اور دعا ہے کہ وہ ہم میں سے بیوقوف انسانوں کی بداعمالیوں کی سزا ہمیں نہ دے۔ اللہ کی قسم بعض اوقات یہ ڈر محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کہیں دنیا ہی میں ہمیں سزا نہ دے دے!

یہاں میں آپ کی توجہ اس طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں کہ ہمیں چاہیے کہ زائد از ضرورت کھانے اور شادی بیاہ میں بچ جانے والی غذا کو ضائع کرنے کے بجائے خیراتی اداروں کو دے دیں تا کہ وہ اسے ضرورت مند مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔

اصحاب حل وعقد اپنی ذمے داری پہچانیں:

اے متلاشیانِ رحمتِ باری تعالیٰ! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ، ایک دوسرے کی خیر خواہی کرو، شادی کے معاملات میں سمجھ داری سے کام لو، اور اپنے معاملات نااہل اور غیر ذمے دار لوگوں کے ہاتھوں میں نہ دو۔ یہاں تمام اصلاح پسند حضرات، معاشرے میں ممتاز افراد، علما، اغنیا اور اصحاب دانش بینش کی خدمت میں یہ استدعا کی جاتی ہے کہ وہ اس سلسلے میں لوگوں کے لیے بہترین نمونہ چھوڑیں، کیونکہ لوگ عموماً ان کی نقل کرتے ہیں۔ اس معاشرتی مسئلے سے نپٹنے کے لیے میڈیا کے سر پر خصوصاً یہ بھاری ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ لوگوں میں آگاہی پھیلانے اور ان کی صحیح ذہن سازی کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ امت کا درد رکھنے والے مخلص کارکنان کی مدد فرماتے ہیں۔

شادی کے موقع پر غیر شرعی امور:

سامعین کرام! لوگوں نے شادی کی تقریبات میں فضول خرچی، نمود ونمائش اور فخر ومباہات کے علاوہ بھی بہت سارے غیر شرعی اور ناجائز کام شروع کر لیے ہیں جس کا سبب ایمان میں کمزوری، علم میں کمی اور مادہ پرستی ہے۔ کچھ لوگ تو شادی بیاہ کی تقریبات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں مرد وزن کے اختلاط کا باقاعدہ موسم قرار دیتے ہیں، جہاں میاں اور بیوی بن ٹھن کر لوگوں کے سامنے اظہار زینت کرتے ہیں، پھر ان کی ناجائز تصویریں بنائی جاتی ہیں جو سراسر فتنے اور فساد کا دروازہ ہے۔

جبکہ کچھ لوگ ان تقریبات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ساری رات جاگ کر لہو ولعب اور فضولیات میں گزار دیتے ہیں اور فریضہ نماز ضائع کر دیتے ہیں۔ اور کچھ حیا سے تہی دامن ایسے بھی ہوتے ہیں جو شادی بیاہ کے مواقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ناجائز تعلقات استوار کر لیتے ہیں جبکہ کچھ لوگ اپنی بدحرکتوں کی وجہ سے اپنے ہمسائیوں اور مسلمانوں کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ ایک گروہ ایسا بھی ہوتا ہے جو ان تقریبات کو موقع غنیمت جانتے ہوئے ناچ گانے اور موسیقی کی محافل سجاتے ہیں جو شہوت کی آگ بھڑکاتی ہیں، اللہ کے ذکر سے دور کرتی ہیں اور معاذ اللہ فساد کا ذریعہ بنتی ہیں۔

اسلامی مبارکباد:

برادران اسلام! جب تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں، اس اہم مسئلے کے متعلق تمام مسائل حل ہو جائیں اور نکاح کے بعد رخصتی ہو جائے تو میاں بیوی کو یہ دعا دینی چاہیے:

«بارك الله لكما، وبارك الله عليكما، وجمع بينكما في خير»[1]

''اللہ تعالیٰ تم دونوں میں برکت ڈالے، اور تمھیں بھلائی میں اکٹھا رکھے۔''

یہ اسلامی مبارکباد اور دعا کا طریقہ ہے جو زمانہ جاہلیت کی دعا کے برعکس ہے جس میں ان الفاظ «بالرفاء والبنين»[2] (اللہ تم میں الفت ڈالے اور تمھیں بیٹے دے) میں دی جاتی تھی۔

اس کے بعد ان کے کانوں میں یہ سرگوشی کی جائے کہ اس نئی ازدواجی زندگی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، تاکہ تم اس کی بنیاد تقوی اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر رکھ سکو، اور گناہوں اور نافرمانیوں سے بچ سکو۔

میاں بیوی کے درمیان دخل اندازی نہ دیں:

والدین اور دیگر اعزاء واقارب کو ان کی خاص ازدواجی زندگی میں دخل اندازی کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ خارجی دخل اندازی کی وجہ سے کتنے ہی گھر برباد ہو چکے اور خاندان اجڑ چکے ہیں۔ دل اس وقت خون کے آنسو روتا ہے جب یہ خبریں اور شکوے سننے کو ملتے ہیں کہ میاں بیوی کے درمیان فساد پیدا کیا جا رہا ہے، دو محبت کرنے والوں کے درمیان جدائی کے بیج بوئے جا رہے ہیں جن

[1] صحيح. سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٩٠٥)

[2] سنن النسائي، رقم الحديث (٣٣٧١)

کی وجہ سے خاندانوں کی سلامتی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ ایسا کرنے والوں سے اللہ ہی سمجھے اور ان محبت کرنے والوں کے لیے وہی کافی ہے۔ کیا امت اسلامیہ کو یہ لائق نہیں کہ وہ کامیاب اور خوشحال معاشرتی زندگی گزارنے کے لیے اسلامی طریقے اپنائے؟ وہ طریقے جو اس پر محبت اور الفت کے پھریرے لہرادیں تاکہ جدائی اور طلاق کے تناسب میں کمی واقع ہوجائے، جبکہ صورتحال یہ ہے کہ طلاق کے اعداد وشمار خطرناک حد تک پہنچ چکے ہیں، کیا ہم ایسا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ کیا ہماری قابل احترام بہنیں ایسا کرنے پر راضی ہیں؟!

یہی امید لیے میں اپنی بات ختم کر رہا ہوں۔ ہمیں سچے دل سے رسول کریم ﷺ کی فرمانبرداری کرنی چاہیے۔ اللہ ہی سے سوال ہے کہ وہ ہم سب کو ان کاموں کی توفیق دے جن میں اس کی خوشنودی ہے، اور ہمیں اس سے بچائے جس میں اس کا غصہ اور ناراضی ہے۔ وہی سننے والا اور سچی امید کا دامن ہے۔

عقل پرستی

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سعود الشریم حفظہ اللہ

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اس سے اچھی اور کیا بات ہوگی کہ ایک مسلمان آدمی اللہ تعالیٰ کی بے پایاں ظاہر اور باطن نعمتوں اور عنایات کا ذکر و بیان کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ [الضحیٰ: ۱۱]

''اور لیکن اپنے رب کی نعمت، پس (اسے) بیان کر۔''

اور اس بات میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں مسلسل برس رہی ہیں، یہ تمام تر اسی کی عنایات ہیں اس میں کوئی بھی اس کے ساتھ شریک نہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ﴾ [النحل: ۵۳]

''اور تمھارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔''

سب سے عظیم نعمت...عقل:

اللہ کے بندو! ہم سب کو اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی وہ سب سے بڑی نعمت، جس سے اس نے ہم کو نوازا ہے، وہ عقل ہے۔ یہ عقل ہمیں اللہ تعالیٰ نے گونگے حیوانوں اور سخت چٹانوں سے ممتاز کرنے کے لیے ہبہ کی ہے، انسان عقل ہی کے ساتھ معزز ہوا ہے، اس کی وجہ سے ایک مسلمان آدمی شریعت کے احکامات کا مکلّف اور پابند قرار دیا جاتا ہے، اور اسی کے ساتھ وہ اپنے خالق کی معرفت حاصل کرتا ہے۔

یہ وہ عقل ہے جس کے ذریعے انسان خیر وشر اور ہدایت و گمراہی کے درمیان فرق کرسکتا ہے، اگر وہ اسے ہدایت کی راہ پر چلنے اور ہلاکت کے مقامات سے بچنے کے لیے بطور سبب استعمال کرے تو اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ عقل، جو تمام انسانی طاقتوں میں سب سے بڑی شمار ہوتی ہے، ایک بہت بڑی نعمت اور واضح امتیاز ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر مہربانی فرما کر ہمیں عنایت فرمائی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا

مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ [الملك: ٢٣]

”کہہ دے وہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا اور تمھارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، تم کم ہی شکر کرتے ہو۔“

عقل کی قدر وہی جانتا ہے جسے یہ ہبہ ہوتی ہے، وگرنہ بے عقل اور صحرا میں چلنے والا اونٹ دونوں برابر ہیں۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اس حکمت میں غور وفکر کرے کہ ایک نو مولود (بچہ) اکتسابی عقل کے بغیر کیوں ہوتا ہے تو اسے اس وقت اس نعمت کے اثر کا ادراک بخوبی ہو سکتا ہے، اس کو یہ چیز پہلے نہ دے کر پھر عطا کی گئی ہے تا کہ اس کا اس کے متعلق احساس زیادہ پر اثر اور مفید ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ [النحل: ٧٨]

”اور اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور اس نے تمھارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنا دیے، تا کہ تم شکر کرو۔“

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اے انسان! اگر تو اسی طرح عقلمند پیدا ہوتا جس طرح تو اپنے بڑے ہونے کے دنوں میں ہے تو تمھارے لیے تمھاری زندگی بہت زیادہ کٹھن اور بوجھل ہو جاتی، کیونکہ جب تم شیر خواری کی حالت میں ہوتے ہو تو تمھیں سب اٹھاتے ہیں، ماں کی گود میں عاجز اور قیدی بن کر پڑے رہتے ہو، اگر تم ان لوگوں میں ہوتے جو والدین سے محروم ہو جاتے ہیں، تو تم حیران و پریشان رہتے، لیکن یہ محض حکمت الٰہی، اس کی تمھارے ساتھ رحمت اور بہترین تدبیر سازی ہے۔“[1]

عقل کی دو قسمیں:

سامعین محترم! یہ حقیقت بھی ذہن نشین کر لیں کہ عقل کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ پیدائشی عقل۔

۲۔ اکتسابی (ذاتی محنت سے حاصل کردہ) عقل۔

[1] مفتاح دار السعادة (١/ ٢٥٧)

پہلی عقل اس بچے کی عقل کی طرح ہے جس کا ذکر ہوا ہے، اور دوسری وہ عقل ہے جسے بچہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حاصل کرتا ہے تا آنکہ وہ چالیس برس کا ہو جائے، اس کے بعد یہ کم ہونا شروع ہو جاتی ہے تاوقتیکہ آدمی سٹھیا جائے اور مخبوط الحواس ہو جائے۔

لیکن علم کے برعکس کہ وہ ہر روز بڑھتا رہتا ہے اور سیکھنے کی انتہا عمر ختم ہونے تک ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عقل علم سے کمزور تر ہے۔

عقل کی حفاظت ...اہم مقصد شریعت:

اللہ کے بندو! یہی وجہ ہے کہ تمام رسولوں کا ''ضروریات پنجگانہ'' کی حفاظت کرنے پر اجماع اور اتفاق ہے۔ یہ پانچ ضروریات حسب ذیل ہیں: دین، عقل، عزت، مال اور جان۔

عقل ان تمام ضروریات میں سے بڑی ہے جو ایجاب اور منع کے ساتھ مربوط ہے، ایجاب کی صورت یہ ہے کہ اس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت اور دین اسلام کا اعتقاد رکھنے میں استعمال کیا جائے، اور منع کی صورت یہ ہے کہ اس عقل کو خراب کرنے والے ہر ذریعے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے نور سے منقطع کرنے والے ہر وسیلے کا خاتمہ کر دیا جائے، اس لیے ہر اس چیز کا استعمال حرام قرار دے دیا گیا ہے جو اس کے زائل ہونے کا سبب بن سکتی ہے، جیسے نشہ آور اشیا کا استعمال وغیرہ۔ بلکہ شارع حکیم نے کسی زیادتی یا ظلم کے نتیجے میں عقل زائل ہو جانے میں مکمل دیت رکھی ہے۔

عقل اپنی ذات میں مستقل نہیں:

اگر اتنا ہی ہوتا کہ علوم کی معرفت اور اعمال کی درستی میں عقل کا ہونا شرط ہے اور اسی کے ساتھ آدمی کا دین مکمل ہوتا ہے تو اتنا ہی کافی ہوتا، لیکن یہ اپنی ذات میں مستقل اور مکمل نہیں کیونکہ ایسی حالت میں تو یہ صرف انسان میں ایک پیدائشی مثبت یا منفی قوت ہے جس طرح دوسری قوتیں ہیں، جیسے: بصارت وغیرہ۔ اس کی قدر اور اہمیت اسی قدر ہے جس قدر یہ ایمان کے نور سے روشنی حاصل کرے، اگر یہ نور الٰہی سے جدا ہو جائے یا اس سے مکمل دور ہو جائے تو آدمی کے تمام اقوال و افعال محض حیوانی امور بن کر رہ جائیں گے۔ جس طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ [1]

---

[1] مجموع الفتاوی (۱/ ۶، ۱۹/ ۹۶)

اندھی تقلید سے آزاد عقل:

پھر وہ عقل انسانی جو اپنے کام کو مکمل انداز میں کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو وہ ایسی عقل ہے جو خواہشات اور اندھی تقلید کے پھندے سے آزاد ہو، ایسے منحرف اور گمراہ افکار و خیالات سے متاثر ہونے والی نہ ہو جو گمراہی کی طرف لے جانے کا سبب بن سکتے ہوں۔

اسی طرح یہ اپنی قوتوں کو اندھی پیروی میں بے کار نہیں کر دیتی جو بدترین انحراف اور ہلاکت خیز گمراہی میں پھنسا سکے۔ یہ ہے عقل جو اسلام کے پیغام کو صحیح طور سے اٹھانے کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن وہ لوگ جنھوں نے اپنی عقلوں کو بیڑیاں پہنادی ہیں اور انھیں دین کے صاف شفاف سرچشموں پر آنے سے روک دیا ہے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَ لَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾

[الأنفال: ۲۲، ۲۳]

"بے شک تمام جانوروں سے برے اللہ کے نزدیک وہ بہرے، گونگے ہیں، جو سمجھتے نہیں۔ اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو انھیں ضرور سنوا دیتا اور اگر وہ انھیں سنوا دیتا تو بھی وہ منہ پھیر جاتے، اس حال میں کہ وہ بے رخی کرنے والے ہوتے۔"

اس لیے قیامت کے دن اس طرح کے لوگوں کا یہ جواب ہوگا:

﴿ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ [الملك: ۱۰، ۱۱]

"اور وہ کہیں گے اگر ہم سنتے ہوتے، یا سمجھتے ہوتے تو بھڑکتی ہوئی آگ والوں میں نہ ہوتے۔"

عقل کی رسائی اور نارسائی

سامعین محترم! گذشتہ گفتگو کا خلاصہ ابو القاسم اصفہانی کے الفاظ میں یہ ہے کہ عقل کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ توفیق الٰہی کی حامل عقل۔

۲۔ رسوائی کے دھوکے میں آنے والی عقل۔

جو عقل توفیق الٰہی کی معاونت کی حامل ہوتی ہے وہ آدمی کو فرض کی پاسداری، اللہ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے اور اس کی تسلیم و رضا کو اپنانے کی تلقین کرتی ہے، لیکن وہ عقل جو دھوکے کے پھندے میں آجاتی ہے وہ آدمی سے اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اس علم کا گہرائی کے ساتھ کھوج لگائے جو صرف اللہ کے پاس ہے اور اس نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت اپنی تخلیق کے اسرار کو اس کے فہم کی رسائی سے دور رکھا ہے۔

موجودہ زمانے کا المیہ... عقل پرستی کی دعوت:

اللہ کے بندو! یہ سرسری انداز میں جو گفتگو ہوئی ہے وہ درحقیقت تمہید اور ابتدائی کلمات ہیں جن کے ذریعے ہم اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ موجودہ نسلوں کی عقلوں کے بارے میں یہ خدشہ ہے کہ کہیں ان میں تہہ در تہہ اندھیرے سرایت نہ کر جائیں، ان کی عقلوں میں شبہات اور انکار کے رجحانات آہستہ آہستہ داخل نہ ہو جائیں، پھر ان کے کیچڑ میں منہ مارنے والا روشنی کی ایک ہلکی سی کرن بھی نہ پا سکے!

جس کے ذریعے وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہو سکے یا اس کی گمراہی اور کج روی سے نجات پا سکے۔ اس کا بہت بڑا سبب وہ قابل نفرت دہرا معیار ہے جو مختلف وسائل ابلاغ کے ذریعے آہستہ آہستہ اس میں جگہ بنا رہا ہے جس میں حق و باطل، صحیح وضعیف، عقل و شریعت اور اچھا اور برا باہم دست و گریبان ہیں، اگر ایک مرتبہ حق کا بول بالا ہوتا ہے تو دس مرتبہ باطل کا سر اونچا ہو جاتا ہے۔ اس کام کے لیے مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعے باقاعدہ صحافت کے شعبے کے ساتھ منسلک بعض اصحابِ قلم کو بھرتی کیا جاتا ہے جو اس بات کی سب سے سچی گواہی ہے کہ یہ تمام ذرائع ابلاغ دین اسلام کی روح، شریعت اور اعتقاد کے دفاع کے لیے استعمال نہیں کیے جاتے بلکہ یہ میڈیا بعض ایسی قلموں کے لیے سیاہی کا کام دیتا ہے جو نئے نئے رجحانات لوگوں کے ذہنوں میں پختہ کرتے ہیں، یہ لکھاری ان ذرائع کے ذریعے اپنے مقاصد سے پردہ اتارتے ہیں اور عقل کی تعظیم اور تقدیس (Rationalism) کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور اسے بہت ساری شرعی نصوص قبول کرنے کے لیے جبری حاکم بنا کر اس کا فیصلہ تسلیم کرتے ہیں، اس طرح یہ لوگ شریعت میں مرد کی عورت پر برتری، حدود و تعزیرات، ولاء اور براء اور عورت کے متعلقہ کئی تسلیم شدہ مسائل کو عقل کے پیمانے پر پرکھتے ہیں۔

یہ عمل بہت بڑی گندگی کی شکل اختیار کر چکا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی خوشنمائی کے نتائجِ بد سے محفوظ رکھے، بلکہ یہ ایک ایسا کامل عیب ہے جس کا عقل پرست حضرات تو پرچار کرتے ہی ہیں لیکن اہل شریعت بھی اس کی سمع خراشی سے محفوظ نہیں رہے!

عقل پرست ...شتر بے مہار:

اللہ کے بندو! ایسے شخص سے کچھ بعید نہیں جو اپنی عقل کو شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیتا ہے کہ وہ جس طرح چاہے بغیر کسی ضابطے اور قانون کے اللہ تعالیٰ کی شریعت میں منہ اٹھا کر گھومتا پھرے اور اسے نشانہ اعتراض بنائے۔ اس میں کوئی ایسی تعجب کی بات نہیں۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس میں تھوڑی سی عقل بھی ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ دنیا میں خرابی اور فساد رائے کو وحی پر ترجیح دینے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، عقل کی سب سے بڑی نافرمانی اس کا کتاب اللہ سے اعراض کرنا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی وحی ہے اور اس کے رسول اس سے ہدایت لیتے ہیں، نیز اس کا لوگوں کے کلام کو اللہ تعالیٰ کے کلام کے مقابلے میں پیش کرنا بھی ایک جرم ہے، لہٰذا عقل کے اس فساد سے بڑھ کر کون سا فساد ہے؟''[1]

لہٰذا اے لوگو! یہ کس قدر حیرتناک کیفیت ہے کہ حق بالکل قریب ہو لیکن اس تک رسائی نہ ہو؟ ان لوگوں کا حال اس اونٹ کا سا ہے جس کے متعلق شاعر کا کہنا ہے ؎

كالعيس في البيداء يقتلها الظمأ
والماء فوق ظهرها محمول

''صحراء میں اس پیاس کے مارے اونٹ کی طرح جس کی پشت پر پانی رکھا ہوا ہو۔''
(لیکن اس تک اس کی رسائی نہیں ہوتی)

اگر کوئی شخص ایک ہی لقمے سے اچھو لگنے کی وجہ سے پانی کی تلاش میں نکل پڑتا ہے تو جس کو پانی ہی سے اچھو لگ جائے وہ کس چیز کی طلب میں نکلے گا؟!

انسانی عقل کی نارسائی:

اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے قوانین کے ساتھ جھگڑا کیا جاتا ہے نہ عقل کے ساتھ ان کا

[1] إعلام الموقعين (١ / ٦٨)

پیچھا ہی کرنا چاہیے، اگر لوگ ایسا کرنا شروع کر دیں تو وہ ایک دین پر ایک دن بھی نہیں نکالیں گے اور دوسرے دین میں منتقل ہوجائیں گے۔

اللہ کی قسم! کچھ سنتیں ایسی بھی آتی ہیں جو کبھی رائے کے خلاف ہوتی ہیں، لیکن مسلمانوں کو ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا، اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

«لو كان الدين بالرأي لكان أسفل الخف أولى بالمسح من أعلاه، لقد رأيت رسول الله ﷺ يمسح على ظاهر خفيه» [1]

''اگر دین رائے کے ساتھ ہوتا تو مسح کرنے کے لیے موزے کی نچلی جانب بالائی جانب کے برعکس زیادہ موزوں ہوتی، جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزے کی بالائی جانب مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔''

ابوالزناد وغیرہ جیسے بزرگوں کا کہنا ہے:

''ہم نے لوگوں میں سے جن بہترین اصحاب فضل اور فقہا کو پایا ہے وہ ہمیشہ بحث وتکرار اور بال کی کھال اتارنے والوں کو برا خیال کرتے تھے، صرف عقل کے ساتھ تمسک اختیار کی شدید مذمت کیا کرتے تھے، وہ ایسے لوگوں کے ساتھ میل ملاقات رکھنے سے منع کیا کرتے تھے کہ وہ گمراہ اور تحریف کرنے والے ہیں۔''

امام اصبہانی رحمہ اللہ نے کہا:

''جب آپ کسی ایسے آدمی کو دیکھیں کہ جب اسے کہا جائے کہ تم حدیث کیوں نہیں لکھتے؟ تو وہ کہے: عقل زیادہ موزوں ہے، تو جان لیں وہ بدعت والا ہے۔''

بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا تو اس سے بھی شدید موقف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سنت ترک کرنا، اس پر اعتراض کرنا اور اس کو نہ لینا پاگل پن کی ایک قسم یا مکمل پاگل پن ہے چاہے بظاہر محسوس نہ ہو۔ آپ کا قول ہے:

''متىٰ عرفت لرسول الله حديثا ولم آخذ به فأنا أشهد كم أن عقلي قد ذهب'' [2]

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث (١٦٢)

[2] دیکھیں: المدخل إلى السنن للبيهقي (ص: ٢٠٥) حلية الأولياء (٩/ ١٠٦) صفة الصفوة (٢/ ٢٥٦) سير أعلام النبلاء (١٠/ ٣٤)

''جب مجھے کسی حدیثِ رسول کا علم ہو اور میں اس کو نہ لوں تو میں تم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میری عقل زائل ہوگئی ہے۔''

عقل ایک صنم ہے:

اسی لیے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے عقل کو صنم قرار دیا ہے اگر آدمی اس میں غلو اور مبالغہ آرائی کرے۔ آپ فرماتے ہیں:

''عقل کی تعظیم کی دعوت دینے والے درحقیقت ایک صنم کی تعظیم کی دعوت دیتے ہیں، جس کا نام انھوں نے عقل رکھا ہوا ہے، اگر عقل اکیلی ہی ہدایت اور راہنمائی کے لیے کافی ہوتی تو اللہ تعالیٰ رسول نہ بھیجتے۔''

وحی عقل سلیم کے خلاف نہیں:

یہاں امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اس مسئلے کے بیان میں بڑی خوبصورت گفتگو کی ہے جو بیمار کے لیے پیام شفا اور پیاسے کے لیے ٹھنڈے پانی کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''ایک مومن کے ذہن میں یہ بات کیوں کر آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی کی نصوص میں کچھ ایسی نصوص (عبارتیں) بھی ہیں جو عقل سلیم کے خلاف ہیں؟! بلکہ صریح عقل صحیح نص کے لزوم سے جدا ہی نہیں ہوسکتی بلکہ وہ دونوں نہ جدا ہونے والے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان دونوں کا ملاپ کرادیا ہے، اگر نقل (قرآنی آیات اور احادیث) ان عقلوں کے ساتھ متعارض ہو تو ہم صحیح نقل اختیار کریں گے اور ان عقلوں کو قدموں تلے روند ڈالیں گے، اور ان کو وہاں پھینکیں گے جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ایسے عقلمندوں کو پھینکا ہے، یہ کس طرح بدگمانی کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کامل شریعت ناقص ہے جسے مکمل کرنے کے لیے ایک خارجی سیاست کی ضرورت ہے یا کسی ایسے قیاس یا معقول کی حاجت ہے جو اس سے باہر ہو؟ جس کا یہ گمان ہے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے یہ گمان کیا ہے کہ لوگوں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے رسول کی ضرورت ہے۔''[1]

---

[1] الصواعق المرسلة (٢/ ٤٥٨)

عقل کو نصوص کے تابع رہنا چاہیے:

اللہ کے بندو! خلاصہ یہ ہے کہ عقل ان متاخرہ زمانوں میں ایک زبردست ٹھوکر کھا چکی ہے، اور ایسے امور میں جا گھسی ہے جہاں اسے پیروی کرنے والی ہونا چاہیے تھا نہ کہ پیشوا۔ سلف صالحین رحمہم اللہ نے بھی قیاسات اور عقلی دلائل کا استعمال کیا ہے اور بالکل ہی اس سے انکار نہیں کیا، بلکہ انھوں نے اس سے انکار کیا ہے جو خراب اور شریعت کے خلاف ہو، اور اس کا خراب ہونا بالکل ظاہر ہو، اور وہ ان چیزوں میں سے ہو جن کو بنیاد بنا کر شریعت کی بعض نصوص کو باطل قرار دیا جاتا ہے، یا اس کی دلیل کی بنا پر ان میں تحریف کی جائے کہ یہ نصوص عقلی یقینیات کی مخالفت کرتی ہیں، جبکہ یہ ساری باتیں درحقیقت خیالات، اوہام اور خواہشاتِ نفس سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں، جن کے ہوتے ہوئے آدمی اس وقت تک تصویر اور ہیولے، اور خیال اور حقیقت کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا جب تک وہ اندھے پن کی پیٹھ پر سواری نہ کرے جو اسے لے کر بے بصیرت اور بے ہدایت اندھا دھند گھماتا رہے۔

کس کی عقل معتبر ہے؟

پھر ہم ان جیسوں سے کہیں گے کہ اگر تم شریعت کے میدان میں اپنی عقلوں کو داخل کرنا چاہتے ہو تو کس بشر کی عقل سے ہم فیصلہ کروائیں؟ کیا یہ زید کی عقل ہے یا عمرو کی؟ کسی آدمی کی عقل ہے یا عورت کی؟ یا یہ کسی متوازن شخص کی عقل ہوگی یا خواہش پرست آدمی کی عقل؟! سو یہ حقیقت بھی یاد رہے کہ عقلی دلائل کم ہی متفق ہوتے ہیں بلکہ ہر آدمی کی عقل اسے وہ کچھ دکھاتی ہے جو دوسرے کی عقل اسے نہیں دکھاتی اور الحمد للہ یہ بات بالکل واضح ہے۔

ایک پرانی کہاوت ہے:

”لو سكت الذي لايعلم لما كان هناك اختلاف“

”اگر وہ آدمی خاموش رہتا جسے علم نہیں تو کوئی اختلاف نہ ہوتا۔“

جس نے چاند نہیں دیکھا اسے چاہیے کہ جنھوں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ان کی

---

❶ المنار المنيف (ص: ٦٦)

❷ مجموع الفتاوى (٤ / ٧٣)

بات مان لے۔ عقل اپنے خالق پر اعتراض کس طرح کر سکتی ہے؟ پھر یہ عقل جو خالق کی ایک مخلوق ہے اس کے خلاف کس طرح معارضہ کر سکتی ہے؟!

تعظیمِ عقل کے متعلق احادیث ثابت نہیں:

اور رہی بات ان احادیث کی جو عقل کی تعظیم اور تقدیس کے متعلق ہیں اور جنھیں بعض لکھاری حضرات ذکر کر کے پھولے نہیں سماتے تو وہ ساری حقیقت کے خلاف ہیں۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عقل کے متعلق تمام احادیث جھوٹی ہیں۔'' اور بعض علما سے یہ قول بھی منقول ہے:

''لا يصح في العقل حديث''

''عقل کے بارے میں کوئی حدیث بھی صحیح نہیں۔''

اس طرح یہ لوگ جو ''عقل کی حاکمیت اور اس کی ہر طرح کی قیود سے آزادی'' کے متعلق اپنے اپنے خیالات پیش کرتے ہیں، ان لوگوں کا یہ فعل امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے الفاظ میں ''سونے کی پلیٹ میں خنزیر کے گوشت'' سے بھی بدتر ہے۔

شریعت عقل کے ہاتھوں کھلونہ بننے کے لیے نہیں:

لہٰذا ہر مسلمان پر یہ واجب ہے کہ وہ اللہ جل جلالہ کا تقویٰ اختیار کرے، اور اسے علم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت اس لیے نہیں کہ اسے عقل کا شکار بنا کر اس کے ساتھ بحث و تکرار کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے عقل کی حدود متعین کر دی ہیں جن سے تجاوز کرنا جائز نہیں اور نہ اس کے ذریعے اس پر کوئی بات ہی گھڑنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ﴾ [البقرة: ١٤٠]

''کہہ دے! کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ؟''

نیز فرمان ربانی ہے:

﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾ [البقرة: ١٣٨]

''اللہ کا رنگ (اختیار کرو) اور رنگ میں اللہ سے بہتر کون ہے؟''

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴾ [الحج: ٨]

''اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کے بارے میں بغیر کسی علم کے اور بغیر کسی ہدایت کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے جھگڑا کرتا ہے۔''

کسی صاحبِ علم کا کہنا ہے کہ جس شخص کو ہم دیکھیں کہ وہ وحی کی مخالفت کر رہا ہے اور اس پر عقل کو ترجیح دیتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ علم سے تہی دامن ہے۔''

اور ایسے ہو بھی کس طرح سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ مَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴾ [العنكبوت: ٤٣]

''اور یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انھیں صرف جاننے والے ہی سمجھتے ہیں۔''

لہٰذا اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، اور اس کی اس طرح قدر کرو جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق ہے، بدعتوں سے بچو اور اپنی عقلوں اور آرا کے ساتھ شرعی نصوص میں بحث و تکرار سے دور رہو، اور ان میں سے کسی چیز کو بھی نصوصِ شرعیہ پر فوقیت نہ دو۔ جو عقل کے مطابق ہو اسے تم قبول کر لیتے ہو اور جو اس کے مطابق نہ ہو اسے تم قبول نہیں کرتے؟! یہ بہت بڑی مصیبت اور بہت بڑا رخنہ ہے جس کا دائرہ کار بہت سارے اسلامی ممالک میں بہت زیادہ وسیع ہو چکا ہے اور ان خیالات کے حامل افراد اپنے آپ کو عقل پسند، روشن خیال اور آزاد فکر خیال کرتے ہیں!

پھر اے اہلِ اسلام! یہ بات بھی جان لیں کہ جو صرف اس وجہ سے بعض نصوص کی مخالفت کرتے ہیں کہ ان کی عقلیں ان کی متحمل نہیں ہو سکتیں یا وہ ان کی قائل نہیں ہو سکتیں یا کسی بھی دلیل سے وہ عقل کے پلڑے کو شریعت کے پلڑے پر وزنی کرنے کی کوشش کریں تو ایسے لوگ ان پانچ گروہوں کے اندر اندر رہتے ہیں جس طرح امام ابن قیم رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

پہلا گروہ:

جنھوں نے اپنی عقلوں کے ساتھ وحی کی مخالفت کی اور اس پر عقل کو فوقیت دی۔ انھوں نے اصحابِ وحی سے کہا: ہمارے لیے عقل اور تمھارے لیے نقل!

دوسرا گروہ:

انھوں نے اپنی آرا اور قیاسات کے ساتھ وحی کی مخالفت کی اور اصحاب حدیث سے کہا: تمھارے لیے حدیث اور ہمارے لیے ہماری رائے اور قیاس!

تیسرا گروہ:

انھوں نے اپنے ذوق اور اپنے حقائق کے ساتھ وحی کی مخالفت کی اور کہا: تمھارے لیے شریعت اور ہمارے لیے ہمارا ذوق اور حقیقت پسندی!

چوتھا گروہ:

انھوں نے اپنی سیاست اور چارہ سازی کے ساتھ وحی کی مخالفت کی اور کہا: تم اصحاب شریعت ہو اور ہم اربابِ سیاست ہیں!

پانچواں گروہ:

انھوں نے فاسد تاویل کے ذریعے وحی کی مخالفت کی اور یہ دعویٰ کیا کہ وہ اہل حدیث و فقہ سے زیادہ سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔

پھر جب ان تمام اصحابِ باطل کے باطل کو رد کر دیا جائے تو وہ اپنے سرکش شیطان کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں: ''عقل میں کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ وہ نقل کا تقاضا نہیں کرتیں۔''

کچھ کہتے ہیں: ''رائے اور قیاس میں ایسی چیزیں ہیں جن کی حدیث اجازت نہیں دیتی۔''

تیسرا کہتا ہے: ''ذوق اور حقیقت میں وہ کچھ ہے جسے شریعت آسانی سے ہضم نہیں کر پاتی۔''

جبکہ ایک اور کہتا ہے: ''سیاست میں وہ ہے جس سے شریعت روکتی ہے۔''[1]

اسی طرح ایک کے بعد دوسرا اپنی اپنی بات پیش کرتا ہے حتیٰ کہ شریعت کا صرف نام ہی باقی رہ جاتا ہے، ان تمام لوگوں کے باطل افکار کا کوئی ضابطہ نہیں جبکہ وحی ایک منضبط اور اصولی چیز ہے، وہ حکمت کے اسی طرح بالکل مطابق ہے جس طرح آپ ﷺ نے اسے اللہ تعالیٰ حکمت والے اور علم والے سے حاصل کیا۔

[1] دیکھیں: الصواعق المرسلة لابن القیم (۳/ ۱۰۵۲) مدارج السالکین (۲/ ۷۰)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو چیز صریح عقل سے معلوم ہو اس کے متعلق یہ تصور کرنا بھی محال ہے کہ شریعت اس کی مخالفت کرے بلکہ منقول چیز کی صریح معقول کبھی مخالفت نہیں کرتا، اور ہم بخوبی جانتے ہیں کہ انبیاء و رسل ایسی باتوں کی خبر نہیں دیتے جو عقلی اعتبار سے محال ہوں بلکہ ان کی خبر دیتے ہیں جو عقلی لحاظ سے حیرتناک ہوں اور وہ ایسی چیزوں کی خبر نہیں دیتے کہ عقل جن کے نہ ہونے کو جانتی ہو بلکہ ایسی چیزوں کی خبر دیتے ہیں کہ عقل جن کی پہچان سے عاجز آ جائے۔'' ❶

وحی کے بغیر عقل راہنمائی سے عاجز ہے:

اللہ کے بندو! یہ بات بھی اس چیز کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کی مذمت کی ہے جو اپنی منافقت کو اپنی عقل کی طرف لوٹاتے ہیں۔ فرمان ربانی ہے:

﴿ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرۃ: ۷۵]

''تو کیا تم طمع رکھتے ہو کہ وہ تمھارے لیے ایمان لے آئیں گے، حالانکہ یقیناً ان میں سے کچھ لوگ ہمیشہ ایسے چلے آئے جو اللہ کا کلام سنتے ہیں، پھر اسے بدل ڈالتے ہیں، اس کے بعد کہ اسے سمجھ چکے ہوتے ہیں اور وہ جانتے ہیں۔''

یعنی یہ کہنے کے بعد کہ ہم اپنی عقلوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلام سے واقف ہوئے ہیں حالانکہ وہ اس کے باطل ہونے کو اچھی طرح جانتے ہیں جس کا انھوں نے اپنی عقل سے ادراک کر لیا ہے۔ اس بات کی تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سردارانِ کفار کے حوالے سے کہا:

﴿ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ﴾ [الطور: ۳۲]

''یا انھیں ان کی عقلیں اس بات کا حکم دیتی ہیں، یا وہ خود ہی حد سے گزرنے والے لوگ ہیں؟''

یعنی ان کی عقلیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ عقل مستقل اعتبار سے دین کی طرف راہنمائی نہیں کر سکتی۔

---

❶ درء التعارض (۱/ ۱۴۷)

ہر حال میں تسلیم و رضا:

اے امت اسلام! اپنے دین کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس سے بچو کہ اس دین پر ایسی کوتاہ عقلیں غالب آ جائیں جن کی وجہ سے دین کو نقصان پہنچے۔ اپنے رب کی کامل شریعت کے متعلق، خواہ ہم اپنی عقلوں سے اس کا ادراک کر سکیں یا نہ کر سکیں، ہمارا یہ موقف ہونا چاہیے کہ ہم کہیں:

﴿ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾

[آل عمران: ۷، ۸]

''ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت قبول نہیں کرتے، مگر جو عقلوں والے ہیں۔ اے ہمارے رب! ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر، اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، بے شک تو ہی بے حد عطا کرنے والا ہے۔''

میں نے جو کہا اگر یہ درست ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اگر اس میں کوئی غلطی ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے، اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں، میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں بے شک وہ ہمیشہ سے بڑا بخشنے والا ہے۔

زبان کا تحفظ

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر صالح بن حمید ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اے لوگو! میں تمھیں اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں، لہٰذا اس سے ڈر جاؤ، کیونکہ تقویٰ ہی ایک جامع نصیحت اور نفع مند ذخیرہ ہے۔ موت کے لیے تیار رہو، یہ بہر صورت آ کر رہے گی، اس گمراہ کن دنیا کی سجاوٹوں سے بچ کر رہو، جو ان کی کثرت کی تمنا رکھتا ہے اسے ان کی قلت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے تمھیں چاہیے کہ تم تقویٰ کی کثرت کی تمنا رکھو، کیونکہ یہ بہترین زادِ راہ اور سامان سفر ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ [الحشر: ۱۸]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کر رہے ہو۔''

عربی زبان کی اہمیت:

جو اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے وہ اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کے ساتھ محبت رکھتا ہے، اور جو اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کے ساتھ محبت رکھتا ہے وہ قرآن کریم کی مقدس زبان کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔ یہ وہ زبان ہے جس میں بہترین کتاب نازل ہوئی، یہ وہ بولی ہے جو مخلوق الٰہی میں سے اعلیٰ انسان کی زبان سے جاری ہوئی، یہ وہ کوزہ اور سیپی ہے جس میں دینی علوم کا دریا اور ثقافتی ورثے کے خزانے بند ہیں، اس کے بغیر قرآن وسنت کی سمجھ آ سکتی ہے نہ ان دونوں کے علوم و مقاصد ہی سے واقفیت حاصل ہو سکتی ہے۔ اسے سیکھنا اور اس میں مہارت حاصل کرنا ایک دینی فریضہ ہے، یہ حقیقت میں شرعی علم کا اہم ذریعہ اور دین میں فقاہت حاصل کرنے کی چابی ہے۔

عربی زبان اسلامی تشخص کی آئینہ دار ہے:

برادران اسلام! امت کی زبان اس کے تشخص، شناخت کی حفاظت اور تحدید کا بنیادی

معیار اور دقیق میزان ہے، یہ امت کی شریان، تہذیب کا اساسی ستون اور قوت کا عظیم تر سرچشمہ ہے۔

اگر امت نے اپنی زبان ضائع کر دی تو یہ اپنی تاریخ وتہذیب کو ضائع کر دے گی، جس طرح یہ اپنے حال اور مستقبل کو ضائع کر رہی ہے۔

زبان انسانی تشخص کی علامت ہے:

زبان اگر انسانی تشخص کی سب سے اہم نشانی نہیں تو کم از کم اس کے اہم اور عظیم ترین خدوخال میں سے ضرور ہے۔ زبان ہی وہ چیز ہے جو آدمی کو اس کے اہل وعیال، قوم، دین اور ثقافت کے ساتھ باندھے رکھتی ہے۔ یہی تاریخ اور یہی جغرافیہ ہے، زبان امت کی تخلیقی قوتوں کا ایک مظہر ہے، جب قوتِ تخلیق کمزور ہوجائے تو زبان پر موت طاری ہوجاتی ہے اور امت انحطاط پذیر ہونا شروع ہوجاتی ہے، جب امت رجعتِ قہقری شروع کر دے اور انحطاط پذیر ہونا شروع ہوجائے تو یہی وہ موت اور کمزوری ہے جس کی وجہ سے نام تک مٹ جاتا ہے۔

تمام نئے اور پرانے تاریخی شواہد یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں کرتے ہیں کہ کسی ملک اور قوم نے اس وقت تک ترقی کی ہے نہ تہذیب کے محلات ہی کھڑے کیے ہیں جب تک اس نے علوم اور تعلیم کو اپنی قومی زبان میں، نہ کہ غیر ملکی زبان میں، عام نہیں کیا۔

عربی زبان ایک زرخیز زبان ہے:

اے اہل اسلام! تاریخی شواہد اس بات پر گواہ ہیں کہ قرآن کریم کی زبان عصر نبوت سے لے کر خلافت عباسیہ تک مختلف ادوارِ حکومت میں معاشرے کی تمام دینی، سائنسی، اقتصادی، معاشرتی، سیاسی اور فوجی ضروریات کو بھرپور انداز میں پورا کرتی رہی ہے۔

عہد اموی میں بہت سارے دیوانوں کو عربایا گیا۔ مختلف معاشروں، صوبوں، فوجیوں اور عام (سول) زندگی کے انتظامی امور کا نظام قائم کیا گیا، اسی طرح بنوعباس کے ایام خلافت میں بھی اس زبان نے تہذیبی ضروریات پوری کیں اور مختلف زبانوں سے عربی میں ترجمے کی تحریک کا پورا پورا ساتھ دیا، بلکہ اس وقت یہ بلا شرکت غیرے میڈیکل، سائنس، ریاضی، فلکیات اور انجینئرنگ میں علم و تحقیق کی زبان تھی۔

اسلامی مملکت نے صدیوں سے دیگر قوموں کے ساتھ راہ و رسم رکھنے کے باوجود ان کی زبان

سے صرف اس قدر الفاظ مستعار لیے جو ان بعض معانی کو بیان کرنے کے لیے اشد ضروری تھے جن کو بیان کرنے کے لیے اس کے اپنے پاس الفاظ موجود نہیں تھے، لیکن ان رومی، ایرانی اور یونانی قوموں کی قدیم ترین تہذیبوں کے باوجود ان کی زبانیں مسلمانوں کو اپنا گرویدہ نہیں کر سکیں، بلکہ انھوں نے تو ان کو اس زبان کے ساتھ مزید گہرا اور مضبوط تعلق پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

عجمی لوگ بھی اس کے سحر میں گرفتار تھے:

اس عظیم الشان اسلامی تاریخ اور دلکش دین کا ایک عجیب پہلو یہ بھی ہے کہ دیگر قوموں کے باشندے دین و علم اور قرآن کی اس زبان کو سیکھنے میں بہت زیادہ رغبت اور سبقت کا اظہار کرتے تھے، بلکہ انھوں نے اس میں بڑی لیاقت پیدا کی اور اس عظیم الشان اسلامی شعور کے تحت، جس نے قرآن کی زبان کو دین اور وحی کی زبان ہونے کے ناطے بلند ترین مقامات پر فائز کر دیا، انھوں نے اس کے قواعد بنانے اور لغات تالیف کرنے میں حیران کن انداز میں شرکت کی۔

دنیا کے کونے کونے پر جہاں جہاں بھی امت اسلامیہ موجود ہے وہاں اس حدیث نبوی کی صدا گونجتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«إن العربية ليست لأحدكم بأب، ولا بأم، إنما هي اللسان، فمن تكلم العربية فهو عربي»[1]

''عربی کسی کا باپ یا ماں نہیں بلکہ یہ ایک زبان ہے۔ جس نے یہ زبان بولی وہ عربی ہے۔''

اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن اس کا معنی صحیح ہے، جس طرح شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بات کا فیصلہ دیا ہے۔[2]

عربی زبان...دشمنوں کا نشانہ:

دینی بھائیو! اگر قرآن اور اسلام کی زبان اس قدر قوت و صلاحیت اور مرتبے کی مالک ہے تو پھر اس میں کوئی اچنبا نہیں کہ یہ دشمنوں کے تیروں کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔

[1] **ضعيف جدا.** تاريخ دمشق (٢١/ ٤٠٧) السلسلة الضعيفة (٩٢٤)

[2] اقتضاء الصراط المستقيم (١/ ٤٠٧)

موجودہ تاریخ کا مطالعہ وتحقیق کرنے والے، استعمار وسامراجیت کے قدم قدم کو بغور دیکھنے والے اور اس کی سیاست پر کڑی نظر رکھنے والے محققین اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ زبان پر حملہ کرنا، اس کی شان گھٹانا، مختلف ذرائع ابلاغ میں، کہانیوں میں، ناولوں میں اور ڈراموں میں اس زبان کے ساتھ تعلق رکھنے والوں اور اس کی خدمت کرنے والوں کو نشانۂ تضحیک بنانا اور باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے ان پر تابڑ توڑ حملے کرنا ہمیشہ سے ان کی سیاست رہی ہے، پھر بعد میں جو ان کے دسترخوان کے چھوڑے ہوئے ٹکڑے اٹھانے والے اور ان کے کرائے کے ٹٹو اور ایجنٹ ہوتے ہیں وہ اس مہم کو جاری وساری رکھتے ہیں۔

ہاں، اس میں کوئی عجب پن نہیں کہ کسی بھی قوم کی زبان جنگ یا قبضے کے کسی بھی مرحلے میں مٹ جائے اور اپنا وجود کھو دے، کیونکہ زبان شناخت اور ذاتی پہچان کروانے کی ایک اہم علامت ہوتی ہے تو جب وہ زبان قرآن اور اسلام کی زبان ہو تو پھر اس کی اہمیت کتنی زیادہ ہوگی؟!

اپنوں کے ظلم:

برادران اسلام! یہ کوئی دانشمندی نہیں کہ دشمن اپنی مصلحتوں کو پورا کرنے، اپنے اہداف حاصل کرنے اور دوسروں کو تباہ کرنے کی جو کوششیں کرتے ہیں ہم سارا الزام ان کے سر ڈال دیں۔ افسوس اور دل گرفتگی کی حالت تو یہ ہے کہ جب ہمارے اپنے اس کام کا بیڑا اٹھا لیتے ہیں، وہ جو بدیسی تہذیب کے شیدائی ہیں، ان کی ثقافت اور فکر کا قبلہ وکعبہ دیار مغرب ہیں، یہ اسلامی ثقافت کو خشمگیں نگاہوں سے اور قرآنی زبان کو بنظر استخفاف دیکھتے ہیں۔

غیروں کی اس تہذیب نے امت مسلمہ کے فرزند کو صرف لسانی محبت کا اسیر ہی نہیں کیا بلکہ اس نے اسے فکری اور سیاسی آغوش میں بھی لے لیا ہے! آخر کیا وجہ ہے کہ ہماری نظروں میں ہمارا اپنا وجود اپنی اہمیت کھو چکا ہے؟ ہماری نگاہوں میں ہمارے ملک، ہماری زبان، ہمارے دین اور ہمارے قرآن کی زبان گر چکی ہے؟!

امت آج جن سیاسی واقتصادی اور دینی بحرانوں سے گزر رہی ہے انھوں نے فکر کو منجمد اور ثقافت کو لاغر کر دیا ہے جس کی نوبت اس مکروہ دست نگری اور غلامی تک پہنچ چکی ہے۔

اہل زبان کی عاجزی:

آج جو بحران ہے وہ عزت کا بحران ہے نہ کہ زبان کا بحران، یہ اہل زبان کا المیہ ہے کلمات کا کوئی قحط نہیں، زبان کمزور ہوتی ہے نہ عاجز آتی ہے، لیکن اہل زبان کمزور ہو چکے ہیں، اس کی حمایت کرنے والے لا پرواہی سے کام لے رہے ہیں۔ کس قدر ظلم کی بات ہے کہ یہ اس زبان کے نافرمان، سست فرزند، کمزور قوت ارادی کے مالک، بلندی پرواز میں کمزور، اپنے آپ کو معلومات کے اس آتش فشاں سے ڈرانے والے اور ٹیکنو لوجی کی ترقی سے دلوں میں خوف محسوس کرنے والے بغیر کسی دلیل اور برہان کے اپنی زبان پر عدم کمال کی تہمت لگاتے ہیں؟!

یہ کمزور، پسپائی اختیار کرنے والا تعلیم یافتہ نوجوان کتنا مسکین ہے جو کبھی مشرق کی طرف منہ اٹھاتا ہے تو کبھی مغرب کی طرف کہ شاید اسے کوئی جائے پناہ مل جائے یا پائے رفتن ہی!!

یہ بے چارے آخر کیا چاہتے ہیں؟ کیا یہ چاہتے ہیں کہ اپنی شناخت اور پہچان چھوڑ دیں اور اپنی زبانوں اور عقلوں سمیت اپنے دشمنوں کی طرف ہجرت کر جائیں اور ایسی مخلوق بن جائیں جو دوسروں کی عقلوں سے سوچیں اور اپنے منہ میں دوسروں کی لڑکھڑاتی ہوئی زبان لیے پھریں؟

کیا یہ لوگ محض تنگ نظری اور وقتی منفعت کے پیش نظر اپنی شناخت، اپنا دین اور اپنی عزت سے دست بردار ہونے کے لیے تیار ہیں کہ جس کا انجام خطرے اور مصیبت کی شکل میں ان کے سر منڈلا رہا ہے؟!

کمزور دلیلیں:

اے اہل اسلام! ان شکی مزاج لوگوں کی کمزوری اور رسوائی تب مزید اور واضح انداز میں جھلکنے لگتی ہے جب یہ کہتے ہیں کہ قومی زبان کا استعمال طلبہ کو غیر ملکی زبان میں مہارت حاصل کرنے سے روک سکتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ جدید تحقیقات اور تیز تر ترقی سے دور ہو سکتے ہیں۔ کچھ لوگ لیبر مارکیٹ کی بات کرتے ہیں۔ آپ ان شکست خوردہ اور غیر ملکی زبانوں کی چمک دمک سے مبہوت افراد کو دیکھ کر حیران ہوں گے کہ یہ لوگ بطور فخر کہتے ہیں کہ وہ اپنے کالجوں اور ڈیپارٹمنٹس میں تمام علوم غیر ملکی زبان میں پڑھتے ہیں کیونکہ یہ مارکیٹ کی ڈیمانڈ ہے!

اللہ جانتا ہے، اور اہل ایمان اور صاحبانِ عقل وخرد بھی بخوبی جانتے ہیں کہ یہ محض کمزور دلیلیں

ہیں، جو اللہ کی قسم مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ کاش وہ بھی جانتے!!

لیکن یہ ایسے حالات ہیں جو ماضی میں بعض علاقوں پر عہد استعمار اور سامراجیت کے ایام کی یاد تازہ کرتے ہیں، آج زمانہ حال کے عہد عالمگیریت کی ثقافتی فضائیں زبان پر شدید ترین یلغار کے ذریعے قوم کی زندگی میں بھونچال پیدا کرنے اور بوسیدہ قسم کے بہانے پیش کر کے غیر ملکی زبانوں کو اپنے گھر کی باندی بنا کر اس کے ثقافتی اور دینی ورثے پر ڈاکا ڈالنے میں عہد رفتہ کے استعمار کی ثقافتی فضاؤں کے ساتھ کس قدر مشابہت رکھتی ہیں؟!

جب یہ زبان اور لیبر مارکیٹ کے متعلق باتیں کرتے ہیں تو کاش علمی اصطلاحات، ایڈوانس ٹیکنولوجیز اور سائنس کے میدان میں ہونے والی نئی نئی کاوشوں کے ساتھ بھی کوئی ربط پیدا کرنے کے متعلق معاملات زیر بحث لائیں، لیکن افسوسناک حقیقت تو یہ ہے کہ اس کا مقصد صرف درمیانی سی قابلیت اور گھٹیا سی اہلیت کے حامل غیر ملکی مزدوروں کو کام کا موقع مہیا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ کمپنیوں، اداروں، بازاروں اور تجارتی مقامات میں کام کرنے کی جگہوں پر قبضہ جما کر بیٹھ جاتے ہیں اور ان کا کام صرف سودا لگانا، سامان بیچنا، گوداموں کی ترتیب لگانا، ریکارڈ سنبھالنا اور مراسلہ نگاری کرنا ہوتا ہے۔

اندازِ زندگانی پر مغربیت کی چھاپ:

یہ لیبر مارکیٹ کتنی رسوا کن ہے جس میں ہسپتال، ہوٹلز، یونیورسٹیوں کے بعض ڈیپارٹمنٹس، مارکیٹیں، شو رومز، کاروباری سائن بورڈز، کمرشل پبلسٹی سب کچھ غیر ملکی ماحول میں تبدیل ہو چکا ہے، ان میں قوم کے فرزند ایک یا کئی غیر ملکی زبانوں میں تبادلہ خیالات کرتے نظر آتے ہیں، کھانوں، سامان اور قیمتوں کی لسٹیں بھی غیر ملکی زبان میں بدل چکی ہیں، اس غیر ملکی زبان نے قوم کے بہت سارے طبقات کو وسیع پیمانے پر اپنے وجود اور ڈھنگ کے رنگ میں رنگ دیا ہے، لہٰذا بات چیت کی زبان مضطرب ہو چکی ہے اور زبانیں خراب ہوگئی ہیں، پسماندگی پر پسماندگی اور کمزوری پر کمزوری کی تہیں چڑھ چکی ہیں، لیبر مارکیٹ نو وارد غیر ملکی باشندوں سے بھر چکی ہے، جس کی حقیقت میں کوئی ضرورت نہیں۔ یہ روشن خیال لوگ یہ چاہتے ہیں کہ فرزندانِ قوم ان کی وجہ سے غیر ملکی زبان استعمال کریں، کیونکہ ان کے خیال میں یہ غیر ملکی ان کے بیٹوں کے لیے کام کے مواقع پیدا کر رہے ہیں۔

اے اہل اسلام! اے دردمندانِ قوم! غیر ملکی باشندوں کا وجود، خواہ ان کی تعداد اور ان

کی ضرورت کتنی ہی اہم ہو اور ان کا علمی اور فنی رتبہ کس قدر بلند کیوں نہ ہو، ہماری زمین پر ان کی قیادت کی راہ ہموار کرنے کا سبب نہیں ہونا چاہیے۔

زبان قیادت کا اہم مظہر:

علما اور تعلیم و تربیت سے وابستہ حضرات تو ایک طرف رہے اس حقیقت سے تمام اہل عقل اور علماءِ سوشیالوجی بھی اچھی طرح واقف ہیں کہ زبان قیادت و سیادت کا سب سے اہم مظہر ہے۔ کتنے ایسے ملک ہیں جو محض تعدد لسانی کے سبب بکھر چکے ہیں، بلکہ بعض قوموں میں یہ لسانی جھگڑے ملک ٹوٹنے اور صفیں بکھرنے کا باعث بھی بنتے ہیں اور ایک ہی ملک کے باشندوں میں فتنوں کی آگ بھڑکانے اور لسانی نعرے بلند کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ ان کے تباہ کن اثرات نگاہوں کے بالکل سامنے ہیں اور دشمن ان کی آگ بھڑکانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔

فریب خوردگیاں:

یہ گمان رکھنا ایک بدنما غفلت ہے کہ مارکیٹ کی مصلحت اور سرمایہ کاری کے اسباب غیر ملکی زبانوں کا تقاضا کرتے ہیں، دنیا کے تمام ممالک، خصوصاً وہ جو دنیا کی قیادت میں آگے آگے ہیں، کسی بھی صورت اپنی زبان پر کسی چیز کو اثر انداز ہونے کی اجازت نہیں دیتے، خواہ کیسے ہی اسباب اور محرکات کیوں نہ ہوں۔

اگر یہ خالص محبّ وطن ہیں تو کیا انھیں بیرونی باشندے منگواتے وقت یہ شرط نہیں لگانی چاہیے کہ وہ ہماری زبان بولیں، چہ جائیکہ اپنے ہی بیٹوں کو ان نو واردوں کے لیے غیر ملکی زبان بولنے پر مجبور کر دیں؟ اللہ کی قسم! یہ عجیب طرح کی پسپائی اور شکست خوردگی ہے!

اگر سنجیدہ احتساب کیا جائے اور سچ پوچھا جائے تو اکثر ''ترقی پذیر'' کے نام سے موسوم قومیں اپنے بیٹوں میں تعلیم عام کرنے کے نام پر یا غیر ملکی زبان کو زبان زد عام بنانے کے لیے جس حد تک چلی گئی ہیں اس کا ان کو کس حد تک فائدہ ہوا ہے یا انھوں نے کیا فائدہ پہنچایا ہے؟ کیا یہ اس ''ترقی پذیر'' کے طوق کی لعنت سے آزاد ہو چکی ہیں؟!

قومی زبان میں تدریس... ترقی کا زینہ:

تمھارے دشمن یہودیوں نے اپنی مٹتی ہوئی زبان کو زندہ کر لیا ہے جس کی کوئی تہذیب ہے نہ

تاریخ۔ اب یہ سائنس، ادب اور زندگی کی زبان بن چکی ہے۔کوئی بھی قوم جو ترقی، قوت،عزت اور اللہ کے بعد اپنی ذات پر اعتماد کرنے کا ارادہ رکھتی ہو اس کے لیے اس وقت تک سائنس اورٹیکنو لوجی کی لگام کو تھامنا ممکن نہیں جب تک وہ ان تمام علوم کی تدریس اپنی قومی زبان میں نہ کرے۔

اور یہ عربی زبان تو وہ ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا ہے:

﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۞ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۞ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۞ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۞ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ ﴾ [الشعراء: ۱۹۲، ۱۹۷]

''اور بے شک یہ یقیناً رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ جسے امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے۔ تیرے دل پر، تاکہ تو ڈرانے والوں سے ہو جائے۔ واضح عربی زبان میں۔ اور بے شک یقیناً پہلے لوگوں کی کتابوں میں موجود ہے۔ اور کیا ان کے لیے یہ ایک نشانی نہ تھی کہ اسے بنی اسرائیل کے علماء جانتے ہیں؟''

آج ابتدائی جماعتوں میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو غیر ملکی زبان میں تعلیم دینے، تمام علوم کو غیر ملکی زبان میں پڑھانے اور نوکری یا کام کے حصول کے لیے غیر ملکی زبان میں مہارت ہونے کی شرط قرار دینے والی آوازیں اور صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور دور دور تک ان کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔

امت...خودی کی محتاج:

اے اہل دل! امت کو ایسی خودی اور خودداری کی اشد ضرورت ہے جس کا سر ہنگامی اقتصادی صورتحال، وقتی پریشانی یا جزوی فوائد کے نتیجے میں، جن کا انجام تباہی بربادی، ہلاکت کی صورت میں ہو، سامنے آنے والی ترغیبات کے سامنے بالکل نہ جھکے۔

عجیب تناقض:

یہ کیسا چیخ چیخ کر اپنی حقیقت بیان کرنے والا تناقض اور مہلک غفلت ہے کہ ایک طرف تو یہ مفکرین اور تعلیم یافتہ حضرات ٹیکنولوجی اور سائنس کو علاقائی بنانے اور اپنے وطن کی سرزمین پر اس کے بیج اگانے کی بات کرتے ہیں تو دوسری طرف سائنس وٹیکنالوجی کو غیر ملکی زبان میں پڑھانے پر زور دیتے ہیں، جبکہ یہ ایسی زبان ہے جس میں غیر اہل زبان کے لیے مہارت حاصل کرنا مشکل ہے اور

اگر (نعوذ باللہ) وہ اس میں اہل زبان کی طرح مہارت حاصل کر لیں تو پھر آپ اپنی قوم، قومی زبان بلکہ اس کے وجود ہی کی خیر منائیں اور اس پر فاتحہ پڑھ لیں!

سنجیدہ عملی کاوش کی ضرورت:

اے اہل اسلام! اس مسئلے کا مکمل حل، تحفظ، سلامتی، حقیقی تعمیری کاوش اور صحیح صاف ستھری ترقی کی راہ یہی ہے کہ ایک منظّم اور سنجیدہ عمل کے ذریعے، جو کھوکھلے نعروں اور گونگی تحریروں سے دور ہو، غیر ملکی تہذیب میں ضم ہو جانے اور اپنا وجود کھو دینے کے خطرے کا بھرپور مقابلہ کیا جائے۔ سنجیدہ عملی کاوش، تعمیر ملت میں مشارکت اور اچھی اور مفید تہذیب کے حقائق و فوائد ہی ایسی تیر بہدف ادویہ ہیں جو ان ملّی تشخص کو مٹانے اور تہذیبِ مغرب کے رنگ میں رنگنے کے جراثیم کے خلاف قوتِ مدافعت پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

اگر امت میں غیرت کی کچھ رمق باقی ہے اور دین و ملت اور زبان کی خدمت کا سچا جذبہ موجود ہے تو پھر اس کا راستہ تو بالکل واضح اور روشن ہے۔

زبان کے ساتھ محبت رکھنے کی پالیسی اپنائیں:

آج امت کو لسانی پالیسی تشکیل دینے کی ضرورت ہے۔ یہ کوئی ضروری بات یا اہم مسئلہ نہیں کہ زبان کے اصول و قواعد کے نظریات کی مکمل پہچان اور معرفت ہر کسی کو حاصل ہو، عام لوگوں کی یہی ضرورت ہے کہ ان میں بولنے، لکھنے اور اظہار خیالات کی صلاحیت موجود ہو۔ ہمیں ایسی لسانی پالیسی کی ضرورت ہے جو زبان کے ساتھ تعلق رکھنے اور عوام کو مخاطب کرنے والے اداروں، خصوصاً تمام ذرائع ابلاغ اور تعلیم و تربیت کے مناہج وغیرہ کے کام کو منظّم کر سکے اور فصیح عربی زبان کو عام کرنا اس کا منتہائے مقصود ہو۔ ایسی صورت میں زبان ایک درسی مواد کے طور پر محدود اوقات کے لیے کلاس رومز کی چار دیواری تک محدود نہیں رہے گی بلکہ ضروری ہے کہ یہ زندگی کے تمام میدانوں کی زبان ہو، ہائر ایجوکیشن میں سائنسی اور نظریاتی ڈیپارٹمنٹس میں اس کا خاص اہتمام کیا جائے اور اس کی تعلیم و تدریس اور بول چال کو لازمی قرار دیا جائے۔

ان مصنوعی اور تجارتی ناموں کے طوفان کے آگے بند باندھنے کے لیے زبان کے لیے حقیقی غیرت کی ضرورت ہے جو صرف شکست، غلامی اور ذلت کے شعور کو جنم دیتے ہیں۔

زبان کی قوت...اس پر یقین:

احباب کرام! زبان کی قوت اور دوام کا دارومدار بفضلہٖ تعالیٰ سب سے پہلے امت کے لسانی شعور، اس کی حفاظت، حمایت، اشاعت کے لیے خصوصی حرص اور اس پختہ یقین پر ہے کہ یہ زبان عصری ضروریات اور ترقی کے تقاضوں کو پورا کرنے کی مکمل قدرت رکھتی ہے۔ یہ ہیں وہ بڑے بڑے اہداف جن کے لیے عظیم قوم اور قابل احترام ملک منصوبہ بندی کرتے ہیں، لہٰذا وہ لسانی تخصص اور ایڈوانس تحقیقات کے مراکز قائم کرتے ہیں، زبان کی تعلیم اور تدریس کے مختلف طریقوں میں جدت طرازی اور غیر ملکی اصطلاحات کا ترجمہ کرنے کے لیے فنی ادارے قائم کرتے ہیں۔

اپنی زبان کا سر بلند رکھیں:

ہماری زبان کی ناک ہمیشہ بلند رہنی چاہیے، فرزندان امت کے جسموں میں ذاتی قوت مدافعت اپنے دین اور گھر پر فخر کا احساس، غیر ملکی زبانوں کے ساتھ بصیرت آمیز برتاؤ اور ان میں ضم ہوئے بغیر بہترین انداز میں ان سے استفادہ کرنے کی صلاحیت کا ہونا از بس ضروری ہے۔

یہاں ہمیں اس بات کا اعلان اور منصوبہ بندی کا اظہار بھی کر دینا چاہیے کہ جس طرح ہمیں فکری، غذائی اور پانی کے تحفظ کی ضرورت ہے اسی طرح لسانی تحفظ کی بھی ضرورت ہے، یہ ساری چیزیں زندگی اور خوشحال بسر واوقات کی ضروریات میں سے ہیں۔

یہی راستہ ہے جس پر چلنا ہے، اور اللہ ہی سیدھا راستہ دکھانے والا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا﴾ [الفرقان: ٣١]

’’اور تیرا رب راہ دکھانے والا اور مدد کرنے والا کافی ہے۔‘‘

امن کی حقیقت

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سعود الشریم حفظہ اللہ

خطبۂ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

اے لوگو! میں تمھیں اور اپنے آپ کو تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں، کیونکہ یہی خوف سے امن اور ہلاکت سے نجات بخشتا ہے، اسی کے ساتھ آدمی شرافت اور عزت کے بلند مقام پر فائز ہوتا ہے، جبکہ اس سے دور رہ کر بندہ ذلت اور پستی کی گہرائی میں جا گرتا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی پہلے اور بعد میں آنے والوں کو نصیحت ہے۔ اس لیے، صاحبان عقل و دانش، اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ، کامیابی تمھارے قدم چومے گی۔

اے لوگو! امن و امان کے سائے تلے ہی عبادت لذیذ محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی کی بدولت نیند سکون آور، کھانا مزیدار اور پینا راحت جان لگتا ہے۔ امن اور امان یہ دونوں ہر ترقیاتی جدوجہد کے ستون ہیں اور ہر معاشرے کی منزل مقصود۔ بلکہ یہ بلا امتیاز ہر قوم کی آرزو اور تمنا ہے، جبکہ اسلامی معاشروں میں اس پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ یہ اسلامی معاشرے ایمان لا کر امن کا گہوارہ بن گئے اور امن کے سائے میں پرورش پانے لگے، پھر ان معاشروں سے امن و ایمان اور نشوونما کے شگوفے پھوٹنے لگے، کیونکہ ایمان کے بغیر امن قائم نہیں ہوسکتا۔ جب تک ایسے امور کی روک تھام کی ضمانت فراہم نہ کی جائے جو روزمرہ کی زندگی مکدر کر دینے والے ہوں۔

پُرامن زندگی ہر ایک کا خواب:

پُرامن زندگی کی مدح سرائی ہر منبر کی آواز ہے، کیونکہ امن کی سرسراہٹ پر تمام لوگوں کی حسیات بیدار ہوجاتی ہیں، کیونکہ اس کا تعلق خود لوگوں کی جانوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور عطا کے ساتھ بھی ہے۔ جس کو یہ نعمت مل جائے وہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا اور وہ لوگوں کے لیے قابل رشک ہوتا ہے۔

خوشحال ترین شخص:

نبی ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«من أصبح آمنا في سربه، معافا في بدنه، عنده قوت يومه، فكأنما حيزت له الدنيا بحذا فيرها»[1]

[1] حسن. سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٣٤٦) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤١٤١)

”جو اس حالت میں صبح کے وقت بیدار ہو کہ اس کا نفس، دل، مال اور اولاد امن میں ہو، بدن تندرست ہو، اس کے پاس اس دن کی روزی ہو تو گویا ساری کی ساری دنیا اس کے گھر میں اکٹھی ہو کر آ گئی۔“

امن میں بگاڑ... شیطان کے لیے آسانی:

جب امن میں کمزوری اور بگاڑ پیدا ہوجائے تو شیطانی خباثت اور اس کے انسانی اور جنی لشکروں کے کھیل تماشے ظاہر ہونا شروع ہوجاتے ہیں، اور وہ اپنے گماشتوں کو ہر راہ پر کھڑا کر دیتا ہے جو بشر کو گمراہ کرنے میں لگ جاتے ہیں، انسان ان کو ہلکا سمجھ کر ان کی باتوں میں آ جاتا ہے۔ پھر شیطان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کو نبھانے کے لیے اس کو گمراہ کرنے کے لیے اپنی مہارت آزمانا شروع کر دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴾
[الأعراف: ١٦، ١٧]

”میں ضرور ہی ان کے لیے تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا۔ پھر میں ہر صورت ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں طرفوں سے اور ان کی بائیں طرفوں سے آؤں گا اور تو ان کے اکثر کو شکر کرنے والے نہیں پائے گا۔“

عام طور پر مسلمان معاشروں میں امن و امان میں بگاڑ پیدا کرنے میں حصہ ڈالنا، انتشار اور انارکی پھیلانے اور انھیں مذاق بنانے کا اہم سبب ہے۔ ہر خلافِ اصول حرکت، ناقابل قبول امن شکنی اور امن عامہ کے لیے خطرناک کام کسی بھی صورت قبول نہیں، کوئی عقل اسے روا رکھتی ہے اور نہ شریعت ہی اس کی اجازت دیتی ہے۔

امن عامہ کی خرابی کے پیچھے دشمنوں کا ہاتھ:

بلکہ امن و امان خراب کرنے والے ہر عنصر کا تانا بانا ہمارے دشمن بنتے ہیں، جو ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتے ہیں، چاہے بظاہر وہ امن قائم کرنے کے نام پر ہمارے ہی فرزندوں اور شکست خوردہ افرادِ امت کا استعمال کریں، لیکن وہ اپنا ہر لفظ اور ہر حرف امت مسلمہ کا امن اور خزانے سلب

کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مسلمان آدمی کا دین اسے ذلت کے گڑھوں اور شک کے کنویں میں گرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

امن کا دشمن...اپنی ذات کا دشمن:

امن عامہ برباد کرنے والا شخص دوسروں کا امن برباد کرنے سے پہلے اپنی ذات، والدین اور دیگر افراد خانہ کے امن کا دشمن ہوتا ہے۔ یہ حقیقت مثال کے طور پر شراب کے جام میں، کسی کو قتل کرنے میں، نشے کا ایک گھونٹ لگانے میں یا کسی کی عزت لوٹنے یا لوگوں میں فساد مچانے میں واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ ان کاموں کا ارتکاب کرنے والا شخص انسانیت اور دینداری کا لباس اتار کر جرم، قتل و غارت، بدکاری اور گمراہ کنی کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے، جس کے نتیجے میں اس کی اپنی زندگی ناکام ہو جاتی ہے، پھر یہ ملت کا قصر مسمار کرنے میں لگ جاتا ہے، اپنے معاشرے کی عزت پر حملہ کرتا ہے، اپنی ملت کو ذلت اور تباہی کے گڑھے میں پھینک دیتا ہے اور معاشرتی امن تہہ و بالا کر کے معاشرے کو خوف میں مبتلا کر دیتا ہے۔

جب آدمی کا انحراف اس حد تک پھیل جاتا ہے کہ وہ اپنی لپیٹ میں اپنے افراد خانہ سمیت پورے معاشرے کو لے لیتا ہے تو پھر وہ لا محالہ اپنے آپ کو موت کے سپرد کر دیتا ہے، خواہ کتنا گرانڈیل، کڑیل جوان اور بہادر ہی کیوں نہ ہو۔ وگرنہ یہ امن کا دشمن اگر تھوڑی دیر کے لیے اپنے والدین کے انجام کے متعلق سوچتا اور چشم تصور سے دیکھتا جو حسرت اور افسوس کی تصویر بنے حیرانی اور سراسیمگی کے عالم میں اس سے پوچھ رہے ہوں کہ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارا بیٹا ہماری آنکھوں کے سامنے امن عامہ برباد کرنے والی کدال بن کر کھڑا ہو؟!

کیا یہ امن کا باغی اپنی بیوی اور اولاد کے متعلق کچھ نہیں سوچتا جو اس کے بعد برباد ہو جائیں گے؟ اسے انھیں کھو دینے کا کوئی غم نہیں؟ کیا اسے اس بات کا کوئی احساس نہیں کہ اس کی بیوی اس کے زندہ ہوتے ہوئے بھی بیوہ ہو جائے گی؟ کیا اسے بالکل شعور نہیں کہ اس کی اولاد اس کے جیتے جی یتیم ہو جائے گی؟

﴿ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴾ [النساء: ۹]

’’اور لازم ہے کہ وہ لوگ ڈریں جو اپنے پیچھے اگر کمزور اولاد چھوڑتے تو ان کے متعلق

ڈرتے، پس لازم ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی بات کہیں۔''

کیا یہ امن برباد کرنے والا بالکل نہیں سوچتا کہ وہ کس طرح طاقت کے بجائے کمزوری، خوشی کی جگہ غم اور پاکیزگی کے بدلے ناپاکی کا شکار ہو چکا ہے؟!

کوئی اس کا ہمدرد اور غم خوار نہیں جس کے سامنے وہ اپنے دل کے پھپھولے پھوڑ سکے، ایک مسلسل پریشانی اسے خوف میں مبتلا رکھتی ہے، اور وہ بکثرت غیر ارادی حرکات کرتا رہتا ہے، پھر جب وہ اپنے شاذ اور منحرف فعل کی وجہ سے زندگی سے اکتا جاتا ہے تو پھر اس کے بعد اس کے لیے گوہر مقصود تک پہنچنا ناممکن ہو جاتا ہے جیل کی کال کوٹھڑی میں لڑتا رہتا ہے، دل طرح طرح کے وسوسوں کا شکار رہتا ہے، ہر وقت سزا کا خیال دامن گیر رہتا ہے، خصوصاً جب یہ سزا موت کی ہو۔ اس میں کوئی حیرت نہیں کیونکہ ایک مجرم کا قتل ساری امت کے سکھ کی زندگی کا ضامن ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [البقرة: ١٧٩]

''اور تمھارے لیے بدلہ لینے میں ایک طرح کی زندگی ہے، اے عقلوں والو! تاکہ تم بچ جاؤ۔''

ایک پرانی عربی کہاوت ہے:

''القتل أنفی للقتل'' یعنی قتل ہی سب سے زیادہ قتل کو روک سکتا ہے۔

شرعی سزائیں...امن کی ضامن:

اہل اسلام! معاشروں میں امن برقرار رکھنے کے لیے شریعت مطہرہ نے شدید ترین سزائیں مقرر کی ہیں اور امت کے ان تمام وسائل میں حقوق العباد کے متعلقہ ہر چیز کی حفاظت کی ہے، بلکہ شریعت میں یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ ان سزاؤں پر عملدار آمد کروانے کے سلسلے میں ہر طرح کی سستی کے ہر ذریعے کو بند کر دیا گیا ہے، چاہے یہ سستی اور غفلت ان سزاؤں کو معطل کروانے کے لیے درمیانی واسطے کی تلاش کی صورت میں ہو یا متمدن معاشروں کی تنقید کے ڈر سے۔

امن و امان کی حفاظت کی خاطر رسول کریم ﷺ نے اس شخص پر شدید غصے کا اظہار کیا جس نے معاملہ سلطان کے سامنے پیش ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی کسی حد میں سفارش کی۔ آپ ﷺ نے اس بات کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

«وأيم الله، لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها»[1]

''اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''

حقوق انسانیت کے کھوکھلے دعوے:

حضرات! یہ صرف اس وجہ سے آپ نے فرمایا کہ حدود وتعزیرات کے نفاذ میں رکاوٹ ڈالنے یا سستی پیدا کرنے والے یا اس کی اہمیت کم کرنے والے ہر ذریعے کو ختم کر دیا جائے، کیونکہ جب امت کی ہڈیوں میں بدامنی کی بیماری سرایت کرنا شروع کر دے تو پھر اس کے افراد اس کی وجہ سے مسلمانوں کے ورثے کو مٹی تلے دبانا شروع کر دیں گے اور موجودہ نسلوں اور مطلوبہ امیدوں سے زندگی کی شریانیں کاٹ دیں گے۔ یہ لوگ ان جیسی کارروائیوں کے ذریعے، چاہے جان بوجھ کر یا بیوقوفی کی بنا پر، مسلمانوں کے علاقوں میں استعماری حربوں اور حملوں کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں، اپنے ان دہشت گردانہ اعمال کی وجہ سے یہ لوگ جلتی پر تیل کا کام کر رہے ہیں، مسلمانوں کو ہلاکت کی چکیوں میں پیسا جا رہا ہے اور پُرسکون اور پُرامن زندگی کے دروازے ان کے لیے بند کیے جا رہے ہیں۔

یہ چیز ان بلند وبانگ نعروں سے ببانگ دہل عیاں ہوتی ہے جو مبادیات انسانی حقوق کے نام پر لگائے جاتے ہیں، جن کا مقصد مادر پدر آزادی کو ہوا دے کر اور خواہشات کو بے لگام چھوڑ کر سلیم الفطرتی کا مکمل انکار اور اخلاق عالیہ کی بربادی تک جدوجہد جاری رکھنا ہے۔ پھر یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ جو ان کی اس امر میں مخالفت کرتا ہے وہ حقیقت میں انسان، انسانیت، شخصی حقوق اور ذاتی خواہشات کی مخالفت کرتا ہے، جبکہ حقیقت میں ان نعروں کا انسانیت کے ساتھ کوئی ادنیٰ اور حقیر سا تعلق بھی نہیں، بلکہ یہ جو اس کی بہت زیادہ گلکاری، آراستگی اور ملمع کاری کرتے ہیں یہ بظاہر شوگر کوٹڈ لیکن انجام کار انتہائی کڑوا، دیکھنے میں آسانی سے رواج پذیر ہونے والا، لیکن ناممکن الحصول، ظاہر میں بااخلاق لیکن باطن میں مذموم ترین موضوع۔

ان انسانی حقوق کی آوازوں نے شرعی احکام کو غیر دانشمندانہ قرار دیا ہے، حدود کے نفاذ کو بیوقوفی اور سختی سے تعبیر کرتے ہیں، ان حقوق انسانی کے دعوے داروں نے حقیقت میں حقوق کی حفاظت کے نام پر حقوق پر ڈاکہ زنی کی ہے اور انسان کو شرعی قیود سے آزاد کرنے کی سعی لا حاصل کی ہے، لیکن انھیں آخر میں احساس ہوگا کہ کاش یہ لوگ کسی مجرم کے حقوق کی حفاظت کی آواز بلند نہ کریں!

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٢٨٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٨٨)

امن کا وسیع مفہوم:

اہل اسلام! یہ ایک طے شدہ قاعدہ ہے:

"إن الحكم على الشيء فرع عن تصوره"

''کسی چیز پر حکم لگانا اس کے تصور ہی سے پھوٹتا ہے۔''

امن اور اس کی حقیقت جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اس حقیقت کی پہچان جامعیت کے ساتھ ہو؟ تنگ نظری اور بیہودہ افکار سے خالی ہو۔ امن کا مفہوم صرف معاشرے کو جرائم سے پاک کرنے اور پولیس اور سیکیورٹی فورسز کی ضرورت اور تشکیل تک محدود نہ ہو، امن کا مفہوم صرف اس عام اور سطحی تصور تک محدود نہیں بلکہ حقیقت اس سے کہیں سخت اور معاملہ کہیں بڑھ کر ہے۔

ایک شہری کو، خواہ مرد ہو کہ عورت، چاہیے کہ وہ بذات خود امن پسند شہری اور سیکیورٹی مین ہو کیونکہ حقیقت میں سیکیورٹی مین ایک سچا شہری ہی ہوسکتا ہے۔ اگر ہم اپنے ذہن میں اس مفہوم کو قابل کفایت حد تک حاضر رکھیں تو اس کے بعد ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم امن کے مفہوم کی جامعیت جان سکیں، جس کی ابتدا پہلی نظر میں معاشرے کے عقیدے، اللہ کے ساتھ گہرے تعلق اور ہر اس چیز سے دوری سے ہوتی ہے جو افرادِ معاشرہ کو امن کے بدلے خوف اور استقرار کی جگہ اضطراب میں مبتلا کر دے۔

لہٰذا امن کے متعلق سب سے پہلا فریضہ، اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، الوہیت اور حکم میں شرک، اس کے دین کے انکار یا اس کی شریعت کو لوگوں کی واقعاتی زندگی سے دور، یا کسی بھی غلط بہانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی شریعت سے لوگوں کے قانون کی مقابلہ آرائی سے بچنا اور دور رہنا ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ [الأنعام: ٨٢]

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا، یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔''

امن کی یہ صورت سب سے پہلا مقصد اور مطالبہ ہے، اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا ہوسکتا ہے اور پھر ہر معاشرہ اس کا گہوارہ بن سکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی

پورا ہوسکتا ہے:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِي لَا يُشْرِكُوْنَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ [النور: ۵۵]

''اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور ہی جانشین بنائے گا، جس طرح ان لوگوں کے جانشین بنائے جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لیے ان کے اس دین کو ضرور ہی اقتدار دے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ہر صورت انھیں ان کے خوف کے بعد بدل کر امن دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جس نے اس کے بعد کفر کیا تو یہی لوگ نافرمان ہیں۔''

یہاں شرک صرف صنم پرستی تک محدود نہیں، جس طرح بعض لوگ تصور کرتے ہیں اور اس زمانے میں موجود شرک کی متعدد شکلوں کو اس آیت سے باہر نکال دیتے ہیں۔

اس آیت میں لفظ ﴿شَيْئًا﴾ نکرہ ہے، جو نہی کے سیاق و سباق میں ذکر ہوا ہے، جو شرک کی تمام صورتوں کو شامل ہے، چاہے یہ کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہوں؟ کیا آپ اس فرمان الٰہی کو نہیں سنتے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ [النور: ۶۳]

''سو لازم ہے کہ وہ لوگ ڈریں جو اس کا حکم ماننے سے پیچھے رہتے ہیں کہ انھیں کوئی فتنہ آپہنچے، یا انھیں دردناک عذاب آپہنچے۔''

امام احمد رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ یہاں اس آیت میں فتنے سے مراد شرک ہے۔ امن کے مفہوم کے حوالے سے یہ بھی ضرورت ہے کہ ہم اپنے معاشروں میں قوت کے مراکز سے دوری اختیار نہ کریں یا بنیادی طور پر ان مراکز کے امن قائم کرنے کے اثر سے تجاہل برتیں، لہٰذا کسی امن کا نام

غذائی امن اور تحفظ ہے اور کسی کا پرہیز صحتمندانہ تحفظ، اور ایک وہ امن ہے جس کا تعلق اجتماعی تعاون اور تکافل میں امن بخش ضوابط کے ساتھ ہے تا کہ ملازمتوں اور پیداوار کے مواقع پیدا کیے جائیں، بے روزگاری کا خاتمہ کیا جائے جو انتشار اور بدامنی کا بہت بڑا سبب ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ امن کے دیگر پہلو بھی ہیں جو خاندانی پریشانیوں کے مظاہر اور گھر کے انفراسٹرکچر میں پیدا ہونے والے رخنوں کی تحقیق کے بعد سامنے آتے ہیں، کیونکہ میاں بیوی کے درمیان امن کا وجود خاندانی امن کا ایک اہم سبب ہے۔ خاندان اگر امن میں ہو تو ساری ملت امن کے سائے میں آ سکتی ہے، اور بلاشبہ قوم وملت خاندانوں سے تشکیل پاتی ہے اور خاندان شادی شدہ جوڑوں سے۔ اس باہم مربوط امن ہی سے ملت کا امن پرور مزاج تشکیل پا سکتا ہے۔

اس طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اس بات کو بھی کم اہمیت نہ دیں، بلکہ وہ اس زمانے میں ہر معاشرے کا امن کے متعلق دیرینہ خواب ہے، جسے فکری امن کہا جاتا ہے۔ فکری امن ہی وہ چیز ہے جو معاشروں کی عقلوں کو بچا سکتا ہے اور انھیں انتشار کا شکار ہونے خواہشات پرندیدہ پن سے ٹوٹ پڑنے یا اخلاقی قیود سے آزادی اور فطری وشرعی حیا کی چادر تار تار کر دینے والی بھٹی میں گر پڑنے سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

فکری امن:

اللہ کے بندو! فکری امن ضروری ہے کہ دو اہم اور عظیم ترین عناصر کا تاج پوش ہو، ایک تعلیمی فکر اور سوچ کا عنصر اور دوسرا میڈیا کے امن کا عنصر۔ ملت کے لیے لازمی ہے کہ ان عناصر کے ذریعے انحطاط اور اجنبیت اپنانے کی پھسلن میں نہ پھنس جائے، جس کا اتنا خطرناک کردار ہے کہ وہ ایک مسلمان کی شناخت مسخ کر سکتی ہے، اس کا امن کے متعلق توازن بگاڑ سکتی اور اس کے دین پر فخر کے اعزاز کو چھین سکتی ہے، لہٰذا عقلی امن روحانی اور مالی امن سے اہمیت کے لحاظ سے کچھ کم نہیں، جس طرح گھروں اور مال پر ڈاکا ڈالنے والے چور ہوتے ہیں، اسی طرح عقلیں لوٹنے والے ڈاکو اور چور بھی ہوتے ہیں، بلکہ عقل چوری کرنے والے چور دیگر تمام چوروں سے زیادہ خطرناک اور کاری زخم لگانے والے ہوتے ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کے مابین تعلیم کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ کہیں وہ چپکے سے اپنی شناخت نہ کھودے، اور تعلیم کو اس قابل بنانا کہ وہ مفید علم مہیا کرنے کے لیے، جو عمل صالح کا سبب بن سکے، حکمت عملی پیدا کر سکے، جس میں دوسروں کی قابل نفرت تقلید اور دست نگری کا عنصر ہو نہ مفید علوم کی اہمیت سے انکار کا کوئی پہلو ہی ہو، بلکہ اس کا قوموں کی زندگی میں شرعی اور دینی حیثیت سے ایک بنیادی اثر ہو کہ آدمی اس کے ذریعے اپنے رب کی پہچان حاصل کر سکے، اپنے فرائض اور واجبات جان سکے۔ اس تعلیمی حکمت عملی میں کوئی ایسا عنصر شامل نہ ہو جو دینی علوم کی اہمیت گرائے یا انھیں بوجھ محسوس کرے، کیونکہ اس کی وجہ سے معاشرے کمزور ہو جاتے ہیں۔ ان معلومات کے ذریعے کنٹرول کرنے والے عہد اور علمی و ثقافتی روابط کے زمانے میں جو ماحول اور خاندانوں کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں اور ہر طرف عام اصلاح کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ فکری امن کے تمام نشانات مٹ جائیں گے۔

جہاں تک میڈیا کی سوچ کا تعلق ہے تو اللہ کے بندو! یہ ہم عصر معاشروں کی روح رواں اور بنیادی رکن ہے، اس کی نگاہ سے لوگ دیکھتے ہیں اور اسی کے ساتھ مغرب زدہ ہو رہے ہیں، یہیں سے مسلمانوں کے مسائل پیش کیے جاتے ہیں اور ان کی حمایت کی جاتی ہے، اور یہیں سے ان کے حقائق پر پانی پھیر دیا جاتا ہے اور انھیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ اس ابلاغ کی سوچ کے ذریعے ہی سنجیدہ اور مثالی معاشرے اور لاابالی اور منحرف معاشرے پہچانے جاتے ہیں۔

جتنا زیادہ ابلاغ کی سوچ میں اعتدال اور کمال ہوگا اتنا ہی کمال اور اعتدال میڈیا کے امن کی بنیاد میں ہوگا اور ساری قوم کی آنکھوں میں امن کی ٹھنڈک۔ اور جس قدر زیادہ اس میں بگاڑ اور خرابی ہوگی اتنی ہی امت شدید بیمار ہوگی اور ہلاکت خیزیوں کے میدان میں سرگرداں رہے گی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہم سب کو چاہیے کہ امن کی حقیقت کا وسعت نظری سے پر مطالعہ کریں، اور امن کی منزل تک پہنچانے والا مختصر ترین راستہ اپنائیں، بلکہ اگر ہم یہ کہیں تو غیر مفید نہیں ہوگا کہ تمام مسلمانوں کا یہ فریضہ بنتا ہے کہ وہ فکری امن کی اسلامائزیشن کے لیے اٹھ کھڑے ہوں، کیونکہ اسلام ہی سلامتی کا دین ہے:

﴿ وَ مَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ [آل عمران: ٨٥]

''اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں سے ہوگا۔''

اللہ کی قسم! رسول کریم ﷺ کا یہ روم کے سربراہ سے کہا گیا کتنا عظیم قول ہے:

《أدعوك بدعاية الإسلام، أسلم تسلم》[1]

''میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کر لے، سلامتی کے سائے میں آ جائے گا۔''

امن کا وسیلہ: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر:

اہل اسلام! یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ بغیر کسی مشقت تیاری، یا لشکر سازی کے تمام پہلوؤں کے اعتبار سے امنی راحت تک پہنچانے کا سب سے اہم وسیلہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے منع کرنا) کے فریضے کو ادا کرنا اور اللہ تعالیٰ، رسول اللہ، قرآن عزیز، مسلمانوں کے ائمہ اور عام افراد کے لیے نصیحت اور خیر خواہی کرنا ہے۔ یہ دین کا وہ ستون ہے جس کی وجہ سے امت مسلمہ تمام امتوں پر فضیلت رکھتی ہے، اور یہ ایسی چیز ہے جس کے ذریعے انسانوں کو شر کی راہ میں داخل کرنے والے بہت سارے سوراخ بند کیے جا سکتے ہیں۔ خیر خواہی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے جدو جہد دو چند ہوسکتی ہے، بکھری جمعیت سمٹ سکتی ہے، زنگ دور ہوسکتا ہے، ہلاکت کے اسباب سے بچا جا سکتا ہے اور بشر کی تمام تکلیفیں دور ہوسکتی ہیں۔ اگر یہ نہ ہو یا لوگوں میں اس کا احساس کمزور ہو تو منطقی طور پر انتشار اور انار کی پھیل جاتی ہے، لا ابالی پن عام ہوجاتا ہے جو پھر متضاد امن کو جنم دیتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور پکڑ سے امن اور بے خوفی۔

﴿اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ [الأعراف: ٩٩]

''پھر کیا وہ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہوگئے ہیں؟ تو اللہ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے، مگر وہی لوگ جو خسارہ اٹھانے والے ہیں۔''

امر اور نہی کے ذریعے معاشرہ نیک ہوتا ہے اور وہ فرض کفایہ بھی ادا ہوجاتا ہے جس کی وجہ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٧٣)

سے باقی معاشرے سے اس کا گناہ اور ذمے داری ساقط ہوجاتی ہے۔ وگرنہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مصداق بن سکتے ہیں:

﴿ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ﴾ [هود: ١١٧]

''اور تیرا رب ایسا نہ تھا کہ بستیوں کوظلم سے ہلاک کر دے، اس حال میں کہ اس کے رہنے والے اصلاح کرنے والے ہوں۔''

یہ نہیں کہا: ''وأھلھا صالحون'' کہ اس کے رہنے والے صالح ہوں کیونکہ صرف صالح ہونا اللہ تعالیٰ کی شدید ترین سزا سے نجات نہیں دے سکتا۔ مسلمانوں میں نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے منع کرنے والے حقیقت میں انبیائے کرام کا کام کرنے والے ہیں، جو وہ اپنی قوموں میں کیا کرتے تھے۔ جس قدر زیادہ لوگ ان کی نصیحت قبول کریں گے اسی قدر زیادہ نجات حاصل ہوگی اور حجت قائم ہوجائے گی، اور جس قدر کم لوگ نصیحت قبول کریں گے نجات کا تناسب بھی اسی قدر کم ہوجائے گا۔

﴿ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ﴾ [القصص: ٥٩]

''اور تیرا رب کبھی بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں، یہاں تک کہ ان کے مرکز میں ایک رسول بھیجے جو ان کے سامنے ہماری آیات پڑھے اور ہم کبھی بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر جبکہ اس کے رہنے والے ظالم ہوں۔''

مسلمانوں کے درمیان نصیحت کا فقدان یہودانہ علامت اور ان کی مستقل برائیوں میں سے ایک برائی ہے۔ ہفتے کے دن شکار کرنے کے لیے انھوں نے جو حیلہ سازی کی اس کے متعلق ان کے خیالات معروف ومشہور ہیں، یہاں تک کہ نافرمانوں نے شکار کا اعلان کر دیا، ان میں ایک گروہ ان کے خلاف کھڑا ہوگیا، انھوں نے کھلے عام ان کو منع کیا اور ان سے علیحدگی اختیار کر لی، جبکہ دوسرے گروہ نے انھیں منع کیا نہ خود نافرمانی کی بلکہ منع کرنے والوں سے کہا:

﴿ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨاللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ [الأعراف: ١٦٤]

''تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنھیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے، یا انھیں عذاب دینے والا ہے، بہت سخت عذاب؟ انھوں نے کہا تمھارے رب کے سامنے عذر کرنے کے لیے اور اس لیے کہ شاید وہ ڈر جائیں۔''

جب نافرمانوں نے ان کی نصیحت قبول نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانی کے سبب انھیں برے ترین عذاب سے دوچار کیا، جنھوں نے منع کیا ان کے نجات پانے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا:

﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ﴾ [الأعراف: ١٦٥]

''پھر جب وہ اس بات کو بھول گئے جس کی انھیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو برائی سے منع کرتے تھے۔''

اور جو خاموش رہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے انجام کے بارے میں سکوت فرمایا۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عکرمہ سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوا، قرآن کریم ان کی گود میں پڑا تھا اور وہ خود رو رہے تھے۔ میں نے کہا: اے ابن عباس! آپ کو کس چیز نے رلا دیا ہے؟ اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے، تو انھوں نے کہا: ان ورقوں نے، کہ وہ سورۃ اعراف کے اوراق تھے، انھوں نے کہا: ''کیا تم اس بستی کو جانتے ہو جو سمندر کے کنارے تھی؟'' میں نے کہا: وہ ''ایلہ'' ہے۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''تیسرے گروہ کا کوئی ذکر نہیں سنتا! ہمیں ڈر ہے کہیں ہم ان جیسے نہ ہوں، ہم برائیاں دیکھتے ہیں لیکن ہماری پیشانی پر انکار اور ناپسندیدگی کی وجہ سے کوئی شکن نہیں پڑتی۔''

میں نے کہا: کیا آپ سنتے نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ﴾ [الأعراف: ١٦٦]

''پھر جب وہ اس بات میں حد سے بڑھ گئے جس سے انھیں منع کیا گیا تھا۔''

تو خوشی سے ان کا چہرہ چمک اٹھا اور انھوں نے مجھے ایک سوٹ پہنایا۔

لہٰذا عام لوگوں کو عموماً اور علماءِ کرام کو خصوصاً چاہیے کہ اپنے معاشروں، خاندانوں اور مجالس میں شریعت کے مطابق نصیحت کا فریضہ ادا کریں، حکمت، اچھی نصیحت اور بہترین انداز بحث اپنائیں،

کیونکہ اللہ تعالیٰ قوت کے ساتھ اس چیز کو بھی روک دیتے ہیں جس کو قرآن کے ساتھ نہیں روکتے۔

پھر اگر کوئی حق قبول نہ کرے تو یہ وعظ و نصیحت پر اصرار کرنے سے روکنے کے لیے کوئی بہانہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم سب پر عائد کردہ فریضہ ہے۔ کوئی قبول کرے یا نہ کرے، یہی وہ چیز ہے جو بفضلہٖ تعالیٰ امت کے وجود کی حفاظت کر سکتی ہے، اور اسی کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ہاں معذرت پیش کی جا سکتی ہے اور انجام بد اور غلامی سے نکلا جا سکتا ہے۔ اللہ ہی سیدھی راہ پر چلانے والا ہے۔

ماہِ جمادی الأولیٰ
پہلا خطبہ
اسلام کا تابناک مستقبل
اور
دینِ اسلام کے محاسن
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر اُسامہ الخیاط حفظہ اللہ
27/7/2001 = 6/5/1422
دوسرا خطبہ
حبِ دنیا
کی ہلاکت خیزیاں
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل حفظہ اللہ
3/8/2001 = 13/5/1422
تیسرا خطبہ
زمین پر فساد کی مختلف شکلیں
اور
ان کا علاج
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر اُسامہ الخیاط حفظہ اللہ
10/8/2001 = 20/5/1422
چوتھا خطبہ
صحبتِ صالح
تُرا
صالح کُنَند
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل حفظہ اللہ
17/8/2001 = 27/5/1422

اسلام کا تابناک مستقبل اور دین اسلام کے محاسن

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر اُسامہ خیاط ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اللہ کے بندو! اللہ کا تقوی اختیار کرو کیونکہ تقوی ہی یومِ حسرت و ندامت کے لیے بہترین زادِ راہ اور جادۂ امید ہے کہ جس دن حسرت وندامت کوئی کام نہ آئے گی۔

اے مسلمانو! بدلے ہوئے حالات اور عقول وافہام کے اضطراب کے اس زمانے میں ہلاکت زدہ فرقوں، گمراہ نظریات اور باطل ادیان کے پیروکار سمجھتے ہیں کہ صرف وہی حق پر ہیں اور باقی لوگ کچھ بھی نہیں، اور اچھا انجام اور بہتر مستقبل صرف انھیں کے لیے ہے۔

دینِ کامل:

لیکن اہلِ عقل ودانش میں سے کوئی بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ اچھا انجام اور تابناک مستقبل تو صرف دینِ اسلام کا ہے، اور وہ اس بات کو بھی علی وجہ الیقین سمجھتے ہیں کہ غلبہ و فتح بھی بالآخر اس دینِ حق کے لیے ہے جس کی اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لیے تکمیل فرمائی اور جس کے ذریعے ان پر اپنی نعمت کا اتمام کیا اور جسے ان کے لیے بطورِ دین پسند فرمایا، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدة: ٣]

”آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دی ہے، اور اسلام کو تمھارے لیے بطورِ دین پسند کر لیا ہے۔“

برادرانِ گرامی! اس میں تعجب والی بھی کوئی بات نہیں کہ اس دین کا یہ عمدہ انجام اور ظاہر مستقبل ہو، کیونکہ اس کی خوبیاں بے شمار اور اس کے محاسن لا تعداد ہیں جن کا احاطہ کرنا بھی عقلِ انسانی کے لیے ناممکن ہے، اور جن کا استیعاب کرنا چاہیں تو الفاظ کم پڑ جائیں۔

شرفِ انسانیت کا سبب:

روشن مستقبل صرف دینِ اسلام کے لیے ہے کیونکہ یہی وہ دین ہے جس کی بدولت اللہ تعالی نے انسان کی قدر ومنزلت، مقام ومرتبہ اور عزت وشرف میں اضافہ کیا ہے کیونکہ کتابِ مقدس قرآنِ ریم میں اللہ تعالی نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے اس انسان کی تخلیق اپنے ہاتھوں سے کی اور اس میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔

اور پھر انسان کو اس شرف سے بھی نوازا کہ تمام معبودانِ باطلہ کو چھوڑ کر صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں کیونکہ اس ذاتِ اقدس، صاحبِ اسماء حسنیٰ اور صاحبِ صفاتِ علیا کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے، وہ تمام شریکوں اور مثیلوں سے بری ہے، اس نے زمین وآسمان کی تمام نعمتیں اس کے لیے مسخر کی ہوئی ہیں، اس کی نعمتیں اس قدر ہیں کہ ان کا شمار ممکن ہی نہیں اور اس کے احسانات بھلائے ہی نہیں جا سکتے۔

دینِ حنیف:

تابناک مستقبل صرف اسلام کے لیے ہے کیونکہ اس کے پیغام کو ''حنیفیت'' کا نام دیا گیا ہے جو تمام عالم کے لیے اپنے اندر بردباری اور وسعتیں رکھتا ہے، فطرتِ سلیم اور عقلِ قویم کے عین مطابق ہے، وہ شریعت جس میں اللہ تعالیٰ نے ہر اس چیز کو حلال کر دیا ہے جو اس کے بندوں کے لیے دین و دنیا ہر دو میں نفع بخش اور پاکیزہ ہے، اور ہر اس چیز کو حرام قرار دے رکھا ہے جو ان کے لیے دین ودنیا ہر دو میں نقصان دہ اور خبیث ہے۔ اس دینِ اسلام اور شریعتِ اسلامیہ کی تعلیمات ایسی ہیں کہ پہلی امتوں پر جو سختیاں، بوجھ، طوق اور بیڑیاں تھیں وہ اس امت کی تعلیمات میں نہیں بلکہ انھیں نہایت آسان دین دیا گیا ہے، وہ تمام قولی فعلی پابندیاں اور سختیاں ان سے اٹھا دی گئی ہیں جو ان پر بوجھ ہو سکتی تھیں اور پہلی امتوں پر جو شدید قسم کے احکام واجب الاتباع تھے وہ اس امت کے لیے نہیں ہیں جیسا کہ انہیں حکم تھا کہ توبہ کی قبولیت کے لیے وہ اپنے آپ کو قتل کریں، جسم کا جو عضو کسی گناہ کی غلاظت سے ملوّث ہو جائے اسے کاٹ پھینکیں، اگر کپڑوں کو کوئی نجاست اور گندگی لگ جائے تو کپڑے کے اتنے حصے کو کاٹ کر پھینک دیں، قتل کی شکل میں صرف قصاص (خون کا

بدلہ خون) طے شدہ حکم تھا، دیت یا خون بہا وغیرہ دے کر چھوٹنے کی کوئی رعایت نہیں تھی، بلکہ یہ ان کے لیے حرام تھی، ان پر مالِ غنیمت کا کھانا بھی حرام تھا اور اس طرح کے دیگر کئی شدید قسم کے احکام تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و کرم نوازی اور فضل و احسان سے اس امت سے اٹھا دیے ہیں، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [الأعراف: ١٥٧]

”(مستحقِ رحمت وہ لوگ ہیں) جو ایسے رسول نبی امی ﷺ کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انھیں نیک کاموں کا حکم فرماتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور خبیث و گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں، سو جو لوگ اس نبی ﷺ پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے اور اس نور کا اتباع بھی کرتے ہیں جو انکے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح ونجات پانے والے ہیں۔“

دینِ اجتماع واتحاد:

اعلیٰ مستقبل کی ضمانت صرف دینِ اسلام کے لیے ہے کیونکہ یہی وہ دین ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اجتماعی و معاشرتی نظام کی بنیادیں کچھ اس انداز سے قائم کی ہیں کہ اس کی تمام کڑیاں ایک دوسرے سے باہم یوں ملی ہوئی ہیں اور ایک دوسرے کے لیے تقویت کا باعث ہیں جس طرح کہ کسی عمارت کی اینٹیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر تقویت پاتی ہیں، غرض اسلامی معاشرہ وہ عظیم معاشرہ ہے جس کی تصویر کشی نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک ارشادِ گرامی میں کی ہے جو صحیح بخاری و مسلم

میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مثل المؤمنين في توادهم، و تراحمهم كمثل الجسد الواحد، إذا اشتكىٰ منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر و الحمى» [1]

''باہم پیار و محبت اور رحم دلی میں مومنوں کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک انسان کا جسم ہے کہ اگر اس کے کسی ایک عضو میں کوئی تکلیف ہو تو سارا جسم ہی بخار اور رت جگے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح بخاری و مسلم میں ایک ارشاد مروی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

«المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا» [2]

''ایک مومن دوسرے مومن بھائی کے لیے ایک عمارت میں لگے پتھروں یا اینٹوں کی طرح ہوتا ہے اور انھی کی طرح ایک دوسرے سے تقویت پکڑتا ہے۔''

دینِ عدل و انصاف:

بہتر مستقبل صرف دینِ اسلام کا مقدر ہے، کیونکہ یہ اسلام ہی وہ دین ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے عدل و انصاف کے قواعد و ضوابط مہیا کئے ہیں، اور ان قواعد و ضوابط کے سامنے یہ بھی کوئی فرق نہیں کہ یہ لوگ مسلمان ہیں یا کافر، عرب ہیں یا عجم، کالے ہیں یا گورے، مرد ہیں یا عورتیں، چھوٹے ہیں یا بڑے۔ ہر کسی کے حقوق کی یکساں حفاظت کی گئی ہے، اور نظامِ حقوق و معاملات کے ذریعے ہر کسی کو یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ حقوق کے ساتھ ساتھ اس کے واجبات کیا ہیں؟

حقوقِ انسانی کے نام سے آج جو چارٹر ان لوگوں نے بنائے ہیں جن کی تعریفوں میں وہ زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں اور ان کا بڑا پرچار کرتے ہیں وہ اسلامی حقوق کے چارٹر کی خاک کے برابر بھی نہیں ہیں، وہ چارٹر جو ذاتی خواہشات سے بہت بالا ہیں اور سخت ہلاکت خیز تعصبات، قومیت پرستی اور سرکش خود غرضی جیسے عناصر سے پاک ہیں جو موجودہ خود ساختہ انسانی حقوق کے چارٹر کا خاصہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٦٦٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٨٦)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٦٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٨٥)

ہیں، اور یہ خود ساختہ چارٹر انتہائی محدود پیمانے کا ہے جبکہ اسلامی چارٹر زمان ومکان کی حدود اور پابندیوں سے آزاد ہر وقت اور علاقہ کے لیے جاودانی چارٹر ہے۔

جان ومال اور آبرو کا محافظ دین:

عمدہ مستقبل صرف دینِ اسلام کے ساتھ خاص ہے کیونکہ اسلام ہی وہ دین ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم وجان کو بےقصور ومعصوم ہونے کی شکل میں تحفظ دیا ہے، اور اسی کے ذریعے مال ودولت، عزت وآبرو اور عقل و دانش کی بھی حفاظت کی ہے، کیونکہ اسلام نے اللہ کی حرام کردہ جان کو ناحق قتل کرنے کو حرام قرار دیا ہے، اس نے کسی کی آبرو ریزی، بے عزتی کرنے، کسی بستر کو زنا جیسے فعلِ حرام کے ساتھ ملوّث اور گندہ کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

اسی طرح ہر وہ چیز حرام کر دی ہے جو عقل کی صحت وسلامتی کے منافی ہے، جیسے شراب اور دیگر منشیات ہیں۔ اسی طرح ہر طرح کے تمام باطل طریقوں کے ساتھ لوگوں کے اموال کھانے کو بھی حرام کر دیا ہے تاکہ معاشرے کی عمارت قائم رہے اور لالچ کے تھپیڑوں سے مسمار نہ ہونے پائے۔ یہ نفرت آمیز اور گناہ بردوش افعال جو باطل طریقوں سے پیٹ بھرنے اور مال جمع کرنے کے مختلف ہتھکنڈے ہیں ان کا ہر رنگ ہی ہوش اڑانے اور عقل کی چولیں ہلا دینے والا، اور ہر شکل ہی دلوں کو زنگ آلود کر کے انھیں فاسد ومردہ کر دینے والی ہوتی ہے۔

چہ عجب؟

جب دینِ اسلام ہی دیگر بے شمار ایسے محاسن ومحامد اور اوصافِ عالیہ والا دین ہے تو پھر اس میں تعجب والی کوئی بات نہیں ہے کہ تابناک مستقبل، روشن مقام اور خوبصورت انجام اسی کے لیے ہو۔ باطل اور اہلِ باطل جو بھی چاہیں کر لیں، کفر و باطل کے جتنے بھی جھکڑ چلیں اس دین کی چولیں نہیں ہلا سکتے، اس کی عمارت کو گرانا تو دور کی بات ہے اس کے کسی ستون کو گرانا بھی ان کے بس میں نہیں ہے، وہ چاہے جتنا بھی گرجیں اور چمکیں یہ عمارت وقصرِ اسلام قائم و دائم رہے گا، وہ جتنی بھی افرادی قوت، مال و دولت اور گھوڑے یا جہاز جمع کر لیں، اسلام ہمیشہ سر بلند رہے گا، اس کے پرچم کو وہ کبھی بھی سرنگوں نہیں کر سکتے۔

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا:

آج کفار و یہود نے زمین پر ناحق فساد برپا کر رکھا ہے، قتل و غارت کرنے، عمارتِ اسلام کو گرا دینے، تخریب کاری کرنے، معصوموں کو گھروں سے نکال نکال کر ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے، یہ ارضِ مقدس ارضِ فلسطین میں چاہے کتنا بھی طوفانِ بدتمیزی برپا کیے رکھیں انجام کار سرخروئی اور حسنِ عاقبت پھر بھی اسلام اور اہلِ اسلام ہی کا حق ہے۔ ان شاء اللہ

غلبہ و فتح، نصرت وظفر اور کامیابی اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے، اور پھر صادق و صابر اور ثابت قدم ان مومنوں کے لیے ہے جو جانتے ہیں اور اس بات کا پختہ یقین رکھتے ہیں کہ صبر کا نتیجہ فتح ونصرت اور تنگی کے بعد کشائش و کشادگی اور مشکل کے بعد آسانی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ [التوبة: ٣٢، ٣٣]

''یہ (کافر) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ انکاری ہے مگر اسی بات کا کہ اپنا نور پورا کرے، گو کافر ناخوش ہوں، اس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے وہ دیگر تمام مذاہب پر غالب کردے، اگرچہ مشرک برا مانیں۔''

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

حقیقی امتِ مسلمہ:

اللہ کے بندو! امتِ اسلامیہ اگر فتح و نصرت، غلبہ وعزت، اور زمین پر اقتدار وحکومت حاصل کرنا چاہتی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود پہلے حقیقی معنوں میں ''امتِ مسلمہ'' بنے، اللہ تعالیٰ کی توحید کو پورے خلوص واخلاص کے ساتھ اپنائے جو حقوق اللہ میں سے ایک

اہم ترین حق ہے، اور ہر قسم کے شرک کی اپنے عملی کردار سے نفی کرے، اور وہ یوں کہ ہر قسم کی عبادت صرف اللہ کے لیے ادا کرے، اس کی شریعت کو اس کی زمین پر نافذ کرے اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اللہ کے فیصلوں کی پابندی کرے، اس پر اپنی رضامندی کا واضح اظہار کرے، اور دلوں میں کسی بھی قسم کی تنگی اور شک وشبہ رکھے بغیر اللہ کے فیصلوں کے سامنے سرِتسلیم خم کرے۔ اگر ایسا ہو گیا تو ساری مخلوق سعادت اور خوش بختی سے بہرہ ور ہو گی، کیونکہ روئے زمین کی قیادت و سیادت اور حکومت اللہ علیم و خبیر و حکیم کے اس دینِ اسلام کی ہو گی جو خود تمام سعادتوں کی ضمانت ہے۔

حبِّ دنیا کی ہلاکت خیزیاں

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد بن عبداللہ السبیل ﷾

خطبہ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اے مسلمانو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے، اور زادِ راہ لے کر نکلو اور بہترین زادِ راہ تقویٰ ہی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ اتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ﴾ [البقرۃ: ۲۸۱]

”ڈرو اس دن سے جس دن تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر کسی نے جو کچھ کیا ہوگا اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں ہوگا۔“

منہاج الصالحین:

انسان کی حقیقی سعادت وخوشی اور اس کے توفیق یافتہ ہونے کے دلائل میں سے اہم ترین بات یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا، اپنی ساری زندگی کے ہر قسم کے حالات میں شریعتِ الٰہیہ اور دین پر استقامت رکھنے والا ہو، خلوصِ دل سے اللہ کی طرف متوجہ رہنے والا ہو، اور صرف ایک اللہ کی بندگی پر کار بند ہو۔ مزید برآں دارِ آخرت کے لیے زادِ راہ جمع کرنے اور دائمی وآخری زندگی کے لیے تیاری سے اسے دنیا کی عارضی زیب وزینت کا حصول روکنے نہ پائے، یہی صالحین کا راستہ اور متقین کا منہج وطریقہ ہے جنکی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مقدس میں ان الفاظ میں تعریف فرمائی ہے:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ﴾ [النور: ۳۷]

”ایسے لوگ جن کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی، اُس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔“

یہ صالحین خرید وفروخت اور اپنی دنیوی مصروفیات کے باوجود اللہ کی عظمت وکبریائی کو دل

سے دور نہیں ہونے دیتے اور عظمتِ الٰہی کا استحضار انھیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور ہمیشہ اس کی خشیت وخوف دل میں رکھنے اور حقیقی معنوں میں اس کی بندگی کرنے پر آمادہ کیے رکھتا ہے۔

دنیا کی حقیقت:

ایک مومن کی حقیقی شان یہی ہے کہ وہ عمر کے شب و روز اور زندگی کے اوقات بڑے بڑے اعمالِ صالحہ میں صرف کرتا ہے اور دارِ آخرت کی فوز وفلاح کی تلاش میں لگا رہتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ دنیوی زندگی تو دراصل اخروی زندگی کی فوز وفلاح کے لیے ایک وسیلہ وذریعہ ہے جس کے بل بوتے پر دائمی سعادت وخوشی حاصل کی جا سکتی ہے، ورنہ یہ دنیا نہ اصل غرض و غایت ہے اور نہ یہ منتہائے نظر و امید گاہ ہے، بلکہ یہ دنیا ڈھلتی ہوئی چھاؤں اور آنی جانی چیز ہے جس سے نیک بھی کھا رہے ہیں اور بدکار بھی عیش اڑا رہے ہیں، کسی کی عمر کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو جائے اور کسی کی رسی کتنی ہی ڈھیلی کیوں نہ چھوڑ دی گئی ہو اللہ جب چاہے گا اچانک دبوچ لے گا اور دارِ فنا کو مقدر بنا دے گا۔ اس دنیوی زندگی کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں اور نہ اس کا کوئی اعتبار ہی ہے بلکہ یہ جنت تک پہنچنے یا جہنم رسید ہونے کے راستے کا ایک پل ہے اور بس۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی بے ثباتی اور لہو ولعب ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ [الحدید: ٢٠]

''خوب جان لو کہ دنیا کی زندگی صرف ایک کھیل تماشا، زیب وزینت، اور آپس میں فخر و غرور، اور مال واولاد میں ایک دوسرے سے بڑھاوا ہے، اس بارش کی مانند کہ جس کی پیداوار کسانوں کو بہت بھلی لگتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو تم اسے زرد رنگ میں دیکھتے ہو پھر وہ بالکل بھوسہ بن جاتی ہے، اور آخرت میں سخت عذاب اور اللہ کی مغفرت و رضامندی ہے، اور دنیا کی زندگی بجز دھوکے کے سامان کے اور کچھ بھی تو نہیں۔''

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«إن الدنيا حلوة خضرة، وإن الله مستخلفكم فيها، فينظر كيف تعملون، فاتقوا الدنيا، واتقوا النساء»[1]

''یہ دنیا بڑی شیریں اور سرسبز وشاداب ہے، اور اللہ تمھیں اس دنیا میں رہنے کا موقع دے رہا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ لہٰذا دنیا اور عورت کی فتنہ انگیزیوں سے ڈر سنبھل کر رہنا۔''

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ہے:

«لو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح بعوضة ما سقى كافرا منها شربة ماء»[2]

''اگر اللہ کے نزدیک اس دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا۔''

جبکہ امام احمد اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک مردار بکری کے پاس سے ہوا جسے اسکے مالکوں نے باہر پھینکا ہوا تھا، اسے دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«والذي نفسي بيده للدنيا أهون على الله من هذه على أهلها»[3]

''مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ دنیا اللہ کے نزدیک اتنی وقعت بھی نہیں رکھتی جتنی کہ اب اس بکری کی اس کے مالکوں کے نزدیک حیثیت ہے۔''

ان آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ میں اس دنیوی زندگی کی نہایت بلیغ اور واضح انداز میں تصویر کشی کی گئی ہے، اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اس کے معاملے میں بندے کا کیا کردار ہونا چاہیے؟ اللہ کی طرف رجوع و انابت کے سلسلہ میں کیسی دلچسپی ہونی چاہیے؟ اپنے نفس پر کنٹرول کر کے اسے نیکی و تقوی کے اعمال پر لگانا چاہیے، نفسانی خواہشات وشہوات سے کلی طور

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٤٢)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٣٢٠) اس حدیث کو امام ترمذی، حاکم، ضیاء مقدسی اور البانی رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے۔

[3] مسند أحمد (١/ ٣٢٩) اس حدیث کو امام منذری رحمہ اللہ نے حسن اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

پر اجتناب کرنا چاہیے اور دنیا کی رنگینیوں اور اس کی چمک دمک سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے بلکہ اس سے پوری طرح ہوشیار رہنا چاہیے۔

حبِ دنیا:

لیکن انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ہم میں بڑی تعداد میں ایسے لوگ ہیں جنھوں نے دنیا کے ساتھ لمبی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں، وہ غفلت و کور چشمی میں مبتلا ہیں اور ان کے دل بد عملی کے نتیجہ میں زنگ آلود ہو چکے ہیں۔ ان کی یہ حالت ہو چکی ہے کہ ان کے نزدیک دنیوی زندگی کے سوا کسی دوسری زندگی کا کوئی تصور ہی نہیں رہا، جب کسی کے دل پر اس دنیا کی محبت مسلط ہو جائے تو وہ اسے ذکرِ الٰہی بھلا دیتی ہے، اور جب کوئی بندہ اللہ کے ذکر کو بھول جائے تو پھر اللہ اسے بھلا دیتا ہے، اور اسے اپنے غیض وغضب اور ہلاکت کا شکار بنا دیتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اس امر کی قباحت اور دین کے لیے اس خطرے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

«ما ذئبان جائعان أرسلا في غنم بأفسد لها من حرص المرء على المال والشرف لدينه»[1]

''اگر دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے جائیں تو وہ اتنی تباہی و بگاڑ پیدا نہیں کر پاتے جتنی مال اور برتری کی حرص انسان کی دینداری میں فساد برپا کرتی ہے۔''

بعض سلف صالحین کا قول ہے:

''دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔''

اور بعض ائمہ نے کہا ہے:

''جس نے درہم و دینار سے محبت کی وہ ذلت و رسوائی کے لیے تیار رہے!''

حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ نے جب اپنے زمانے کے بعض لوگوں کو دنیا پر جھپٹتے اور آخرت سے غفلت برتتے دیکھا تو فرمایا:

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٣٧٦) مسند أحمد (٣/ ٤٥٦) اس حدیث کو امام ابن حبان اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

''کیا یہ لوگ یومِ حساب پر ایمان رکھنے والے ہیں؟ ہرگز نہیں، روزِ جزا کے مالک کی قسم یہ تو اس کو جھٹلا رہے ہیں۔''

حبِ دنیا کی علامات:

حبِ دنیا کے دلوں پر غالب آ جانے اور نفسوں پر قابض ہو جانے کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ لوگ عارضی جاہ وجلال، کھلی شہرت اور جھوٹی عزت کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتے ہیں چاہے اس کے لیے انھیں اپنے دین کا سودا ہی کیوں نہ کرنا پڑے اور اصل عزت و شرافت سے ہاتھ ہی کیوں نہ دھونے پڑیں، اور کچھ دوسرے وہ ہیں جنھیں مال جمع کرنے اور بنک بیلنس بڑھانے کا شوق ہو جاتا ہے اور اس کے لیے وہ ہر مشتبہ اور حرام طریقہ اختیار کرنے پر تیار رہتے ہیں۔

حبِ دنیا کے نتائج:

اسلامی معاشرے کے کتنے ہی افراد ہیں جن پر حبّ دنیا غالب آ گئی اور انھوں نے حرص و ہویٰ اور برائی و فحاشی کا حکم دینے والے نفسِ امّارہ کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیا، شراب پینے لگے، منشیات کا استعمال کرنے لگے اور فحاشی ومنکرات کے ارتکاب میں لگ گئے۔ ان کی ان کرتوتوں کو آج کے ذرائع ابلاغ، ٹی وی، وی سی آر، سیٹلائٹ چینلز اور انٹرنیٹ وغیرہ نے سہارا دیا جن کا کام ہی باطل کو بنا سنوار کر حق کی شکل میں پیش کرنا اور لوگوں کو فتنہ وفساد پر اکسانا ہے، اور یہ ذرائع لوگوں کو اخلاقی اقدار اور عزت و شرف نامی قیمتی چیزوں کے خلاف بھڑکانے پر لگے ہوئے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی کثیر تعداد اور خصوصاً نوجوان نسل کا ایک بڑا طبقہ اعداءِ دین اور دشمنانِ اسلام کی عادات، اخلاق باختگی اور بدکرداری کو اپنا چکا ہے حتی کہ ان میں سے اکثر پر اللہ جل وعلا کا یہ ارشاد صادق آتا ہے:

﴿ فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴾ [مریم: ۵۹]

''پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ انھوں نے نماز ضائع کر دی اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے پس وہ عنقریب غیّ (جہنم کی ایک وادی) میں ڈالے جائیں گے۔''

حبِ دنیا کی ہلاکت خیزیاں:

انھیں اس ہلاکت و بربادی میں ڈالنے والی چیز حبِ دنیا کی طغیانی کے سوا اور کوئی نہیں ہے، یہاں تک کہ انھوں نے آخرت پر بھی دنیا ہی کو ترجیح دی، اور یہ چیز ایسی بیماری ہے جس کے نتیجے میں عہدِ حاضر میں امتِ اسلامیہ ضعف و کمزوری، ذلت و رسوائی، اختلاف وانتشار اور تنازعات و جھگڑوں میں مبتلا ہوگئی ہے، اور حد تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے کتنے معاملے ایسے ہیں کہ ان میں فیصلہ صادر کرنے والے دشمنانِ دین کفار ہیں، وہ اِن کی دولت خوب سمیٹ رہے ہیں، بعض ملکوں پر تو گویا قبضہ جمائے بیٹھے ہیں، بعض مسلمان ملکوں کے عوام کو طرح طرح کے عذاب دے رہے ہیں اور بے قصور نہتے لوگوں کو چکی کے دو پاٹوں میں پیس رہے ہیں۔

یہ سب کچھ جو مبارک سرزمینِ فلسطین میں کمزور و بے آسرا عوام کے ساتھ یہودی کر رہے ہیں اس کی داستانِ ظلم و جور کچھ یوں ہے کہ وہ بے قصور جانوں کا ناحق خون کر رہے ہیں، لوگوں کا مال چھین رہے ہیں، انھیں اپنے گھروں سے بے گھر کر رہے ہیں، عفت مآب مسلمان بہو بیٹیوں کی عزت لوٹی جا رہی ہے، انھیں بے آبرو کیا جا رہا ہے، یہ مٹھی بھر مگر مفسد طینت یہودی مسلمانوں کے مقدس مقامات خصوصاً مسلمانوں کے قبلۂ اُول اور تیسری مسجد مبارک مسجدِ اقصیٰ کی بے حرمتی کر رہے ہیں تو یہ سب دراصل ہمارے اپنے ہی لوگوں کا کیا دھرا اور انھی کے اعمال کی شامت ہے۔ یہ دنیا کے پیچھے لگ دوڑے، اِنھوں نے آخرت کو فراموش کر دیا، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری سے سرتابی کی تو ان کے اعمالِ بد کی شامت و انجام کے طور پر اللہ نے ان حاسد وحاقد یہودیوں اور انھیں جیسے دوسرے ظالم دشمنانِ دین کفار کو ان پر مسلّط کر دیا جنھوں نے مسلمانوں کو ذلیل کرنا شروع کر رکھا ہے اور ان کی عزت و آبرو سے کھیل رہے ہیں۔

موجودہ صورتِ حال پر نبی اکرم ﷺ کا وہ ارشاد پوری طرح صادق آتا ہے جس میں آپ ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ جب میری امت کے افراد دنیا جمع کرنے کی دوڑ میں لگ جائیں گے اور اس دنیا میں اپنا دل لگا لیں گے، دین کے ساتھ ان کا تعلق و رابطہ نہایت کمزور پڑ جائے گا اور یہ جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر بیٹھیں گے تو ان کا یہی حال ہوگا جو آج ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

((إذا تبايعتم بالعينة، وأخذتم أذناب البقر، ورضيتم بالزرع، وتركتم

الجهاد، سلط الله عليكم ذلا لا ينزعه عنكم حتى ترجعوا إلى دينكم» [1]

”جب تم خرید وفروخت کے ممنوع انداز (بیع عینہ) کو اختیار کرلو گے، بیل گائے کی دُم پکڑلو گے، زراعت و باغبانی (دنیا) میں دل لگا لو گے اور جہاد ترک کر بیٹھو گے تو اللہ تم پر ایسی ذلت و رسوائی مسلّط کر دے گا کہ جسے اس وقت تک زائل نہیں کرے گا جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ نہیں آ ؤ گے۔“

جبکہ امام احمد اور ابو داود نے روایت بیان کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« يوشك أن تداعى عليكم الأمم من كل أفق كما تداعى الأكلة على قصتعها، قال: قلنا: يا رسول الله، أمن قلة بنا يومئذ؟ قال: أنتم يومئذ كثير، ولكن تكونون غثاء كغثاء السيل، تنتزع المهابة من قلوب عدوكم، ويجعل في قلوبكم الوهن، قال: قلنا: وما الوهن؟ قال: حب الدنيا وكراهية الموت» [2]

”قریب ہے کہ چہار دانگ عالم سے مختلف قومیں تم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں جس طرح بھوکے لوگ کھانے کے برتن پر جھپٹ پڑتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں: ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا اس وقت مسلمان تھوڑے ہوں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی لیکن ان کی حیثیت اس جھاگ کی سی ہوگی جو سیلاب کے پانی پر ہوتی ہے، دشمنوں کے دلوں سے ان کی ہیبت ختم ہو چکی ہوگی اور ان کے دل کمزوری میں مبتلا ہو چکے ہوں گے۔ ہم نے عرض کیا: کمزوری سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے نفرت وخوف!“

اللہ کے بندو! غفلت پر ضد اور اللہ سے اعراض وبے رخی پر اصرار نہ کرو، اور نہ آخرت کی نعمتوں کے بدلے میں دنیا کی عیش وعشرت کو ترجیح دو، اللہ تعالیٰ نے غافلوں کو سخت تنبیہ کی ہے

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٤٦٢) اس حدیث کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے مجموع طرق کی بنا پر صحیح کہا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: السلسلة الصحيحة، رقم الحديث (١١)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٢٩٧) مسند أحمد (٥/ ٢٧٨)

اور ان متقین کو سراہا ہے جو نفسانی خواہشات کی تسکین کے بجائے روزِ آخرت کے لیے عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالی نے ان فریقین میں سے ہر ایک کی مثال اور ان کی سزا و جزا کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ فَأَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ [النازعات: ٣٧ تا ٤١]

''تو جس (شخص) نے سرکشی کی (ہوگی)، اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی (ہوگی) اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے، اور ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے (جوابدہی کے لیے) کھڑے ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو (بُری) خواہشات سے روک لیا تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔''

اللہ والو! اللہ کا تقوی اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ [الفاطر: ٥]

''تمھیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے، اور نہ دھوکے باز (شیطان) تمھیں دھوکے میں ڈالے۔''

مزید فرمایا:

﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ [الفاطر: ٦]

''یاد رکھو! شیطان تمھارا دشمن ہے تم اسے دشمن ہی سمجھو، وہ تو اپنے گروہ کو صرف اسی لیے بلاتا ہے کہ وہ سب جہنم واصل ہو جائیں۔''

اللہ کے بندو! اللہ تعالی سے اتنا ڈرو کہ جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور تمھیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جن پر غفلت غالب آ چکی ہے، شیطان اپنا تسلّط جما چکا ہے اور انھیں اللہ کے ذکر اور دارِ آخرت سے غافل کر دیا ہے، باطل خواہشات نے انھیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ جھوٹی امیدوں کا فسوں ان کے سر پر چڑھ کر بول رہا ہے، اور

ان کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ انھیں دنیوی عیش ولذت اور شہوانی جذبات کی تسکین کے سوا اور کوئی فکر ہی نہیں رہ گئی، یہ جیسے بھی حاصل ہو اور جہاں سے بھی حاصل ہو اس کی انھیں کوئی پرواہ نہیں ہے، اگر ان کے سامنے دنیوی مال ومنال آ جائے تو وہ اس پر اللہ کی رضا وخوشنودی اور اجر وثواب کو ترجیح نہیں دیتے، جن کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ [الروم: ۷]

''وہ تو (صرف) دنیوی زندگی کے ظاہر ہی کو جانتے ہیں اور آخرت سے تو بالکل بے خبر ہیں۔''

لمحۂ فکریہ اور مقامِ عبرت:

اللہ کے بندو! کیا تم قرآنی آیات میں مذکور آسمان سے برسنے والے تازیانوں سے عبرت حاصل نہیں کرتے ہو کہ پہلی امتوں کے ساتھ کیا کیا حالات پیش آئے؟ ان کے بارے میں بھی کبھی سوچا ہے؟ ہماری عبرت کے لیے یہی کیا کم ہے کہ ہم روزانہ اپنے ہاتھوں سے لوگوں کو آخرت کی منزل کی طرف روانہ کرتے ہیں، ان کی سواریاں ہم خود ان کی آخری منزل تک پہنچا کر آتے ہیں، جن میں کبھی کوئی اکیلا سفر پر نکلتا ہے، اور کبھی جماعتوں کی جماعتیں اور گروہوں کے گروہ رختِ سفر باندھ لیتے ہیں، کبھی باپ ہوتے ہیں تو کبھی مائیں، کبھی بیٹے جاتے ہیں اور کبھی بیٹیاں رخصت ہوتی ہیں، کسی دن کوئی شاہ جا رہا ہوتا ہے تو کبھی کسی گدا کی باری آ جاتی ہے، کوئی غنی ہوتا ہے اور کوئی فقیر، مومن آخرت کی طرف روانہ ہوتے ہیں اور کافر بھی لوٹائے جاتے ہیں، نیکوکار رختِ سفر باندھتے ہیں اور بدکار بھی آگے دھکیلے جاتے ہیں، وہ قبروں کے حوالے کر دیے جاتے ہیں، اور پھر وہ اسرافیل کے صور پھونکنے کے انتظار میں پڑے رہتے ہیں اور پھر روزِ آخرت میں انھیں زندہ کیا جائے گا اور قبروں سے نکالا جائے گا، وہ ڈرے سہمے نگاہیں جھکائے انتہائی ذلت ناک حالت میں میدانِ محشر میں اس دن کے لیے جمع ہو جائیں گے جس دن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔

اللہ کے بندو! اللہ کا تقوی اختیار کرو اور وہ گھڑی اپنے ذہن میں رکھو جب اس دنیائے فانی سے رخصت ہو کر حیاتِ جاودانی کی طرف سفر اختیار کرنا ہے اور پھر وہاں یا تو جنت نشین ہوں گے یا

جہنم رسید، اس دن کے لیے پوری تیاری رکھو اور زادِ راہ جمع کر کے رکھو۔ اس دن جو شخص جہنم سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔

﴿ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ [آل عمران: ۱۸۵]

''اور یہ دنیا کی زندگی تو سوائے دھوکے کے سامان کے کچھ بھی نہیں۔''

زمین پر فساد کی مختلف شکلیں اور ان کا علاج

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر أسامہ خیاط ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اللہ کے بندو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اسے ہر وقت ہر کام پر نظر رکھنے والا سمجھو:

﴿ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا﴾ [لقمان: ٣٣]

''اور اس دن سے ڈرتے رہو جس دن باپ بیٹے کو کوئی فائدہ پہنچا سکے گا نہ بیٹا باپ کو۔''

اور یہ بات ذہن نشین کر لو:

﴿ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ [الفاطر: ٥]

''اللہ کا وعدہ برحق ہے تمھیں دنیا کی یہ زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ دھوکے باز (شیطان) تمھیں غفلت میں ڈالے۔''

اِصلاحِ الٰہی:

اس زمین کی اللہ تعالی نے اپنے خاص فضل وکرم اور اپنی عظیم نعمت ورحمت سے مکمل اصلاح فرمائی ہے، کیونکہ وہ اپنے بندوں کی رشد وہدایت کا ارادہ رکھتا تھا اور اس فرض کیلئے اللہ تعالی نے اپنے رسولوں اور پیغمبروں کو مبعوث فرمایا، آسمان سے وہ کتابیں نازل فرمائیں جن میں روشن نشانیاں اور واضح ہدایت پائی جاتی ہے۔ اس نظامِ اصلاح کے ذریعے اس نے ان کی دنیا وآخرت کی سعادت وخوشی کی ذمہ داری اٹھائی ہے، اور ایسا وعدہ کر رکھا ہے کہ جس کی خلاف ورزی اور تبدیلی کا کوئی امکان ہی نہیں ہے، اس طرح یہ زمین کامل ونافع اور انتہائی درجے کی اصلاح پا گئی، بلکہ درحقیقت اس کامل اصلاح کے سوا اس پر مزید کسی اصلاح ودرستی کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہا، کیونکہ دینِ اسلام کے عقائد میں سے ہر عقیدے میں اور شرائع میں سے ہر شرعی حکم میں اصلاح کا پہلو موجود ہے۔

فساد فی الأرض:

اب اس اصلاح الٰہی کے بعد اگر کوئی شخص اس زمین میں فساد و بگاڑ پیدا کرتا ہے تو پھر یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے کہ اس کا یہ فعل فساد فی الأرض ایک انتہائی بدترین فعل شمار ہو کیونکہ ایسے شخص نے اپنے اس فعلِ منکر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے کھلی دشمنی شروع کر دی ہے اور ان دونوں کے خلاف گویا جنگ چھیڑ دی ہے۔ اس کا یہ فعل اس لیے بھی بدترین فساد شمار ہو گا کہ اس نے واضح وصریح منافع اور ثابت شدہ مصالح کی خلاف ورزی کی ہے اور ان مضبوط قواعد وضوابط اور بنیادوں کو ہلانے کی کوشش کی ہے جن پر اس امت کے عقائد و احکام کی بنیاد رکھی گئی ہے، اور انھیں پر اس امت کا انتہائی قوی اور زبردست اخلاقی نظام قائم کیا گیا ہے۔ پھر جو شخص اس فساد فی الأرض کے گناہ کا ارتکاب کر کے اس کا آغاز کرتا ہے وہ ایک انتہائی بدترین رسم وفعل کا موجد بنتا ہے جس پر دوسرے لوگ بھی اس کی پیروی کریں گے، یہ انتہائی برا فعل، بدترین رسم اور غلط راستہ ہے۔

۱۔ فساد فی الأرض کی بدترین شکل: شرک

زمین میں فساد پیدا کرنے کی کئی شکلیں اور بہت سارے انداز ہیں جن کا شمار کرنا آسان نہیں، اس کی سب سے بدترین شکل اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے کہ اس کا حق کسی غیر اللہ کو دے دیا جائے جو ظلم عظیم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو کی جانے والی نصیحتوں کے ضمن میں ذکر فرمایا ہے:

﴿يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ [لقمان: ۱۳]

''اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت بناؤ، بیشک یہ شرک ظلم عظیم ہے۔''

اور یہ شرک ایسا ظلم عظیم ہے کہ پہلے انسان اپنے ہی نفس پر یہ شدید ظلم کرتا ہے اور اسے دھوکہ دیتا ہے جبکہ وہ اس خالق و مالک کے ساتھ جو ہر چیز پر قادر، رزق دینے والا ہے، اس کارخانۂ عالم کو چلانے والا ہے، زندہ کرنے اور مارنے والا ہے، اپنی ربوبیت و الوہیت اور اسماء وصفات میں یکتا و لاشریک ہے اس خالق و مالک کے ساتھ اس مخلوق کو برابر قرار دے دیتا ہے جو عاجز و فانی ہے۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے کی مثال تو اس شخص جیسی ہے جو اوجِ ثریا کی رفعتوں اور بلندیوں سے گرا

اور تحت الثریٰ کی اتھاہ گہرائیوں اور انتہائی گہرے کھڈوں میں جا پڑا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ حُنَفَاۤءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاۤءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ﴾ [الحج: ۳۱]

"اور جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے وہ ایسے ہے گویا وہ آسمان سے گر پڑا، اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا اسے کسی دور دراز مقام پر لے جا پھینکے گی۔"

اس زمین پر اس سے بڑا فساد اور کیا ہو گا کہ کوئی اللہ کے سوا کسی اور کو پکارے جو نہ اپنے نفع ونقصان کا مالک ہے نہ موت وحیات ہی اسکے اختیار میں ہے، اور نہ وہ مر کر جی اٹھنے پر قادر ہے۔

۲۔ فساد فی الأرض کی دوسری شکل: کبیرہ گناہ

زمین میں فساد و بگاڑ پیدا کرنے کی مختلف شکلوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان گناہوں کے گڑھے میں گر جائے اور کبائر کی نجاستوں سے اپنے دامن کو ملوّث ولت پت کر لے۔ ان سیاہ کاریوں اور گناہوں میں سے بھی انتہائی ہلاکت خیز اور تباہ کن وہ کبیرہ گناہ ہیں جن کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ نے سخت سزاؤں اور درد ناک عذاب کی وعیدیں سنائی ہیں، اور جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی طرف سے روشن وضاحتیں صحیح احادیث میں موجود ہیں، مثلاً جادو ٹونے کرنا، کسی کو ناحق قتل کر دینا، سود خوری، یتیم کا مال کھا جانا، میدانِ جہاد سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا، بھولی بھالی پاکدامن و پاک باز مومن عورتوں پر تہمت لگانا اور بہتان باندھنا، والدین کی نافرمانی کرنا، جھوٹی گواہی دینا، زنا کاری، شراب نوشی، منشیات کا استعمال، چوری، قطع رحمی، اور راہ زنی وغیرہ ایسے مہلک گناہ جن کے ارتکاب سے انسان خود اپنے آپ ہی کو ہلاکت میں مبتلا کرتا ہے، انھی کے نتیجے میں اس کے ایمان میں نقص واقع ہو جاتا ہے اور وہ شیطان کے ہاتھوں میں ایک چابی والے کھلونے کی طرح ہو جاتا ہے، وہ اسے شرّ وفساد اور برائیوں کے جس اڈے کی طرف چاہتا ہے ہانک کر لے جاتا ہے، یہ گناہ انسان کی بصارت کو روشن نشانیوں کے دیکھنے کے لائق نہیں چھوڑتے اور شیطان ہدایت سے اس کی بصیرت کو ہٹا دیتا ہے، اس کی ایسی بدعملی کو اس کے سامنے بنا سنوار کر پیش کرتا ہے اور اسے گمراہی میں دھکیل دیتا ہے، اور اس کے اخلاقی اور عملی ٹیڑھے پن کو بھی اس کی نظروں میں حسین وجمیل بنا بنا کر دکھاتا

ہے یہاں تک کہ وہ برے فعل کو بھی اچھا عمل سمجھنے لگتا ہے، اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس وقت وہ جس ڈھنگ سے چل رہا ہے فساد فی الأرض کا وہ رنگ ہی دراصل صحیح رنگ ڈھنگ ہے اور وہی عین اصلاح ہے۔ اس کا حال بعینہ ان منافقوں جیسا ہو جاتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۞ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ﴾ [البقرة: ١١، ١٢]

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں، خبردار! یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ اس کا شعور و سمجھ نہیں رکھتے۔''

۳۔ فساد فی الأرض کی تیسری شکل: یہود کی کارستانیاں

زمین میں فساد و بگاڑ کی ظاہر اور واضح شکل ظلم و بربریت کی وہ کارستانیاں ہیں جو آج یہودی کر رہے ہیں، مقدس سرزمینِ فلسطین میں یہودیوں نے کھلی اسلام دشمنی، ظلم و بربریت اور ذلت آمیز بغاوت و سرکشی کا جو بازار گرم کر رکھا ہے اس سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے کہ یہ قتل و غارت، خاک و خون کی ہولی، لوگوں کے مکانوں کو ناحق گرانا، توڑنا، گھر کے اصل مالکوں کو وہاں سے بے گھر اور مسلمانوں کا گھیراؤ کرنا جس سے کسی بوڑھے کو نکلنے کی اجازت ہے نہ جوان کو، حتیٰ کہ نہ کسی کمسن بچے کو، یہ سب کچھ دراصل یہودیوں کے فساد فی الأرض کے طویل سلسلے کی ایک کڑی ہے، یہ سب ان کی ناحق سرکشی اور بے جا غرور و تکبر ہے۔

۴۔ فساد فی الأرض کی ایک شکل: ماحولیاتی آلودگی

زمین میں فساد و بگاڑ کے متعدد انداز اور رنگوں ہی میں سے ایک ''ماحولیاتی آلودگی'' بھی ہے جس کے نقصانات عام اور خطرات بڑے وسیع ہیں، اس آلودگی سے روئے زمین پر بسنے والے انسان، نباتات اور حیوانات سب اذیّت پا رہے ہیں۔ آسمان کی کھلی فضاؤں میں اڑنے والے پرندے بھی اس ماحولیاتی آلودگی سے نہیں بچ پائے، حتیٰ کہ گہرے نیلے سمندروں میں تیرتی مچھلیوں کو بھی اس نے معاف نہیں کیا، یہ ساری آلودگی انسان کی اپنی ہی کوششوں سے اور اس کے اپنے ہی

ہاتھوں سے تیار کی گئی صنعتوں وغیرہ کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے، یہ واجب وضروری احتیاط سے کام نہ لینے ہی کا کڑوا پھل ہے، نصیحت وخیر خواہی کرنے والوں سے منہ موڑنے، غور وفکر نہ کرنے اور تیز پروڈکشن یا مصنوعات کی جلد تیاری، مال و زر کی چمک دمک اور زیادہ کمائی کے لالچ نے یہ ماحولیاتی برّی، بحری اور فضائی آلودگی پیدا کی ہے۔

سارے فساد کا واحد علاج:

اس حقیقت سے انکار کرنا ممکن ہی نہیں کہ زمین پر واقع ہونے والا یہ سارا فساد و بگاڑ خود انسان کے اپنے ہاتھوں کے ذریعے کیے دھرے کا نتیجہ اور اس کی اپنی بد اعمالیوں کا پھل ہے کیونکہ اس حقیقت کو تو خالقِ کون ومکاں نے بیان فرما دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾ [الروم: ٤١]

''خشکی وتری میں لوگوں کی بد اعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا۔''

اور اس میں بھی کسی عقلمند کے لیے شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں کہ اس سارے فساد کا علاج بھی انسان ہی کے ہاتھوں ممکن ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ [الرعد: ١١]

''اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو آپ نہ بدلیں۔''

اور یہ اس وقت تک ہرگز ممکن نہیں جب تک یہ سب اپنے رب کی طرف تائب نہ ہوں، اور جب تک اسے ہی اپنا آخری سہارا قرار نہ دیں اور اس کی رضا جوئی میں نہ لگ جائیں، وہ اس کی حقیقی عبادت میں دل نہ لگا لیں اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کر دیں، اسکا حقِ عبودیت و بندگی اسی اکیلے کو واپس نہ دے دیں، اسی کی شریعت کے مطابق سارے فیصلے نہ کریں، اس کے فیصلوں پر دل و جان سے راضی اور مکمل تسلیم و رضا کے جذبے سے پوری طرح ان پر خوش نہ ہو جائیں اور ان کے دل میں کسی قسم کا کوئی شک وتردد، وہم وتذبذب اور نفاق و دورخی نہ رہے۔ اللہ کی ذات پر اس قسم کا ایمان اور اس کی شریعت کو اس انداز سے اپنانے کے ساتھ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے قوت کے جو اسباب، ترقی کے جو ذرائع اور خوشحالی کے جو عوامل زمین کے کونے کونے میں ہمارے لیے بکھیر رکھے ہیں ان کو

بروئے کار لایا جائے۔ اللہ نے ان خزانوں کو ہمارے لیے زمین میں ایسی حسین تدبیر سے مسخر کر رکھا ہے کہ وہ خزانے نہ آپس میں ایک دوسرے پر سرکشی کرتے ہیں اور نہ ان میں ایک کسی دوسرے کو ختم یا ہضم کر سکتا ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے:

﴿ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [الأعراف: ٥٦]

''اور زمین میں اس کے بعد کہ اس کی اصلاح کر دی گئی ہے فساد و بگاڑ مت پھیلاؤ، اور اللہ کو اس سے ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے پکارو، بے شک اللہ تعالی کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے قریب ہے۔''

اِفاداتِ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ:

معروف محقق علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ارشادِ الٰہی ''اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد و بگاڑ مت پھیلاؤ۔'' کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''غیر اللہ کی عبادت کرنا، غیر اللہ کی طرف دعوت دینا اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا سب سے بدترین فساد فی الأرض ہے، بلکہ زمین کا فساد و بگاڑ درحقیقت ہے ہی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے اور اللہ کے اَحکام و اَوامر کی نافرمانی و مخالفت کرنے میں۔ مختصر یہ کہ شرک کرنا، کسی غیر اللہ کی طرف دعوت دینا، اللہ کے سوا کسی کو معبود قرار دے دینا اور رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی بھی شخص کو ہر حال میں واجب الاطاعت قرار دے لینا ہی سب سے بڑا فساد فی الأرض ہے۔

''اس فساد و بگاڑ کی اصلاح اس کے سوا کسی بھی طرح ممکن نہیں اور نہ اہلِ زمین کی اس وقت تک اصلاح ہو سکتی ہے جب تک کہ وہ صرف اللہ کو اپنا معبودِ برحق نہ مان لیں، صرف اسی کی طرف دعوت نہ دینے لگیں اور اس کے سوا کسی دوسرے کی طرف دعوت دینے کو ترک نہ کر دیں، اور صرف اور صرف اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا دم نہ بھرنے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کی اطاعت صرف اسی وقت کی جا سکتی ہے جب وہ رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دے اور اگر کسی نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی یا آپ ﷺ کی شریعت کی خلاف ورزی کا حکم دیا تو اس کی کوئی سمع وطاعت نہیں ہے۔

''اللہ نے اس زمین کی اصلاح اپنے رسول ﷺ، اپنے دین اور اپنی توحید کے حکم سے فرمائی

ہے، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک کر کے اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کر کے اس میں فساد و بگاڑ پیدا کرنے سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔ اگر کوئی شخص احوالِ عالم پر غور کرے تو اسے پتہ چل جاتا ہے کہ اس دنیا کی اصلاح اور درستی اگر کہیں رہی ہے یا ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی توحید اور اسی کی عبادت کی برکت سے اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے ہے۔

''دنیا میں اس وقت جس قدر بھی فتنے سر اٹھائے ہوئے ہیں، فساد و بگاڑ پھیلا ہوا ہے، مصائب و مشکلات اور بلائیں ہیں، قحط و خشک سالی ہے، دشمن کا تسلط و غلبہ ہے یا دیگر ایسے امور ہیں ان کا سبب صرف اور صرف اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی اور اللہ و رسول ﷺ کے سوا دوسروں کی طرف دعوت دینا ہے، اور جس نے بھی حقیقی معنوں میں غور وفکر کیا اور ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک کے حالات پر گہری نظر ڈالی حتی کہ زمین اور اس کے تمام مکینوں اور خزینوں پر اللہ کے وارث ہو جانے، اور وہی دراصل بہترین وارث ہے، (قیامت آ جانے) تک کے حالات پر تأمل کیا، وہ اس حقیقت تک بآسانی پہنچ سکتا ہے کہ خاص اس کی اپنی ذات ہو یا دوسرے عام لوگ ہوں ہر جگہ اور ہر کسی کے فساد و بگاڑ کا سبب شروع سے یہی چلا آ رہا ہے۔''[1]

اللہ کے بندو! اللہ کا تقوی اختیار کرو اور اصلاح و درستی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ، اس طرح یقیناً تم ان تمام جہانوں کے خالق و مالک اور پروردگار کی رضا و خوشنودی کو پا لو گے اور اللہ تعالی کے نزدیک تمھارا شمار ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جو دنیا و آخرت میں فوز وفلاح پانے والے کامیاب و کامران اور شاد دل و شاد کام ہوں گے۔

[1] التفسير القيم لابن القيم (١/ ٣٩٠)

صحبتِ صالح تُرا صالح کُنَد

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد بن عبداللہ السبیل ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اے مسلمانو! حقیقی معنوں میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کی اطاعت کرنے اور اس کی رضا وخوشنودی کے حصول میں استقامت اختیار کرو، اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف رجوع کرنے والوں سے بہترین جزا کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

[الأحقاف: ١٣، ١٤]

''واقعی جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اسی پر قائم رہے، ان پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے، یہ تو اہلِ جنت ہیں جو سدا اسی میں رہیں گے ان اُعمال کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔''

انسانی فطرت کی اثر پذیری:

تقویٰ اختیار کرنے اور ہدایت وحق کا راستہ اپنانے پر جو چیزیں معاون ثابت ہوتی ہیں ان میں سب سے بڑی چیز ہے اچھے لوگوں کی صحبت اور نیک واُبرار لوگوں کا ساتھ، اسی طرح برے ساتھیوں سے دوری اور اشرار سے علیحدگی، کیونکہ انسان بشری فطرت کا ہے اور بشری فطرت میں یہ چیز پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے ساتھی سے فوراً متاثر ہو جاتی ہے اور اس کے اخلاق وکردار کو جلد اپنا لیتی ہے، اور کسی کا اخلاق وکردار اس کے دوستوں اور ساتھیوں کے اخلاق وکردار ہی سے پہچانا جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«الرجل على دين خليله، فلينظر أحدكم من يخالل» [1]

''آدمی اپنے دوست کے دین وطریقہ پر ہوتا ہے، لہٰذا دیکھ بھال کر کسی سے دوستی کیا کرو۔''

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٨٣٣) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٣٧٨) مسند أحمد (٢/ ٣٠٣) اس حدیث کو امام ترمذی اور علامہ البانی نے حسن اور امام حاکم وذہبی نے صحیح کہا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«ما من شيء أدل على شيء من الصاحب على الصاحب»

''کسی ساتھی کے اخلاق و عادات اس کے دوسرے ساتھی کی عادات واطوار کا پتہ دینے والی سب سے اہم چیز ہوتے ہیں۔''

اور بعض دانشمندوں نے کہا ہے: ''کسی آدمی کے بارے میں وہی گمان کیا جا سکتا ہے جو اس کے ساتھی کے بارے میں کیا جا رہا ہو۔''

صحبتِ صالح کے لیے اسلام کا اہتمام:

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے صحبت و تعلقات کے سلسلے میں خصوصی اہتمام اور دلچسپی سے کام لیا ہے، اور نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کے تمام افراد کو اس پر خاص توجہ دلائی ہے کہ نیک و صالح دوست اور متقی و پرہیز گار ساتھیوں کا انتخاب کرو۔

چنانچہ رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے:

«لا تصاحب إلا مؤمنا، ولا يأكل طعامك إلا تقي»[1]

''کسی مومن کے سوا کسی کا ساتھی نہ بنیں اور کسی متقی و پرہیز گار کے سوا آپ کا کھانا کوئی نہ کھائے۔''

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے صحبتِ صالح اور صحبتِ طالح دونوں کو ایک مثال کے ذریعے خوب سمجھایا ہے جس سے ہر شخص اچھی و بری صحبت کے فوائد یا مضر اثرات و نقصانات کو بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إنما مثل الجليس الصالح والجليس السوء كحامل المسك ونافخ الكير، فحامل المسك إما أن يحذيك، وإما أن تبتاع منه، وإما أن تجد منه ريحا طيبة، ونافخ الكير إما أن يحرق ثيابك، وإما أن تجد منه ريحا خبيثة»[2]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٨٣٢) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٣٩٥) اس حدیث کو امام ترمذی اور علامہ البانی نے حسن اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٢١٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٢٨)

''نیک دوست اور برے دوست کی مثال خوشبو بیچنے والے عطار اور بھٹی پھونکنے والے لوہار کی سی ہے، مسک وکستوری بیچنے والا یا تو آپ کو ہدیہ میں خوشبو لگا دے گا یا آپ خود اس سے خرید کر عطر لگا لیں گے، یا کم از کم اسکے پاس بیٹھنے سے آپ خوشبو ضرور سونگھ سکیں گے، جبکہ بھٹی پھونکنے والے کے پاس بیٹھنے سے خدشہ ہے کہ کوئی چنگاری آپ کے دامن کو نہ جلا دے یا پھر کم از کم اس کے پاس بیٹھنے سے چار و ناچار بدبو سے مشامِ جان کو تو تنگ کرنا ہی پڑے گا۔''

امام ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس حدیث میں ایسے شخص کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت آئی ہے جس سے دین یا دنیا کا کوئی نقصان ہوتا ہو یا کوئی اَذیت پہنچتی ہو، اور ایسے آدمی کی صحبت اختیار کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے جس سے دینی یا دنیوی کسی بھی اعتبار سے کوئی فائدہ پہنچتا ہو۔''[1]

صحبتِ صالح:

صحبتِ صالح ترا صالح کند
وصحبتِ طالح ترا طالح کند

لہٰذا عقل و دانش کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی صرف اس شخص کی صحبت اختیار کرے جو دین و دنیا میں اس کے لیے نفع بخش ہو، اور کسی کا اس دوست سے زیادہ نفع بخش دوست دوسرا کوئی نہیں ہوسکتا جو صاحبِ تقویٰ و ورع، با اَدب و با مروت، عقلمند اور صاحبِ اخلاقِ عالیہ ہو، اخلاقِ کریمانہ اور اَوصافِ جمیلہ کا مالک ہو، غیرت مند اور باضمیر ہو، اور اگر کوئی ساتھی صاحبِ علم و ادب اور فقہ و حکمت میں مہارت رکھنے والا ہو تو پھر اس کا کوئی جوڑ ہی نہیں، یہ سب صفاتِ کمال ہیں۔ اگر کسی میں یہ پائی جاتی ہیں تو اس کا دوست بھی سعادت وخوشی پائے گا کیونکہ ایسے مخلص ساتھی خلوصِ دل سے محبت کرتے ہیں اور ان کی طرف سے کسی قسم کے دھوکے یا دوستانہ جذبات کو ٹھیس پہنچنے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا، اگر کسی کو ایسا ساتھی میسر آ جائے جو اس قسم کے اخلاق و عادات اور آداب و کردار سے مزین ہو تو وہ شخص اچھے نصیب والا اور ایک سعادت مند انسان ہے، اسے ایسا ساتھی اچھی طرح تھام کر رکھنا چاہیے اور

[1] فتح الباري (٤/ ٣٢٤)

کبھی اسے ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے، پورے خلوص و وفا کے ساتھ اس کے حقوقِ صحبت ادا کیے جائیں، اس کی عزت و احترام میں کوئی کمی نہ کی جائے، اس کی خدمت میں شریک ہونا چاہیے، اور اگر وہ کسی مشکل میں مبتلا ہو تو اس کے ساتھ ہمدردی و غمگساری کرنی چاہیے، تنگی ترشی میں اس کی مدد کرنی چاہیے، اس سے کوئی کمی بیشی ہو جائے تو نظر انداز کر دینا چاہیے، اور اس کی بھول چوک سے چشم پوشی کرنی چاہیے، کیونکہ کسی بھی انسان سے ان بشری لغزشوں کا صادر ہونا کوئی انہونی بات نہیں اور نہ ان کوتاہیوں کا صدور کوئی ناممکن امر ہے، اور کسی کی فضیلت کے لیے یہی کیا کم ہے کہ اس کے عیوب وغیرہ شمار کیے جاسکیں؟!

صحبتِ طالح:

اپنے دوستوں کے لیے بدترین ساتھی اور اپنے ساتھیوں پر انتہائی برے اثرات ڈالنے والا شخص وہ ہے جو دینی قدروں کے لحاظ سے انتہائی گیا گزرا ہو، اخلاقی اعتبار سے انتہائی نچلی حالت والا ہو، خباثتِ باطن عیاں، اور برے ضمیر کا مالک ہو، جس کی سیرت و کردار کسی کو پسند نہ ہو، جسے اس کے سوا کوئی فکر نہ ہو کہ وہ اپنی ہوائے نفس اور ہوسِ دل کیسے پوری کرے؟ نفسانی خواہشات اور دلی تمناؤں کو پورا کرنے کے لیے اسے اپنا دین اور مروت و مردانگی بھی داؤ پر لگانی پڑے تو وہ پرواہ کرنے والا نہ ہو، بلکہ ایسے لوگوں میں سے بعض کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک دین کی کوئی اہمیت اور مروت و مردانگی کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہوتی، اور نہ وہ دوستی کے کسی حق کو پہچانتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ وہ دوست ہیں جو اپنے ساتھیوں کے لیے بھی شقاوت و بدبختی کا باعث ہوتے ہیں، کیونکہ یہ اپنے دوستوں کو بھی اپنے شر میں مبتلا کر دیتے ہیں، انھیں ذکرِ الٰہی سے روکتے ہیں، اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری سے باز رکھتے ہیں، اخلاقی قدروں سے دور اور مروّت و مردانگی سے ناآشنا کر دیتے ہیں، سوقیانہ حرکات اور فحش کلامی و بدزبانی کا عادی بنا دیتے ہیں، فسق و فجور میں غلطاں و پیچاں کر دیتے ہیں، لہو ولعب یا کھیل تماشے میں لگا دیتے ہیں جس سے وہ اپنے قیمتی اوقات کو لایعنی، فضول اور بے فائدہ امور میں برباد کرتے رہتے ہیں اور اپنے مال و زر کو حرام و ممنوع امور کی بھٹی میں جھونکتے چلے جاتے ہیں۔

اللہ کے بندو! ان لوگوں کے حال پر غور کرو جو شراب نوشی اور دیگر منشیات کے رسیا ہو چکے ہیں، فحاشی و منکرات اور بدکاریوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں، سود و رشوت ستانی جیسے حرام و خبیث ذرائع سے

مال کماتے ہیں، جب وہ خود اور انکے اہل وعیال ایسے قابلِ نفرت حال میں مبتلا ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور ملنے جلنے والے ان کے برے اثرات سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں؟

ان کی شقاوت و بدبختی کی نشانی ہی یہ ہے کہ وہ ایسے لوگوں کا ہم نوالہ ہو جن کی دوستی وصحبت سوائے حسرت و ندامت کے کوئی قیمت نہیں رکھتی، کیونکہ ان کا دین و اخلاق دونوں ہی تباہ ہو چکے ہوتے ہیں اور وہ دنیا و آخرت دونوں جہانوں ہی میں خسارہ پانے والے ہو جاتے ہیں، یہی دراصل روزِ قیامت کا سب سے بڑا خسارہ ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝ يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ۝ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۗ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا ﴾ [الفرقان: ٢٧ تا ٢٩]

''اور اس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا: ہائے کاش! میں نے رسول کی راہ اختیار کی ہوتی، ہائے افسوس! کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا، اس نے تو میرے پاس نصیحت آ پہنچنے کے بعد مجھے گمراہ کر دیا اور شیطان تو انسان کو (وقت پر) دغا دینے والا ہے۔''

اللہ والو! یہ چند صفات ان لوگوں کی ہیں جو اہلِ برّ وتقوی اور اصحابِ عقل ودانش ہیں، جن کی صحبت اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اسی طرح ان لوگوں کے کردار کے چند خد وخال بھی آپ کے سامنے رکھ دیے گئے ہیں جو انتہائی برے ساتھی اور بدترین قسم کے لوگ ہیں جن کی صحبت سے ہر ممکن گریز واجتناب کرنا ضروری ہے کیونکہ وہ فسق و فجور اور گناہوں سے لت پت رہنے والے ہیں۔

ان دونوں گروہوں کی نسبت لوگوں کے مختلف مراتب و درجات ہیں، ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو بھلائی وفضیلت کی طرف لپکنے والے ہیں، اور کچھ دوسرے ہیں جو شرّ و گناہ کے قریب تر ہیں، اور عقلمند وہ ہے جو لوگوں کو شریعت اور عدل و انصاف کے معیار پر تولتا ہے، جس کی خیر وبھلائی اس کے شرّ پر غالب آ گئی اور جس کا نفع اس کے ضرر ونقصانات پر غالب آ گیا وہ اسے اپنا خلیل و دوست بناتا ہے اور اسے اپنی صحبت کے لیے ساتھی منتخب کرتا ہے، اور جو لوگ ان کے برعکس ہیں وہ دوسرے کردار و عادات

قبیحہ والوں سے یارانے لگاتے اور دوستی کی پینگیں بڑھاتے ہیں۔

غرض جس نے صحبتِ صالح کو تلاش کرنے اور متقی قسم کے لوگوں سے تعلقات استوار کرنے کی سعی و کوشش کی وہ یقیناً اپنی نیّت وکوشش کے مطابق صحبتِ صالح کو پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ایک حقیقت:

ہر صحبت اور دوستی جلد یا بدیر بہرحال دشمنی و عداوت میں بدل جاتی ہے سوائے متقی لوگوں کے باہمی بھائی چارے اور دینی دوستانہ تعلقات کے، کیونکہ صرف رضائے الٰہی کی خاطر محبت دوستوں میں ہمیشہ باقی رہتی ہے لہٰذا عقل و رشد والے لوگوں کا راستہ اپناؤ، متقی لوگوں کا انداز اختیار کرو اور صالح و متقی لوگوں سے پیار و محبت اور دوستی و تعلق رکھو، اور فاسق و فاجر قسم کے ظالم لوگوں سے دوستی کی پینگیں بڑھانے سے احتراز و اجتناب کرو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اسی حقیقت کا شاہدِ عدل ہے:

﴿ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴾ [الزخرف: ٦٧]

''اس دن گہرے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔''

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ کا حقیقی معنوں میں تقویٰ اختیار کرو، اور مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔

نوجوان نسل کا حال:

آج کی نسلِ نو اور دیگر عام لوگوں کے حال پر غور کر کے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ نئی پود عقائد و اخلاق کے اعتبار سے انحراف کے کس درجے تک گر چکی ہے، ان کے آداب و کردار میں کس قدر بگاڑ آ چکا ہے، اور اگر ذرا تأمل سے کام لیں گے تو یہ حقیقت آشکار ہو کر سامنے آ جائے گی کہ اس سب کچھ کا سبب بُرے لوگوں کی صحبت و تعلق ہے یا پھر وہ لوگ ہیں جو باطل نظریات اور خواہشِ نفس کی ہر ممکن طریقہ سے تسکین کی طرف دعوت دیتے ہیں، اور اس کے لیے وہ اپنے تمام ساز و سامان سے لیس ہو کر مختلف قسم کے ذرائع ابلاغ (اخبارات، مجلّات، ریڈیو، ٹی وی اور) سیٹلائٹ چینلز سے شرّ و فساد کا زہر پھیلا رہے ہیں جس کے نتیجہ میں کثیر تعداد میں نوجوان نسل جادۂ حق سے ہٹتی جا رہی ہے، فضیلت و شرف کا راستہ چھوڑتی جا رہی ہے اور ضلالت و گمراہی کے راستوں پر چڑھ دوڑی ہے، اور

انھی لوگوں کے سے اخلاق و کردار کو اپنانے جا رہی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان اہلِ باطل اور ہوس پرستوں کی اطاعت سے اپنے بندوں کو روکا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴾
[الكهف: ٢٨]

”دیکھ اس کا کہنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے، اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے۔“

والدین اور مسئولین کی ذمہ داریاں:

یہ حالات شومئ قسمت اور بلاء و مصیبت ہیں جن سے امتِ اسلامیہ دو چار ہے، اگر مصلحینِ امت اور دینِ اسلام پر غیرت کھانے والے ان حالات کا تدارک کرنے کیلئے نہ اٹھے، علماء اسلام، دعاۃ و مبلغین، مفکرینِ اسلام، اہلِ قلم و قرطاس، ماہرینِ تعلیم و تربیت اور بلادِ اسلامیہ کے ذرائع ابلاغ و اطلاعات کے مسئولین نے اپنی ذمہ داری پوری نہ کی اور اپنی تمام تر قوتوں کو یکجا کر کے نوجوان نسل کی اصلاح کے لیے تمام مفید ذرائع سے استفادہ نہ کیا اور ان کی اخلاقی تربیت و تہذیب اور کردار و عمل کی اصلاح نہ کی، برائی و شر پھیلانے والوں اور خواہشات و ہوس پرستوں کے سامنے بندھ نہ باندھا تو معاملہ اور بگڑ جائے گا اور وقت ہاتھوں سے نکل جائے گا۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ ذمہ داری والدین پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے جگر گوشوں کی نگرانی کریں، دینی آداب اور اسلامی تعلیمات کے مطابق ان کی تربیت کریں، برے لوگوں اور شر پسند لڑکوں کی صحبت سے انھیں بچائیں اور انکے مستقبل کو سنوارنے اور سعادت و خوشی کی ضمانت کے طور پر تمام وسائلِ شر سے انھیں دور رکھیں، اللہ نے اولاد کے سلسلے میں والدین پر جو ذمہ داری عائد کی ہے اسے نبھائیں، یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری اور عظیم اُمانت ہے جو اللہ نے والدین کے سر ڈالی ہے، لہٰذا انھیں چاہیے کہ اس سے صحیح طور پر سبکدوش ہوں، اس کی انجام دہی کا حق ادا کریں اور اس کا حقیقی طور پر اہتمام کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

عَلَيْهَا مَلَٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴾ [التحریم: ٦]

"اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچا لو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جس پر سخت دل وسخت جان فرشتے مقرر ہیں، جنہیں جو حکم اللہ تعالی دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے، بلکہ جو حکم دیے جاتے ہیں وہ وہی بجا لاتے ہیں۔"

ماہِ جمادی الأخری
پہلا خطبہ
لمحاتِ فکر
اور
محاسبۂ نفس
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر اُسامہ الخیاط حفظہ اللہ
24/8/2001 = 5/6/1422
دوسرا خطبہ
نظامِ تعلیم وتربیت
کے متعلق
بعض ضروری اقدامات
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ صالح بن حمید حفظہ اللہ
31/8/2001 = 12/6/1422
تیسرا خطبہ
تواضع
اور
انکساری
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر سعود الشریم حفظہ اللہ
7/9/2001 = 19/6/1422
چوتھا خطبہ
رشک و تمنا
اور
عملِ پیہم
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر اُسامہ الخیاط حفظہ اللہ
14/9/2001 = 26/6/1422

لمحاتِ فکر اور محاسبۂ نفس

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر اسامہ خیاط ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اللہ کے بندو! اللہ تعالی کا تقوی اختیار کرو اور اگلی زندگی کے لیے کچھ کرلو قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے جس دن خرید وفروخت ہوگی اور نہ کسی دوست کی دوستی کام آئے گی، بلکہ اس دن صرف اَعمال کا وزن کر کے انھیں نامۂ اَعمال میں شمار کیا جائے گا، اور پھر ہر شخص کو اس کے اَعمال واَفعال کے برابر جزا وسزا دی جائے گی، اور کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔

مسلمانو! آپ نے کبھی کسی ہوشیار وچالاک اور سمجھ دار تاجر کے بارے میں غور نہیں کیا کہ وہ موقع بموقع اپنے کاروبار کی رفتار کا جائزہ لیتا ہے، اپنے نفع یا نقصان کو چیک کرتا اور اس کے اسباب کی پڑتال کرتا ہے اور بزنس کی ترقی کے عوامل کو تلاش کرتا ہے اور کاروبار کے مندے پڑ جانے یا تجارت کے ٹھپ ہو جانے کی وجوہات سے ہر ممکن طریقے سے بچنے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔

ہر عقلمند بندے کی یہی مثال ہے، وہ اپنی اس دنیاوی زندگی کے دوران میں ہر موقع پر کچھ وقت کے لیے اپنے آپ کے ساتھ گوشۂ تنہائی میں چلا جاتا ہے، اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے، اپنے گزرے کل میں غور وخوض کرتا ہے اور گہری نظر ڈال کر جائزہ لیتا ہے کہ مجھ سے کیا کیا افعال سرزد ہو رہے ہیں اور میری زبان سے کن کن اَقوال کا صدور ہو رہا ہے؟ پھر ان سب کا جائزہ لیتا ہے، اپنا سخت محاسبہ کرتا ہے اور اپنے ضمیر کو کوتاہیوں پر خوب جھنجھوڑتا ہے۔

محاسبۂ نفس کے فوائد وثمرات:

محاسبۂ نفس کے لیے جب کوئی شخص اپنے آپ کو گوشۂ تنہائی میں لے جاتا ہے تو اس کا یہ فعل اس کے لیے بے شمار فوائد وثمرات کا باعث بنتا ہے۔ اس لمحۂ فکریہ کا سب سے پہلا فائدہ تو اسے یہ ملتا ہے کہ انسان کو اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا پتہ چلتا ہے اور اپنے کردار کے اچھے برے تمام پہلو اس پر واضح ہو جاتے ہیں، اس طرح اس کے لیے روشن مستقبل کے لیے بہترین پلاننگ یا منصوبہ بندی کرنے، اپنے طریقۂ کار کی اصلاح کرنے اور اپنے منہج وکردار کو سنوارنے کا موقع ہاتھ آتا ہے۔

محاسبۂ نفس اور سلف کا طرزِ عمل:

ان فوائد وثمرات کو پیشِ نظر رکھیں تو پھر تعجب کی کوئی وجہ ہی باقی نہیں رہتی کہ ہمارے سلف صالحین محاسبۂ نفس کو اتنی اہمیت اور بلند مرتبہ کیوں دیتے تھے؟ یہ ان کے اپنے عمل سے بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہوتا تھا اور وہ دوسروں کو بھی اس کی سخت تاکید کرتے اور ترغیب دلاتے تھے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مثال آپ کے سامنے ہے، کہتے ہیں:

«حاسبوا أنفسكم قبل أن تحاسبوا، وزنوها قبل أن توزنوا»[1]

''اپنے آپ کا خود محاسبہ کرلو قبل اس کے کہ تمھارا محاسبہ کیا جائے، اور اپنا وزن وعمل خود جانچ لو قبل اس کے کہ تمھارے اعمال کا وزن کیا جائے۔''

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کہا کرتے تھے:

''مومن اپنے نفس کا حاکم ہے، وہ اللہ کے لیے اس کا محاسبہ کرتا رہتا ہے، قیامت کے دن ان لوگوں کے لیے حساب کتاب دینا مشکل ہو جائے گا جنھوں نے زندگی میں اپنے نفس کا کبھی محاسبہ نہ کیا ہوگا۔''[2]

اور آگے چل کر موصوف عمل کرنے کے بعد محاسبہ کرنے کی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مومن کسی معاملہ میں افراط وتفریط کا شکار ہوتو بوقتِ محاسبہ وہ اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے: اس فعل کے ارتکاب سے تمھارا کیا ارادہ تھا؟ اللہ کی قسم! میرا یہ عذر قابلِ قبول نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! میں آئندہ اس فعل کا ارتکاب ہرگز نہیں کروں گا۔ ان شاء اللہ''[3]

یہ چھٹیاں: خبردار!

جن مواقع پر اپنے نفس کا محاسبہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے ان ہی میں سے ایک یہ چھٹیوں کے ایام بھی ہیں، عقلمند لوگ ان چھٹیوں میں بھی اپنے نفس کا محاسبہ کرتے ہیں جو اب ختم ہونے کو آ گئی

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (٧/ ٩٦) حلية الأولياء (١/ ٥٢)

[2] مصنف ابن أبي شيبة (٧/ ١٨٨) حلية الأولياء (٢/ ١٥٧) تهذيب الكمال (٣١/ ٥٣١)

[3] مصدر سابقه

ہیں۔ اس موقع پر سمجھ دار آدمی کے سامنے کئی سوالات آتے ہیں جن کا صحیح جواب دینا ضروری ہوتا ہے، مثلاً گزشتہ ایام میں اس نے اپنے لیے کیا کیا اور اپنے بھائیوں کے لیے کیا پیش کیا؟ کیا چھٹیوں کا یہ موسم اس کے لیے نیکیاں جمع کرنے میں پیش قدمی کرنے اور باقیات صالحات کی دوڑ میں بازی لے جانے کا میدان اور سیزن تھا؟ یا یہ چھٹیاں گناہوں کا بیلنس بڑھانے اور غلطیوں کا بوجھ زیادہ کرنے کا موقع تھیں؟

کیا یہ چھٹیاں علوم و معارف میں اضافہ کرنے کا سنہری موقع اور نفسانی، عقلی اور بدنی کمالات کے درجوں میں ترقی کرنے کا چانس تھا یا کہ یہ محض سستی و کاہلی میں قیمتی اوقات کو بیکار ضائع کرنے کا موقع ہے؟ کیا دوسرے ملکوں کا سفر اختیار کرنے والے لوگوں کا سفر سامانِ عبرت جمع کرنے اور مفید و خوبصورت مگر حلال اشیا کے مجموعے میں اضافہ کرنے کے لیے تھا یا کہ یہ ہر نقصان دہ اور حرام چیز کو جمع کرنے میں سبقت لے جانے والا میدان تھا؟

کیا چھٹی حاصل کرنے والا شخص اس دوران میں اپنے اہل و عیال اور اقارب و رشتہ دار لوگوں کے حقوق کو ادا کرنے کا جذبہ لیے ہوئے تھا یا نہیں؟ جس نے اس سے قطع تعلقی کی کیا اس نے اُس سے صلہ رحمی کی؟ جو رشتہ خراب ہو چکا تھا اس کی اصلاح کی؟ اور جو زنگ آلود ہو چکا تھا اسے صیقل کیا؟ اور جو کمزور پڑ چکا تھا اسے مضبوط و قوی بنایا؟ یا کہ وہ مزید تقصیر میں غرق اور دوری پیدا کرنے میں پہل کرنے والا بنا؟

یہ ایسا لمحۂ فکر یہ ہے کہ ہر صاحبِ عقل و خرد کو ہر کام کے بعد، ہر مرحلہ کی انتہا پر اور ہر چکر کے آخر میں تھوڑا سا وقت نکال کر اپنے آپ سے گوشۂ تنہائی میں محاسبے کے انداز سے بیٹھنا اور سوچنا چاہیے، تاکہ پتہ چل سکے کہ اس نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ اگر کسی نے اپنے حالات کو سنوارنا ہے، معاملات کو سدھارنا ہے اور انجام و عاقبت کو بہتر بنانا ہے تو اسے موقع بموقع ایسے لمحاتِ فکر میں اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے، اگر کسی نے اس نہج کو اختیار کر لیا تو وہ دنیا کی زندگی میں بھی کامیاب و کامران ہوگا اور آخرت میں بھی فوز و فلاح اس کا مقدر ہوگی۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

﴿إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ [الحشر: ۱۸]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل قیامت کے لیے اس نے اعمال کا کیا ذخیرہ بھیجا ہے اور ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو اللہ تمھارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔''

کمالِ عقل کی علامت:

اے اللہ کے بندو! اپنے نفس کا محاسبہ کرنے کے لیے چند لمحات کے لیے اپنے آپ سے تنہائی میں مل بیٹھنا، کسی کے کمالِ عقل کی علامت اور سعادت و خوشی کے اسباب پر کمالِ حرص کی نشانی اور اس کی کامیابی و کامرانی کے ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ ہے۔ لہٰذا اللہ کے بندو! صحیح و حقیقی اور مضبوط محاسبہ کرنے پر ہمیشگی و پابندی کرنی چاہیے، خصوصاً آج کل کے ایام میں تو یہ انتہائی ضروری ہے کیونکہ آپ لوگ چھٹیوں کی اس فرصت کو الوداع کر رہے ہیں اور اپنے اعمال و کاروبار، تعلیم و تدریس اور دیگر مصروفیات کے مراحل میں سے ایک نئے مرحلے کا استقبال کرنے والے ہیں، اور اپنی زندگی کے ادوار میں سے ایک نئے دور کا آغاز کرنے والے ہیں، اور آئندہ مراحل و ادوار میں آپ کو گزرے کل سے درسِ عبرت حاصل کرنے کی سخت ضرورت ہے جن کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں تاکہ آپ ماضی کے آئینے میں جھانک کر روشن مستقبل کے لیے بہتر منصوبہ بندی کر سکیں۔

نظامِ تعلیم و تربیت کے متعلق بعض ضروری اقدامات

امام و خطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر صالح بن حمید حفظہ اللہ

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

میں سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سب لوگوں کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت و نصیحت کرتا ہوں کیونکہ جس نے اللہ کا تقویٰ اختیار کر لیا اللہ تعالیٰ اسے نور، علم و عرفان اور رضا عطا کرتا ہے اور اس کے دل کو اعتماد، اطمینان اور ایمان سے معمور کر دیتا ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْلَكُمْ وَ اللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴾ [الأنفال: ٢٩]

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔''

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

[الحديد: ٢٨]

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اللہ تمھیں اپنی رحمت کے دو حصے دے گا اور تمھیں نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو گے اور تمھارے گناہ بھی معاف کر دے گا اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اللہ کے بندو! اللہ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز نہ کرو اور اس کے اَوامر و اَحکام پر عمل پیرا ہونے کی بھرپور کوشش کرتے رہو، اور یہ بات ذہن میں رکھو کہ تم پر اللہ کی طرف سے نگرانی و حساب کرنے والا مقرر ہے، اسی طرح تمھاری طرف سے اللہ سے اَعمالِ خیر کی جزا کا مطالبہ کرنے والا بھی

موجود ہے، تم خود عبرت حاصل کرو قبل اس کے کہ تم لوگوں کے لیے سامانِ عبرت بنا دیے جاؤ، اور اپنے لیے کوئی توشۂ آخرت بھیج لو جسے تم اپنے پروردگار کے پاس موجود پاؤ گے۔

تہذیبی اَدوار:

تہذیبِ اسلامی کے سوا تمام تہذیبوں کو تین اَدوار سے گزرنا پڑتا ہے:

۱۔ وجود میں آتی ہیں۔

۲۔ ترقی کرتی ہیں۔

۳۔ اور پھر مٹ جاتی ہیں۔

تہذیبِ اِسلامی:

جبکہ اسلامی تہذیب وتمدن وجود میں آنے سے لیکر مسلسل رو بہ ترقی وعروج ہے، یہ تہذیب پسپائی وتنزل سے کلی نا آشنا ہے کیونکہ یہ اللہ کے حکم سے اپنے اندر ہی سے ایک قوت پاتی ہے، اس کی تشکیل دینِ کامل اسلام اور اللہ کی پسندیدہ ملت سے ہوئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدۃ: ۳]

”آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا ہے، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور تمھارے لیے دینِ اسلام کو پسند کر لیا ہے۔“

جب تک امتِ اسلامیہ اپنے دین پر قائم رہے گی اور اپنے پروردگار کے دین کی مدد ونصرت کرتی رہے گی تب تک اس کی تہذیب ترقی کرتی رہے گی اور اس کا تمدن عروج حاصل کرتا رہے گا، اس میں کمزوری آئے گی اور نہ یہ تنزل دیکھے گا حالات چاہے کتنے ہی دگرگوں کیوں نہ ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [آل عمران: ۱۳۹]

”نہ کمزوری دکھاؤ اور نہ ہی غمزدہ ہو بلکہ تم ہی سب سے بالا و برتر ہو اگر تم مومن ہو۔“

ہر امت کی تہذیب اس کے ایمانی عقائد، تعبدی شعائر، اخلاق و عادات اور اجتماعی تعلقات کے قواعد وضوابط میں مضمر ہوتی ہے، اور ہر قابلِ احترام قوم و امت اپنے اَفراد کے لیے کچھ تربیتی

اصول اور تعلیمی مناہج و کورسز مقرر کرتی ہے جو ایسی فضا ساز گار کریں جن میں وہ اپنی نسلوں کو اپنے عقائد و اُصول سکھلا سکیں، اپنے مبادیات و اُخلاق ان میں منتقل کر سکیں جن کے دفاع کے لیے ان کے دلوں میں ولولہ اور جوش و جذبہ پیدا ہو۔

مسلمان بھائیو! مختلف تہذیبوں کی زندگی و تر و تازگی، انکی ثابت قدمی اور عروج و ترقی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ علوم و معارف اور ان کے طریقہ و منہج میں بھی ایک تر و تازگی، روح اور تاثیر پائی جاتی ہے اور یہ روح ان علوم و معارف کے حقائق اور ان کے گہرے آثار ہیں۔

علوم اسلامیہ کی روح:

وہ علوم و معارف جنھیں اسلام نے شرعی قالب بخشا ان میں اللہ کی ذات پر ایمان، اس کے تقوی اور خشیتِ الٰہی کی روح موجزن ہے، اسی طرح ان علومِ اسلامیہ میں ایمان بالغیب اور روزِ آخرت پر ایمان کی روح پائی جاتی ہے اور اُخلاقِ عالیہ و آدابِ حسنہ کی روح موجیں مار رہی ہے۔

علوم یونانیہ و رومانیہ کی روح:

اس کے برعکس وہ علوم جنھیں یونانی و رومانی بت پرست قوموں نے وضع کیا وہ جاہلیت اور متعدد معبودوں کے تصور کی روح پر مبنی ہیں، ایسے تمام علوم الحاد و بے دینی، زندیقیت اور جامد مادہ پرستی کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں، یہی روح ان لا دین علوم کے واضعین و ماہرین ان کے منہج و طرزِ تعلیم، نظریات، فلسفوں، شعر و ادب اور حکایات و روایات یا قصے کہانیوں میں بھی سرایت کر چکی ہے۔

لا دین قوموں اور تہذیبوں کے طرزِ تعلیم امتِ اسلامیہ کے مناہج اور طریقوں سے قطعی مختلف ہیں، اور ان دونوں طرح کے مناہج ایک دوسرے کے لیے قطعاً ساز گار و موافق نہیں ہیں۔

اے امتِ اسلامیہ! جب معاملہ یہ ہے تو پھر اس قوم کے پاس جا کر علم و معرفت اور تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا کیا معنی و مطلب ہوا جس کی اپنی کوئی ایسی شخصیت و شناخت نہیں کہ جس پر وہ فخر کر سکے؟ جس کا اپنا کوئی پیغام نہیں اور جو عقائدِ ایمانیہ سے بھی عاری ہے۔ ان مبادیات اور اصول و اُخلاق سے تہی دامن ہے جن سے ان کا جسم و جان اور لفظ و معنی کا سا تعلق ہونا چاہیے تھا، اور جس قوم کی کوئی دعوت نہیں کہ جس پر اس کی بنیاد ہو اور جس کے حوالے سے وہ اپنی پہچان کروا سکے۔

مغربی طرزِ تعلیم:

اے ماہرینِ تعلیم و تربیت! منصف و عاقل اور اپنے دین و امت اور وطن سے محبت رکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ بلادِ اسلامیہ میں مروج نظامِ تعلیم و تربیت کو نفع و نقصان کے معیار پر پرکھ کر دیکھیں کہ ان اسلامی ممالک کے مدارس و جامعات، سکول و کالجز اور انسٹی ٹیوٹس میں جو تعلیمی نظام مروج ہے اس نے کہاں تک ترقی کی ہے اور ان پر آنے والے خطیر اخراجات، زبردست محنتوں، اعلی طرز کی بلڈنگوں، نئے نئے مناہج اور طرح طرح کے وظائف کی ایجاد کے بالمقابل کیا حاصل ہوا ہے؟ والدین کے جگر گوشوں اور نوجوان نسل کی فوجِ ظفر موج نے کیا پایا ہے؟ زبردست فکری انتشار، تناقضِ آرا، دین کے بارے میں تشکیک، فرائض و واجبات میں لا پرواہی کے سوا انھیں کیا حاصل ہوا ہے؟ دینی اخلاق و آداب سے سرکشی، فطری عادات و اطوار سے بغاوت و بے اعتنائی اور ظاہر پرستی کے سوا ان کے ہاتھ کیا لگا؟

نوجوان نسلیں اور فوجیں اپنے حلقوں میں گلاسوں کے گلاس انڈھیلے چلے جا رہے ہیں مگر تشنہ لب ہیں، روحیں تاریک ہیں، بصارت و بصیرت سے تہی دست ہیں، اپنی ذات کا انکار کر رہے ہیں اور اغیار کا اعتراف کرتے اور ان کے تشخص پر ایمان رکھتے ہیں، امیدیں ان کے دلوں ہی میں دم توڑ دیتی ہیں، غیروں کی ایجادات پر پھولے نہیں سماتے، گندم اور جو کے آٹے اور روٹی کا مذاق اڑاتے ہیں، غیر ملکی زبان (انگریزی) چباتے رہتے ہیں اور چلنے پھرنے میں بھی یہ نوجوان اغیار کی تقلید کرتے ہیں۔

اس مغربی انداز کی تربیت و تعلیم نے ان میں خود اعتمادی پیدا نہیں کی بلکہ انھیں تو معرفتِ نفس (اپنے آپ کی پہچان) سے بھی محروم رکھا ہے، انھیں ان کا مقام و مرتبہ بتایا ہے نہ ان کی ہمت کو جلا بخشی ہے، اور نہ ان میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس پیدا کیا ہے، وہ تو میدانِ جنگ میں اترے بغیر ہی قتل ہو چکے ہیں، ان کے دل وجان میں صرف مادہ و دولت گردش کرتی رہتی ہے اور ظاہر داری و ظاہر پرستی ہی ان کے لیے سب کچھ ہے۔

وقتِ احتساب:

اب وقت آچکا ہے کہ اپنے گریبان میں جھانک کر ذمہ دارانہ انداز سے صحیح محاسبہ کریں

اس بات کا اعتراف کر لیں کہ تمام مغربی نظامہائے تعلیم و تربیت افراد اور معاشروں کی تربیت سے عاجز ہیں اور اس سلسلے میں وہ نا کام ہو چکے ہیں، ان درآمد کردہ نظاموں نے دو میں سے ایک کام ضرور کر دکھایا ہے۔

اول تو دین کے کلی انکار پر اکسایا ہے، اور اگر یہ نہیں تو کم از کم دین اور دنیا میں جدائی و دوئی پیدا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، ان کے نظریات و تحقیقات تو اسی پر قائم ہیں مگر جب ان کے نفاذ کی باری آئی تو تجربات صرف امورِ دنیا پر کیے گئے اور دین کو پوری طرح دیس نکالا دے دیا گیا، یوں تعلیم و تربیت کے نظام کو دین سے بالکل بے گانہ کر دیا گیا ہے۔

بشری تجربات کے شاخسانے:

اے ماہرینِ تعلیم و تربیت! اے فاضل حضرات! علوم و آدابِ نظام و منہج اور نظریاتِ تعلیم و تربیت جو مشرق و مغرب یا دنیا کے کسی بھی ملک میں ظاہر ہو چکے ہیں یا ظاہر ہونے والے ہیں یہ سارے کے سارے انسانی عقل کے شاخسانے اور بشری تجربات ہیں، ان کے تیار کرنے والے موجد لوگ غلطی بھی کر سکتے ہیں اور کبھی صحیح بھی ہو سکتے ہیں، سیدھے بھی چل سکتے ہیں اور ڈگمگا بھی جاتے ہیں، ان کے نظریات و تجربات سے صرف ان امور کو چن کر ان سے استفادہ کیا جائے جو فائدہ مند ہیں اور خصوصاً ان امور کو پہلے الحاد و بے دینی، فساد و بگاڑ اور دینی و اخلاقی قدروں کی توہین پر مبنی عوامل و مواد سے پاک کر لیا جائے، تب جا کر ان سے استفادہ کرنا جائز ہو سکتا ہے، کیونکہ ربِ کائنات کا ارشاد ہے:

﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ﴾ [البقرۃ: ۱۳۸]

''اللہ کا رنگ (اختیار کرو) اور اللہ کے رنگ (دینِ اسلام) سے بہتر کونسا رنگ ہو سکتا ہے اور ہم سب اُسی کے عبادت گزار ہیں۔''

یہ بات عقل و دانش سے دور اور امتِ اسلامیہ کی خیر خواہی سے بہت بعید ہے کہ یونانی و رومانی اور مغربی علوم و نظریات کو پورے کا پورا ہی نقل کر لیا جائے اور فساد و بگاڑ کے سارے عوامل کو ان میں اسی طرح رہنے دیا جائے، بلکہ یہ واجب و ضروری ہے کہ ان علوم و نظریات اور تحقیقات و دراسات کو پہلے ایمان و تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کی چوکھٹ پر سرنگوں کیا جائے اور ان میں یہ چیزیں

بھرنے کے بعد انھیں قبول و نافذ کیا جائے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ [الفاطر: ۲۸]

''اللہ کے بندوں میں اس سے ڈرنے والے تو صرف علما ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [آل عمران: ۱۹۱]

''وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بارے میں سوچتے ہیں (تو یہ کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! یہ سب کچھ تو نے باطل ہی پیدا نہیں فرمایا، تو پاک ہے، ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔''

نظامِ تعلیم و تربیت:

بلادِ اسلامیہ کا سب سے بڑا مسئلہ تعلیم و تربیت کا مسئلہ ہے کیونکہ امتِ اسلامیہ اپنے مزاج، اپنے منہاج و طریقہ اور اغراض و مقاصد کے اعتبار سے ایک ممتاز و منفرد امت ہے، جو مبادیات واُصول، ایمانی عقائد، رسالت و دعوت اور جہاد والی امت ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ تعلیم و تربیت بھی اس کے اصول و مبادی، عقائد و ایمان، رسالت و پیغام اور اس کی دعوت کے تابع ہوں، اور ہر وہ نظامِ تعلیم و تربیت جو ان امور سے عاری و خالی ہوگا وہ امت کے ساتھ خیانت اور اپنی ذمہ داری کے ساتھ غداری کرنے کے مترادف ہوگا۔

اسلامی نظامِ تعلیم و تربیت کے امتیازات:

اسلام میں تعلیم و تربیت کو انسانی کوششوں اور بشری اجتہادات کے ہاتھوں کا کھلونا نہیں بننے دیا گیا، اور نہ یہ معاملہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں سونپا گیا ہے جنھیں مغرب سے درآمدہ اُصول و مبادیات بڑے پسند ہیں اور وہ مغربی ملحدانہ افکار و نظریات کے اسیر و قیدی ہیں، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اسے کبھی دائیں اور کبھی بائیں، کبھی رجعت پسندوں اور کبھی ترقی پسندوں کے نظام کے مطابق نہ چلاتے پھریں، کبھی اشتراکی نظام (سوشلزم) کا تجربہ نہ کریں اور کبھی سرمایہ دارانہ نظام نہ لے آئیں،

کسی مدرسہ میں کوئی طریقہ اور کسی میں کوئی دوسرا نظام، کہیں کوئی آئیڈیا اور کہیں کوئی قانون۔

فاضل حضرات! یہ تعلیم و تربیت کوئی مالِ تجارت نہیں کہ جس کی درآمد و برآمد کی جا سکے بلکہ یہ وہ لباس ہے جو امت کے جسم کے برابر تیار کیا جاتا ہے تاکہ اس کی حقیقت اور اس کے خد و خال کا عکاس ہو یعنی باطنی حقیقت کو آشکارا کرے اور ظاہری خدوخال کی عکاسی کرے۔

تعلیم و تربیت امت کے ان أغراض و مقاصد کا نمونہ ہوتی ہے جن کی تکمیل کے لیے وہ جیتی ہے اور جن کی خاطر وہ مرتی ہے، وہ امت کے دلوں میں راسخ و جاگزیں عقیدہ کی عکاس ہوتی ہے، وہ اس زبان کی عکاس و امین ہوتی ہے جس سے اس امت کی تہذیب و ثقافت کا تانا بانا تیار ہوتا ہے، وہ اس کے آئیڈیل کا نمونہ ہوتی ہے جس کے پانے کے لیے وہ کوشاں رہتی ہے اور تعلیم ہی اس تاریخ کی محافظ و امین ہوتی ہے جو اس امت کا سرمایۂ افتخار ہے۔

امتِ اسلامیہ ایسے نظامِ تعلیم و تربیت کی محتاج ہے جو اس کی فطرت و مزاج کے مطابق ہو اور اس کے عقیدہ و شریعت اور روحِ جہاد کا ساتھ دے سکے تاکہ وہ اس امت کی عظمتِ رفتہ اور عزت و شانِ گزشتہ کو واپس لوٹا سکے۔

اس امت کو ایسی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے جس پر ایک مسلمان کی اول تا آخر زندگی قائم ہو سکے، جو اس مسلم معاشرے کے تمام طبقات کو شامل ہو اور اس کے تمام اچھے برے حالات میں اس کا ساتھ دے سکے۔

ایسی تعلیم و تربیت جو انسان کی عمر کے تمام ادوار اور اس کے سالہا سال کا ساتھ دے اور اس کے (مراحلِ تعلیم) نرسری کلاسز سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک کے تمام مراحل انسان کی عمر کے ساتھ چلیں، اس میں تبدیلی ہو تو صرف عملی اصلاح و پاکیزگی میں اضافے، عظمتِ رفتہ کو واپس لانے اور عزت و شرف کے تحفظ کو مزید یقینی کرنے کے لیے ہو۔

امتِ اسلامیہ کو ایسی اسلامی تربیت کی ضرورت ہے جو دلوں کی اصلاح کا باعث ہو، نفوس کی بیماریوں اور زخموں کے لیے دوا و مرہم کا کام دے اور عقلوں کو جلا بخشے، أفرادِ اُمت میں صلاحیتوں کی کمی بیشی اور فرق کا اعتراف کرے، اربابِ عقل و دانش، أصحابِ اہلیت اور اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں کے مالک لوگوں کا مقام و احترام سکھلائے، یقیناً ہر شخص کے لیے وہ کام آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

تربیت کا معنی ہی اللہ کے حکم سے مردانِ میدان پیدا کرنا، عقلوں کو صیقل کرنا، کردار وعمل کی صلاحیتوں کو جلا دینا اور تمام علوم و معارف کے اَغراض و مقاصد کو حاصل کرنے کے لائق بنانا ہے، تاکہ انسان اس زندگی میں کامیابی سے گزر کر سکے اور اس حیات دنیوی کو اس کے پاکیزہ اَغراض و مقاصد اور اعلیٰ اہداف کے مطابق بسر کر سکے۔

تعلیم و تربیت مسلمان کے لیے اِصلاحِ عقیدہ وعبادت اور اِصلاحِ اَخلاق کا ایک عہد ہے، تربیت در اَصل زندگی کے تمام شعبوں میں اصلاحات کے اِجرا کی سعی کا دوسرا نام ہے تاکہ دنیا وآخرت میں سعادت وخوشحالی کا حصول ممکن ہو۔

سعادت وخوشحالی کے بارے میں اور اسکی تفسیر وتشریح کے بارے میں چاہے کچھ بھی کہیں اس کے یقینی مفہوم و مدلول کا اِحاطہ ممکن نہیں، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تربیت وتعلیم سے امت اپنی ان اَخلاقی و فطری قدروں کا تحفظ کرتی ہے جن پر اس کی زندگی کا دارومدار ہے، اور یہ اس امت کی بقا کے لیے ایک جہاد ہے اور آئندہ نسلوں کے لیے ان قدروں کو پوری امانتداری سے منتقل کرنے کی ذمہ داری ہے۔

خیر وشر میں تفریق:

ہم مسلمانوں کے یہاں کفر وایمان، دین وزندیقیت، شرع کی پابندی و اِباحیت اور حلال وحرام میں فرق بہت واضح ہے، اور ان میں سے ہر دو کے درمیان صریح خطوط موجود ہیں جو ان میں خیر کو شر سے ممتاز کرتی ہیں، جبکہ دوسری تمام غیر مسلم اَقوام کے عقائد بڑے مبہم وغیر واضح ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ [آل عمران: ١١٠]

”تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہو، تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“

تدوینِ جدید کی ضرورت:

مسلمانو! اور ماہرینِ تعلیم وتربیت! اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اسلامی ممالک میں تعلیم وتربیت کے نظام کو ان کے قالب میں ڈھالیں اور تمام متداول و مروّج علوم و معارف کو اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق ازسرِ نو مدوّن کریں اور سائنسی نیز تمام دیگر علوم میں ایمان باللہ اور

یقین کامل کا مواد شامل کیا جائے۔

امتِ اسلامیہ اگر یہ کام کر گزری تو وہ دن دور نہیں جب وہ نسلیں وجود میں آ جائیں گی جن کے افراد ایک مسلمان کی عقل سے سوچیں گے، ایک مسلم کے قلم سے لکھیں گے اور اپنے تمام امور کو ایک مسلمان آدمی کی حیثیت سے سرانجام دینگے اور اپنے تمام معاملات کو ایک مسلمان فرد کی حیثیت سے نبھائیں گے۔

بہت بڑا...لیکن آسان کام:

یہ کام ہے تو بڑا وسیع اور محنت طلب مگر یہ ہے بھی تو اللہ کے حکم سے قوم کی حیات وقوت اور نجات کا ضامن، اور پھر یہ کسی فردِ واحد کا کام بھی نہیں بلکہ ان بڑی بڑی کمیٹیوں اور اداروں کی ذمہ داری ہے جو اسلامی حکومتوں کے مالی ومادی اور اخلاقی تعاون اور حوصلہ افزائی کے لیے کام کر رہے ہیں، اگر نیتیں صحیح و صادق اور عزائم پختہ ہوں تو اللہ کے حکم سے یہ کام بہت ہی سہل و آسان ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ سَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ [التوبة: ١٠٥]

”کہہ دیجیے کہ تم عمل کیے جاؤ تمھارے عمل اللہ خود دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور ایمان والے (بھی دیکھ لیں گے) اور تم عنقریب اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے سو وہ تم کو تمھارا سب کیا ہوا بتلا دے گا۔“

اسلامی تعلیم وتربیت کے میدان میں کام کرنے والے لوگ ایسے مسلمان ورکرز ہوتے ہیں جو ایک پیداواری کام سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ صحیح معنوں میں زمین پر اللہ کی طرف سے مقرر کردہ خلیفہ کی ذمہ داری نبھاتے ہیں جس سے اللہ ان کی قوت میں مزید اضافہ کرتا ہے۔

چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴾ [هود: ٣]

''اور یہ کہ تم لوگ اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اسی کی طرف متوجہ رہو، وہ تم کو وقتِ مقرر تک اچھا سامان (زندگی) دے گا، اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا۔''

اور ایک دوسرے مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَ يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَ لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴾ [هود: ٥٢]

''اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے پالنے والے سے اپنی تقصیروں کی معافی طلب کرو اور اس کی جناب میں توبہ کرو تاکہ وہ برسنے والے بادل تم پر بھیج دے اور تمھاری طاقت پر مزید طاقت وقوت بڑھا دے۔''

اسلامی تعلیم کے اصول ومبادیات:

اسلامی تعلیم وتربیت اپنے عظیم اصول ومبادیات میں جن اعلیٰ اقدار کو جمع کیے ہوئے ہے، ان میں سے تقویٰ، رحم وکرم، ایثار وقربانی، عفو ودرگزر، اخوت وبھائی چارہ، حقوق اللہ، حقوقِ والدین، حقوقِ اعزا واَقارب، اپنے سے بڑوں کے حقوق اور اپنے سے کمزور کے حقوق، ہر کسی کے حقوق کو ادا کرنا وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح آداب واُخلاق اور کردار کی باریکیوں میں سے سلام کرنے کے آداب، کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینے کے آداب، کلام وگفتگو کے آداب، کھانے پینے کے آداب، حصولِ علم کے آداب، زیارت وملاقات کے آداب اور مریض کی عیادت ومزاج پرسی کے آداب بھی اسلامی تعلیم وتربیت کا حصہ ہیں۔

اسی طرح اسلامی تعلیم وتربیت میں جن برائیوں اور معاشرتی، دینی اور اخلاقی بیماریوں سے بچاؤ کی تاکید کی جاتی ہے ان میں تکبر، حقد، حسد، ریا کاری، غرور، بدظنی، حبِ دنیا، خواہشاتِ نفس کا غلبہ اور بخل وغیرہ شامل ہیں۔

اسلامی تعلیم وتربیت کا راستہ وہ صراطِ مستقیم ہے جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا، جن میں سے اَنبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین بھی ہیں اور یہ سب نہایت ہی اچھے رفقا

ہیں۔ نیز اس میں اس راستے پر چلنے سے اجتناب کی تعلیم دی جاتی ہے جو ان لوگوں کا راستہ رہا ہے جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا (یہود) اور ان لوگوں کا بھی راستہ ہے جو گمراہ ہوئے (عیسائی)۔

اسلامی تعلیم کی اُساس و بنیاد قرآنِ کریم اور سنتِ مطہرہ ہیں جن پر تعلیم و تربیت کے تمام مراحل کی بنیاد ہے۔ اسلامی تعلیم و تربیت کا قدوۂ اعلیٰ اور اسوۂ حسنہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے، اور قول و عمل سے پہلے حصولِ علم ضروری ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾

[محمد: ١٩]

''اے نبی! آپ جان لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے حق میں بھی۔''

سعودی عرب کا نظامِ تعلیم:

یہاں جس بات کا تذکرہ خاص طور پر ضروری ہے اور جو چیز بجا طور پر تذکرہ اور شکریہ کی مستحق ہے وہ حرمین شریفین والے اس ملک کی حکومت ہے جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے مأخوذ تعلیمات کو نافذ کیے ہوئے ہے، جیسا کہ نظامِ تعلیم و تربیت کے علاوہ دیگر تمام امور میں بھی اس کا یہی طریقۂ کار ہے۔ فللّٰہ الحمد والمنّۃ

یہاں ایسا تعلیمی و تربیتی نظام رائج کیا گیا ہے جس کے اصول و مبادیات امت کے دین، اس کے اخلاق و کردار اور حقیقی اَہداف و مصالح اور اَغراض و مقاصد کی عکّاسی کرتا ہے، ایسا تعلیمی نظام جو ایسے خطوط وضع کرتا ہے جن پر تعلیم و تربیّت قائم ہے، تاکہ یہ واجب ادا ہو کہ اَفرادِ امت کو ان کے رب اور دین کی معرفت مہیا کی جا سکے اور ان کا کردار و اخلاق اللہ کی شریعت کے مطابق سنوارا جا سکے، اور اس لیے بھی کہ معاشرے کی ضروریات پر پورا اترا جا سکے اور امت کے اَغراض و مقاصد کو حاصل کیا جا سکے۔ اس ملک کا نظامِ تعلیم تمام تعلیمی اداروں کے ابتدائی سے لے کر اَعلیٰ تعلیم کے مراحل تک کو شامل ہے، یہاں مختلف پروگرامز ہیں، مناہج اور تعلیمی و تربیتی وسائل و ذرائع ہیں، انتظامی سسٹم اور دفتری سامان ہے، اور تعلیم و تربیت سے متعلقہ قیمتی مشینری وغیرہ ہر چیز دستیاب ہے۔

تعلیم وتربیت سے متعلقہ اُفسروں اور ذمہ داروں کی ڈیوٹی ہے کہ وہ اس اسلامی نظامِ تعلیم وتربیّت کو ملک میں نافذ کریں، اور وہ اس ڈیوٹی کو بخیر وخوبی نبھا رہے ہیں اور وہ اللہ کے فضل سے اسلامی نظامِ تعلیم سے متعارض ومتضاد غیر ملکی وغیر اسلامی اُفکار سے متاثر ہونے سے بہت دور ہیں۔

ہمارا ملک اللہ کے فضل وکرم سے نفاذِ شریعت کے معاملے میں تمام اسلامی ممالک میں پیش پیش ہے اور اسلامی تعلیم وتربیت کے اہتمام میں اپنی مثال آپ ہے۔

اللہ تعالیٰ پوری امتِ اسلامیہ کے عوام، حکام وقائدین اور ماہرینِ تعلیم وتربیت کو توفیقِ خیر سے نوازے، انھیں نورِ بصیرت، صدق وصفاءِ قلب، اصابتِ رائے، صدقِ قول اور حسنِ عمل عطا کرے، صحیح پروگرام ترتیب دینے کی ہمت بخشے اور اللہ کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر گامزن کرے۔ آمین. إِنَّهُ سَمِيعٌ مُّجِيبٌ

تواضع اور انکساری

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سعود الشریم ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

نئی ایجادات:

دورِ حاضر میں تہذیبِ نو نے معاشرے کو جو بہت نئی ایجادات عطا کی ہیں ان میں سے بعض چیزیں تو بڑی واضح صورت میں سامنے آئی ہیں، جنھوں نے زمین کے اکثر حصے کی حاجات و ضروریات کو پورا کیا ہے، لیکن ان میں سے بعض آلات و اَشیا ایسی ہیں کہ وہ ایسا مادی طوفان بن کر ابھری ہیں جو اس تہذیبِ جدید کے آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے سے نکلنے والے سیال لاوے کی شکل میں اپنے ساتھ بے شمار اَخلاقِ فاضلہ اور اخلاقی قدروں کو بھی بہائے اور جلائے جا رہی ہیں۔

اس زندگی کی نئی نئی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ایک دوسرے سے بازی لے جانے کا رجحان ایسا بھی نہیں ہو جانا چاہیے کہ وہ اسلام کے مبنی بر شرافت اُصول و مبادی کو اپنانے کے راستے میں حائل ہو جائے، وہ اصول و مبادی جن کی اسلام نے صحیح معنوں میں رعایت ونگہداشت کی ہے بلکہ جن کا مطالبہ کیا اور جن کی طرف ہر شکل میں دعوت دی ہے، خواہ لوگوں کی مادی حالت کتنی بھی وسعت اختیار کر جائے یا کتنی ہی تنگ کیوں نہ ہو جائے۔

امتِ اسلامیہ کی حالت:

آج امتِ اسلامیہ انتہائی تکلیف دہ حالات سے گزر رہی ہے، اس کی کئی روحانی موروثی قدریں دم توڑ رہی ہیں۔ مسلمانوں کی غفلت کا یہ عالم ہے کہ بعض لوگ تو یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ جیسے وہ ہمیشہ ہی اسی دنیا میں رہیں گے اور گردشِ شب وروز کی چکی کے دو پاٹوں میں کبھی بھی پسنے والے نہیں ہیں۔ اس نظریہ نے حقد و بغض سے بھرے سینوں اور کاٹ دار زہریلی زبانوں کو جنم دیا ہے جس کے نتیجے میں کتنے ہی شریفانہ اخلاق و کردار اور قدریں دم توڑ رہی ہیں، حتی کہ ایسے لوگ جانتے ہی نہیں کہ زہد کیا ہے؟ رحم دلی اور صلہ رحمی کسے کہتے ہیں؟ تواضع اور انکساری اور نرمی کن چیزوں کے نام ہیں؟

جرمِ ضعیفی کی سزا:

بعض لوگوں کے رہن سہن کا انداز اور دوسرے لوگوں سے تعامل ولین دین کا رنگ ڈھنگ

ایسا بن چکا ہے کہ وہ انسانی لباس میں چھپے ایسے بھیڑیے ہیں جو آپ کے ذرا لاپرواہ ہوتے ہی آپ کو کھا جائیں، اگر آپ ان کے سامنے ذرا جم کر کھڑے نہ رہیں گے تو وہ آپ پر جھپٹنے اور بدتمیزی پر اتر آنے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔ ان کی حالت تو اس مثال کی سی بن چکی ہے کہ ''اگر آپ دوپہر کے وقت انھیں نہ کھا گئے تو رات کو وہ آپ کو کھا جائیں گے۔''

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

عجیب فلسفۂ اخلاق:

ان کا عظیم فلسفۂ اخلاق یہ بن چکا ہے کہ دوسرے لوگوں سے اس زاویہ سے گفتگو کرو کہ تمھارے پاس کتنی جائیداد اور بنک بیلنس ہے؟ سوسائٹی میں تمھارا کیا مقام ہے؟ اس کے ساتھ ہی ان کا خیال ہے کہ خوش حالی و سلامتی کے لیے یہی بہت کافی ہے، اور تعلیم و تربیت یا روحانی تہذیب کی بجائے مال و دولت ہی ہر چیز کی ضمانت ہے، اس کے علاوہ جتنے اخلاقِ فاضلہ اور خصال حمیدہ ہیں وہ سب پرانے وقتوں کی باتیں ہیں جنھیں زمانہ چاٹ چکا ہے۔

یہ سوچ ان لوگوں کی ہے جو اخلاقی قدروں سے عاری ہیں، جن کی نفسیات دنیا کے مال و دولت سے متاثر ہو چکی ہے، وہ صرف مال میں ہی ترقی اور اسی میں زوال سمجھتے ہیں، اور یہ گمان کیے ہوئے ہیں کہ روز مرہ کی زندگی اور اس کی معمول کی ڈگر میں جہاں بھی کوئی ذرا بھر بھی خلل یا نقص آئے تو مال کے ذریعے اس کی اصلاح و ترمیم کی جا سکتی ہے، اور اگر کہیں کوئی زنگ لگ جائے تو خاندانی حسب و نسب اور اپنے مالی جاہ و جلال سے اسے صیقل کیا جا سکتا ہے، یہ ان مادہ پرست لوگوں کا خیالِ خام اور زعمِ باطل ہے۔

اصل حقیقت:

اگر کسی مسلمان کو اس بات کا ادراک ہو جائے کہ دوسرے مسلمانوں کا اس پر پہلا حق یہ ہے کہ وہ اپنے دل میں لوگوں کا غم بھی رکھے، صرف اپنی ہی ذات کو نہ اٹھائے پھرے، اگر کسی نے یہ کر لیا تو وہ دوسروں پر فوقیت لے گیا اور اس کی حقیقی عظمت یہ ہے کہ وہ لالچ و طمع اور تکبّر جیسی عاداتِ قبیحہ پھلانگ کر دوسروں پر فوقیت حاصل کر لے، اور اگر ہر شخص ایسا ہو جائے اور ان میں اسلام کے

زیرِ سایہ فراخی و وسعتِ قلبی، تواضع و انکساری، محبت اور شفقت و پیار کا مادہ پیدا ہو جائے تو سمجھیں کہ اب سب لوگ ہی آزاد ہو گئے ہیں۔

رہا معاملہ سوسائٹی میں مقام و مرتبہ، مال و دولت اور جاہ و منزلت کا، تو یہ سب آنی جانی چیزیں ہیں، آج آپ کے پاس ہیں کل نہ ہوں گی، اور ان چیزوں کا تعلق محض ظاہر سے ہے، دلوں کے باطنی امور سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ﴾

[الرعد: ١٧]

”جھاگ تو ناکارہ ہو کر چلا جاتا ہے، لیکن جو لوگوں کو نفع دینے والی چیز ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے۔“

حضرت وہب بن منبہ نے حضرت مکحول کو لکھا:

”حمد و ثنا کے بعد عرض ہے کہ لوگوں میں آپ نے اپنے ظاہری عمل سے عزت و شرف اور قدر و منزلت حاصل کر لی ہے، اب اس کے ساتھ ہی اپنے اعمال کے باطن یعنی خلوصِ نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی عزت و قدر حاصل کرو، اور یہ بات ذہن نشین کر لو کہ ان ہر دو مقامات کا آپس میں باہم تنازع رہتا ہے کہ میں ہی غالب آؤں۔“ [1]

اللہ کے بندو! اسی طرح صاحبِ عظمت اور عام بازاری آدمی، مال دار اور فقیر آدمی میں ہر چیز میں باہمی اتصال صرف تواضع کی وجہ سے ہو سکتا ہے، خصوصاً جب ہر شخص درہم و دینار کے حوالے سے ہٹ کر سوچنے لگے تب جا کر وہ نوبت آتی ہے جس کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ پورا مسلم معاشرہ ایک جسم ایک جان کا منظر پیش کرنے لگتا ہے کہ اگر جسم کے کسی ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم ہی بخار و تکلیف اور رت جگے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ [2]

اخلاق کی اساس...تواضع اور انکساری:

تواضع و انکساری ایک ایسا اخلاقی نمونہ ہے جس کی مسلمانوں میں تو بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے۔ یہ دراصل تمام معاشروں کے اخلاقِ عامہ کی اساس و بنیاد ہے اور ان کے مابین حسنِ اتصال و

---

[1] حلية الأولياء (٤/ ٥٤، ٥/ ١٧٨)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٦٦٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٨٦)

تعلق کا سبب ہے، اور یہ تواضع ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھے بُرے اور کالے گورے کے درمیان فرق کرنے والی کسوٹی ہے۔

تواضع و انکساری کا ہمارے مابین ایک ایسا اعلیٰ مقام ہونا چاہیے جس پر شہوت و خواہشِ نفس کا راج نہ ہو بلکہ ہر کسی کے ساتھ خندہ روئی سے میل جول ہو، افرادِ معاشرہ میں باہمی تواضع کا یہ حال ہو کہ افرادِ معاشرہ کو باہم ملنے کے بعد یوں محسوس ہو کہ ہم ایک دوسرے سے اجنبی نہیں ہیں۔

جبکہ مادہ پرست لوگوں میں بلکہ مادی عقل کے جنگل میں تواضع نام کی چیز تو بالکل مفقود ہو چکی ہے، ایسے لوگ جو تکبّر کا تباہ کن لباس اوڑھے ہوئے ہیں انہیں دیکھ کر سامنے والے کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں آتی بلکہ لوگ آنکھیں بند کر لیتے ہیں، حرارتِ ایمانی اور حقیقتِ انسانی سے معمور دل اس سے دوری اختیار کرتے ہیں اور لوگ اس کے سائے سے بھی دور بھاگتے ہیں۔

کسی مسلمان کو ہرگز یہ لائق نہیں کہ وہ تواضع اختیار کرنے سے کنی کترائے یا ایسا عظیم اخلاقی وصف اختیار کرنے سے محروم رہے کیونکہ اسی میں سلامتی ہے، یہی عادت لوگوں کے دلوں میں الفت و محبت پیدا کرتی ہے، ان کے حسد اور حقد و بغض کا خاتمہ کرتی ہے اور ہر کسی کے دل میں یہ احساس پیدا کرتی ہے کہ ہمارے بھی دوسروں پر کچھ حقوق ہیں، اگر تواضع نہ ہو گی تو یہ مذکورہ اوصاف بھی نہ ہوں گے۔

شریف آدمی کا تواضع اختیار کرنا اس کی عزت و شرف میں اضافے کا باعث ہوتا ہے اور کمینے آدمی کا تکبّر میں مبتلا ہونا اس کی کمینگی و ضعف میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کہ ایک غریب شخص ہو مگر ساتھ ہی وہ متکبر بھی ہو، تو اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کی طرف قیامت کے دن نہ نظرِ رحمت سے دیکھے گا، نہ اس سے کلام کرے گا، اور نہ اسے پاک کرے گا، اور اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔[1]

انسان کی اصل:

سبحان اللہ! تعجب ہے ایسے انسان پر جو تواضع اختیار نہیں کرتا حالانکہ اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ گندے پانی کے قطرے (نطفے) سے پیدا کیا گیا ہے، مرنے کے بعد وہ ایک مردار بن جائے گا، اور زندگی بھر وہ اپنے پیٹ میں بول و براز کی غلاظتیں اٹھائے پھر رہا ہے، پھر بھی وہ کیوں تواضع اختیار نہیں کرتا؟!

---

[1] مسند أبي يعلی (۱۱/ ۷٦)

تواضع کے فضائل:

تواضع میں اگر اس کے سوا کوئی بھی قابلِ تعریف چیز نہ ہو کہ متواضع شخص جب بھی تواضع اختیار کرتا ہے تو وہ عزت وشرف میں بھی بڑھ جاتا ہے تو بھی ہم میں سے ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ متواضع رہے اور غیروں کی تقلید نہ کرے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

《ما من امرئ إلا وفي رأسه حَكَمَةٌ، والحَكَمَة بيد ملك، إن تواضع، قيل للملك: ارفع الحكمة، وإن أراد أن يرفع قيل للملك: ضع الحَكَمَة》[1]

''ہر شخص کے سر میں لگام جیسی ایک چیز ڈالی گئی ہے اور وہ ایک فرشتے کے ہاتھ میں تھمائی گئی ہے، اگر کوئی شخص خصلتِ تواضع کو اپناتا ہے تو فرشتے سے کہا جاتا ہے کہ اس کی لگام اوپر اٹھا لو، اور اگر کوئی شخص تکبر سے سر اٹھاتا ہے تو فرشتے سے کہا جاتا ہے کہ اس کی لگام کو نیچے پھینک دو۔''

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

《ما تواضع أحد لله إلا رفعه الله》[2]

''اگر کوئی شخص اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ اسے اور بلند مقام عطا کرتا ہے۔''

اللہ کے بندو! جس سے تواضع کی صفت مفقود ہوگئی وہ ایسا شخص ہو گیا کہ جس پر تکبر چھا گیا اور اس پر خود پسندی نے تسلط جما لیا، وہ شخص خود غرض ہے، وہ تکبر کی آڑ میں اپنی خباثت کو چھپاتا ہے، اور اس کے تکبر کا منہ زور گھوڑا منہ کے بل گرتا ہے۔

جس میں تواضع نہ ہو وہ عقل سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے کیونکہ وہ ردّی چیز کو اوپر اٹھاتا اور قیمتی ونفیس چیز کی ناقدری کرتا ہے جیسا کہ موجیں مارنے والا سمندر کہ لعل و جواہر تو اس کے دامن میں تہہ میں بیٹھے رہتے ہیں اور خس و خاشاک اور جھاگ کو وہ اوپر سطح پر اٹھا دیتا ہے، یا پھر وہ ترازو کی طرح ہوتا ہے کہ جو پلڑا خفیف و ہلکا ہوگا اسے وہ اوپر اٹھا دے گا۔

---

[1] المعجم الكبير للطبراني (١٢/ ٢١٨) اسے امام منذری، ہیثمی، سیوطی، مناوی اور البانی رحمہم اللہ نے حسن کہا ہے۔

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٨٨)

جس میں تواضع کا فقدان ہوگا وہ بے حس، جذبات سے عاری اور بدقسمت ہوگا، وہ غیروں سے عبرت حاصل نہیں کرتا، اور اس بات کو ذہن میں نہیں رکھتا کہ آج جہاں وہ کھڑا ہے یہاں ہزاروں لوگ کھڑے رہ کر گزر گئے ہیں اور کتنے ہی اس جگہ کے انتظار میں ہیں؟

آج تک کبھی کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا گیا کہ اس نے تواضع کا دامن چھوڑ دیا ہو اور اپنے سے کمتر درجہ کے لوگوں پر تکبر و زیادتی میں مبتلا ہو گیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسے ذلت و رسوائی سے دو چار نہ کیا ہو، جس نے اپنے ہی بھائیوں پر زیادتی کی وہ ان کے صدق وصفا پر اعتماد نہیں کرتا، جس نے تکبر کیا اس نے تواضع نہیں کی۔

متکبر کی تین مذموم خصلتیں:

متکبر شخص تین مذموم خصلتوں میں مبتلا ہوتا ہے:

۱۔ پہلی یہ کہ وہ کسی کے سامنے تکبر نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود پسندی میں مبتلا نہ ہو اور یہ زعم نہ کر لے کہ میں دوسروں سے افضل و اعلیٰ ہوں۔

۲۔ دوسری یہ کہ وہ اپنے گرد وپیش کے لوگوں کو اپنے آپ سے حقیر سمجھتا ہے، اور اگر کوئی شخص دوسروں کو حقیر نہ سمجھے تو وہ تکبر نہیں کر سکتا، اللہ نے جسے دولتِ ایمان سے نواز رکھا ہو اسے جو شخص حقیر سمجھے اس کے لیے یہی گناہ و سرکشی کافی ہے۔ متکبر کو یہ حق کس نے دیا کہ وہ لوگوں کو حقیر سمجھے اور اپنا غلام جانے، جبکہ ان کی ماؤں نے انھیں آزاد جنم دیا ہے؟

۳۔ اور تیسری بُری خصلت یہ کہ متکبر انسان اللہ جل و علا کی صفات میں اس سے تنازع کرتا ہے، کیونکہ کبریا و عظمت کی صفات صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص اور اسی کے لائق ہیں۔

ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((الكبرياء ردائي، والعظمة إزاري، من نازعني واحدا منهما ألقيته في جهنم))[1]

''تکبر میری اوپر کی چادر، اور عظمت وشان میری نیچے کی چادر ہے، جس نے ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی کھینچنے کی کوشش کی میں اسے جہنم میں جھونک دوں گا۔''

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۶۲۰)

تکبر کس چیز پر؟

اے کاش! ہمیں بھی پتہ تو چلے کہ وہ کون سی چیز ہے جو بے شمار لوگوں کو خود پسندی اور غرور وتکبر پر آمادہ کرتی ہے، اور دوسروں کے سامنے نرم خو ہو کر اور تواضع شعار بن کر رہنے سے انھیں کون روکتا ہے؟

اگر کہا جائے کہ متکبر کی جبلت وفطرت ہی ایسی ہوتی ہے، وہ پیدا ہی اسی سرشت پر ہوتا ہے اور اس سے پیچھا چھڑانا اسکے لئے مشکل ہوتا ہے تو یہ بات ہرگز درست نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«إن اللّٰه أوحى إلي أن تواضعوا حتى لا يفخر أحد على أحد، ولا يبغي أحد على أحد»[1]

''اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کی اور فرمایا کہ تواضع اختیار کرو، کوئی شخص کسی دوسرے پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی شخص کسی کے خلاف بغاوت وسرکشی کرے۔''

یا پھر یہ تکبر کہیں کوئی نقص وکمزوری تو نہیں کہ جسے انسان اپنے آپ میں پاتا ہے اور اس کمزوری کو چھپانے کے لیے یا بالفاظِ دیگر اپنے اس احساسِ کمتری کو مٹانے یا خفت کو کم کرنے کے لیے وہ دوسروں کے سامنے فخر وتکبر کر کے اپنے آپ کو دھوکے میں ڈالتا ہے؟ یہ بات کچھ سمجھ میں آتی ہے اور ایسا ہو سکتا ہے، مگر یہ اس کے لیے ہے جو عزت وشرف اور رفعت وشان کی حقیقت سے نا آشنا ہو، اور یہ بھی نہ جانتا ہو کہ یہ سب تواضع سے ملتا ہے، اس سے فرار اختیار کرنے سے نہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم نے کرم کو تقویٰ میں، غنی وامیری کو یقین میں اور عزت وشرف کو تواضع وانکساری میں پایا ہے۔''[2]

اگر یہ سب کچھ نہیں تو پھر وہ کیا چیز ہے جو انسان کو کبر ونخوت اور غرور پر اکساتی ہے؟ کیا وہ حسد وتشفی اور حب ذات ہے؟ یا وہ شراب کے نشے جیسا نشہ ہے جو شرابی کو گھیر لیتا ہے؟ وہ پیتا ہے،

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٦٥)

[2] إحياء علوم الدين (٣/ ٣٤٣)

اور جب نشہ ٹوٹنے لگتا ہے تو پھر پیتا ہے اور پیتے پیتے وہ ایسا دھت رہنے لگتا ہے کہ اب وہ پیے یا نہ پیے اس کی حالتِ نشہ وغیر نشہ ایک جیسی ہی رہتی ہے۔

غرض سبب چاہے کوئی بھی ہو تواضع کا دامن چھوڑنا رذالت وکمینگی کی نشانی، گھٹیا خصلت اور بدترین حرکت ہے، کیونکہ خود پسندی وتکبر میں مبتلا شخص کی آنکھ ہمیشہ تاریک گوشے ہی سے دیکھتی ہے، لہٰذا فضائل تو اسے نظر ہی نہیں آتے، ایسے آدمی کا ایمان اتنی ہی تیزی سے خارج ہو جاتا ہے جتنی تیزی کے ساتھ ٹوٹے ہوئے برتن سے پانی بہہ جاتا ہے۔

سلف صالحین کے چند نمونے:

تعجب ہے ایسے لوگوں پر، وہ پتہ نہیں اپنے اَسلافِ امت کی زندگیوں کا مطالعہ کر کے انھیں اپنی نگاہوں کے سامنے کیوں نہیں رکھتے؟

۱۔ ہم سب کے امام و راہنما، اَولادِ آدم علیہ السلام کے سردارِ اَعلیٰ، حسب ونسب اور عظیم شان وشوکت والے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھ لیں، ایک معمولی چٹائی پر سوتے تھے، اَذیتیں دینے والوں کے ساتھ ہنستے مسکراتے تھے، ایک عورت، جو کسی کی شکایت کر رہی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ سرِ راہ کھڑے سنتے رہے، اپنے صحابہ کے ساتھ ایک برتن سے دودھ پیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخر میں دودھ پینے والے تھے، اہلِ صفہ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیا کرتے تھے، اور پھر جب فاتحانہ شان سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو انتہائی تواضع، عاجزی اور انکساری کے ساتھ داخل ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں کے درمیان بازار میں چلتے پھرتے تھے، جو دوسرے لوگ کھاتے وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کھاتے، جو لوگ پیتے وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پیتے تھے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

۲۔ اسی طرح خلیفہ راشد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت وسوانح پر نظر ڈال کر دیکھیں تو وہ اپنے محلے والوں کی بکریوں کا دودھ دوہتے نظر آتے ہیں، جب ان کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کر کے انھیں خلیفہ وحکمران بنا لیا تو ایک کنیز لڑکی نے کہا: اب وہ ہماری بکریوں کا دودھ نہیں دوئیں گے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بات سن لی اور فرمایا:

”کیوں نہیں؟ میں تمھاری بکریوں کا دودھ دوہتا رہوں گا، اور میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے خلافت مل جانے کے بعد اس فروتنی و تواضع کے اعتبار سے بدل نہیں دے گا۔“[1]

۳۔ یہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں! آپ کیا جانیں کہ فاروق رضی اللہ عنہ کیا ہیں؟ خلافت کے منصب کو رونق بخشنے کے بعد خطبہ دیا اور اس میں فرمایا:

”یہ بات ذہن نشین کر لو کہ مجھ میں جو شدّت و سختی تھی وہ ختم ہوگئی ہے البتہ وہ مسلمانوں پر ظلم و ستم اور جبر و استبداد کرنے والوں کے خلاف موجود رہے گی، اور جو لوگ میانہ رو، دین دار اور اَمن و سلامتی والے شہری بن کر رہیں گے میں ان کے لیے ان کے اپنے لوگوں کی طرح بلکہ وہ جتنے آپس میں ایک دوسرے کے لیے نرم ہوتے ہیں ان سے بھی زیادہ نرم رہوں گا، ظالموں کے لیے سختی برتنے کے ساتھ ساتھ عفت و پاکدامنی اور کفایت شعاری کرنے والوں کے لیے میرے رخسار زمین پر لگے رہیں گے، یعنی بُرے لوگوں کے لیے سخت اور اچھے لوگوں کے لیے نرم رہوں گا۔“[2]

لا إله إلا اللّٰه! یہ جو کچھ ہم کہہ سن رہے ہیں یہ حقیقت ہے یا محض تخیّل کی پرواز یا افسانہ؟ یہ محض حیرت انگیز قصے ہیں یا روشن حقائق ہیں جنھیں ان لوگوں نے اوراقِ تاریخ کا سرمایہ بنایا، جو یہ جانتے ہیں کہ دنیا کی حقیقت کیا ہے اور اللہ کی ہستی کیا ہے؟

۴۔ سننِ ترمذی اور مستدرک حاکم میں مروی ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”تم غرور میں رہتے ہو، میں گدھے کی سواری کرتا ہوں، شملہ دار عمامہ یا پگڑی باندھتا ہوں اور بکری کا دودھ دوہتا ہوں۔“ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«من فعل هذا، فليس فيه من الكبر شيء»[3]

---

[1] تاريخ الطبري (۲/ ۳۵٤)

[2] الاعتقاد للبيهقي (ص: ۳٦۰)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (۲۰۰۱) شعب الإيمان (۸۱۹۵) اس حدیث کو امام ترمذی، حاکم اور البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

''جس نے یہ کام کیے اس میں ذرہ برابر تکبر بھی نہیں ہوتا۔''

مغرور و متکبر اور خودسر وخود پسند لوگوں کو یہ واقعات وحقائق اپنے پیشِ نظر رکھنے چاہئیں، ایسے لوگ گردنوں کو تاؤ دیے اور چہروں پر تیوریاں چڑھائے فخریہ رنگ میں نہ پھرتے رہا کریں۔

اتنا غرور وتکبر کس بات پر ہے؟

اگر ان کے پاس ایک ہزار ہے تو ان پر دوسرے لوگوں کے حقوق دو ہزار سے بھی زیادہ ہیں، پھر یہ ہوا کیسی؟ ظاہری حسن و جمال کس کام کا؟ کسی بدصورت دل والے شخص کا چہرہ خوبصورت ہو تو وہ ایسے ہی ہے جیسے کسی مجوسی کی قبر پر قندیل جل رہی ہو۔ جن نوجوانوں کی اخلاقی حالت بہت بگڑی ہوئی ہو، کیا ان کے خوبصورت خد وخال انھیں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں!

جو شخص حسن منظر اور حسنِ عمل کے مابین موازنہ کرے گا اس پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکارا ہو جائے گی کہ بدعملی کا حسن و جمال اصل مطلوب ومقصود کو پورا نہیں کرتا۔ اللہ کے لیے بتایئے تو سہی کہ اس ظاہری لباس کا کیا معنی؟ جبکہ تقویٰ وعمل صالح کے لباس سے وہ بالکل عاری ہے اور لوگوں کے سامنے اس کی شرمگاہ تک بھی ننگی ہو رہی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِيْشًا وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ [الأعراف: ٢٦]

''اے بنی آدم! ہم نے تمھارے لیے لباس بنایا جو تمھاری شرمگاہوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجبِ زینت وزیبائی بھی ہے اور تقوے کا لباس، یہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔''

اونٹ اور مور کی مثالیں:

جس آدمی کو اپنا یہ کبر ونخوت بھرا انداز بڑا پسند ہو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اونٹ اس سے بھی زیادہ تکبر والا جانور ہے بلکہ اس سے تو وہ مور زیادہ متکبر ہے جب وہ اپنے دُم اور پروں کو پھیلا کر دیکھتا ہے تو اپنے حسن و جمال اور خوبصورت رنگوں پر خوب اتراتے ہوئے بڑا متکبرانہ چلتا ہے اور اپنے ہی پروں سے بنائے تاج پر قہقہے لگا لگا کر ہنستا ہے، اب کسی آدمی کے غرور وتکبر اور اس کے فخر و مباہات کا کیا معنی؟ جبکہ ایک جانور اس سے بھی آگے ہے!

عقلمند آدمی کا طریقۂ کار:

۱۔ صاحبِ عقل و ہوش کو چاہیے کہ جب کسی اپنے سے بڑی عمر والے شخص کو دیکھے تو اس کے ساتھ عاجزی وانکساری سے پیش آئے اور یہ کہے کہ اس شخص نے مجھ سے پہلے اسلام پر عمل شروع کیا اور زیادہ عمل صالح جمع کر لیے ہیں۔

۲۔ اور جب اپنے سے کم عمر کسی کو دیکھے تو اس کے ساتھ بھی فروتنی و تواضع کے ساتھ پیش آئے اور یہ سمجھے کہ میں نے اس سے پہلے گناہوں کا ارتکاب شروع کیا تھا لہٰذا میرے گناہ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔

۳۔ اور جب اپنے کسی ہم عمر کو دیکھے تو اسے اپنا قریبی بھائی سمجھے۔

غرض کسی مسلمان کو کبھی بھی حقیر و کمتر نہ سمجھیں۔ کتنے ہی گرے پڑے تنکے بھی کبھی کبھی کسی نہ کسی کام آ جاتے ہیں، کبھی کبھار آدمی کوئی تنکا ہی اٹھا کر اپنے کان میں پھیر لیتا ہے۔

امام ابن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”اگر یہ کہا جائے کہ اس گاؤں کے نیک نیک لوگوں کو ایک طرف نکال دو تو کتنے ہی ایسے لوگ سامنے آ جائیں جنھیں ہم جانتے بھی نہ ہوں گے۔“[1]

قرآن مجید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف یوں کرتا ہے:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ [الفتح: ۲۹]

”محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بڑے ہی سخت اور آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔“

ایک جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یوں حکم فرمایا ہے:

﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [الشعراء: ۲۱۵]

”جو بھی ایمان والا ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرے اس کے ساتھ نرمی و فروتنی سے پیش آئیں۔“

---

[1] روضۃ العقلاء لابن حبان (ص: ٦١)

تواضع کی اقسام:

تواضع ایک عظیم الشان اور بہت بڑا وصف وعمل ہے۔ اہلِ علم نے تواضع کے تمام متعلقات کو واضح کرنے کے لیے خوب خوب لکھا ہے، اور شرعی دلائل بھی پیش کیے ہیں۔

انھوں نے تواضع کی دو قسمیں بتائی ہیں:

۱۔ تواضع محمود ومطلوب۔ ۲۔ تواضع مذموم وغیر مطلوب۔

۱۔ تواضع محمود ومطلوب کی شکلیں:

أ۔ محمود ومطلوب اور پسندیدہ تواضع یہ ہے کہ آدمی اللہ کے بندوں پر دست درازی، ان کے سامنے تکبر وتعلی اور انھیں حقیر وکمتر سمجھنا ترک کر دے، اگرچہ ان میں سے کسی سے کبھی کبھی کوئی غلطی بھی سرزد کیوں نہ ہوتی ہو۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«ما زاد اللّٰه عبدا بعفو إلا عزا»[1]

''دوسرے کے ساتھ عفو ودرگزر اور معافی تلافی کا معاملہ کرنے والے بندے کی عزت و شرف میں اللہ تعالیٰ اضافہ کرتا رہتا ہے۔''

ب۔ محمود ومطلوب اور پسندیدہ تواضع کی دوسری شکل یہ ہے کہ دینِ اسلام اور شریعتِ الٰہیہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے رکھے اور دینی احکام ومعاملات کو عقل ورائے اور خواہشِ نفس کی بنیاد پر ٹھکرائے اور نہ کسی صحیح دلیل کو قبول کرنے سے انکار کرے اور نہ اس میں مِین میخ نکالنے میں کوشاں ہو۔ نبی اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو کھلے دل سے قبول کرے اور اللہ کی اس طرح عبادت کرے جس طرح عبادت کرنے کا اس نے حکم فرمایا ہے، اور اس میں خلوص وللّٰہیت کار فرما ہو، کسی عادت ورسم کا کوئی دخل نہ ہو، اور یہ کہ اپنے اس عمل صالح کی وجہ سے اللہ پر اپنا کوئی حق نہ جتانے لگے، بلکہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ وہ اللہ کی رحمت کا امید وار اور اسکے عذاب سے خوف زدہ رہے اور اس بات کا بھی یقین رکھے کہ کوئی بھی شخص اپنے عمل کے بل بوتے پر جنت میں داخل نہیں ہوسکتا، بلکہ صرف اللہ کی رحمت کے سہارے ہی جنت ملے گی۔

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٨٨)

ج۔ محمود و مطلوب اور پسندیدہ تواضع کی اقسام اور شکلوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض جائز و مباح لذتوں اور شہوت رانیوں کو بھی محض اللہ کی خاطر ترک کر دے اور ان کے ممکنات میں سے ہونے کے باوجود تواضع اختیار کرتے ہوئے ان سے دست کش ہو جائے، مگر ایسی حد کو بھی نہ پہنچ جائے کہ لوگ طمع ولالچ یا بخل کا طعنہ دینے لگیں۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«من ترك اللباس تواضعا لله، وهو يقدر عليه دعاه الله يوم القيامة على رؤوس الخلائق حتى يخيره من أي حلل الإيمان شاء يلبسها»[1]

''جس آدمی نے استطاعت کے باوجود مہنگا لباس پہننا صرف اللہ کے حضور تواضع کے پیشِ نظر ترک کر دیا، قیامت کے دن اللہ اسے تمام مخلوقات کے سامنے لا کر اس بات کا اختیار دے گا کہ ایمان کا جو حلّہ (جُبّہ) پہننا چاہو لے کر پہن لو۔''

اس امر کی مزید وضاحت اس سے بھی ہو جاتی ہے کہ حقیقی متواضع وہی ہے جو کسی چیز کی استطاعت ہوتے ہوئے تواضع سے کام لے اور جس کے پاس کچھ بھی نہیں اس کی تواضع بھی کیا ہوگی؟

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''اے عائشہ! اگر میں چاہتا تو میرے لئے یہ پہاڑ سونے کے بنا کر میرے ساتھ چلا دیے جاتے، ایک فرشتہ میرے پاس آیا جس کے اِزار (چادر) باندھنے کی جگہ اتنی وسیع و عریض تھی جیسے کعبے کی وسعت ہے، اس نے آ کر مجھے کہا: آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے: اللہ کے بندے نبی بننا چاہتے ہو یا بادشاہ نبی؟ میں نے جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا تو انھوں نے اپنے آپ کو متواضع رکھنے کا اشارہ فرمایا تو میں نے عرض کیا: میں اللہ کا بندہ نبی بننا چاہتا ہوں۔''[2]

۲۔ مذموم اور غیر مطلوب تواضع کی بعض شکلیں:

اَ۔ تواضع کی دوسری قسم جو مذموم و غیر مطلوب اور ناپسندیدہ ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کے دین کی نصرت

---

[1] مسند أحمد (۳/ ۴۳۸) سنن الترمذي، رقم الحديث (۲۴۸۱) اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن اور امام حاکم و البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

[2] طبقات ابن سعد (۱/ ۳۸۱) اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن اسی معنی میں ایک دوسری صحیح حدیث مروی ہے۔ دیکھیں: مسند أحمد (۲/ ۲۳۱) صحیح ابن حبان، رقم الحدیث (۲۱۳۷)

کے معاملے میں تواضع اختیار کرنا، کیونکہ یہ تواضع دین کی مدد ونصرت کو ترک کرنے، دوسروں کو وعظ ونصیحت کرنے سے ہاتھ روکنے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے رک جانے، باطل کے سامنے جھک جانے اور ظالم ومظلوم کی مدد ونصرت سے باز کرنے کا باعث ہوگی، اور ایسا شخص نہ تو نیکی کو جانتا ہے اور نہ برائی پر نکیر کرسکتا ہے۔

ب۔ اسی طرح مذموم و ناپسندیدہ اور غیر مطلوب تواضع یہ بھی ہے کہ آدمی دولتِ دنیا کے مالک، جاہ و منزلت اور حسب ونسب والوں کے سامنے تواضع اور عاجزی و انکساری اختیار کرے تاکہ وہ اس کے مال و دولت سے کچھ پا سکے، یہ عاجزی وفروتنی یا تواضع اس لیے مذموم ہے کہ ایسا شخص دنیا کی چمک دمک کے سامنے ہتھیار ڈال بیٹھتا ہے اور اس کے فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تواضع اعلیٰ ترین اخلاقی صفت اور عظیم عملِ صالح ہے، بلکہ یہ تمام اخلاقیات کی بنیاد اور ان کی جامع ہے بلکہ کوئی بھی اسلامی اخلاق ایسا نہیں کہ جس میں تواضع کا کچھ نہ کچھ حصہ نہ ہو، اسی سے کبر ونخوت اور غرور زائل ہوتا ہے، شرحِ صدر ملتا ہے، ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، قسوت وسنگدلی اور انانیت وخود غرضی ختم ہوتی ہے، اور حبِ ذات وخود پسندی اور ایسی ہی کئی دیگر اخلاقی و معاشرتی بلکہ دینی امراض اور برائیوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔

رشک وتمنا اور عمل پیہم

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر اُسامہ خیاط حفظہ اللہ

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اللہ کے بندو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اسے ہر وقت اپنا نگران سمجھو، اس بات کا یقین رکھو کہ تمھیں اس کے پاس جانا ہے، اور وہ ہر کسی کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا، وہ دن ایسا ہے کہ اس دن کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا بلکہ ہر کسی کے اعمال کے برابر جزا ہوگی۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾

[الزلزال: ۷، ۸]

''جس نے ذرہ برابر بھی بھلائی کی وہ اسے دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔''

نیک تمنائیں اور عملِ پیہم:

مسلمانو! کسی انسان کا دین و دنیا میں اعلیٰ درجات اور مقامِ فضیلت کو پانے کی جدوجہد کرنا، اوصافِ حمیدہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرنا اور ہمیشہ افضل واعلیٰ اور اکمل واولیٰ بننے کی کوشش اور سعی میں لگے رہنا اس بات کا واضح ثبوت، کھلی دلیل اور روشن علامت ہے کہ اس شخص کا فطری جوہر بہت اچھا اور اس کی معدن واصل بہت ہی نیک ہے، اس کی نفسیاتی وعقلی حالت بالکل صحیح وسالم ہے اور جلد یا بدیر وہ ہر بھلائی کو پالینے کا بجا طور پر حقدار ہے، وہ بھلائیوں کو طلب کرنے کے بجائے کم ہمت بن کر ہاتھوں پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنے والوں، سستی وکاہلی میں مبتلا، خود ساختہ وجعلی توکل کا اظہار کرنے والوں اور اس کد وکاوش کی متحرک زندگی کو صحیح طور پر گزارنے کے بجائے اس زندگی کے کنارے ہی پر پڑے پڑے عمریں گنوا دینے والوں سے وہ بازی لے جاتا اور بہت ہی بلند مقام پالیتا ہے۔

بدعملی میں مبتلا لوگ:

جدوجہد اور سعی وکوشش کر کے ترقی وعروج حاصل کرنے میں کوشاں لوگوں کے برعکس ایک گروہ ان لوگوں کا بھی ہے جو ایسے کاموں میں کوشاں رہتے ہیں جن پر اپنی قوتیں اور صلاحیتیں صرف

کرنا کسی عقلمند کے لیے ٹھیک ہی نہیں، اور نہ یہ جائز ہے کہ اس کا دل اس کی خواہش کرے، نہ وہ اس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھے اور نہ اپنی سعی وکوشش کا ادھر رخ موڑے، اور نہ ہمت ہی اس طرف قدم اٹھائے، مثلاً: کوئی شخص برائیوں اور گناہوں کا ارتکاب کرنا چاہے، حرام امور جنھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے اور ان کے ارتکاب سے اور اس کے گڑھے میں گرنے سے منع کیا ہے ان میں واقع ہونا چاہے، یا پھر کوئی شخص اس آدمی کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھے جسے اللہ نے اپنی نعمتوں اور خیرات و برکات سے نواز رکھا ہے، اور یہ چاہے کہ ہاتھ ہلائے بغیر یہ ساری نعمتیں اس سے چھن جائیں اور میری ہو جائیں تو یہ محض حسد وظلم اور عدوان و زیادتی ہے۔

منہاجِ شریعت اور انسانی فطرت:

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحمت فرمائی اور عظیم احسان کرتے ہوئے انھیں دینِ اسلام کے وہ مناہج وشرائع عطا فرمائے کہ جن میں راہِ راست پر چلنے والوں کے لیے سنگِ میل نصب کر دیے اور ان کی نظریں صراطِ مستقیم اور راہِ اعتدال کی طرف لگا دیں، اور ان کے لیے اعلیٰ خصال اور عمدہ اخلاق و عادات واضح کر دیں تا کہ وہ ذلیل حرکات وافعال اور ممنوع اعمال کے ارتکاب سے اپنا دامن بچا سکیں۔ اس ذات بابرکات نے امتِ اسلامیہ کے افراد میں اجتماعی امن و امان کو عام کرنے کے لیے ان میں سے ہر کسی کے لیے ایسے مواقع مہیا فرمائے جو اس امن کے ضامن ہیں، اور اس میں ان کی جسمانی ساخت، قدرت و استطاعت اور صلاحیت و قابلیت پر بھی پوری نظر رکھی جن میں لوگ مختلف درجات کے مالک ہوتے ہیں۔

اسی طرح ہر عقلمند کی استطاعت میں ہے کہ وہ اس بات کا یقین رکھے کہ وہ امور جن کے پیچھے لگنا مشروع ہی نہیں، ان میں اپنی سعی و صلاحیت صرف کرنا نفس کو سخت اذیّت پہنچانا ہے کیونکہ اس طرح زندگی کا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے، اللہ کی نعمتوں سے لا پرواہی اور نعمتیں عطا کرنے والے کی ناشکری کا پہلو نکلتا ہے، نیز آگے چل کر تمام شرور اور بلائیں اسی کا نتیجہ ہیں۔

ایسے امور کا ارتکاب اس پیاری زندگی اور قیمتی وقت کو محض ان خواہشات وتمناؤں اور خواب وخیال میں ضائع کرنے کے مترادف ہے، ان سے حاصل کچھ نہیں ہوتا، جیسا کہ یہ بات اہلِ عقل ودانش سے پوشیدہ نہیں ہے۔

صحابہ وصحابیات کی تمنائیں اور رشک:

عہدِ نبوت کی بعض خواتین نے جب یہ دیکھا کہ مردوں کو بعض معاملات میں وہ حظِ وافر حاصل ہے جو عورتوں کو نہیں تو انھوں نے اس بات کی تمنا کی کہ انھیں بھی جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کا موقع دیا جائے تاکہ وہ بھی حق کا دفاع کرنے اور ہدایت کی نشر واشاعت کرنے میں اپنا حصہ ڈال سکیں، اور انھیں بھی مردوں کی طرح ہی وراثت ملے، اور مردوں نے یہ تمنا کی کہ انھیں نیکیوں کے معاملہ میں بھی عورتوں پر فضیلت حاصل ہو جس طرح کہ انھیں وراثت میں فضیلت حاصل ہے، تب اللہ تعالیٰ نے مرد و زن ہر دو اصناف ہی کو ان تمناؤں کے بجائے اس کام کی طرف متوجہ کیا جو ان دونوں ہی کے لیے افضل و اعلیٰ ہے، ان ہر دو کے لیے بہترین ثواب کے مواقع بنائے اور انھیں اس بات پر ابھارا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وسیع فضل وکرم کا سوال کرتے رہیں، وہ بڑا کرم کرنے والا اور عطا کرنے والا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴾ [النساء: ٣٢]

''اور اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت و بزرگی دی ہے، مردوں کا اس میں حصہ ہے جو انھوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انھوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو، یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔''

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

لوگوں میں سے ایک فریق کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''اور اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت و بزرگی دی ہے۔'' کا مفہوم ومعنی صحیح بخاری میں وارد ایک حدیث کے خلاف ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لا حسد إلا في اثنتين: رجل علمه الله القرآن، فهو يتلوه آناء الليل وآناء النهار، فسمعه جار له، فقال: ليتني أوتيت مثل ما أوتي فلان،

فعملت مثل ما يعمل! ورجل آتاه الله ما لا فهو يهلكه في الحق، فقال رجل: ليتني أوتيت مثل ما أوتي فلان، فعملت مثل ما يعمل!»[1]

''دو چیزوں کے سوا کسی میں رشک کرنا جائز نہیں ہے: ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا کیا ہے تو وہ اس قرآن کی شب وروز تلاوت کرتا ہے۔ اس کے پڑوسی نے اسے تلاوت کرتے سن کر کہا: ہائے کاش! مجھے بھی فلاں آدمی کی طرح قرآن کا علم عطا کیا جاتا تو میں بھی اس کی طرح عمل کرتا۔ اور دوسرا وہ آدمی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا اور وہ اسے راہِ حق میں صرف کرتا ہے، اسے دیکھ کر ایک آدمی نے کہا: ہائے کاش! مجھے بھی فلاں آدمی کی طرح مال دیا جاتا اور میں بھی اسی کی طرح عمل کرتا۔''

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ آیت اور اس حدیث کے مابین ہرگز کوئی تعارض نہیں ہے، اس حدیث میں حسد سے مراد رشک ہے کہ انسان کسی کو اللہ کی نعمتوں سے مالا مال دیکھے تو اسی جیسی نعمتوں کی تمنا کرے، یہ تمنا کرنا جائز ہے، اس میں ممانعت والی کوئی بات نہیں، البتہ آیتِ کریمہ میں جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ کسی انسان کو نعمتوں سے مالا مال دیکھ کر یہ تمنا کرنا ہے کہ اس کی نعمت اس سے چھن کر مجھے مل جائے، یہ ممنوع تمنا ہے جس سے اس آیت میں روکا گیا ہے، اس طرح آیت اور حدیث دونوں کا معنی ومفہوم متفق ہو گئے اور تعارض واختلاف کا شبہ زائل ہو گیا۔

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٣٨)

پہلا خطبہ

توبہ اور استغفار

فضائل وبرکات، فوائد وثمرات

امام وخطیب

فضیلۃ الشیخ

ڈاکٹر عمر بن محمد السبیل رحمہ اللہ

21/9/2001 = 4/7/1422

دوسرا خطبہ

اسلام دینِ عدل ورحمت

نہ کہ تشدّد و دہشت گردی

امام وخطیب

فضیلۃ الشیخ

ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس حفظہ اللہ

28/9/2001 = 11/7/1422

تیسرا خطبہ

دہشت گردی کی حقیقت اور اس کا علاج

امام وخطیب

فضیلۃ الشیخ صالح بن حمید حفظہ اللہ

5/10/2001 = 18/7/1422

چوتھا خطبہ

فتنوں کے زمانے میں مؤمن کا طرز عمل

امام وخطیب

فضیلۃ الشیخ

ڈاکٹر سعود الشریم حفظہ اللہ

12/10/2001 = 25/7/1422

توبہ اور استغفار؛ فضائل و برکات، فوائد وثمرات

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عمر بن محمد السبیل ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

مسلمانو! حقیقی معنوں میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اعلانیہ و پوشیدہ تمام اعمال میں اسے نگران سمجھو اور کثرتِ توبہ واستغفار نیز اعمالِ صالحہ کے ذریعے اس کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ انتہائی باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے، اسے اپنی مخلوق کی کمزوریوں اور نقائص کا علم ہے جو انسان کو گناہ و نافرمانی کے کاموں پر برانگیختہ کرتے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عفو و درگزر اور مغفرت وبخشش کی امیدوں کا دروازہ کھول رکھا ہے، اور انھیں حکم دے رکھا ہے کہ اس کی بے پایاں رحمتوں اور اس کے فضل وکرم کے بے پناہ خزانوں کی طرف رجوع کیا کریں، وہ ذات پاک امیدواروں پر رحم کرنے والی اور پکارنے والوں کی پکار سننے والی ہے۔

انسانی فطرت:

خطا وتقصیر ایسی چیز ہے کہ بنی نوع انسان کی فطرت کا حصہ ہے اور اس سے سلامت رہنا کسی کے لیے ممکن ہی نہیں، حتی کہ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

« والذي نفسي بيده، لو لم تذنبوا لذهب اللّٰه بكم، ولجاء بقوم يذنبون فيستغفرون اللّٰه تعالىٰ فيغفرلهم»[1]

”مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمھیں ختم کرکے دوسری قوم لے آئے گا جو گناہ کریں گے اور پھر اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں گے اور وہ انھیں بخش دے گا۔“

اہلِ تقویٰ اور اربابِ ہدایت میں سے کاملین کا شعار یہ ہے کہ اگر وہ گناہ کر بیٹھیں تو فوراً مغفرت طلب کرتے ہیں اور اگر خطا کر گزریں تو فوراً توبہ کر لیتے ہیں، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٤٩)

« كل بني آدم خطاء، وخير الخطائين التوابون »[1]

''تمام بنی آدم خطا کار ہیں، اور خطا کاروں میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو خطا کر بیٹھیں تو فوراً توبہ کر لیتے ہیں۔''

رحمتِ الٰہی کی وسعتیں:

اللہ کے فضل و کرم کی وسعتوں کا یہ عالم ہے کہ وہ رات کو اپنا دستِ رحمت دراز کرتا ہے تا کہ دن کو گناہ کرنے والا توبہ کر لے اور دن کو دستِ رحمت دراز کرتا ہے تا کہ رات کو گناہ کرنے والا توبہ کر لے، اور وہی تمام گناہ بخشنے والا ہے، بندے کو چاہیے کہ وہ کبھی بھی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو چاہے اس کے گناہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں اور خطائیں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ قَالَ وَ مَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴾ [الحجر: ٥٦]

''گمراہوں کے سوا اللہ کی رحمت سے کوئی ناامید نہیں ہوتا۔''

سنن ترمذی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

« يا ابن آدم! إنك ما دعوتني ورجوتني غفرت لك على ما كان منك،

---

[1] **ضعیف**. سنن الترمذي: كتاب صفة القيامة...، رقم الحديث (٢٤٩٩) سنن ابن ماجه: كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، رقم الحديث (٤٢٥١) اس حدیث کا راوی "علي بن مسعدة الباهلي" اسے بیان کرنے میں متفرد ہے، جیسا کہ امام ترمذی اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے تصریح فرمائی ہے۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ علی بن مسعدہ کے ترجمے میں مذکورہ بالا حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "ولعلي بن مسعدة غير ما ذكرت عن قتادة، وكلها غير محفوظة" اور امام ذہبی رحمہ اللہ تلخیص المستدرک میں امام حاکم کی تصحیح پر تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "علي بن مسعدة لين"۔ یہ راوی قلیل الحدیث ہے اور کتب ستہ میں اس کی صرف یہی ایک روایت ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "كان ممن يخطئ على قلة روايته، وينفرد بما لا يتابع عليه، فاستحق ترك الاحتجاج به بما لا يوافق الثقات من الأخبار، روى عن قتادة عن أنس عن النبي -صلى الله عليه وسلم قال: كل بني آدم خطاء، وخير الخطائين التوابون." (الثقات لابن حبان: ٢/ ١١١) نیز مذکورہ بالا راوی کو امام بخاری، ابو داود، نسائی، ابن عدی، ابن حبان، عقیلی اور ذہبی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے، لہٰذا اس راوی کو امام ابوداود طیالسی کا ثقہ اور ابن معین و ابوحاتم رحمہ اللہ کا صدوق کہنا مرجوح ہے۔

ولا أبالي، يا ابن آدم لو بلغت ذنوبك عنان السماء، ثم استغفرتني غفرت لك، ولا أبالي، يا ابن آدم! إنك لو أتيتني بقراب الأرض خطايا، ثم لقيتني لا تشرك بي شيئا لأتيتك بقرابها مغفرة»[1]

''اے ابنِ آدم! تو نے جب بھی مجھے پکارا اور میرے ساتھ امیدیں قائم کیں میں نے تمھارے گناہ بخش دیے، چاہے وہ کیسے اور کتنے بھی تھے، اگرچہ وہ آسمان کی بلندیوں تک بھی کیوں نہیں پہنچے ہوئے تھے، پھر تم نے میری بخشش طلب کی اور میں نے بخش دیا اور مجھے کسی کی کوئی پرواہ بھی نہیں۔ اے ابن آدم! اگر تم زمین کی پہنائیوں کے برابر گناہ کر کے بھی میرے پاس آؤ اور تم نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو تو میں تمھیں زمین کی پہنائیوں کے برابر مغفرت سے نوازوں گا۔''

مقام مصطفی ﷺ اور توبہ و استغفار:

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے مخاطب ہو کر حکم فرمایا ہے حالانکہ آپ ﷺ خلوصِ نیت، مسلسل استغفار اور تقویٰ کے لحاظ سے پوری کائنات میں سب سے ارفع و اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں۔ اس کے باوجود آپ ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ وَٱسْتَغْفِرْ لِذَنۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ ﴾

[محمد: ١٩]

''جان لیجیے کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے، اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کریں اور اپنے ساتھ ہی مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بھی بخشش مانگیں۔''

اور فی الواقع نبی اکرم ﷺ شب و روز مسلسل مغفرت طلب کرتے ہی رہتے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا ہے:

« والله، إني لأستغفر الله، وأتوب إليه في اليوم أكثر من سبعين مرة»[2]

''مجھے اللہ کی قسم ہے میں ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے توبہ و استغفار کرتا ہوں۔''

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٥٤٠) مسند أحمد (٥/ ١٦٧) امام ترمذی اور علامہ البانی رحمہما اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٩٤٨)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک مجلس میں بیٹھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلنے والے اس کلمہ کو ایک سو مرتبہ سے زیادہ سنتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے:

«رب اغفرلي، وتب علي إنك أنت التواب الرحيم»[1]

''اے اللہ! میری مغفرت فرما دے، اے اللہ! میری توبہ قبول فرما لے، تو بہت ہی توبہ قبول کرنے اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔''

مخلص اور متقی لوگوں کے اوصاف:

مخلصینِ اہلِ ایمان اور اصحابِ عزیمت کی یہی شان ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ کی طرف ہی رجوع کرتے اور اسی کا آسرا مانگتے ہیں، بکثرت توبہ و استغفار بھی کرتے رہتے ہیں، یہ سب وہ خلوصِ نیت اور صدقِ دل سے کرتے ہیں، نہ تو مایوسی ان کے قریب آتی ہے اور نہ وہ کسی گناہ پر اصرار کرتے ہیں، اللہ کی خشیت ان کے دلوں میں بسی ہوتی ہے اور ان کے قدم مقامِ احسان و خلوص پر خوب راسخ ہو چکے ہوتے ہیں، وہ اپنے اعمال اپنے پروردگار کی نگرانی میں بجا لاتے ہیں۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اَلصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴾

[آل عمران: ١٦، ١٧]

''وہ لوگ جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے، تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں جہنم کی آگ سے بچا لے، وہ لوگ صبر کرنے والے، صادق، فرمانبردار، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور سحری کے وقت اٹھ اٹھ کر اللہ سے بخشش مانگنے والے ہیں۔''

یہ عارف باللہ اور متقی لوگ ہیں جو فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ بکثرت نوافل اور امورِ اطاعت بھی بجا لاتے ہیں، اور پھر مغفرت طلب کرنے میں بھی تاخیر نہیں کرتے کیونکہ وہ اس خدشہ کو محسوس کرتے ہیں کہ ان کے اعمالِ صالحہ میں کہیں کوئی کمی بیشی اور کوتاہی نہ ہو گئی ہو۔

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (١٥١٦) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٤٣٤) اس حدیث کو امام ترمذی، ابن حبان اور البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

﴿ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ [الذاريات: ١٨]

''اور وہ بوقتِ سحر استغفار کرتے ہیں۔''

توبہ واستغفار اور اسوۂ رسول ﷺ:

اللہ کے رسول ﷺ جب تبلیغِ رسالت کا فریضہ اور بلاغِ مبین کی ذمہ داری ادا کر چکے تو آپ کے پروردگار نے آپ ﷺ کو حکم فرمایا کہ اب بکثرت ذکر واستغفار کیا کرو۔

چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾ [النصر: ١ تا ٣]

''جب اللہ کی مدد ونصرت اور فتح پہنچ گئی اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اب آپ اپنے پروردگار کی تسبیح وتعریف بیان کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

نبی اکرم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو توبہ واستغفار میں مصروف ہو جاتے تھے۔[1]

حجاج کو حکم استغفار:

حجِ بیت اللہ کا فریضہ ادا کرنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ جب وہ میدانِ عرفات اور مشعر الحرام (مزدلفہ) سے واپس لوٹیں تو اللہ سے استغفار کریں۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [البقرة: ١٩٩]

''پھر تم بھی وہاں سے ہو کر لوٹو جہاں سے ہو کر دوسرے لوگ لوٹتے ہیں اور اللہ سے مغفرت طلب کرو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔''

توبہ واستغفار کے فضائل وبرکات اور فوائد وثمرات:

اے اللہ کے بندو! یہ آپ لوگوں پر اللہ کی خاص رحمت اور اس کا عظیم فضل وکرم ہے کہ

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٩١)

اس نے تمھیں استغفار کرنے پر اپنے فضل و کرم اور عظیم جزا کا وعدہ فرمایا ہے، توبہ و استغفار کی کثرت اللہ کی رحمتوں، پروردگار کے لطف و کرم اور دنیا و آخرت کی فلاح ونجات کے نزول وحصول کا ذریعہ ہیں، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ [النمل: ٤٦]

''تم اللہ سے استغفار کیوں نہیں کرتے کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [النور: ٣١]

''اور اے ایمان والو! تم سب کے سب اللہ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔''

اگر امت میں استغفار کا عمل بکثرت ہو جائے اور عام افرادِ امت اسے اپنا لیں اور خلوصِ نیت و یقینِ قلبی کے ساتھ توبہ و استغفار کیا جانے لگے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور ملکوں سے بلاؤں کو ٹال دیتا ہے، مصیبتیں دور کر دیتا ہے اور مشکلات کو حل کر کے تمام دکھ درد دور کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ [الأنفال: ٣٣]

''اگر وہ مغفرت طلب کرتے رہیں تو اللہ انھیں عذاب دینے والا نہیں ہے۔''

توبہ و استغفار کے فضائل و برکات اور فوائد و ثمرات میں سے یہ بھی ہے کہ یہ موسلا دھار بارشوں کے نزول، پھلوں اور کھیتیوں میں برکت کے حصول اور نسل کی کثرت و پرورش کا باعث ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے اللہ نے کہلوایا ہے:

﴿ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴾ [نوح: ١٠ تا ١٢]

''میں نے انھیں کہا کہ اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرو، وہ بڑا ہی بخشنے والا ہے، وہ تم پر موسلا دھار بارشیں نازل کرے گا اور تمھیں مال و اولاد سے نوازے گا اور تمھارے لیے ہرے بھرے باغات و کھیت اگائے گا اور نہریں چلا دے گا۔''

جو لوگ بکثرت استغفار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں اچھا سامانِ زندگی عطا کرتا ہے اور وہ بڑی ہی پاکیزہ زندگی سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور اللہ ان پر مزید اپنے فضل و کرم اور انعام و احسان بھی فرماتا ہے، جیسا کہ ارشادِ رباری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴾ [هود: ٣]

''اور یہ کہ تم اپنے گناہ اپنے پروردگار سے معاف کراؤ (استغفار کرو) اور پھر اسی کی طرف متوجہ رہو (توبہ کرو) تو وہ تم کو وقتِ مقرر تک اچھا سامانِ (زندگی) دے گا اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا۔''

توبہ و استغفار کی پابندی سے تکلیفیں دور اور غم ختم ہوتے ہیں، مشکلات سے نکلنے کے راستے بنتے ہیں، اور وہاں سے رزق حاصل ہوتا ہے جہاں سے بندے نے کبھی سوچا بھی نہ ہو۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من لزم الاستغفار جعل الله له من كل هم فرجا، ومن كل ضيق مخرجا، ورزقه من حيث لا يحتسب)) [1]

''جس نے استغفار کو اپنے اوپر لازم کر لیا، اللہ اسے ہر غم سے نجات دیتا ہے، ہر تنگی و مشکل سے نکالتا ہے اور اسے وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اس نے کبھی سوچا بھی نہ ہو۔''

یہ استغفار کے فضائل و ثمرات میں سے بعض فوائد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مقدس میں واضح فرمائے ہیں یا اس کے رسول ﷺ نے صحیح احادیث میں بیان فرمائے ہیں۔

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (١٥١٨) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٨١٩) اس حدیث کی سند میں حکم بن مصعب راوی مجہول اور مجروح ہے۔ دیکھیں: المجروحين لابن حبان (١/ ٢٤٩) الكشف الحثيث (ص: ١٠٢) تهذيب التهذيب (٢/ ٣٧٧)

حقیقتِ استغفار:

اہلِ ایمان اور اربابِ تقویٰ کی شان یہ ہے کہ وہ بکثرت توبہ و استغفار کرتے رہتے ہیں۔ یاد رہے کہ مذکورہ انعاماتِ الٰہیہ اور فضائل و برکاتِ ربانیہ صرف ان توبہ و استغفار کرنے والوں کو نصیب ہوتے ہیں جو صدقِ دل سے اور حقیقی معنوں میں توبہ و استغفار کریں، کیونکہ استغفار کوئی محض چند اقوال وکلمات کے مجموعے ہی کا نام نہیں کہ جنھیں کوئی زبان سے ادا کرتا رہے اور نہ ایسی عبارتیں ہیں کہ موقع بموقع دہرائی جاتی رہیں، بلکہ حقیقی توبہ و استغفار وہ ہے جو زبان کے ساتھ ساتھ دل سے بھی ہو اور توبہ و استغفار کرنے والا اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو اور گناہوں کے دوبارہ ارتکاب نہ کرنے کا پختہ عزم کرے، کیونکہ یہ توبۂ نصوح کے لازمی ارکان ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور جس پر گناہوں کے کفارے اور جنت کی نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ [التحريم: ٨]

''اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی و خالص توبہ کرو، قریب ہے کہ تمھارا رب تمھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔''

امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہمارے علما کا کہنا ہے: مطلوبہ استغفار وہ ہے جو گناہ پر اصرار کی گرہ کھول دے اور اس کا معنی و مفہوم دل میں ثبت کر دے، یہ استغفار محض زبان سے ادا کیے جانے والے چند کلمات ہی نہیں ہیں، جس نے زبان سے استغفار کیا مگر اس کا دل گناہ پر مصر رہے، اس کا یہ استغفار بھی توبہ و استغفار کا محتاج ہے۔[1] اور بعض علما نے کہا ہے کہ جس کے استغفار کا ثمرہ اس کی توبہ کی تصحیح نہ ہو وہ جھوٹا ہے، کسی گناہ کا ارتکاب کرتے جانا اور اس سے توبہ بھی کرتے رہنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی اپنے پروردگار سے مذاق کر رہا ہو۔[2]

توبہ بر لب سجہ برکف دل پر از ذوق گناہ
معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

---

[1] تفسير القرطبي (٤/ ٢٠٦)

[2] جامع العلوم والحكم لابن رجب (ص: ٣٩٥)

باعثِ عبرت ونصیحت:

اللہ کے بندو! یاد رکھو کہ حادثاتِ زمانہ اور مصائبِ ایام، اہلِ عقل و دانش اور اصحابِ ایمان وتقویٰ کے لیے عبرت ونصیحت کا باعث ہوتے ہیں، وہ انھیں اللہ الواحد القہار کی طرف رجوع کرنے، کتابِ ہدایت قرآنِ کریم کے ساتھ تمسک و اعتصام، سرورِ کائنات کی سنت وشریعت پر عمل، اللہ کی اطاعت کے شوق، اس کی رضا کے حصول کی جستجو کرنے اور بکثرت توبہ واستغفار کرنے پر آمادہ کرتے ہیں، اور یہ اعمال ملکوں میں امن وامان اور بندوں کے دلوں میں سکون واطمینان پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ امتِ اسلامیہ جہاں جہاں اور جس جس ملک میں بھی ہے اس کے افراد اور ان کے معاشروں کا تحفظ اور تمام خوفناک حالات وخطرات سے امن و امان عطا کرنا صرف اللہ واحد کے ہاتھ میں ہے اور وہی اس پر قادر ہے، لہٰذا اپنے رب کی طرف لوٹ جاؤ، اس کی اطاعت کرو اور اس سے اپنے گناہوں پر استغفار وتوبہ کرو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴾ [الزمر: ۵۳، ۵۴]

”اے نبی! کہہ دیجیے (کہ اللہ کہتا ہے) اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش، بڑی رحمت والا ہے، تم سب اپنے رب کی طرف جھک جاؤ اور اس کی حکم برداری کیے جاؤ، اس سے قبل کہ تمھارے پاس عذاب آ جائے اور پھر تمھاری مدد نہ کی جائے۔“

اللہ کے بندو! اللہ کا حقیقی معنوں میں تقویٰ اختیار کرو اور تمھیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم ایمان دار اور مسلمان ہو، اور یاد رکھو کہ کوئی آدمی ایسا نہیں جو مرنے سے پہلے پہلے اس دنیوی زندگی میں ہی اپنے اچھے یا برے عمل کا انجام نہ دیکھ لے، اور عملوں کا اصل دار و مدار تو خاتمے پر ہے، یہ

شب و روز تو دو سواریاں ہیں، ان میں اچھے طریقے سے آخرت کی طرف کا سفر پورا کرو، نیک عمل اختیار کرنے میں سستی اور افراط وتفریط سے کام ہرگز نہ لو اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو نیک عمل کیے بغیر آخرت کی فوز وفلاح حاصل کرنے کی جھوٹی تمنائیں لیے بیٹھے ہیں اور لمبی امیدیں لگائے توبہ کو مؤخر کیے ہوئے ہیں، موتیں پوشیدہ ہیں اور اچانک آ دبوچتی ہیں، اللہ تعالیٰ کے حلم و بردباری سے دھوکہ میں نہیں رہنا چاہیے، اللہ ڈھیل دیتا ہے نظر انداز نہیں کرتا، جنت و دوزخ تمھارے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ صحیح بصیرت اور صدقِ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیشہ توبہ و استغفار کرتے رہیں یہی رسولِ ہدایت ﷺ کا طریقہ وعمل ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے پہلے پچھلے تمام گناہ معاف کر رکھے تھے۔

سید الاستغفار:

نبی اکرم ﷺ سے صحیح اسناد کے ساتھ استغفار کے جو صیغے ثابت ہیں اور جن کو اپنانے کی نبی ﷺ نے امت کو توجہ دلائی ہے ان میں سے ایک وہ ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''سید الاستغفار یہ ہے کہ بندہ کہے:

« اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَ أَنَا عَبْدُكَ، وَأَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوْءُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّآ أَنْتَ»

''اے اللہ! تو میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں حسبِ استطاعت تیرے ساتھ کیے ہوئے عہد و معاہدہ پر قائم ہوں، میں اپنے کیے ہوئے افعال کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اپنے اوپر تیری نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں، مجھے معاف کر دے تیرے سوا گناہوں کو معاف کرنے والا کوئی نہیں ہے۔''

''جس نے پورے یقین کے ساتھ صبح کے وقت یہ سید الاستغفار پڑھ لیا اور رات ہونے سے پہلے اسے موت آ گئی تو وہ اہلِ جنت میں سے ہو گیا، اور جس نے شام کو پورے

یقین کے ساتھ اسے پڑھ لیا اور دن چڑھنے سے پہلے اسے موت آ گئی تو وہ اہلِ جنت میں سے ہوگا۔"[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جس نے استغفار کے یہ کلمات پڑھے اس کے تمام گناہ معاف کر دیے گئے، چاہے وہ میدانِ جنگ سے بھاگنے والا ہی کیوں نہ ہو:

"أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ."[2]

"میں اس اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ ہمیشہ زندہ اور قائم و دائم ہے اور میں اسی کی طرف توبہ کرتا ہوں۔"

نیز صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے رکوع وسجود میں اکثر یہ دعاءِ استغفار کرتے تھے:

" سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ "[3]

"اے اللہ! تو پاک ہے، اپنی تمام تعریفوں کے ساتھ۔ اے اللہ! مجھے معاف کر دے۔"

اور صحیح مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ سلام پھیرنے سے قبل یہ استغفار نماز میں پڑھا کرتے تھے:

" اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّيْ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ"[4]

"اے اللہ میرے پہلے، پچھلے، پوشیدہ، ظاہر تمام گناہ بخش دے، میری زیادتیاں مجھے معاف کر دے، جنھیں تو مجھ سے بھی زیادہ بہتر طریقے سے جانتا ہے، تو ہی مقدم و مؤخر اور اول و آخر ہے، تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔"

اللہ کے بندو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، توبہ کرنے میں جلدی کرو اور استغفار کرتے رہو، اور اللہ کی رحمتوں کی علانیہ اور پوشیدہ امید کرتے رہا کرو۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٩٤٧)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (١٥١٧) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٥٧٧) اس حدیث کو امام حاکم اور ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٦١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٤٨٤)

[4] صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٧١)

اسلام دینِ عدل و رحمت نہ کہ تشدد و دہشت گردی

امام و خطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس حفظہ اللہ

خطبۂ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

حمد و ثنا اس ذاتِ الٰہی کے لیے ہے جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، اور اس کی نعمتوں اور رحمتوں پر اس کے بہت بہت شکریے کے بعد میں اپنے آپ کو اور آپ سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت و نصیحت کرتا ہوں جو ہم سب کے لیے روشن چراغ، تیز اسلحہ اور خوشی و غمی ہر طرح کے حالات میں ایک مضبوط قسم کا قلعہ ہے، وہ ایسی چیز ہے جو نرم و گرم ہر قسم کے حالات میں نفع بخش ذخیرہ، بحرانوں میں ساز و سامان اور مشکلات میں راہِ نجات کا باعث ہے۔

مسلمانو! تاریخ کے دیوان ایسے شاہدِ صادق ہیں کہ کبھی غائب نہیں ہوتے، اور گردشِ دوراں کا آئینہ ایسا نگران ہے جو ہر وقت چوکس رہنے والا ہے، اس کائنات و مخلوقات میں رواں دواں قوانینِ الٰہیہ اور سننِ ربانیہ ایسے ناموسِ حق کا کام کر رہی ہیں کہ نہ ان میں تغیر و تبدل ہوتا ہے اور نہ وہ نظروں سے اوجھل ہوتی ہیں۔

اقبال مندی اور ترقی کا راز:

دورِ حاضر میں موجود قوموں کی ترقیوں اور تاریخی اقوام کی سرفرازیوں اور اقبال مندیوں پر وسیع نظر کرنے اور ان کا احاطہ کرنے والا شخص اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اس تمام عروج و کمال کا اصل سبب ان لوگوں کا اپنے معنوی و روحانی قواعد، مبادیات اور اخلاقی قدروں کے تحفظ میں مضمر ہے، اور وہ آدمی سراسر غلطی پر ہے جو یہ کہے کہ ان کی ترقیوں اور عروج و اقبال کا سبب محض مال و دولت کی کثرت اور متاعِ دنیا تھا۔

عروج و سرفرازی میں عقیدے کا دخل:

ہم امتِ اسلامیہ کے افراد اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں جس میں شک و شبہ کی ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں کہ حقیقی زندگی کی قدر و قیمت عقیدے کی بنا پر ہے جو دلوں کو منضبط کرتا ہے، اور اس ایمان کی بدولت ہے جو ہمارے دلوں میں جڑیں پکڑے ہوئے ہے یا پھر اس عملِ صالح کی وجہ سے ہے جس سے

شہرت و سرفرازی حاصل ہوتی ہے، اور ہمیں اس بات پر بھی پورا پورا یقین ہے کہ ہماری تہذیب و ترقی کی اساس و بنیاد ہمارا اسلامی عقیدہ ہی ہے، کیونکہ یہ حسبِ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ [حٰمٓ السجدة: ٢]

''اتارا ہوا ہے بڑے مہربان نہایت رحم والے کی طرف سے۔''

اور اس خالق و مالک نے اپنے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴾ [الملك: ١٤]

''کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ باریک بین اور باخبر بھی ہے؟''

فقدانِ عقیدہ اور جنگل کا قانون:

صحیح عقیدے کے بغیر انسانیت اور شرعِ قویم کے بغیر بشریت چیر پھاڑ دینے والے درندوں اور وحشی جانوروں کا جنگل بن کر رہ جاتی ہے، جس میں ہر طاقت ور دوسرے ضعیف و کمزور پر تسلّط جمائے رہتا ہے اور انسانی زندگی قلق واضطراب اور بدنظمی و انارکی کا شکار ہو جاتی ہے، عہدِ جاہلیت میں لوگوں کی زندگی واقعی اسی طرح کی تھی اور اب بھی لوگ اسی طرح ہو جاتے ہیں، اور اگر اعلیٰ مبادیات، عمدہ قدریں، مثالی کردار نہ رہے اور حرص و ہویٰ اور خواہشاتِ نفس، نورِ ہدایت پر غالب آ جائیں تو غدر و بغاوت، سرکشی و ظلم اور تسلّط و زیادتی کسی بھی ملک اور کسی بھی زمانے میں عام ہو جاتے ہیں۔

دینِ حق کے عظیم مقاصد:

اللہ کے بندو! دینِ حق، شہوت و خواہشاتِ نفس کے سرکش گھوڑے کی لگام کھینچ کر اسے سیدھا رکھتا ہے، انسانوں کی طبیعتوں اور ان کے جنسی تقاضوں کی تہذیب کرتا ہے، اپنے ماننے والوں کو خیر و برکت اور احترام و اکرام کی راہوں پر چلاتا ہے، ہدایت و فضیلت کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور لوگوں کو ضلالت و گمراہی، ذلت و رسوائی کی راہوں سے دور رکھتا ہے، یہ دین، دینِ رحمت اور عدل و انصاف ہے، یہ دین امانت داری، خیر و بھلائی، امن و آشتی، سکون و سلامتی اور پیار و محبت کا دین ہے، اس کے عظیم مقاصد میں لوگوں کے دین، ان کی جانوں، ان کے مال و متاع، ان کی عزت و آبرو اور ان کی عقل و خرد کا تحفظ کرنا سب سے پیش پیش ہیں۔

امام عزالدین بن عبدالسلام رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو مبعوث کیا اور کتابیں نازل کیں تا کہ دنیا و آخرت کی مصلحتیں اور بھلائیاں قائم کرے اور مفاسد و نقصانات کو دفع کرے۔''[1]

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہماری اس شریعتِ اسلامیہ کے احکام و قوانین کے استقرا و احاطہ سے جو معتمد نتیجہ سامنے آیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ شریعت محض لوگوں کے مصالح و فوائد کے لیے وضع کی گئی ہے اس احاطہ و نتیجہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔''[2]

جبکہ علامہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں تا کہ لوگ باہم عدل و انصاف کے ساتھ رہ سکیں، اور اللہ نے اپنے بندوں کو یہ شریعت عطا فرمائی جس کی بنیاد ہی لوگوں کی دنیا و آخرت کی بھلائیوں پر رکھی گئی ہے، یہ شریعت ساری کی ساری ہی عین عدل و انصاف، رحم و کرم اور حکمت و دانائی کا مجموعہ ہے، جو کام عدل کے بجائے ظلم و جور پر مبنی ہو، رحم و کرم کے بجائے اس کی ضد یعنی جبر و استبداد والا ہو، مصالح و فوائد کے بجائے مفاسد و مضرات کا باعث ہو اور حکمت و دانائی کے بجائے لا یعنی و کارِ عبث ہو، اس کا شریعتِ اسلامیہ سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔''[3]

دینِ اسلام کے محاسن اور موجودہ دہشت گردی:

مسلمانو! یہ اسلام ہی وہ دینِ خالد و جاوداں ہے جس کی صدیوں پر محیط بقا اللہ نے لکھ رکھی ہے، اس کی حفاظت کی ضمانت دی ہے اور اسے تمام ملکوں اور زمانوں کے لیے یکساں مفید بنایا ہے۔ یہ دین حق و راستی، عدل و انصاف، اور امن و سلامتی کا دین ہے۔ یہ محبت و اخوت، نرمی و شفقت اور انسانی فطرت کی موافقت و مناسبت کا دین ہے، بشریت کی بھلائی صرف اس کی تعلیمات پر عمل پیرا

---

[1] القواعد الصغری لابن عبد السلام (ص: ۳۲)

[2] الموافقات (۲/ ٦)

[3] إعلام الموقعین (۳/ ۳)

ہونے میں ہے اور انسانیت کی عزت و وقار صرف اسے نافذ کرنے پر منحصر ہے۔ یہ محاسنِ اعمال اور مکارمِ اخلاق کا دین ہے، یہ فضیلت و شرف کا ضامن ہے، یہ امت کے وجود کی تعمیر کرتا ہے اس کی عمارت کو مسمار نہیں کرتا، افرادِ امت کو جمع و متحد کرتا ہے انھیں متفرق یا بکھیرتا نہیں، تعمیر و آباد کاری میں کوشاں رہتا ہے، تخریب کاری، فتنہ وفساد اور تباہ کاری و بربادی کو پسند نہیں کرتا، یہ دین تو آیا ہی جرائم کی بیخ کنی کرنے، شر و فساد کو جڑ سے اکھاڑنے اور تشدّد و دہشت گردی جیسے کاموں کی جڑیں کاٹنے کے لیے ہے۔

برائیوں کا سدّ باب اور مصالح وفوائد کا حصول:

اسلام کے بڑے قواعد وضوابط میں سے ایک قاعدہ و ضابطہ یہ بھی ہے کہ مفاسد کو دور کیا جائے، مصالح وفوائد کو حاصل کیا جائے، ضرر و نقصان کا ازالہ کیا جائے، حرج و مشکلات کو دفع کیا جائے اور برائیوں کا سدّ باب کیا جائے۔ اسلام کا پیغام عالمی ہے جو حدود و قیود سے بے نیاز ہے، اس کا منہج اعتدال پسندی اور میانہ روی ہے اور اس کا ہدف و مقصد اقامتِ حق، عدل و انصاف کا قیام، امن و آشتی، سلامتی کا دور دورہ کرنا، نفوس کا تزکیہ، قلوب و ضمائر کی تہذیب و اصلاح اور نئی نسلوں کی ایسی تعلیم و تربیت ہے کہ جو ذاتی صلاحیت کے ساتھ ساتھ افراد اور معاشروں کی اصلاح کا بیڑا اٹھا سکیں اور دنیا کی تعمیر و آباد کاری اور نفع آور امور میں ترقی لا سکیں۔

دینِ اسلام نے حقوقِ انسانی کے تحفظ کی ضمانت دی ہے، اسے عزت و اکرام سے نوازا ہے، اس کا مقام و مرتبہ بلند کیا ہے اور اس کی قدر و منزلت اور شرف کو چار چاند لگائے ہیں جبکہ مادہ پرستانہ نظریات نے اسے اس کے اصلی مقام و مرتبہ سے گرا دیا ہے۔ اسلام انسان کا تزکیہ کرتا ہے، جبکہ باطل نظریات کے پجاری سبز باغ دکھا دکھا کر اسے حیوانیت کی دلدل تک پہنچائے جا رہے ہیں۔

اسلام نے انسان کے جسم و روح اور جسد و جان کے تقاضوں میں ایک زبردست توازن پیدا کر کے انھیں انتہائی متناسب اور کامل طریقے سے پورا کیا ہے، اسی طرح فرد کا اپنے معاشرے کے ساتھ تعلق کیسا ہو اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اس کے تعلقات کی کیا نوعیت ہو؟ اس سلسلہ میں خاص توجہ دی ہے، اور مختلف تہذیبوں اور تمدنوں کے مابین مناسب تعلقات استوار کرنے اور اللہ کی طرف دعوت دینے کے لیے مذاکرات کا راستہ کھلا رکھا ہے، جو اچھی نصیحت، خیر خواہی، عقل و دانائی اور عمدہ انداز کی بادلیل گفتگو کے ذریعے ہو۔

اسلام کبھی جدید سائنسی ترقی اور تغیراتِ زمانہ کی راہ میں عاجزانہ کھڑا نہیں ہوا بلکہ اصول وضوابط اور قواعد وکلّیات پر سختی سے قائم رہتے ہوئے اس نے ترقی وتغیرات کا ساتھ دیا اور اپنا کردار ادا کیا ہے، اس کے قواعد وضوابط میں تمام مسائل و مشکلات کا کامیاب حل افرادِ معاشرہ اور تمام معاشروں کے لیے مطلوبہ سعادت وخوشی کی ضمانت موجود ہے۔

ایک عالمی المیہ:

اے امتِ اسلامیہ! دینِ اسلام کے یہ عظیم مقاصد اور شریعتِ اسلامیہ کے یہ اہم اور بڑے بڑے قواعد وضوابط اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ آج عالمی سطح پر جو حالات چل رہے ہیں اور پوری دنیا میں جو بے چینی پھیلی ہوئی ہے، خصوصاً دورِ حاضر کا ایک بہت بڑا مسئلہ ''دہشت گردی'' کی شکل میں رونما ہو چکا ہے، جس نے پورے کرۂ ارضی کے باسیوں کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں، یہ سب اسلامی قواعد وضوابط سے فرار کا نتیجہ ہے، اس تشدد پسندی اور دہشت گردی کا باعث چاہے کوئی بھی ہو اور اس کے اغراض ومقاصد چاہے کچھ بھی ہوں یہ دورِ حاضر کا ایک بڑا المیہ ہے، جس کے نتیجے میں اتنے بڑے بڑے حادثات رونما ہو رہے ہیں کہ خوف وہراس سے دل دہل رہے ہیں اور شرم سے آنکھیں جھکی جا رہی ہیں۔ اس مسئلہ نے زمان ومکان کی تمام حدود توڑ دی ہیں اور یہ کسی شناخت کو نگاہ میں نہیں رکھتا اور نہ یہ افراد کی حد تک ایک تنگ دائرے میں رہا ہے، بلکہ اس کی تنظیم بڑی مسلّح ہے، اجتماعی جبر واستبداد ڈھاتی ہے اور اس نے پوری دنیا میں دھماکہ خیز ٹائم بم لگا رکھے ہیں، اس کے افراد اخلاق وکردار، دینی قدروں اور انسانی جذبوں سے عاری لوگ ہیں، انھوں نے تمام آسمانی شریعتوں، مقامی عرفِ عام اور عالمی معاہدوں کی خلاف ورزی شروع کر رکھی ہے، اور ان سب پر آفت خیز بات اس وقت بنتی ہے جب پتہ چلے کہ فلاں دھماکے یا تخریب کا سبب وہ لوگ ہیں جو دین کا چولہ اوڑھے اور مسلمانوں کا بھیس لیے ہوئے ہیں۔

اسلام کی براءت:

اسلام ان تمام تشدّد بردوش تخریب کاریوں اور دہشت گردیوں سے کلی طور پر بری ہے کیونکہ نصوصِ شریعت، اس کے مقاصد اور ضروری آداب اس بات کا سختی سے تقاضا کرتے ہیں کہ بے قصور

لوگوں کو قتل کرنا اور بے گناہوں کو جان سے مارنا، املاک وعمارتوں کو تباہ کرنا، اموال وحقوق برباد کرنا اور فساد فی الارض کی کوشش کرنا یہ سب حرام کام ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ [البقرة: ٢٠٥]

''جب وہ (منافق) لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی ونسل کی بربادی کی کوشش کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔''

اسلام نے ظلم و جبر اور جور و جفا کو حرام قرار دیا ہے، اور عدل و انصاف کا حکم فرمایا ہے، حتی کہ دشمن کے ساتھ بھی عدل و انصاف کرنے کی تاکید کی ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [المائدة: ٨]

''اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمھیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے، عدل کیا کرو، جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔''

عدل وانصاف کا حکم وتاکید کرنے کے ساتھ ساتھ ہی تشدد، بدزبانی، سخت گیری اور سنگدلی کے رویے سے منع کیا ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ سے مخاطب ہو کر اللہ نے فرمایا ہے:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ [آل عمران: ١٥٩]

''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان کے لیے نرم ہو گئے، اور اگر آپ کرخت لہجہ اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔''

صحیح مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«من يحرم الرفق يحرم الخير كله»[1]

''جو رفق و نرم دلی سے محروم کر دیا گیا وہ ہر بھلائی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔''

نیز ارشادِ نبوی ہے:

«ما كان الرفق في شيء إلا زانه، ولا نزع من شيء إلا شانه»[2]

''جب کسی چیز میں نرمی ہوتی ہے تو وہ اس کو مزین کر دیتی ہے، اور جس سے یہ عمدہ اخلاقی صفت چھن گئی اس سے زینت رخصت ہو گئی۔''

دہشت گردی اور اس کے نتائج:

برادرانِ ایمان! موجودہ دور میں انسانیت مختلف قسم کے سنگین مسائل سے دو چار ہے۔ جبر و تشدد، تخریب کاریاں، دنگا فساد اور دہشت گردی انھی مسائل میں سے ہیں کہ جنھوں نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور اسے ایک سخت مصیبت اور بہت بڑے حادثے واقعے سے دو چار ہونا پڑا ہے۔

اخبار پڑھنے اور دیکھنے والا ایسے کتنے خوفناک مناظر اور دہشت گردی کے واقعات دیکھ چکا ہے، تباہی و بربادی، تخریب کاری، دھماکہ خیز مادوں کا پھٹنا، بم بلاسٹ ہونا، قتل و غارت، اغوا کاری، ہائی جیکنگ، انسانوں سے آباد عمارتوں کی تباہی اور عام لوگوں کی املاک کی بربادی کے کتنے واقعات دیکھ اور سن چکا ہے، کتنی جانوں کا نقصان ہوا، کتنے اضرار و نقصانات پہنچائے گئے ہیں، بلڈنگیں مسمار کی گئی ہیں اور اقتصادیات کے پہلو کو شل کیا گیا ہے، کتنے قتل ہوئے اور زخمیوں کا شمار ہی نہیں، گمشدگان کا پتہ لگانا دشوار ہے کہ کتنے ہیں؟ معذوروں، اپاہجوں، یتیموں اور بے آسرا و بے سہارا لوگوں کی تعداد میں اضافہ کتنا زیادہ ہو گیا ہے۔

یہ سارا کچھ وہ لوگ کر رہے ہیں جو بیمار دلوں، گھٹیا ضمیروں اور کمزور ارادوں کے مالک ہیں، جن کے دلوں میں جرائم گھر کر چکے ہیں، یہاں تک کہ ان کے شر کا پیمانہ چھلک گیا ہے اور اس کی چنگاریاں اڑنا شروع ہو چکی ہیں۔ ان کے اندھے جرائم ایسے ہیں کہ جس کی لپیٹ میں خشک و سبز

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٩٢) سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٨٠٩)

[2] صحيح ابن حبان (٥٥٠) صحيح الجامع، رقم الحديث (٥٦٥٤)

سبھی آ کر جل جاتے ہیں۔

اے اللہ! رحم فرما، اے ہمارے مولا! تیری رحمت و عافیت کا سوال ہے، اے اللہ سلامت رکھنا:

﴿ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ [يوسف: ٦٤]

''اللہ بہتر حفاظت کرنے والا اور سب مہربانوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

یہ کون لوگ ہیں؟

یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ ان کے اہداف اور اغراض و مقاصد کیا ہیں؟ ان کے پسِ پشت کون ہے جو ان کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلا رہا ہے؟ یہ کس کے مفادات کی خاطر کام کر رہے ہیں؟ مخلوق کے عقلمند لوگ اور دنیا کے شرفا کہاں ہیں؟ اگر ان کا ہاتھ روکا نہ گیا تو نتیجے میں لاشیں اور انسانی کھوپڑیاں ہی نظر آیا کریں گی اور پھر اس عذاب سے اللہ کے سوا کوئی نجات نہ دلا سکے گا۔ پتہ نہیں کون سے دین و عقل اور عرفِ عام ان بدترین جرائم کو روا سمجھتے ہیں؟

ان لوگوں کے دلوں سے مروت و رحمت اور انسانیت کے جذبات کہاں گئے ہیں؟ یہ کونسا دل ہے جو جانوں اور املاک کو کوئی حیثیت ہی نہیں دیتا؟ یہ کونسی عقل ہے جو پر امن لوگوں کو نقصان پہنچانے کے در پے ہے اور بے گناہ لوگوں کی جانوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہے؟ بلکہ یہ کیسی جان ہے جو پیدا ہی خونریزی اور بے رحمی و قتل کے لیے کی گئی ہے؟ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ [يونس: ٨١]

''بے شک اللہ مفسدین کے کام نہیں سنوارتا۔''

﴿ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ﴾ [البقرة: ٢٢٠]

''اللہ مفسدین اور مصلحین کو جانتا ہے۔''

﴿ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ﴾ [الأعراف: ٥٦]

''زمین میں اس کی اصلاح کر دینے کے بعد فساد مت پھیلاؤ۔''

﴿ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾ [المائدة: ٣٢]

''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جس نے کسی جان کو ناحق قتل کیا، یا زمین میں فساد برپا کیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا۔''

تعلیماتِ نبویہ:

برادرانِ ایمان! اللہ اور اس کا رسول ﷺ اور تمام اہلِ ایمان اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ پر امن شہریوں کو ہراساں کرنا، پرسکون لوگوں کی زندگی کو خطرات میں ڈال کر ہلا دینا، تشدد، جبر و استبداد، تخریب کاری اور دھماکے، انسانیت کی اصلاح کا سبب لوگوں کی سعادت و خوشی کا باعث، بشریت کے لیے امن و اطمینان کا ذریعہ اور خیر و بھلائی لانے کا طریقہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کی حفاظت و نگرانی فرمائے، نبی مصطفیٰ اور حبیبِ الٰہ ﷺ کی تعلیمات سن لیں، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، آپ ﷺ نے امت میں منہجِ اصلاح کی تخم ریزی کرتے ہوئے جنگ کی حالت میں یہ ہدایات جاری فرمائیں، اور جنگ کی حالت میں یہ تعلیمات ہیں تو امن کی حالت میں کیسی ہونگی؟ اس کا اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا:

« اغزوا باسم الله في سبيل الله، لا تغلوا، ولا تغدروا ولا تمثلوا، ولا تقتلوا شيخا، ولا وليدا، ولا امرأة، ولا راهبا في صومعة »[1]

''اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کرو، مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرو، غداری نہ کرو، دشمن کی لاش کے کان ناک کاٹ کر اس کا مثلہ نہ کرو، بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور اپنی عبادت گاہ میں مصروف راہب کو قتل نہ کرو۔''

یہ تعلیمات آج کہاں ہیں؟

ان لوگوں کو یہ کیوں یاد نہیں جو تشدد کو اپنا راستہ اور تخریب کاری کو اپنا طریقہ بنائے بیٹھے ہیں اور تغییر و اصلاح کے لیے خونریزی کو اپنائے ہوئے ہیں، اس طریقے اور منہج کے خطرات اور اسلام کے ساتھ ساتھ مسلمانوں اور خصوصاً غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے مستقبل اور ان کو پیش آمدہ مشکلات کا تو کچھ پوچھیں ہی نہیں۔

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۷۳۱) مسند أحمد (۵/ ۳۵۸)

امتِ محمدیہ کے لوگو! حوادثِ زمانہ اور شب و روز میں پیش آمدہ واقعات اپنے اندر سامانِ عبرت اور درس و نصیحت لیے ہوئے ہوتے ہیں، اور ہمیں یہ یاد دلاتے ہیں کہ ہمیں اللہ کی طرف ہی رجوع کرنا چاہیے کیونکہ اس کے سوا کوئی مشکل کشائی نہیں کر سکتا، اس کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہے، اور اس جہاں میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس میں اللہ کی کوئی حکمت و قدرت پنہاں ہے، یہ اور ایسے ہی دیگر حادثات اگر اللہ کی طرف سے طے نہ ہوتے تو وقوع پذیر ہی نہ ہوتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ﴾ [الأنعام: ۱۱۲]

''اگر تمھارا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔''

پورے عالمِ انسانیت سے:

لوگو! مسجدِ حرام کے منبر، حق و انصاف اور امن و سلامتی کے منبر سے ہم اپنے ملک اور پورے عالم کے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں اور دنیا بھر میں موجود قرار دادیں پاس کرنے والوں سے مخاطب ہیں کہ آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان برابر ہے، حادثات و وقائع میں حکمت و دانش، عقل مندی، ضبطِ نفس اور گہری نظر سے کام لینا ضروری ہوتا ہے، عوام کے فوائد و مصالح کو ترجیح دینی چاہیے، انسانیت کو مہلک جنگوں سے دور رکھنا چاہیے، عالمی سطح پر عادلانہ امن و امان قائم کرنا چاہیے اور عالمی امن کے قیام کی کوششوں کا تعاون کرنا چاہیے۔

علماءِ امت سے:

علماءِ امت کو چاہیے کہ اپنی تمام تر مساعی صرف کر کے اپنی فکرِ صائب، اور شرعی نقطۂ نظر سے اسلامی احکام کے تناظر میں احقاقِ حق کا فریضہ سرانجام دیں تاکہ اسلام اور اہلِ اسلام کی روشن تصویر دنیا کے سامنے آئے، اور یہ جو دہشت گردی کہلا رہی ہے یہ افعال اپنی تمام بدترین شکلوں میں اسلام کی روح، اس کے عالی پیغام اور عمدہ مقاصد کے منافی ہے، یہ افعال مسلمانوں کے اخلاق اور حسنِ کردار کے آئینہ دار نہیں ہیں۔

اسی طرح ان واقعات کے دوران میں بعض قدم ڈگمگا گئے اور بعض لوگوں کی عقول گمراہ ہوئیں

اور وہ دہشت گردی کی تعریف صحیح طریقہ سے نہ کر سکے، لہٰذا اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ الفاظ و اصلاحات کو منضبط کیا جائے اور جہاد کے قواعد و ضوابط اور اخلاق اور دہشت گردی کی شکلوں اور وارداتوں کا الگ الگ ایسا تعارف پیش کیا جائے کہ ان دونوں کو آپس میں گڈ مڈ نہ ہونے دیا جائے۔

ہر وہ علاج جو انسانی امراض اور بشری بیماریوں کے لیے دین کی روشنی سے دور رہ کر تجویز کیا جائے اور اس میں اہلِ دین کی رائے نہ پوچھی جائے وہ علاج ناکام ہے اور بشریت کے لیے مزید فتنوں کا باعث ہے، لہٰذا حقائق کو واضح اور نقطۂ نظر کو ظاہر کرنا چاہیے تاکہ ان حادثات کا ذمہ دار اسلام اور مسلمانوں کو نہ ٹھہرایا جا سکے، اور بری لوگوں کو دہشت گردی کا الزام نہ دیا جا سکے۔

﴿ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾ [الأنعام: ١٦٤]

''اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔''

ہر سفید چیز چربی نہیں ہوتی اور ہر کالی چیز کوئلہ نہیں ہوتی۔

یہ بھی واجب ہے کہ مسلمانوں کی وہ تصویر ہرگز نہ بنائی جائے جس سے پتہ چل رہا ہو کہ شائد یہی لوگ تہذیبی تصادم اور انسانی پسماندگی کا باعث ہیں، لہٰذا ایک عقلمند اور ہوش مند نسل کو پروان چڑھانے کی ضرورت ہے جو اس بات کو سمجھنے والی ہو کہ شجاعت دکھانے سے پہلے باریک بینی ضروری ہے، عدل وانصاف کا مقام لڑائی جھگڑے سے بالا ہے، ماحولیات اور ترقی کی حفاظت ہر کسی کا حق ہے جس پر کسی بھی شکل میں زیادتی کرنا روا نہیں ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴾ [البقرة: ١٩٠]

''اور تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑائی کرو جو تم سے لڑائی کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو، اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

مغربی ذرائع ابلاغ سے:

ذرائع ابلاغ خصوصاً مغربی میڈیا اور عالمی نشریات کے سٹیلائٹ چینلز کے متعلقہ لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ حق وانصاف اور صدق وسچائی سے کام لیں، محض اپنے خیال سے بلا ثبوت کسی پر تہمت نہ

لگائیں، اور اس گہری سوچ کو رواج دیں کہ مشکلات کا حل تشدّد میں نہیں، بلکہ مذاکرات کرنے، اپنے گریبان میں جھانکنے، اپنے حساب کتاب کی جانچ پڑتال کرنے، سسٹم کی اصلاح کرنے، سیاست کا قبلہ درست کرنے، عدل و انصاف کو عام کرنے، لوگوں میں مساوات پیدا کرنے، حقد و حسد ترک کرنے، تعصّب کا دامن چھوڑنے اور مسلمان مظلوم عوام کے حقوق کا اعتراف کرنے میں ہے، جس میں سب سے پہلا نمبر فلسطینی مسلمانوں کا ہے، یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ ہے، جو مسلمان مجاہدینِ فلسطین، بیت المقدس اور مسجدِ اقصیٰ کا مسئلہ ہے، اور فلسطین کی مبارک زمین میں مسلمانوں کے پرامن طریقہ سے رہنے اور مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ اور مسلمانوں کے خلاف بدترین یہودی وصیہونی دہشت گردی کا مسئلہ ہے، لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام تر کوشش سے تہذیبی و انسانی قدروں کو اجاگر کیا جائے، جو ہمارے دینِ انسانی، دینِ حنیف، دینِ اسلام کا امتیاز ہیں، اسی طرح آج دنیا جس دورخی اور دوغلے پن میں مبتلا ہے اسے ذرائع ابلاغ، اقتصادیات اور سیاسیات غرض تمام شعبۂ زندگی سے دور کیا جائے اور گلوبل ولج کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے شر کے تمام دروازے بند کیے جائیں۔

مسلم یو.این.او. کا قیام:

امتِ اسلامیہ کے لوگو! اب وہ وقت آ گیا ہے کہ تمام امور کو ان کے شرعی نصاب و مقام پر رکھا جائے اور ایسے عملی اقدامات کیے جائیں جو مسلم فرد کے کردار وعمل کو کام میں لائیں، تاکہ وہ امن و امان اور تعمیر و ترقی میں اپنا حصہ ڈال سکیں اور اعتدال و میانہ روی کے ساتھ بڑے بڑے مسائل حل کیے جاسکیں تاکہ اسلام کے عظیم مقاصد پورے ہوں۔

آج عالمی سطح پر ایک ایسی اسلامی تنظیم (M.U.N.O.) بنائے جانے کی اشد ضرورت ہے جو اس خطرناک وبا دہشت گردی وغیرہ کا مقامی و عالمی سطح پر علاج کرے، اس کے اسباب تلاش کرنے کے لیے علمی تحقیق اور عملی اقدامات کرے، اس کے پھیلاؤ کو روکا جائے، اس کی جڑوں کو کاٹا جائے، اور یہ سارا کچھ علم و بیان اور حجت و برہان کی روشنی اور صاف وشفاف انداز میں ہو۔ اس وبا کا مقابلہ کرنے کے لیے پہلے متفقہ طور پر تشخیص ہو اور پھر اتفاق رائے سے دوا تجویز کی جائے، تاکہ بشریت امن و امان سے ہمکنار ہو، انسانیت سکھ کی سانس لے، پورا جہان اس کے شرّ سے محفوظ ہو، اور اس کے جراثیم کو پوری دنیا سے عموماً اور بلادِ اسلامیہ سے خصوصاً ختم کیا جائے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [یوسف: ۲۱]

''اللہ اپنے امر پر غالب ہے لیکن اکثر لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہے۔''

﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَّاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾

[الشوریٰ: ۱۵]

''پس آپ لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہیں اور جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے اس پر مضبوطی سے جم جائیں اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیں اور کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تم میں انصاف کرتا رہوں، ہمارا اور تم سب کا پروردگار اللہ ہی ہے، ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمھارے اعمال تمھارے لیے ہیں، ہم تم میں کوئی کٹ حجتی نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع کرے گا، اور پھر اسی کی طرف لوٹنا ہے۔''

کرنے کے کام:

اللہ کے بندو! اختلاطِ اوراق اور التباسِ حقائق کے سائے میں دنیا حقیقت کا مطالبہ کر رہی ہے۔

اور مسلمانو! تم تو اہلِ حق ہو، لہٰذا اللہ کے لیے اسلام اور اہلِ اسلام کی وہ روشن تصویر پیش کرو جو اسکا حق ہے، جبکہ چہروں سے نقاب اٹھ چکا ہے، نعرے مفلس و قلاش ہو چکے ہیں اور نظریات و سسٹمز کے عیوب کھل کر سامنے آ چکے ہیں، اسی طرح اسلام کے روشن چہرے کو افراط و تفریط اور انتہا و جفا نے بھی داغدار کیا ہوا ہے، آج دنیا اس بہترین مستقبل کی طرف دیکھ رہی ہے جس میں اس دینِ اسلام کے زیرِ سایہ امن وامان سے جی سکے، نہ جرائم کا ڈر ہو، نہ خوف و ہراس ہو اور نہ کوئی اور خدشہ رہے۔ یہ صرف اس شکل میں ممکن ہے کہ اسلام کو نافذ کیا جائے، اتحاد و اتفاق کے ساتھ اس سلسلے میں کام کیا جائے، اور اس نیک مقصد کے لیے دورِ حاضر کے تمام جدید آلات اور ٹیکنیک کو زیرِ استعمال لایا جائے۔ امتِ اسلامیہ کے تمام مسائل کی پیروی کی جائے، دنیا بھر میں موجود مسلم معاشروں اور غیر مسلم ملکوں میں موجود مسلم اقلیات کے حالات کی نگرانی کی جائے اور مختلف میدانوں میں تہذیبی تعمیر

وترقی کے لیے امت کے تمام افراد اور معاشرے انفرادی اور اجتماعی کوششوں میں لگ جائیں تا کہ امتِ اسلامیہ کی عظمتِ رفتہ وغیرتِ گزشتہ واپس ہو سکے اور تمام جہانوں میں اس امت کا مقام بلند ہو، اور اس کے لیے دینِ اسلام کے سوا اور شریعتِ مطہرہ کے بغیر ہمارے لیے دوسرا کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے۔ امت راہِ مستقیم کے بجائے کئی راستوں پر چل نکلی ہے اور فتنوں کا طوفان پھوٹ پڑا ہے، مگر اس امت پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ اس نے ایسے خلف مہیا کیے ہیں جو سلف کی عظمت و بزرگی کو لوٹا سکتے ہیں اور دین کے معاملات سلجھانے اور جو چیزیں یا معالمِ شریعت مدہم پڑ چکے یا مٹ چکے ہیں انھیں تجدید و استقامت کے عمل سے گزار کر دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کر سکتے ہیں۔

دائمی و عالمی نظامِ حیات: (شریعت وحکومت اور اتحاد)

وہ دعوتِ توحید و اصلاح جو ارضِ حرمین شریفین سے اس وقت اٹھی جب سلطانِ علم اور سلطانِ حکومت کا ایک انتہائی نادرۂ روزگار اتحاد و معاہدہ ہوا، وہ اللہ کی نعمت کے سوا کیا تھا؟ اور وہ نعمتِ الٰہیہ صرف اہلِ جزیرہ ہی پر نہیں بلکہ وہ تو تمام کرۂ ارض کے لوگوں کے لیے عام تھی اور اس کے نتیجہ میں روزگار، امن و امان، قائدین وعوام میں تعلق، اسلامی جدو جہد، انسانی عمل، تہذیبی محل، علمی مرکز، امت کا وزن، اقوامِ عالم میں مقام و مرتبہ، ایک تاریخی موقف اور اس دہشت گردی سے بھی زیادہ طاقتور عزم جیسے ثمرات سامنے آئے۔

اللہ تعالیٰ علم وحکم کے اس اتحاد کو اپنی رضا کے لیے خالص اور پسندیدہ بنائے اور دین و دنیا کی بھلائیوں کے لیے اسے مزید توفیق سے نوازے۔

بدعات سے اجتناب:

خبردار! یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ اصلاح کی طرف پہلا قدم یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکیں، اپنی ذات کی اصلاح کریں اور اتباعِ کتاب وسنت کو حرزِ جان بنائیں، آج لوگوں نے جو بلا علمِ صریح اور بلا سندِ صحیح بدعات ایجاد کر رکھی ہیں اپنے آپ کو ان سے بچائیں۔ انھیں بدعات میں سے اس ماہِ رجب کے بارے میں بعض لوگوں کا اعتقاد بھی ہے جس کی بنا پر وہ ایسی عبادات بجالاتے ہیں جو سلف صالحینِ امت سے مأثور و منقول نہیں ہیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"ماہِ رجب اور اس کی کسی خاص رات کی فضیلت کے بارے میں کوئی قابلِ حجت صحیح حدیث ثابت نہیں ہے۔"[1]

اللہ والو! ہمیں اللہ سے ڈرنا چاہیے، ہر شخص اپنا دینی فریضہ و ذمہ داری ادا کرے، اپنے عقیدے کے لیے، اپنے ملک و معاشرہ کے امن و امان کی حفاظت کے لیے اور اس کی سلامتی کے ساتھ کھیلنے سے انہیں بچانے کے لیے ہر شخص کو اپنی آنکھیں کھلی اور ہوش قائم رکھنے چاہئیں، ہو سکتا ہے کہ مشکلات میں انعامات اور دردوں میں امیدیں ہوں، لہٰذا مخلصانہ رجوع، باریک حساب، مسلسل جانچ پڑتال، دائمی نیک نتائج اور روشن مستقبل کے وسیع آفاق پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ سب لوگ علم و عمل کے اعتبار سے مل جل کر راسخ قدم اٹھائیں اور بندوں کی فلاح و بہبود نیز بلادِ اسلامیہ کی سعادت و خوشی کے لیے دعوت و اصلاح کی طرف رواں دواں ہوں۔

---

[1] تبیین العجب بما ورد في فضل رجب (ص: ۹)

دہشت گردی کی حقیقت اور اس کا علاج

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر اُسامہ خیاط حفظہ اللہ

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

لوگو! میں آپ سب کو اور اپنے آپ کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ لہٰذا دلوں میں اسکا خوف وتقویٰ پیدا کرو اور قیامت کے دن سرخروئی کی امید رکھو، اور زمین میں فساد و بگاڑ نہ پھیلاتے پھرو، صدقِ دل سے اللہ کی طرف رجوع کرو، گناہوں اور خطاؤں سے ہر ممکن طریقے سے بچنے کی کوشش کرو، اس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صادقین میں لکھ دے اور نادم ہو کر توبہ تائب ہونے والوں میں سے شمار فرما لے۔ حسرت وافسوس ہے اس پر جس نے اس دارِ فانی میں دل لگا لیا اور اپنے دل کی بستی کو اعمالِ باطلہ اور جھوٹ کے ساتھ برباد کر لیا۔

آزمائشیں:

مسلمانو! آزمائش اور زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اور یہ دنیا تو ہے ہی امتحان گاہ اور آزمائش کی جگہ، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ [البقرة: ١٥٥، ١٥٦]

”اور ہم کسی نہ کسی طرح تمھاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے، اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے جنھیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔“

یہ آزمائشیں وہ میدان ہیں کہ جہاں دلوں کے بھید اور جانوں کے راز ظاہر ہوتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ اچھے اور برے کو الگ الگ کر دے اور منافقین کو الگ پہچان لے، اور مومن صادق خوشحالی میں اللہ کا شکر گزار اور بدحالی میں صابر و ثابت قدم ہوتا ہے۔[1]

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٩٩٩)

﴿ الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ﴾ [العنکبوت: ۱ تا ۳]

''الٓمّٓ، کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں ہم انھیں بغیر آزمائے ہی چھوڑ دیں گے؟ ان سے اگلوں کو بھی ہم نے خوب جانچا، یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بھی جانچ لے گا جو سچ کہتے ہیں اور انھیں بھی معلوم کر لے گا جو جھوٹے ہیں۔''

﴿ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ [الأعراف: ١٦٨]

''اور ہم ان کو خوشحالیوں اور تنگیوں سے آزماتے رہے کہ شائد باز آ جائیں۔''

آزمائش کی حکمتیں:

آزمائش میں پنہاں رازوں اور حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس سے دلوں میں بیداری پیدا ہوتی ہے، دلوں میں نرمی آتی ہے اور صدقِ دل سے اپنا محاسبہ کرنے کا موقع ملتا ہے، آزمائش کی گھڑی میں جب دوسرے لوگ نا امیدی سے چیخیں مار رہے ہوتے ہیں اور شکوہ و شکایت کے علاوہ قلق و اضطراب میں مبتلا ہوتے ہیں ایسے میں صابر و ثابت قدم لوگ نکھر کر سامنے آ جاتے ہیں:

﴿ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝ قَالَ كَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴾ [الشعرا: ٦١، ٦٢]

''پس جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا: ہم یقیناً پکڑ لیے گئے، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہرگز نہیں، یقین مانو، میرا رب میرے ساتھ ہے جو ضرور مجھے راہ دکھائے گا۔''

اسبابِ استقامت اور ثابت قدمی:

حق پر استقامت و ثابت قدمی اور عمل صالح کا التزام کرنا بڑے بڑے بحرانوں اور مشکلات میں ثابت قدمی کے عظیم اسباب میں سے ہے۔

﴿ وَ لَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا یُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ تَثْبِیْتًا ۝ وَّ اِذًا لَّاٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ وَّ لَهَدَیْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴾
[النساء: ٦٦ تا ٦٨]

''اور اگر وہ وہی کچھ کرتے جو وہ نصیحت کیے گئے تھے تو یقیناً یہ ان کے لیے بہتر اور بہت زیادہ مضبوطی و ثابت قدمی والا ہوتا، اور تب ہم انھیں اپنے پاس سے بڑا اجر دیتے اور انھیں سیدھے راہ کی ہدایت دیتے۔''

نیز ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ وَ یُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ وَ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ﴾ [إبراهيم: ٢٧]

''ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پکی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں، ہاں، نا انصاف و ظالم لوگوں کو اللہ بہکا دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

مسلمانو! تاریخ گواہ ہے کہ ہر دور میں بڑی قومیں دوسرے کے لیے تکلیف دہ اور مشکل حالات پیدا کرتی آئی ہیں، ان کے تناظر میں ہمیں اپنے گریبان میں جھانک کر اپنا محاسبہ کرنا چاہیے اور اسی روشنی میں اپنے حال پر غور اور مستقبل کے لیے عمدہ منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔ عقلمندی یہ ہے کہ ایسے بحرانوں میں آزمائش کی بھٹی میں ڈالی گئی قوم کو چاہیے کہ وہ اپنے دوستوں کی بات سنے، اپنے خیر خواہوں کے مشوروں پر کان دھرے اور اپنے شرکاءِ سفرِ زندگی کے لیے اپنا دل کھول دے اور حق سننے کے لیے تیار رہے چاہے وہ کڑوا ہی کیوں نہ لگے، اور نصیحت قبول کرنے کے لیے مستعد رہے چاہے وہ تکلیف دہ ہی کیوں نہ ہو۔

دہشت گردی کا مسئلہ:

لوگو! آج دنیا ایک ایسے مسئلے سے دو چار ہے جس نے لوگوں کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں اور سکون و آرام چھین لیا ہے، اور وہ مسئلہ ہے: دہشت گردی، زمین میں فساد و بگاڑ پھیلانا اور کھیتوں اور نسلوں کو ہلاک کرنا۔

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ہلاکت خیز دہشت گردی بہت بری چیز ہے، اسے ختم کرنے کے لیے سب کو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے، اسی طرح اس کے اسباب کا خاتمہ کرنا بھی ضروری امر ہے، اس مسئلے سے کئی ملکوں نے بڑے بڑے نقصانات اٹھائے ہیں اور کئی معاشروں نے اس کی ہلاکتوں کو چکھا ہے۔ دہشت گرد لوگ جب بے قصور جانوں کو قتل کرتے ہیں، املاک کو تباہ کرتے اور زمین میں فساد و بگاڑ پھیلاتے ہیں تو یہ بہت ہی برے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں، یہ دہشت گردی سراسر شرّ، تخریب کاری، رنج و غم کا سبب اور فساد ہی فساد ہے، دہشت گردی کو پیشہ ورانہ اختیار کر لینے والے لوگ فکری انحراف اور نفسیاتی امراض میں مبتلا ہوتے ہیں، اور کون ہے جو ارہاب و دہشت گردی کو جرم نہیں سمجھتا اور اسے برا نہیں جانتا اور اس سے بچنے کے لیے کوشاں نہیں ہے؟

دہشت گردی کی وسعتیں:

آج کل دہشت گردی تمام معاشرتی و جغرافیائی حدود کو پھلانگ کر تمام ملکوں، تمام قبائل و اقوام اور مذاہب و ادیان کے لوگوں میں پھیل چکی ہے، دہشت گردوں کی کارروائیاں اور تو اور خود ان کی اپنی ذات کے لیے بھی نقصان دہ ہوتی ہیں بلکہ ان کی اپنی روحیں اور جانیں بھی ان کارروائیوں میں کام آتی رہتی ہیں، ان کی کارروائیاں معقول و مشروع حدود سے تجاوز کر جاتی ہیں، اور مختلف ادیان کی تعلیمات اور مختلف علاقوں کے عرفِ عام، قوانین و ضوابط اور نظاموں کی حدود کو بھی پار کر جاتی ہیں۔

دہشت گردی کیا ہے؟

دہشت گردی سے مراد ہے: کسی کو قتل کرنے، ڈرانے دھمکانے، اٹھا لے جانے، تخریب کاری کرنے، چھینا چھپٹی، غصب، امن و امان کو تہہ و بالا کرنے، خوف و ہراس اور زمین میں فساد و بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔ دہشت گردی میں بے قصور لوگوں کی جانیں ضائع ہوتی ہیں اور ناحق خونریزی ہوتی ہے جس کا کوئی شرعی جواز نہیں۔ دہشت گردی کسی ملک و قوم، دین و مذہب اور زمانہ و ٹھکانہ کو نہیں مانتی، انسان کے عام جذبات اس فعل کا انکار کرتے اور اسے برا سمجھتے ہیں، اس سے اور اس کے کارکنوں سے اپنی براءت کا اعلان کرتے ہیں۔ یہ فعل ان لوگوں کی فطرت میں پائے جانے والے شذوذ و انفرادیت اور تنہائی و انتہا پسندی کی دلیل ہے، لوگوں کے سامنے اس کی وضاحت کرنے، لوگوں کو

اس کی مکروہ صورت دکھانے اور اس کے تباہ کن اثرات ظاہر کرنے کی ضرورت ہے، اور ساتھ ہی عالمی سطح پر اس کے انسداد اور روک تھام کے لیے کوشش کرنی چاہیے اور کوشاں لوگوں کی تائید کرنی چاہیے، قوم و دین اور رنگ و نسل سے قطع نظر کر کے تمام لوگوں کو اس ظالمانہ دہشت گردی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دینا چاہیے۔

کوئی مسلمان جب دہشت گردی کو جرم قرار دیتا ہے تو وہ اپنے اس موقف کی بنیاد بعض تنگ نظر لوگوں کے فلسفوں اور ان کی فکر و سوچ کے زاویوں کو نہیں بناتا بلکہ اس کے پیشِ نظر اسلام کی وہ تعلیمات ہوتی ہیں جن میں کسی کو ناحق قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی اخلاصِ توحید اور شرک سے اجتناب کو بھی شامل کر لیتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ [الفرقان: ٦٨]

''اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی ایسے شخص کو، جسے قتل کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے، وہ بجز حق کے قتل نہیں کرتے۔''

نیز فرمایا ہے:

﴿ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾ [المائدة: ٣٢]

''جس نے کسی جان کو بغیر قصاص کے یا بغیر زمین میں فساد برپا کرنے کے، قتل کر دیا تو گویا اس نے تمام انسانیت کو قتل کیا۔''

اسلامی تعلیمات:

اسلام تو ان عوام، نہتے الگ تھلگ لوگوں اور ضعیفوں کمزوروں کی حمایت کرتا ہے جو کہ لڑتے ہیں اور نہ لڑنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے قابیل نے ظلم کرتے ہوئے اپنے بھائی (ہابیل) کو قتل کر دیا تھا اور دوہرے گناہ کا مرتکب ہوا تھا۔ اس کے بارے میں ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا:

« لا تقتل نفس ظلما إلا كان على ابن آدم الأول كفل منها، لأنه كان

أول من سن القتل»[1]

”رہتی دنیا تک جو بھی شخص مظلوم قتل کیا جائے گا اس کا گناہ بھی آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے (قابیل) کو پہنچے گا کیونکہ قتل کا آغاز اسی نے کیا تھا۔“

ماضی، حال اور مستقبل میں جب بھی کہیں خون ہوگا اس قتل کا گناہ قابیل کو بھی ہوگا، اور اس کے گناہوں کے ڈھیر بہت ہوں گے کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے انسانی جان کو قتل کیا اور پہلا شخص تھا جس نے قتل کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

اسلام نے انسانی خون کا بہت ہی زیادہ احترام کیا ہے، ہلاکت و بربادی ہے اس کے لیے جو قتل و غارت گری کو اپنائے، پر امن شہریوں کو ہراساں کرے، لوگوں کی املاک کو برباد کرے، انھیں گھروں، دوکانوں اور مرد و زن اور بچوں سے بھرے ہوئے بازاروں میں خون ریزی کرے۔ مسلمان جب اس جرم دہشت گردی کے خاتمے اور انسداد کے لیے عالمی کوششوں کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوئے ہیں تو ان کا مقصد یہ ہے کہ نظم و ضبط قائم ہو اور مختلف تہذیبوں میں جو آویزش پیدا ہوگئی ہے اس سے دور رہا جا سکے۔ یہ ایک مناسب موقع ہے کہ حالات کا جائزہ لیا جائے، حقوقِ انسانی، آزادی اور عدل و انصاف کے قواعد وضوابط طے کیے جائیں اور ذاتی انتقامی کارروائیوں سے بالا ہو کر ثابت شدہ حقائق کے پیشِ نظر اس مسئلہ کا حل تلاش کیا جائے۔

دہشت گردی کے خاتمے کے لیے دہشت گردی؟

وسعتِ ظرفی اور کشادہ نظر سے اس مسئلہ کے حل کی ضرورت ہے نہ کہ ایک مسئلہ کو حل کرنے کے لیے نئی نئی مشکلات و مسائل پیدا کر لینے کی۔ اس مسئلے کا حل یا اس مرض کا علاج بھی انتقامی سوچ، قتل و خونریزی، تباہ کاری، دینی و تہذیبی اور قبائلی تنازعات پیدا کرنے سے دور رہ کر دریافت کرنا ہو گا، نہ کہ ساری دنیا کو میدانِ جنگ بنا کر کہ جس کی کوئی انتہا ہی نہ ہو گی بلکہ جرائم پر جرائم کا سلسلہ چل نکلنے کا خطرہ بڑھے گا۔

اس لیے یہ مسئلہ نئے سیاسی حل کا محتاج ہے نہ کہ نئی جنگوں کا، اس کے لیے ضروری ہے کہ عقل و دانش اور نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا جائے، اور عقلمندانہ فیصلوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ردّ عمل کے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣١٥٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٧٧)

رویوں اور جذباتی انداز سے بالا ہو کر کیے جائیں، اور ضروری ہے کہ عالمی سیاست کی بنیاد انتقام کو نہ بنایا جائے کیونکہ یہ آج کے نظام وقانون والی دنیا کے لیے ایک مہلک رجحان ہے۔

مختلف ملکوں اور قوموں کے اہلِ عقل و دانش کو بھی سوچنا چاہیے کہ وہ کہیں دہشت گردی کو ختم کرنے کے لیے خود بھی تو دہشت گردی کے راستے پر تو نہیں چل نکلے؟ وہ احمقانہ انداز، جس کی بنیاد ہی نفرت اور رنگ ونسل کی تمیز پر ہے، لہٰذا عقل وفکر اور سوچ کو یہ راستے دکھانے سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

دنیا کے دانشمندو! عدل و انصاف کی تلاش اور جذباتی و انتقامی سرکشی کے مابین بہت ہی زیادہ فرق ہے، دہشت گردی کا علاج کرتے کرتے کہیں خود بھی دہشت گردی کے گڑھے یا اندھے کنویں میں نہ گر جائیں، ضروری ہے کہ سوچ و بچار، ٹھنڈے دل اور عقل وفہم کو بروئے کار لا کر فیصلے صادر کریں، لعنت و ملامت صرف انھیں کریں جو اس کے مستحق ہیں، اگر ایسے حادثات اور بحرانوں میں فیصلے صادر کرنے والی قوتوں اور عقل و دانش والوں نے اخلاقی جوہر کا پاس نہ کیا تو دہشت گردی کو ختم کرنا خود دہشت گردی بن جائے گا۔

عالمی سطح پر حل:

لوگو! اس سلسلے میں عالمی سطح پر سچا تعاون ہونا چاہیے تاکہ حقد ونفرت کے سوتے بند کیے جا سکیں، اور ان اسباب کا علاج کیا جا سکے جو ایسے تنگ نظری وعنصریت والے نفرت زدہ کردار کا باعث بنتے ہیں، اور ایسی فضا کا خاتمہ کیا جائے جو زہریلی ہے اور جس سے ایسے امور کے جنم لینے کا خدشہ ہے جو انجام کے اعتبار سے اچھے نہیں۔ بعض عالمی ذرائع ابلاغ کو بھی لگام دینے کی ضرورت ہے جو عنصریت وعصبیت پھیلا رہے ہیں اور دنیا کو مہذّب و غیر مہذّب لوگوں کی دو قسموں میں بانٹنا چاہتے ہیں کیونکہ یہ تقسیم صرف باطل ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے تباہ کن بھی ہے، ایسی عنصریت و تعصب پر مشتمل کارروائیوں کا حساب کتاب رکھنا اور ان کے ردّ عمل اور خطرات کا اندازہ کرنا ممکن نہیں رہتا، ضروری ہے کہ دلوں کو نفرت سے بھر دینے والی اور سینوں کو مکر وتعصب کا ڈیرہ بنانے والی وہ بتی کھینچ کر نکال دی جائے جو بصارت و بصیرت دونوں کو اندھا کر دیتی ہے۔ اس بات کو انجام کے بارے میں غور کرنے والے اور نتائج پر گہری نظر رکھنے والے سبھی لوگ جانتے ہیں۔

لوگو! آج دنیا کے سامنے ایک حقیقی امتحان ہے جس کا تعلق عدل وانصاف کے مبادیات و

اصول، انسانی حقوق کے تحفظ، مختلف ملکوں اور طبقوں کے عوام کے حقوق، ثابت و طے شدہ معیار اور باضابطہ میزان سے ہے۔ آج دنیا کے سامنے واقعی ایک موقع ہے کہ عدل و انصاف، پاکیزگی، اقوام وقبائل کے احترام، ان کے خاص امور کے احترام اور ان کے مسائل کو بغور سننے کی خاطر ایک عالمی نظام قائم کیا جائے، صرف امن و امان سے متعلقہ حل، محض جاسوسی کے ذرائع اور قوت ان اہداف ومقاصد کو پانے اور ان شدید الجھے ہوئے مسائل کو سلجھانے کے لیے کافی نہیں، اول و آخر ہر کام اللہ کے ہاتھ میں ہے وہی کافی دوست اور کافی مددگار ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۞ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۞ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ وَ لَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۞ ﴾ [النحل: ۹۰ تا ۹۲]

''اللہ تعالیٰ عدل، بھلائی اور قرابت داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم وزیادتی سے روکتا ہے وہ خود تمھیں نصیحتیں کر رہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو، اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم آپس میں قول وقرار کرو، اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو، حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو، تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسکو بخوبی جان رہا ہے، اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا کہ تم اپنی قسموں کو آپس کے مکر کا باعث ٹھہراؤ، اس لیے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھا ہو جائے، بات صرف یہی ہے کہ اس عہد سے اللہ تمھیں آزما رہا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ تمھارے لیے قیامت کے دن ہر اس چیز کو کھول کر بیان کر دے گا جس میں تم اختلاف کر رہے تھے۔''

فلسطین وغیرہ میں دہشت گردی:

چند دن پہلے جو قتل وغارت اور تخریب کاری واقعہ رونما ہوا ہے اس کی برائی اور قباحت و شناعت کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن یہاں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اذیت رسانی، قتل وخونریزی، تباہی و بربادی اور ہلاکتوں پر مشتمل کچھ واقعات ایسے بھی پیش آچکے ہیں جنھیں اس دورِ حاضر کا مبصر ہرگز نظر انداز نہیں کرسکتا، عدل وانصاف اور عقل وخرد کا تقاضا ہے کہ ان حادثات و وقائع میں بھی ویسی ہی دلچسپی ظاہر کی جائے جو اس موجودہ واقعہ میں کی جا رہی ہے۔

ان حادثات میں ایسے خونریزی کے بازار، تباہی اور خوفنا کی تھی، ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا، یہودیوں کی وہ کارستانیاں بھی ہمارے دماغوں سے غائب نہیں ہونی چاہئیں، دھوئیں کے بادل اٹھتے تھے، عمارتیں گرتی تھیں، لاشوں کے ڈھیر لگتے تھے اور زخمیوں کی چیخیں نکلتی تھیں، لیکن اس وقت آواز ذرا دھیمی تھی، اس کے باوجود مسلمان چاہے کتنے دور دراز ملکوں میں رہتے تھے ان سب نے اس ظلم و جبر سے وافر حصہ پایا تھا، آج کل فلسطین میں جو کچھ ہو رہا ہے اور کئی عشروں سے یہ ظلم وستم جاری ہے یہ بڑا واضح اور عینی شاہد کا درجہ رکھتا ہے۔

جب انفرادی دہشت گردی اور بعض جماعتوں کی دہشت گردی پھیل کر خطرناک حدود تک پہنچ چکی ہے تو حکومتی سطح کی دہشت گردی تو اور بھی خطرناک ہے، کیونکہ وہ تو باقاعدہ منظم طریقے کے ساتھ ایک حکومت کی طرف سے کی جاتی ہے جس میں حکومتی ادارے، اس کی قوت، اس کا غلبہ اور اس کا اقتدار کام کرتے ہیں، اس سلسلہ کی زندہ مثال اسرائیل ہے جو بدترین جرائم کا ارتکاب کر رہا ہے اور معمولی معمولی انسانی حقوق کی بھی پامالی کر رہا ہے حتی کہ توڑ پھوڑ، تباہی و بربادی، افراتفری اور انسانی و مالی ہلاکتوں کے ذریعے وہ تو فلسطینی مسلمانوں کو جینے کے حق سے بھی محروم کیے ہوئے ہے۔

بلا وجہ کی الزام تراشیاں:

لوگو! یہ بات عقل وہوش اور گہری نظر کی بات ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی قوم یا چند قوموں، کسی دین یا کسی مذہب کو الزام نہ دیا جائے بلکہ اس سے بالاتر ہو کر کچھ کیا جائے، کیونکہ دہشت گرد کی نہ کوئی قوم ہے اور نہ دین، اور مختلف قوموں، ملکوں اور ذہنوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے دہشت گردی سرزد ہو چکی ہے، اسلام کو ماننے والے لوگ اور ان کی حکومتیں اور ملک اس

دہشت گردی پر نکیر کرتے ہیں اور اس کا الزام دیے جانے کو بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جبکہ مغربی ذرائع ابلاغ بغیر کسی واضح ثبوت کے اسلام اور مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگاتے رہتے ہیں، اور کسی عربی و غیر عربی یا اسلامی کا فرق نہیں کرتے بلکہ عرب اور عام مسلمانوں کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں، جبکہ اگر کسی شخص پر ذاتی طور پر الزام ثابت بھی ہو جائے تو اس کے ملک وقوم اور اس کے دین ومذہب کو بھی موردِ الزام ٹھہرانا عدل وانصاف سے بہت بعید کا رویہ ہے:

﴿فَاِذْ لَمْ يَاْتُوا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ﴾ [النور: ١٣]

''اور جب گواہ نہیں لاتے تو یہ بہتان باز لوگ یقیناً اللہ کے نزدیک محض جھوٹے ہیں۔''

اس سے قبل اور بعد ہر وقت گرما گرم مسائل کو عدل و انصاف کے ساتھ حل کرنا چاہیے، اور جان بوجھ کر پر امن شہریوں کو قتل کرنے اور اپنے چھینے ہوئے حقوق کو واپس حاصل کرنے اور ظلم کو دور کرنے کے لیے جدو جہد کرنے میں فرق کرنا ضروری امر ہے، اسی طرح یہ بھی انتہائی ضروری امر ہے کہ ''دہشت گردی'' وغیرہ اصطلاحات کو پوری باریک بینی کے ساتھ اور غیر جانبدرانہ انداز سے دیکھا جائے اور اپنے غصب شدہ حقوق کی واپسی اور ظلم کو روکنے کی جد وجہد اور بلا وجہ کی دہشت گردی میں فرق کیا جائے۔

فتنوں کے زمانے میں مومن کا طرزِ عمل

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سعود الشریم ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

شریعت کا امتیازی وصف...توحید:

اے لوگو! شریعت اسلامیہ کی تعلیمات اور اوصاف میں سے ایک ممتاز وصف یہ دعوت ہے کہ دنیا میں صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے، اس کائنات کے رب کے فرض کردہ قواعد وضوابط کے مطابق اس کی اتباع کی جائے، تو پھر یہ شریعتِ اسلامیہ سراسر خیر ونور، امن وسلامتی اور فرحت وسرور کا باعث ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ﴾ [آل عمران: ١٩]

''بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔''

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴾ [آل عمران: ٨٥]

''اور جس نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو اپنایا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ نقصان پانے والوں میں سے ہوگا۔''

شریعت کی بنیاد...اتباعِ کتاب وسنت:

شریعت اسلامیہ کی بنیاد اتباعِ کتاب وسنت پر ہے، نہ کہ خود ساختہ امور اپنانے پر۔ کسی شخص کا دین اس وقت تک دینِ حق نہیں ہوسکتا جب تک اس میں تمام تر تابعداری صرف اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہو، اور بہترین طریقہ ومنہج صرف اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا طریقہ ومنہج ہے، اور قیامت تک اس سے بہتر طریقہ کوئی نہیں لا سکتا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی زبان سے چیلنج کروایا اور فرمایا ہے:

﴿ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ [القصص: ٤٩]

''آپ کہہ دیجیے! اگر تم سچے ہو تو تم بھی اللہ کے پاس سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں (قرآن و تورات) سے زیادہ ہدایت والی ہو، میں اس کی پیروی کروں گا۔''

عزت کا سرچشمہ... دین اسلام:

ہمیں چاہیے کہ ہم سب لوگ دوسروں کو اس دین حق کی طرف دعوت دیں جو ہماری عزت و وقار کا منبع اور طاقت و قوت کا راز ہے۔ اسلام کا تعارف کرواتے ہوئے کسی خوف و خطرہ اور شرم و حیا سے کام نہ لیا جائے اور نہ اس کی اصل تصویر واضح کرنے میں ذرہ برابر کمی بیشی کی جائے۔

اسلام کی تنبیہ:

اسلام دراصل ایک دوا کی طرح ہے جس میں ہر کسی کے لیے اپنی مرضی کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کوئی دوا جسے طبیب کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق استعمال نہ کیا جائے تو پھر اس استعمال کرنے والے کو دوا سے فائدے کے بجائے نقصان پہنچے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہوگا نہ کہ دوا یا طبیب۔ نبی اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے امتیازات و خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ کوئی ایسی چیز نہیں جو خیر و بھلائی والی ہو اور آپ ﷺ نے ہمیں نہ بتلائی ہو، اور کوئی ایسی برائی و شرّ والی چیز نہیں کہ آپ ﷺ نے ہمیں اس سے خبردار نہ کیا ہو۔ آپ ﷺ نے جن چیزوں سے اپنی امت کو خبردار کیا ہے وہ آخری زمانے میں رونما ہونے والے فتنے ہیں جو امت کو چاروں طرف سے گھیر لیں گے۔

چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ارشاد نبوی ہے:

«ستكون فتن، القاعد فيها خير من القائم، والقائم فيها خير من الماشي، والماشي فيها خير من الساعي، من تشرف لها تستشرفه»[1]

''آخری زمانے میں بے شمار فتنے رونما ہوں گے جن میں بیٹھا ہوا آدمی کھڑے آدمی سے بہتر ہوگا اور کھڑا آدمی چلتے آدمی سے بہتر ہوگا اور محض چلنے والا سعی و کوشش کرنے والے سے بہتر ہوگا، جس نے فتنوں کی طرف جھانک کر دیکھا اور اعراض نہ کیا تو وہ فتنے اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔''

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٤٠٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٨٦)

نیز بخاری ومسلم ہی میں ارشاد نبوی ہے:

《 يتقارب الزمان، وينقص العمل، ويلقى الشح وتظهر الفتن، ويكثر الهرج 》[1]

''زمانہ قریب ہو جائے گا، عمل کم اور لالچ بڑھ جائے گا، فتنے سر اٹھائیں گے اور قتل وغارت عام ہو جائے گے۔''

موجودہ زمانہ فتنوں سے بھرپور:

اللہ کے بندو! ہم ایک ایسے زمانے سے گزر رہے ہیں جس میں بے شمار فتنے رونما ہو رہے ہیں، امانت داری کم ہوگئی ہے، اللہ تعالی کی خشیت وتقوی ماند پڑ گیا ہے، لوگ دنیا کمانے اور خواہشات نفس کی تکمیل میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں کوشاں ہیں۔ قتل وغارت اس قدر عام ہوگئی ہے کہ قاتل کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے قتل کیوں کیا ہے اور مقتول یہ نہیں جانتا کہ اسے کیوں قتل کر دیا گیا ہے؟ جیسا کہ آپ ﷺ سے مروی ایک صحیح حدیث میں اس بات کا پتہ دیا گیا ہے۔[2]

راہ نجات:

ایسے فتنے بردوش حالات میں ہر شخص یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ ان حالات میں نجات و بچاؤ کا کیا طریقہ ہے اور ان تغیراتِ زمانہ میں ایک مومن کا کیا موقف ہونا چاہیے؟ اس کا جواب الحمد للہ بالکل واضح ہے کہ ہر بیماری کی دوا موجود ہے، کسی نے اس کا علم حاصل کر لیا اور کوئی اس دوا سے نابلد رہا۔ غرض فتنوں کے اس خطرناک مرض کا علاج کئی طرح سے ممکن ہے، سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ بے شمار لوگ جن فتنوں اور جنگوں میں مبتلا ہیں ان سے اپنے محفوظ ہونے پر اللہ تعالی کا بکثرت شکر ادا کریں، پھر اللہ تعالی کی قضا وقدر سے اگر کسی مشکل میں مبتلا کر دیے جائیں تو صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں اور اس بات پر یقین رکھیں کہ اللہ تعالی جو چاہتا ہے وہ لامحالہ ہو کر ہی رہے گا اور لوگ جن حالات میں مبتلا ہیں ان حالات کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور جن حالات سے وہ دوچار نہیں کیے گئے انھیں ان میں کوئی مبتلا نہیں کر سکتا کیونکہ ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالی چاہے اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا جیسا کہ سورۃ الرعد میں ارشاد الٰہی ہے:

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٦٥٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٥٧)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٠٨)

﴿ وَ اللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَ هُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ [الرعد: ٤١]

''اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے، کوئی اس کے احکام کو پیچھے ڈالنے (رد کرنے) والا نہیں، وہ جلد حساب لینے والا ہے۔''

آج کل جس طرح بڑے بڑے واقعات و حادثات رونما ہو رہے ہیں اور جس طرح فتنے سر اٹھا رہے ہیں ایسے میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کو مضبوطی سے تھامے رکھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و انابت کرنا چاہیے، اس کا تقویٰ و خشیت اختیار کرنی چاہیے، دعا و استغفار اور صدقات و خیرات بکثرت کرنے چاہیے، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کو اپنا شعار بنانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر یہی کہا تھا:

﴿ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ [الذاريات: ٥٠]

''تم اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو (رجوع کرو) یقیناً میں تمھیں اس سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔''

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

((لا يرد القدر إلا الدعاء)) [1]

''تقدیر کو کوئی چیز نہیں ٹال سکتی سوائے دعا کے۔''

موجودہ حادثات... قیامت کی یاد دہانی:

آج کل جو ناگہانی حادثات پیش آ رہے ہیں یہ ہمیں قیامت کی یاد دلاتے ہیں جو اسی طرح ناگہاں آ جائے گی کہ سودا کرتے ہوئے دو آدمی سودا طے نہیں کر پائیں گے، دودھ دھو کر لانے والا پی نہ پائے گا، حوض پر بیٹھا آدمی اس سے پانی کا گھونٹ نہ پی سکے گا، آدمی اپنے منہ تک لقمہ لے جا چکا ہو گا مگر اسے نگل نہ پائے گا کہ قیامت آ جائے گی، جیسا کہ صحیحین میں تفصیل موجود ہے۔[2] بہر حال ناامید ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ کبھی کبھی مشکلات و آلام باعث انعام و اکرام ہوتے ہیں، اور تنگی

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٩٠) مسند أحمد (٥/ ٢٧٧) اس حدیث کو امام حاکم اور ابن حبان نے صحیح اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٧٠٤)

کے ساتھ ہی کشائش وفراخی آتی ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ [الانشراح: ٥، ٤]

''پس بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے، بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔''

پُرفتن حالات میں اسلامی آداب:

فتنوں کے زمانے میں اسلامی آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ زبان پر کنٹرول رکھا جائے، لایعنی گفتگو سے بچا جائے، اندازوں اور خیالات کو نہ پھیلایا جائے، زبانوں کو کھلا چھوڑ دینا اور قلموں کے گھوڑوں کو بے لگام چھوڑ دینا ٹھیک نہیں ہوتا بلکہ یہ امن وسلامتی کے مواقع کو کم کر دینے کا باعث ہے۔

امام ابو حاتم بستی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

''امن وآشتی اور عافیت وسلامتی کے دس حصے ہیں، ان میں سے نو حصے صرف خاموشی میں ہیں، کیونکہ لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جن کی عزت وتکریم صرف ان کی زبان کی وجہ سے کی جاتی ہے، اور زبان ہی کی وجہ سے انھیں رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لہٰذا ہر صاحبِ عقل ودانش کا فرض ہے کہ وہ ان لوگوں میں نہ بنے کہ جنھیں رسوائی ملتی ہے۔''[1]

[1] روضة العقلاء (ص: ٤٦) یہ حضرت کعب کا قول ہے۔

پہلا خطبہ

اسلامی تہذیب اور آج کا مسلمان

امام وخطیب

فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر اُسامہ الخیاط حفظہ اللہ

19/10/2001 = 3/8/1422

فتنوں کے زمانے میں صحیح طرزِ عمل

امام وخطیب

فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر عمر بن محمد السبیل رحمہ اللہ

26/10/2001 = 10/8/1422

تیسرا خطبہ

افواہیں پھیلانا

(تاریخ، نقصانات، شرعی احکام)

امام وخطیب

فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس حفظہ اللہ

3/11/2001 = 17/8/1422

چوتھا خطبہ

سعودی عرب
عزت و شرف اور احسان و عطا

امام وخطیب

فضیلۃ الشیخ صالح بن حمید حفظہ اللہ

9/11/2001 = 24/8/1422

اسلامی تہذیب اور آج کا مسلمان

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر اُسامہ خیاط حفظہ اللہ

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

عقل وفہم کے اضطراب، خواہشاتِ نفس کے غلبہ پا جانے، عداوت و دشمنی کے قدم جما لینے اور عدل و انصاف کے فقدان کے وقت قومیں راہِ راست سے بھٹک جاتی ہیں، اور دائیں بائیں جو احکام وفیصلے صادر کرتی ہیں ان میں ظلم و جور کا رویہ موجود ہوتا ہے، وہ بلا تفکر و تدبّر اور بلا دلیل وثبوت کچھ بھی کہہ دیتے اور الزام لگا دیتے ہیں، جب یہ حالت ہوگی تو کھلا ظلم ہوگا جسے اہلِ عقل و دانش نظر انداز کر سکتے ہیں نہ اس کے ٹیڑھے پن پر سکوت ہی اختیار کر سکتے ہیں، تاوقتیکہ حق سرخرو نہ ہو جائے اور وعظ ونصیحت کی ذمہ داری کا احیا نہ ہو جائے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی میں اس کا حکم ہے:

﴿فَذَكِّرْ إِنَّمَآ أَنتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ﴾ [الغاشیۃ: ۲۱، ۲۲]

"نصیحت کیجیے، آپ کی ذمہ داری صرف نصیحت کرنا ہے (منانا نہیں) آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔"

تہذیبِ اسلامی کا تفوق:

راہِ راست سے بھٹکی ہوئی قوموں کے ان ظالمانہ احکام اور باطل دعویٰ جات میں سے ان کا ایک فیصلہ و دعویٰ جس کی کوئی دلیل نہیں، ان کا یہ کہنا ہے کہ ہمارے اس دینِ حق دینِ اسلام، جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے، کے احکام و قواعد کی بنیاد پر رو پذیر ہونے والی تہذیبِ اسلامی دوسری (مغربی) تہذیبوں سے ادنیٰ وکمتر ہے، اور دوسری تہذیبوں کو اس اسلامی تہذیب پر فوقیت حاصل ہے۔

ان لوگوں کی یہ بات دراصل اس ہدایت و نور سے آنکھیں موند لینے کا نتیجہ ہے جو حکیم و دانا اور تمام خبریں رکھنے والے پروردگار کی طرف سے آئے ہیں، اسی طرح یہ دعویٰ ان لوگوں کے عدل و انصاف کی راہ سے ہٹ جانے اور اہلِ فضل و احسان کی احسان فراموشی کا نتیجہ ہے۔

اللہ کے بندو! اسی دینِ حق دینِ اسلام کے ذریعے تو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ اسلامی تہذیب و تمدّن اور قواعد و ضوابط دنیا کو عطا کیے اور اسی کے ذریعے اس عظیم تہذیب کے اصول و مبادیات طے فرمائے جس کے زیرِ سایہ ہی ماضی کی تمام قوموں، معاشروں، افراد اور جماعتوں نے سعادت وخوشی

پائی، اور دورِ حاضر و مستقبل میں بھی ان شاء اللہ اسی اسلامی تہذیب کے زیرِ سایہ ہی تمام اقوامِ عالم کو سکون وچین میسّر آئے گا۔

یہ وہ تہذیب ہے جس کے جمال و جلال اور ترقی و عروج نے یہ واضح کر دیا ہے کہ تہذیبی رفعت و ترقی صرف اور صرف اس دینِ اسلام کی بدولت ممکن ہے، اس کے قواعد وضوابط اور اصول و مبادیات پر غور وفکر کرنے والے ہر شخص کے سامنے اس کے خصائص و معالم کھل کر آجاتے ہیں۔

تہذیبِ اسلامی اور عقائد:

جہاں تک عقائد و ایمانیات کا تعلق ہے یہ دینِ اسلام صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کامل عبودیت وبندگی کی تعلیم دیتا ہے اور اللہ کے سوا تمام باطل معبودوں کی بندگی، چاہے وہ کسی بھی انداز یا کسی بھی رنگ میں ہو، مطلقاً ترک کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

چنانچہ سورہ آلِ عمران میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿قُلْ يَآَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ [آل عمران: ٦٤]

''کہہ دیجیے اے اہلِ کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں برابر ہے کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے ہی کو رب بنائیں، پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔''

بندوں کو ان کے پروردگار کی عبودیت و بندگی پر لگانا اور غیر اللہ کی بندگی سے انھیں آزاد کروانا ہی عقل وعقیدے کی ترقی اور نفس کا کمال ہے، امت کی تہذیبی عمارت کی مضبوط بنیاد اسی پر استوار کی گئی ہے اور یہی صحیح عقیدہ وتقویٰ اس امت کی عزت وتکریم کا باعث ہے، نہ کہ عنصری تعصب، رنگ و نسل اور زبان وعلاقہ، جیسا کہ اس ارشادِ الٰہی سے پتہ چلتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ

لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾
[الحجرات: ١٤]

''اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک ہی مرد و زن سے پیدا کیا ہے اور پھر تمھارے کنبے اور قبیلے بنا دیے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک اللہ کے نزدیک تم سب میں سے زیادہ با عزت وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے، یقین مانو کہ اللہ دانا و با خبر ہے۔''

تہذیبِ اسلامی اور علم:

میدانِ علم میں بھی اسلام نے بڑی دلچسپی لی ہے اور نفع بخش علم کے تمام ماہرین کا بڑا مقام بیان کیا ہے کیونکہ عالم اور غیر عالم ایک جیسے نہیں ہو سکتے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ [الزمر: ٩]

''کہہ دیجیے! کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟ یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہوں۔''

اہلِ علم کو اللہ تعالیٰ نے بڑا بلند مقام عطا فرمایا ہے، چنانچہ اس سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ [المجادلة: ١١]

''اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے، جو ایمان لائے اور جو علم دیے گئے، درجے بلند کر دے گا اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے با خبر ہے۔''

تہذیبِ اسلامی میں علم اور دین کے مابین کوئی تنازع و جھگڑا نہیں ہے، کیونکہ صحیح علم تو ہدایت اور صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرنے میں وحی کا ساتھی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس علم کا اثر اہلِ نظر کے دلوں پر ہوتا ہے، یہ راسخینِ علم کا مقصد اور اہلِ صدق و اخلاص کی غرض و غایت ہے اور اسی علم کی بدولت ہی علما اللہ کا صحیح تقویٰ اور خوف و خشیت حاصل کرتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں فرمایا ہے:

﴿ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ﴾ [الفاطر: ۲۸]

''اللہ سے صحیح معنوں میں، اس کے اہلِ علم بندے ہی ڈرتے ہیں، بے شک اللہ غالب اور بخشنے والا ہے۔''

تہذیبِ اسلامی اور مادی ترقی:

جہاں تک مادی ترقی کا معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جتنے بھی خزانے مسخر کر رکھے ہیں اور اس کے لیے جو جو خیر و بھلائی رکھی ہے اسلام اور تہذیبِ اسلامی میں اس کی ناقدری نہیں کی جاتی اور نہ نفع آور اشیا سے نفرت کی گئی ہے، البتہ کسی بھی چیز کی قدر و قیمت میں اتنا غلو بھی نہیں کیا جاتا کہ اسے زندگی کا مقصد ہی بنا لیا جائے اور اپنی تمام تر مساعی کا مرکز و محور مادی ترقی اور بیلنس بڑھانے کو بنا لیا جائے بلکہ صرف لوگوں کے فائدے کی اشیا پر توجہ دی جاتی ہے۔

تہذیبِ اسلامی اور حقوقِ انسانی:

جب حقوقِ انسانی کا پہلو دیکھیں گے تو آپ اس تہذیبِ اسلامی کو تمام انسانی حقوق کا مکمل تحفظ کرنے والی تہذیب اور ایسی شریعتِ مطہرہ پائیں گے جس میں افراد، معاشروں بلکہ پوری امت کے ہر طبقے کے حقوق میں سے چھوٹے بڑے کسی کے بھی حق کو نظر انداز نہیں کیا گیا اور حقوق ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ ہی ہر کسی کے واجبات و فرائض بھی بتا دیے ہیں اور اس سلسلے میں کسی قومی تنگ نظری اور شخصی و نسلی تعصب کو قریب نہیں آنے دیا، کیونکہ یہ شریعتِ اسلامیہ وہ نظام و قانون ہے جو تمام بنی نوع انسان کے خالق و مالک، احکم الحاکمین اور رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، جس میں بشری کوتاہ نظری، خواہشاتِ نفس اور انسان کی زبان و مکان کی حدود کی پابند عقل کو کوئی دخل حاصل نہیں ہے۔

تہذیبِ اسلامی اور جنسی تسکین:

جنسی تسکین اور مرد و زن کے درمیان تعلقات کے لیے اسلامی شریعت و تہذیب کا ایک باقاعدہ نظام ہے، اور وہ نظام نکاح کے قاعدے پر قائم کیا گیا ہے، اس میں زنا کاری، در پردہ آشنائیاں قائم کرنے، ناجائز تعلقات جوڑنے اور غیر فطری طریقوں سے شتر بے مہار جنسی تسکین سے

سختی سے روکا گیا ہے، اس میں شخصی آزادی یا حقوقِ انسانی کے نام پر بلکہ ان کے سائے میں ان غلاظتوں کی اجازت نہیں دی گئی کیونکہ نظامِ خاندان ایک انتہائی پاکیزہ نظام ہے، جس میں فطرتِ انسانی کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کی ضروریات کو پورا کرنے کا بھی صحیح اہتمام کیا گیا ہے اور مرد و زن کے پاکیزہ تعلقات کا باقاعدہ ایک قانون بنایا گیا ہے، جس پاکیزہ تعلق پر عمل کے نتیجے میں رونما ہونے والی امت کی نسلیں صحیح اسلامی تربیت پاتی ہیں اور وہ انحراف و ضیاع سے بھی محفوظ رہتی ہیں۔

شریعتِ اسلامیہ کا کمال... اغیار کی نظر میں:

اللہ کے بندو! یہ سب دینِ اسلام کی تعلیمات ہیں جو اسلامی تہذیب و تمدّن کی اساس و بنیاد ہیں۔ شریعتِ اسلامیہ کی عظمت و رفعت کا اعتراف و اقرار اپنے تو اپنے ان بے شمار مفکرین، ماہرینِ علم اور مورخین نے بھی کیا ہے جو خود مسلمان بھی نہیں تھے، اور نہ اسلام کے ساتھ ان کا کوئی تعلق و واسطہ ہی تھا، کمالِ شریعتِ اسلامیہ کے سلسلے میں ان کے اقرار و اعترافات اور اقوال و شہادات کئی کتب میں موجود اور مشہور و معروف ہیں۔

زندہ مثالیں:

طلیطلہ، اشبیلیہ، غرناطہ، اور قرطبہ وغیرہ بلادِ اندلس مسلمانوں کی اس تہذیبِ اسلامی کے روشن چراغ، زبانِ صدق، شاہدِ عدل اور اس دنیا میں زندہ مثالیں ہیں۔ اگر کوئی شخص آنکھوں سے تعصب کی پٹی اتار کر بنظرِ انصاف دیکھے تو اسے تہذیبِ اسلامی کی عظمت کا اعتراف کیے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں رہتا۔

اس تہذیب کا یہ مقام و مرتبہ آخر کیوں نہ ہو؟ یہ تہذیب وحی الٰہی کا ثمرہ اور دینِ ربانی کی تعلیمات کا نتیجہ ہے، اور اس ذاتِ والا صفات کی طرف سے نازل کردہ شریعت سے مأخوذ ہے جو ذات حکیم و خبیر ہے اور اپنی مخلوقات کی حوائج و ضروریات کو سب سے بہتر جاننے والی ہے، وہ جسے چاہے جادۂ حق کی ہدایت دینے پر قادر ہے۔ اس تہذیبِ اسلامی کا تعلق اس دین سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا رنگ قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ﴾ [البقرۃ: ۱۳۸]

"اللہ کے رنگ (دینِ اسلام کو) اختیار کرو، اور رنگ دینے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ سے اچھا کون ہوگا؟ اور (کہو) کہ ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔"

آج کا مسلمان:

لوگو! آج کے کسی مسلمان کی موجودہ حالت دیکھ کر پوری اسلامی تہذیب کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کر دینا صحیح نہیں ہے، بلکہ فیصلہ کرنے کے لیے اس تہذیب کے اصول و مبادیات اور قواعد و ضوابط کو پیشِ نظر رکھنا از حد ضروری ہے، اسی طرح صرف آج کے مسلمان کی حالت ہی نہیں بلکہ ان مسلمانوں کے حالات کو بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے جو ان اصول وضوابط پر عمل پیرا ہوئے، جنھوں نے ہدایت کی پیروی کی اور پوری کائنات کے سرتاج ﷺ کے نہج کو اپنایا، اس تہذیبِ اسلامی کو پروان چڑھایا اور اس کی برکات سے پوری دنیا کو مالا مال کر دیا۔

البتہ وہ سنہری دور گزر جانے کے بعد آج مسلمان جس رجعتِ قہقریٰ، پسماندگی اور ذلت و تنزلی میں مبتلا ہیں ہر صاحبِ بصیرت اور اہلِ دانش وبینش سمجھ سکتا ہے کہ اس کی ذمہ داری اسلام اور اس کی تہذیب پر ہرگز عائد نہیں ہوتی بلکہ یہ تو اسلام کو پسِ پشت ڈال کر دوسرے نظاموں کو اپنانے، اپنے ہی ہاتھوں اپنے تشخص کو ختم کرنے یا اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارنے اور اعلیٰ کو ادنیٰ کے ساتھ بدلنے کا نتیجہ ہے، اس سب کچھ کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جنھوں نے اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑ لیا اور اپنی زندگی کو اجیرن کر لیا، وہ خود افراط وتفریط میں مبتلا ہوئے اور اپنی زندگی کو جہنم بنالیا۔ نہ اللہ کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسلامی تعلیمات یا تہذیبِ اسلامی میں کوئی عیب ہے۔

فتنوں کے زمانے میں صحیح طرزِ عمل

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عمر بن محمد السبیل حفظہ اللہ

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

مسلمانو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، کیونکہ تقویٰ گمراہی سے بچاؤ، خوف سے امن اور ہلاکت سے نجات کا ذریعہ ہے۔ جس نے تقویٰ اختیار کر لیا اللہ اسے ایسے نور وضیا سے نوازتا ہے جس کی مدد سے بندہ گمراہی و ہدایت اور بصیرت و اندھے پن کے مابین فرق کر سکتا ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾ [الأنفال: ٢٩]

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تمھیں قوتِ تمیز عطا کرے گا، اور تم سے تمھاری برائیاں دور کر دے گا اور تمھیں بخش دے گا اور اللہ بڑا ہی فضل والا ہے۔''

اللہ کے بندو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اللہ کی نازل کردہ شرعِ مستقیم پر قائم رہو اور صراطِ مستقیم پر چلو، جس پر چلنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوتا، کیونکہ یہ ایک واضح اور صاف راستہ ہے جس میں التباس والی کوئی بات ہرگز نہیں ہے، اور اتنا سیدھا سادہ ہے کہ اس میں کوئی کجی نہیں پائی جاتی۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [الأنعام: ١٥٣]

''اور یہ میرا راستہ (دینِ اسلام) بالکل سیدھا ہے، اس کی پیروی کرو اور مختلف پگڈنڈیوں پر نہ چلو وہ تمھیں جادۂ مستقیم سے ہٹا دیں گی، اللہ نے تمھیں انھی باتوں کا حکم دیا ہے، شاید کہ تم بچ جاؤ۔''

جادۂ حق: کتاب وسنت:

اللہ کی سیدھی راہ اس کی کتابِ مقدس اور اس کے نبی ﷺ کی وہ سنت و ہدایت ہے جس پر آپ ﷺ خود بھی چلے اور اسی پر آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کی تربیت فرمائی، اور اپنی امت کو اسی پر چلنے اور اسی پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی اور عقیدہ وعمل ہر میدان میں افراط وتفریط اور غلو سے بچتے

ہوئے راہِ اعتدال اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا ہے:

﴿ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا﴾ [البقرة: ۱۴۳]

''اور اسی طرح (اے مسلمانو!) ہم نے تمھیں امتِ وسط بنایا ہے۔''

یہ شریعتِ اسلامیہ کا ایک خاص امتیاز ہے اور یہی وہ حق و عدل ہے جس پر چلنا اور جسے اپنا منہج بنانا واجب ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ وَ لَا تَطْغَوْا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ [هود: ۱۱۲]

''آپ بھی استقامت اختیار کریں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ بھی جو آپ کے ساتھ تائب ہوئے اور سرتابی نہ کرنا کیونکہ وہ تمھارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔''

صدقِ ایمان اور دلائل توفیق میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ بندہ اپنی پوری زندگی اور ہر طرح کے حالات میں اللہ کے دین اور اس کی شریعت پر قائم رہے، حالات اچھے ہوں یا بُرے، تنگی ہو یا فراخی، دین کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ سعادت وخوشی پر مبنی اچھے حالات ہوں تو ان پر اللہ کا شکر ادا کرے اور بڑھ چڑھ کر اس کی عبادات بجا لائے، اور اگر کبھی بُرے حالات کا سامنا کرنا پڑ جائے تو اللہ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے صبر و ہمت کا مظاہرہ کریں اور رسولِ ہدایت ﷺ کے منہج پر رہیں کہ جس پر آپ ﷺ خود چلتے رہے اور جس کی طرف اپنی امت کی راہنمائی فرمائی۔

فتنے اور نبی اکرم ﷺ کی پیشین گوئیاں:

نبی اکرم ﷺ ہر خیر و شرّ کی خبر دے گئے ہیں حتی کہ قیامت تک امت کو کون سے حادثات و حالات سے دو چار ہونا پڑے گا ان کی بھی پیشین گوئی فرمائی ہے، آپ ﷺ بتا کر گئے ہیں کہ کون کون سے زبردست فتنے سر اٹھائیں گے؟ کون کون سے مصائب و مشکلات رونما ہوں گی؟ جن کے سلسلہ میں حقائق میں التباس پیدا ہو جائے گا، مفاہیم و مطالب میں اختلاط ہو جائے گا اور پیمانے بدل جائیں گے، نتیجہ یہ ہو گا کہ مخلوق کا ایک بڑا حصہ ہلاک ہو جائے گا، اور اہلِ عقل و بصیرت حیران رہ جائیں گے کہ کیا کریں؟ ان فتنوں کے پیچھے کفار گھات لگائے بیٹھے ہونگے، ان کے دل مسلمانوں کے خلاف حسد و بغض اور کینہ و حقد سے ابل رہے ہوں گے، اور ان فتنوں کی آگ کو مزید بڑھکانے

میں جادۂ حق و عدل سے منحرف جاہلوں کا بھی دخل ہو گا، اور جب فتنے سر اٹھا لیتے ہیں تو پھر ایسے حالات رونما ہوا ہی کرتے ہیں۔

فتنے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکمت و دانائی:

اس سلسلے میں امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''فتنوں کا آغاز معمولی معمولی باتوں سے ہوتا ہے لیکن نتائج بہت بُرے سامنے آتے ہیں، استقامت پا جانے کے بعد دلوں میں کجی آ جاتی ہے، امن و سلامتی کی راہ پر چلتے چلتے لوگ بھٹک جاتے ہیں، خواہشات بدل جاتی ہیں، خیالات و آرا میں التباس پیدا ہو جاتا ہے، جس نے ان فتنوں کی طرف جھانک کر دیکھا وہ اسے بھی دھر لیتے ہیں اور جس نے ان میں معمولی سعی بھی کی وہ اسے توڑ کر رکھ دیتے ہیں، حکمت و دانائی ختم ہو جاتی ہے، قطع رحمی رونما ہوتی ہے اور اسلام کو پسِ پشت ڈال دیا جاتا ہے، ظلم و ستم کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔''

فتنے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وصیت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان فتنوں سے اجتناب کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

''فتنہ و فسادات اور بدعات و خرافات کو ہوا نہ دو، بلکہ وہ راستہ اختیار کرو جس پر مسلمانوں کی جماعت کا اجماع و اتفاق ہے اور جس پر اطاعت کے ارکان کی بنیاد رکھی گئی ہے حتی کہ اللہ کے پاس مظلوم بن کر آؤ تو آؤ، لیکن ظالم بن کر ہرگز نہ آنا، تمام شیطانی ہتھکنڈوں اور ظلم و سرکشی کے طریقوں سے بچ کر رہو۔''

امتِ اسلامیہ مسلسل فتنوں میں مبتلا ہوتی چلی آئی ہے، اور آج بھی امت کو ایسے ہی فتنوں کا سامنا ہے، ایسے میں ذرا غور کر کے دیکھیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتنوں کی کیسی واضح تصویر کھینچی ہے اور ان کی حقیقت کا کتنی باریک بینی سے جائزہ پیش کیا ہے، اور ایسی نصیحتیں اور وصیتیں کی ہیں جو ایک ایمان و یقین اور بصیرت و علم سے معمور دل ہی سے نکل سکتی ہیں، اور اس پر مستزاد کہ انھوں نے ذاتی طور پر فتنے دیکھے، جھیلے، ان کی آگ سینکی اور بُری طرح آزمائے گئے اور انہوں نے ان پر صبر کیا اور ان کا خاتمہ کرنے کے لیے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے ایک طرزِ عمل مہیا کیا جس کا ان حالات میں اختیار کرنا باعثِ امن و سلامتی ہے۔

موجودہ فتنے اور امتِ اسلامیہ:

امتِ اسلامیہ وقتاً فوقتاً فتنوں میں مبتلا کی جاتی رہی ہے اور آج پھر امت انتہائی بھیانک فتنے سے دو چار ہے، عالمی حالات نے موجیں مارتے ہوئے مہیب و مہلک فتنوں کو جنم دے دیا ہے، جن کی مشکلات و مصائب کے جھکڑ ہر طرف چل رہے ہیں، تمام عالم اسلام اور مسلمان ان کے نقصانات و خطرات سے دو چار ہیں حتی کہ اہلِ عقل و دانش اور عالمی حالات پر گہری نظر رکھنے والے بھی پریشان ہیں، ان کے لئے بھی یہ کہنا مشکل ہو رہا ہے کہ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا اور موجودہ صورت کا انجام کیا ہوگا؟

جبکہ عامۃ الناس جو کچھ پڑھتے اور سنتے ہیں اس پر اپنے تبصرے کیے چلے جاتے ہیں، اور کچھ خودغرض لوگ محض توقعات اور ذاتی اندازوں کی بنیاد پر بڑے بڑے جھوٹ بولتے اور باطل خیالات کا اظہار کرتے چلے جا رہے ہیں، جن کی بنیاد نہ تو ثابت شدہ حقائق پر ہے اور نہ مستند قسم کی معلومات پر، بلکہ وہ محض وہم و گمان اور ظن و تخمین پر اتنی بڑی بڑی باتیں اُگلے چلے جا رہے ہیں، جن سے دنیا میں انتشار اور بدامنی پھیل رہی ہے، اور حالات کے تناؤ میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔

ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

ایسے فتنے، فسادات اور مصائب و مشکلات کے زمانے میں امتِ اسلامیہ پر واجب ہے کہ وہ اپنے دین کی تعلیمات کی طرف رجوع کریں، اپنا طرزِ عمل صحیح کریں اور اللہ کے بندوں پر زندگی کے تمام شعبوں اور تمام معاملات میں اللہ کی شریعت کو نافذ کریں، اپنے رب کی طرف انابت و رجوع کریں، بکثرت توبہ و استغفار کریں اور اللہ سے گڑگڑا کر دعائیں کریں کہ وہ اپنے دین کی مدد و نصرت فرمائے، اپنے کلمہ کو بلند کرے، اسلام اور اہلِ اسلام کو بدترین و مکار دشمنوں کی مکاریوں سے اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ یہ ایسے عوامل ہیں جو اللہ کی رحمتوں کے نزول، مصائب و مشکلات کے زوال اور بلاؤں کو رفع کرنے کا باعث بنتے ہیں۔

چنانچہ ربِّ کائنات کا ارشاد ہے:

﴿لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ [النمل: ٤٦]

”تم اللہ سے توبہ و استغفار کیوں نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے؟“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

《تكون فتنة لا ينجي منها إلا دعاء كدعاء الغريق》[1]

"فتنے رونما ہوں گے اور ان سے دعا کے سوا کوئی چیز نجات نہ دے سکے گی، اور دعا بھی اس طرح کی جس طرح کوئی ڈوبتا ہوا شخص گڑگڑا کر دعاء کرتا ہے (یعنی خلوص کے ساتھ اور بے قرار ہو کر)۔"

اصحابِ اثر ونفوذ کی ذمہ داری:

فیصلے صادر کرنے، قانون پاس کرنے اور اثر ونفوذ رکھنے والے لوگوں پر واجب ہے کہ وہ مسلمانوں کو متحد ومتفق کرنے کی کوشش کریں، ان کی صف بندی کریں انھیں شرّ وظلم اور بغاوت وفساد کی قوتوں کے مقابلے میں لا کھڑا کرنے کی بھرپور کوشش کریں، اور فتنے کی آگ بجھانے کے لیے اور اس کے اسباب ومحرکات کا ازالہ کرنے کی حسبِ استطاعت کوشش کریں تاکہ امتِ اسلامیہ ان خطرات سے نکلے اور مفاسد سے محفوظ ہو۔

عوام الناس کا طرزِ عمل:

جہاں تک عوام الناس کا معاملہ ہے ان کے حق میں زیادہ بہتر اور ضروری یہ ہے کہ وہ فتنوں میں دخل اندازی نہ کریں بلکہ اس سے مقدور بھر دور رہیں، ہر شخص اپنا اپنا کام کرے، ان پر جو دینی عبادات، دنیوی واجبات اور ذمہ داریاں ہیں انھیں نبھائیں، اور اپنی زبانوں اور قلموں کو ان فتنوں میں دخل اندازی سے بچائیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حالات کے بارے میں اسی طرزِ عمل کی تعلیم فرمائی ہے، اور یہ واضح کیا ہے کہ اس طرزِ عمل کو اپنانا آدمی کی سعادت وخوشی اور توفیق کی دلیل اور اس کی نجات وسلامتی کے اسباب وذرائع میں سے ہے۔

چنانچہ ابو داود وغیرہ میں حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے اللہ کی قسم ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

《إن السعيد لمن جنب الفتن، إن السعيد لمن جنب الفتن، إن السعيد

[1] مصنف ابن أبي شيبة (۷/ ۴۵۱) یہ الفاظ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور مرفوعاً مروی ہیں لیکن ہر دو کی اسانید ضعیف ہیں۔

لمن جنب الفتن، ولمن ابتلي فصبر فواها»[1]

”خوش نصیب ہے وہ جو فتنوں سے بچا دیا گیا، خوش نصیب ہے وہ جو فتنوں سے بچا دیا گیا، خوش نصیب ہے وہ جو فتنوں سے بچا دیا گیا، اور جو شخص کسی فتنے میں مبتلا کر دیا گیا تو اس نے اس پر صبر کیا اس کے لیے بشارت و خوشخبری ہے۔“

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«ستكون فتنة صماء بكماء عمياء، من أشرف لها استشرفت له، وإشراف اللسان فيها كوقوع السيف»[2]

”بہرہ اور اندھا (انتہائی خوفناک) فتنہ برپا ہوگا، جس نے اس میں جھانک کر دیکھا وہ اسے بھی شامل کر لے گا، اور اس میں محض زبان کا چلانا بھی تلوار چلانے کی طرح ہی ہوگا۔“

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ارد گرد بیٹھے تھے، آپ ﷺ نے فتنوں کا تذکرہ کیا اور فرمایا:

”جب تم دیکھو گے کہ لوگوں سے عہد کی پاسداری ختم ہوگئی اور امانت داری کو خیر باد کہہ چکے اور وہ باہم یوں گتھم گتھا ہو گئے، اسے واضح کرنے کے لیے آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈالا، حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں اپنی جگہ سے اٹھا اور آپ ﷺ کی خدمت میں پاس بیٹھ گیا اور عرض کیا: میری جان آپ پر قربان ہو، ایسے حالات میں مجھے کیا کرنا ہوگا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے گھر میں ٹکے رہو، اپنی زبان پر کنٹرول رکھو، اور صرف وہ بات کہو جسے تم اچھی طرح جانتے ہو، اور جسے تم خود ناپسند کرو اسے چھوڑ دو، اپنے خاص ذاتی معاملات تک دلچسپی رکھو اور عوام الناس کے معاملات میں دخل اندازی ترک کر دو۔“[3]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٢٦٣) اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٢٦٤) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٩٦٨) اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ امام بوصیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”في إسناده محمد بن عبد الرحمن، وهو ضعيف، وأبوه لم يسمع من ابن عمر“

[3] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٣٤٣) مسند أحمد (٢/ ٢١٢) اس حدیث کو امام ابن حبان، حاکم اور ذہبی رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تمھارے سامنے ایسے فتنے رونما ہوں گے جیسے اندھیری رات کا تاریک ٹکڑا ہوتا ہے، (جن میں حق و باطل کی تمیز دشوار ہو جاتی ہے) ان میں ایک آدمی دن کے وقت مومن ہو گا اور رات تک کافر ہو جائے گا، اور رات کو ایک شخص کافر ہو گا اور دن چڑھنے تک مومن ہو جائے گا، ایسے حالات میں بیٹھا ہوا آدمی کھڑے شخص سے بہتر ہو گا اور کھڑا شخص چلتے آدمی سے بہتر ہو گا اور چلتا آدمی بھاگنے والے سے بہتر ہو گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ایسے حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے گھروں میں بیٹھے رہنا۔'' [1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انھی تعلیمات کے پیشِ نظر کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ اور اہلِ بصیرت ائمہ اسلام نے یہی طرزِ عمل اختیار فرمایا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا، اور امت کو بھی یہی طرزِ عمل اپنانے کی ہدایت کی۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے، جو فتنوں کے معاملے میں ساری امت کے سب سے بڑے عالم تھے، فرمایا ہے:

''فتنوں سے بچ کر رہو، اللہ کی قسم اگر کسی نے ان کی طرف جھانک کر دیکھا تو وہ اسے یوں ہلاک و برباد کر کے رکھ دیں گے جس طرح کہ تیز سیلاب خس وخاشاک کو بہا لے جاتا ہے، جب ایسے حالات دیکھو تو اپنے گھروں میں ٹکے رہو اور اپنی تلواریں توڑ دو، اپنی کمانوں کے تانت کاٹ دو اور اپنے منہ چھپا لو۔'' [2]

کبار و اخیار صحابہ کرام نے ایسے ہی کیا جن میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم جیسے فاضل صحابہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جنھوں نے اپنے زمانے میں رونما ہونے والے فتنوں سے اجتناب کیا اور علیحدہ رہے، امت نے ان کے اس طرزِ عمل کو خوب سراہا اور اس طرزِ عمل کو ان کے مناقب میں سے شمار کیا ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٢٦٢) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٩٦١) اس حدیث کو امام ابن حبان، حاکم اور ذہبی رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے۔

[2] حلية الأولياء (١/ ٢٧٣)

مظلوم مسلمانوں کی امداد:

اے امتِ اسلامیہ کے افراد! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ظاہری و باطنی تمام فتنوں سے اجتناب واحتراز کرو، اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ و رجوع کرو اور اعمالِ صالحہ کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو، اپنے بے گھر افغان بھائیوں اور مظلوم فلسطینیوں اور دوسرے ممالک کے مسلمانوں کی امداد جاری رکھو، یہ امداد و تعاون اخوتِ ایمانی کا تقاضا اور برّ و احسان کی بہترین شکل ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ﴾ [المزمل: ۲۰]

”اور نیکی و بھلائی سے جو کچھ تم اپنے نفسوں کے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں پالو گے اور یہی بہتر اور زیادہ اجر والا عمل ہے۔“

اللہ سے گڑ گڑا کر آہ و زاری کے ساتھ دعائیں مانگو کہ وہ امتِ اسلامیہ سے بلائیں دور کرے، فتنوں اور فسادات سے اسے محفوظ رکھے اور مصائب و مشکلات کو دفع کرے، وہ سننے اور قبول کرنے والا ہے، اور وہ بہترین کارساز اور بہت ہی اچھا مددگار ہے۔

ابتلا و آزمائش سونے کو کندن بنانے کی بھٹی:

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ [العنکبوت: ۱ تا ۳]

”الٓمّٓ، کیا لوگوں نے گمان کر لیا ہے کہ وہ صرف یہ کہنے پر کہ ہم ایمان لے آئے بغیر آزمائے ہی چھوڑ دیے جائیں گے، ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی فتنوں میں مبتلا کر کے آزمایا، یقیناً اللہ تعالیٰ سچوں کو بھی جان لے گا اور ان کو بھی معلوم کر لے گا جو جھوٹے ہیں۔“

نصائحِ مصطفویہ:

اللہ کے بندو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اس کی اطاعت و مرضی کے اعمال پر قائم رہو، اور اس

کے پسندیدہ اقوال و اعمال اور نبی اکرم ﷺ کی ہدایات پر عمل کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو۔ نبی اکرم ﷺ نے ہر خیر و بھلائی اور سعادت و خوشی والی چیزوں کی طرف راہنمائی کرنے اور شقاوت و گمراہی والے کاموں سے باز رکھنے اور نصیحت کرنے میں کبھی سر مو بھی کوتاہی نہیں کی۔ نبی اکرم ﷺ نے جو عظیم الشان نصیحتیں اور جلیل القدر ہدایات دی ہیں انھی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عمرِ عزیز کے ایام اور حیاتِ فانی کے اوقات کو ایک غنیمت سمجھیں اور ان میں اللہ کی اطاعت و تقرب کے اعمال بجا لائیں، قبل اس کے کہ آدمی کو کسی خاص یا عمومی فتنہ وغیرہ کی وجہ سے ایسے اعمالِ صالحہ کی بجا آوری سے روک دیا جائے، اس وقت وہ اپنی افراط و تفریط پر ندامت کا اظہار کرے گا مگر اس وقت اظہارِ ندامت سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، اس سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ کی بڑی اہم ہدایات و توجیہات میں سے ایک بہت بڑی یہ بات ہے جو سنن ترمذی وغیرہ میں مروی ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''سات چیزوں سے پہلے پہلے نیک اعمال میں جلدی کر لو، کیا تم یہ انتظار کر رہے ہو کہ سب کچھ بھلا دینے والا فقر و تنگدستی آ جائے؟ یا ایسی تونگری آ جائے جو سرکش کر دیتی ہے؟ یا مضمحل کر دینے والی بیماری گھیر لے؟ یا عاجز کر دینے والا بڑھاپا آن پہنچے؟ یا کام تمام کر دینے والی موت آ دبوچے؟ یا دجال کا ظہور ہو جائے جو آنے والا بدترین فتنہ ہے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے؟ یا قیامت آ جائے جو سب سے زیادہ خطرناک اور کڑوی ہے؟''[1]

اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے بعض اہلِ علم نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں موت یا ان حالات کے آ جانے سے پہلے نیک عمل کر لینے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ آفتوں کی آمد سے قبل اپنے اوقات کو غنیمت سمجھو۔

ماہِ شعبان کی بدعات سے اجتناب:

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرتے رہو، اطاعت و فرمانبرداری کو شیوہ بناؤ، فتنوں میں گھر جانے سے پہلے پہلے نیکیاں کر لو اور بدعات و محدثات سے اپنا دامن بچا کر رکھو۔

اس ماہِ شعبان میں بعض لوگوں نے جو بدعات ایجاد کر رکھی ہیں ان میں سے ایک نصف

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٣٠٦) اس کی سند میں محرر بن ہارون راوی ضعیف اور متروک ہے۔

شعبان کی رات کو چراغاں کرنا اور مختلف قسم کی عبادات بجا لانا بھی ہے جبکہ نبی اکرم ﷺ سے کسی صحیح حدیث میں اس رات کے لیے کوئی مخصوص عبادت ہرگز ثابت نہیں ہے، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی سے اس رات میں کوئی خاص عمل ثابت ہے، اور نہ سلف صالحینِ امت سے اس کے بارے میں کچھ ملتا ہے، بلکہ یہ ایک خود ساختہ بدعت ہے جو لوگوں نے ایجاد کر لی ہے، جیسا کہ امام نووی، امام عراقی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور دیگر اہلِ علم نے اس بات کی وضاحت کی ہے۔ لہٰذا اللہ کے بندو! ایسی بدعات سے مکمل اجتناب کرو اور نبی اکرم ﷺ کی ہدایت وسنت ہی پر اکتفا کرو کیونکہ تمام ہدایات اور طریقوں سے بہتر طریقہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ومنہج ہے، اور بدترین امورِ دین میں پیدا کیے گئے نئے امور ہیں اور ہر نیا کام بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی، اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے، سمع وطاعت کا شیوہ اپناؤ اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہو کیونکہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے، اور جو جماعت سے الگ تھلگ ہو گیا وہ جہنم میں جا گرا۔

افواہیں پھیلانا؛ تاریخ، نقصانات، شرعی احکام

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس حفظہ اللہ

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

سب سے بہترین وصیت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ لَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ [النساء: ۱۳۱]

''ہم نے ان لوگوں کو وصیت کی جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے تھے اور تمھیں بھی وہی وصیت کر رہے ہیں کہ اللہ سے ڈرو۔''

اللہ کے بندو! تقویٰ اختیار کرو کیونکہ فتنوں سے بچاؤ اور مصائب و مشکلات سے نجات و سلامتی کا وہی ضامن ہے۔ چنانچہ حضرت طلق بن حبیب رحمہ اللہ کہتے ہیں:

«اتقو الفتن بالتقوى»[1]

''تقویٰ کے ذریعے فتنوں سے بچو۔''

افواہوں کی جنگ:

جب سے اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بنائی ہے تب ہی سے مختلف قوتوں کے مابین کشمکش جاری ہے، ایسی کشمکش جو انسانیت کی گہرائیوں کو نشانہ بناتی ہے اور بشریت کے ڈھانچے پر اثر انداز ہوتی ہے، جنگیں، آفتیں، بحران اور مصائب وفتن، اپنے مہلک وخطرناک اسلحے کے ساتھ انسان کے جسم کو نشانہ بناتے ہیں جبکہ بعض در پردہ جنگیں ایسی بھی ہیں جو کئی حوادث و مشکلات کے کناروں پر جنم لیتی ہیں اور اپنے دور کے تغیرات و تقلبات میں بڑھتی ہیں۔ یہ پہلی مذکورہ جنگوں سے کہیں زیادہ مہلک و خطرناک ہوتی ہیں کیونکہ یہ انسان کے باطن کی گہرائی، اس کی عطا، اس کی قدروں اور نشوونما کو نشانہ بناتی ہیں، آپ جانتے ہیں کہ یہ گندی جنگ کونسی ہے؟ یہ ''افواہوں کی جنگ'' ہے۔

یہ افواہیں معنوی جنگوں اور نفسیاتی دباؤ میں سب سے زیادہ خطرناک جنگ ہے، بلکہ تباہی مچانے والا سب سے زبردست اسلحہ یہی ہے، اور اس کی تاثیر سب سے بڑھ کر ہے۔ اگر یہ کہا جائے

[1] زيادات نعيم بن حماد على الزهد لعبد الله بن المبارك (ص: ۷۹) جامع العلوم والحكم (۱/ ۴۰۰)

کہ آج یہ افواہیں ایک اجتماعی و سماجی اور معاشرتی مسئلہ بن چکی ہیں اور عالمی سطح پر پھیل گئی ہیں تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا، اس کے خطرات تمام بشری معاشروں پر منڈلا رہے ہیں جن کی تشخیص و علاج کی فوری ضرورت ہے۔ اس کی جڑیں کاٹنے، اس سے لوگوں کو خبر دار کرنے اور اس کے اسباب و محرّکات کی بیخ کنی کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ بیماری کہیں امت کی معنوی روح کو نہ ختم کر دے، جو افراد کی کامیابی کا ستون، معاشروں کے امن واستقرار کی بنیاد اور مختلف معاشروں اور تہذیبوں کی عزت وعظمت اور شان وشوکت کا ذریعہ ہے۔

افواہوں کی تاریخ:

انسانی تاریخ کا استقرا اور اس پر گہری نظر رکھنے والا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ افواہوں کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی انسان کی تاریخ پرانی ہے، بلکہ تمام تہذیبوں کی گود میں اس نے پرورش پائی ہے اور آغازِ تاریخ ہی سے لے کر یہ افواہیں تمام معاشروں کی تہذیبی ترقی اور معاشرتی ڈھانچوں کے لیے قلق و اضطراب اور پریشانیوں کا باعث بلکہ مصدر ومنبع رہی ہیں۔

اسلام کا موقف:

جب اسلام آیا تو اس نے ان افواہوں اور ان کے پیچھے کام کرنے والوں کے بارے میں بڑا سخت موقف اختیار کیا، کیونکہ ان کے پھیلانے میں مسلم معاشرے، اور اس کے افراد میں اتحاد و اتفاق اور ان کی سلامتی پر اس کے بڑے بُرے اور منفی اثرات پڑتے ہیں، یہی نہیں بلکہ اسلام نے افواہوں کی نشر و اشاعت کو ذلیل حرکت، منفی کردار، عاداتِ کریمہ اور اخلاقِ جمیلہ کی ضد قرار دیا، اور اجتماع و اتحاد، پیار و محبت، بھائی چارے، باہمی تعاون، صدق وصفا اور رحم وکرم کی اسلام اور شریعتِ اسلامیہ نے ترغیب ہی نہیں دلائی بلکہ تاکید بھی کی ہے، ان افواہوں کو گھڑنے اور پھیلانے کو عاداتِ جمیلہ و شمائلِ جلیلہ کے منافی قرار دیا ہے۔ کیا واقعی یہ افواہیں ان اخلاقی قدروں کو برباد اور اعلیٰ صفات کی عمارت کو مسمار نہیں کرتیں؟

اسی طرح اسلام نے غیبت و چغلی کرنے، لوگوں کی عزت و آبرو کے درپے ہونے، کذب بیانی و دروغ گوئی، بہتان تراشی اور لگائی بجھائی کرنے سے بھی شدت کے ساتھ روکا ہے۔ کیا افواہیں اسی طرح پیدا نہیں ہوتیں؟

اسلام نے زبان کی حفاظت کرنے اور اسے اپنے کنٹرول میں رکھنے پر بڑا زور دیا ہے، اس بات کی اہمیت بتائی ہے، گناہ اور کسی پر بہتان باندھنے کو حرام قرار دیا ہے اور افواہوں کو رواج دینے کے دلدادگان کو دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النور: ١٩]

''بیشک وہ لوگ جو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی (تہمتِ بدکاری کی خبر) پھیلے، ان کو دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ نے خبریں نقل کرنے سے پہلے اچھی طرح تحقیق اور چھان پھٹک کر لینے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ﴾ [الحجرات: ٦]

''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق و بدکار تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو، مبادا کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر تم کو اپنے کیے پر نادم و پشیمان ہونا پڑے۔''

اس آیت کے لفظ ﴿فَتَبَيَّنُوْا﴾ کو معروف قراء میں سے حمزہ اور کسائی نے ﴿فَتَثَبَّتُوْا﴾ پڑھا ہے، یعنی پہلے معاملے کی اچھی طرح چھان پھٹک اور تحقیق و تمحیص کر لو۔

محاسبہ و جوابدہی:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خبر دی ہے کہ بندہ اپنے ہر چھوٹے بڑے فعل کا اللہ کے ہاں جوابدہ ہے، اور اس پر اسکا حساب لیا جائے گا حتی کہ ایک ایک لفظ پر محاسبہ ہوگا جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴾ [بني إسرائيل: ٣٦]

''اور جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو، بیشک کان، آنکھ اور دل، ان سب کے بارے میں باز پرس ہوگی۔''

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴾ [ق: ١٨]

''کوئی بات اس بندے کی زبان پر نہیں آتی، مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔''

اور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

« إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث »[1]

''بدظنی سے بچو کیونکہ بدظنی جھوٹی بات ہوتی ہے۔''

اسی طرح اسلام نے اس سے بھی منع کیا ہے کہ کوئی شخص ہر سنی سنائی بات اور افواہ کو فوراً تسلیم کر لے اور عقل سے کام نہ لے بلکہ اپنی عقل وفکر کا دامن ہی چھوڑ دے، آواز لگانے والے کے پیچھے کھینچا چلا جائے اور ہر کسی کی بات کی تصدیق بھی کرتا جائے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

« كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع »[2]

''کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کرتا پھرے۔''

اور ایک روایت میں ہے:

« كفى بالمرء إثما أن يحدث بكل ما سمع »[3]

''کسی آدمی کے گناہگار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے کردے۔''

خودغرض چغل خوروں اور افواہیں پھیلانے والوں کے سامنے بندھ باندھنے، بے سروپا خبروں کو رواج دینے والوں کو روکنے اور معصوم بَری لوگوں کے خلاف جھوٹے الزامات لگانے والوں کی تربیت کرنے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

کیا میں تمھیں تم میں سے بدترین لوگوں کی خبر نہ دوں؟ صحابہ ﷢ نے عرض کیا: کیوں نہیں؟

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٨٤٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٦٣)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٥)

[3] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٩٩٢) اس حدیث کو امام ابن حبان، حاکم، ذہبی اور البانی ﷭ نے صحیح کہا ہے۔

اے اللہ کے رسول ﷺ! تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«المشاؤن بالنميمة، المفسدون بين الأحبة، الباغون للبرآء العنت» [1]

''چغلی و غیبت کرنے والے، پیار و محبت کرنے والوں میں تفریق و بگاڑ پیدا کرنے والے، اور بے قصور و بَری لوگوں کے لیے اذیت و تکلیف کا باعث بننے والے۔''

افواہیں معاشرتی آکاس بیل ہیں:

برادرانِ عقیدہ! جس طرح نباتات میں کچھ ایسی بوٹیاں اور تاریں ہوتی ہیں جو دوسری نباتات سے چمٹ جاتی ہیں اور ان کی نشو ونما کو روک دیتی ہیں اسی طرح بلکہ ان سے کہیں زیادہ خطرناک یہ افواہیں ہیں جو معاشروں کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں، اس کی دیواریں گراتی اور اس کی پوری عمارت ہی کو زنگ آلود کر دیتی ہیں۔ ان افواہ سازوں، چغل خوروں اور غیبت کرنے والوں نے کتنے بے قصور لوگوں پر ظلم کیا ہے؟ صاف دل دوستوں میں فتنے کی آگ بھڑکائی ہے اور کتنے عظیم لوگوں اور اہلِ علم وفضل حضرات پر زیادتی کی ہے؟ ان افواہوں نے کتنے بڑے بڑے جرائم کو جنم دیا؟ تعلقات کی کشیدگی کا باعث ہوئیں، کئی تہذیبوں اور ان کی عظمتوں کا ستیا ناس کیا، گھروں اور خاندانوں کو تباہ کیا اور معاشروں کو برباد کر دیا۔

افواہوں کے بُرے نتائج ونقصانات:

بعض افواہیں تو بڑی بڑی جنگوں اور فتنوں کا باعث بنیں اور انھی کے نتیجے میں عالمی سطح پر جنگوں کے شعلے بھڑک اٹھے جبکہ یہ تو معروف سی بات ہے کہ جنگ کا آغاز عموماً معمولی معمولی باتوں ہی سے ہوتا ہے اور کبھی کبھی تو کوئی بات ہوئی بھی نہ ہو تب بھی جنگ ہو ہی جاتی ہے، مگر کبھی کبھار ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ شرَ بردوش بات میں جب کوئی حاسد و حاقد آدمی ہوا بھر کر رائی کا پہاڑ بنا دیتا ہے تو وہی بات فتنوں کی آگ بھڑکا دیتی ہے۔

اللہ کے بندو! افواہوں کو ہوا دینے اور عام کرنے والے نفسیاتی مریض، ملعون فطرت، کم ہمت، کج فکر، بے راہ، بے مروت اور دینی اعتبار سے نہایت کمزور لوگ ہوتے ہیں، ان کی ذلالت و کمینگی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ حسد و بغض اور حقد ان کی آنتوں تک سرایت کر چکا ہوتا ہے، جب تک کسی

[1] مسند أحمد (٦/ ٤٥٩) امام بوصیری اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

کو اذیت نہ پہنچا لیں اور کسی جگہ فساد و بگاڑ نہ پیدا کرلیں تب تک انھیں چین نہیں آتا، وہ فتنے باز، فسادی، زمین میں بگاڑ کے لیے کوشاں رہتے ہیں، لوگوں اور ملکوں میں فتنے برپا کر کے وہ سکون محسوس کرتے ہیں، ایسے لوگ معاشرے کے زہریلے عضو کا کام کرتے ہیں، وہ لگائی بجھائی کے ایسے ماہر ہوتے ہیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے جنگل میں آگ کی طرح اپنا زہر پھیلا دیتے ہیں، گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہیں، زہریلے سانپ کی طرح اپنا زہر پھینکتے ہیں، کردار کے شرارتی اور ہاتھوں، آنکھوں بلکہ ہر ہر عضو کے اشاروں سے ہر طرف آگ لگائے چلے جاتے ہیں۔

تشویشناک خبریں پھیلانے، جھوٹ بولنے اور الٹی سیدھی ہانکتے رہنے سے نہیں تھکتے، شرارتی زبان والوں اور بکے ہوئے قلموں والے، خبیث باطن اور بدنیت لوگوں کی پھیلائی ہوئی افواہوں کا شکار کئی بڑے بڑے لوگ ہوجاتے ہیں اور انکے سامنے مات کھا جاتے ہیں، امتِ اسلامیہ کے ڈھانچے سے جو ہر وقت خون رِستا رہتا ہے تو اس کا یہی سبب ہے۔

یہودیوں کا تاریخی گندا کردار:

برادرانِ ایمان! آغازِ تاریخ ہی سے لیکر افواہوں نے پورے عالم اور خصوصاً بلادِ اسلامیہ کے جسم میں اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں، انھیں خودغرض اور ضعیف الایمان و کمزور دین بلکہ دشمنانِ دین ہوا دیتے ہیں، اعداء دین، خصوصاً انبیاء کی قاتل اور انتہائی بدعہد قوم یہود نے بڑی بڑی افواہیں پھیلائیں، تاکہ کسی بھی طرح دعوتِ اسلامیہ کو نقصان پہنچائیں اور میدانِ دعوت میں کام کرنے والے لوگوں کی شخصیتوں کو مشکوک و غیر معتبر بنا دیں، ان کی ان افواہوں سے اور تو اور خود انبیاء کرام ﷷ بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ وہ بھی ان کی افترا پردازیوں کا شکار ہونے سے نہ بچ سکے، ان کی نبوت و رسالت کے خلاف انھوں نے کبھی کھلے عام اور کبھی در پردہ کارستانیاں کیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے محض ایک ہی جملے میں ادا کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ﴾ [البقرة: ٨٧]

''تم نے بعض (انبیاء) کو تو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ صدیقہ حضرت مریم علیہا السلام کے خلاف ہرزہ سرائی اور بدزبانی کی اور افواہیں پھیلا کر ان کی کردار کشی کرنے کی کوشش کی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف زہر اگلا اور امام

الأنبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی معاف نہ کیا۔ حضرت مریم علیہا السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

﴿ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا﴾ [مریم: ٢٨]

''اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔''

کریم ابنِ کریم ابنِ کریم حضرت یوسف بن یعقوب بن ابراہیم خلیل (علیہم السلام) تو عزت و آبرو اور شرف کو داغدار کرنے والے ان خودغرضوں کی افواہوں کے مقابلے میں طہارتِ باطن اور پاکیزگی کردار کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے، ان کا بھی پیچھا کیا مگر انھیں اللہ نے محفوظ رکھا اور ان کے حسن کردار اور طہارت و پاکیزگی کی شہادت دیتے ہوئے اعلان فرمایا:

﴿ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ﴾

[یوسف: ٢٤]

''اسی طرح ہوا، تاکہ ہم اس (یوسف علیہ السلام) سے برائی و بے حیائی دور کر دیں، بیشک وہ ہمارے برگزیدہ (چنے ہوئے مخلص) بندوں میں سے تھے۔''

نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ میں تو افواہ کی تاریخ اور اس کے بارے میں صحیح موقف کے سلسلہ کی زندہ و بہترین مثالیں موجود ہیں، آپ ﷺ کی دعوت کو ابتدائی ایام میں ہی افواہوں کا سامنا کرنا پڑا، آپ ﷺ پر جادوگر، مجنون و پاگل، جھوٹے اور کاہن ہونے کے الزامات لگائے گئے، کفار و منافقین نے تو آپ ﷺ پر الزامات لگانے اور جھوٹ باندھنے کی حد کر دی، رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی اور آپ ﷺ کی دعوتِ مبارکہ کے بارے میں انھوں نے جو سب سے بڑی شرارت کی وہ صریح جھوٹی تہمت کا واقعہ ہے، وہ واقعہ جس نے افواہوں کی قباحت و شناعت کو طشت از بام کر دیا، وہ تہمت و الزام جو نبی اکرم ﷺ کے خانۂ اطہر اور خود اکرم الخلق نبی اکرم ﷺ کی عزت و آبرو کو مس کر رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیق، صدیقۂ کائنات حضرت عائشہ، اور صحابی رسول حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہم کی عزت و طہارت اور آبرو کو چھو رہے تھے۔

اس افواہ سے صرف یہی قدسی نفوس نہیں بلکہ پورا شہر مدینہ منورہ اور پورا مسلم معاشرہ مہینہ بھر پریشان رہا اور اس افواہ کی لگائی آگ میں سلگتا رہا، مسلم معاشرے کا ضمیر مبتلائے عذاب رہا، اور اس افواہ سے اس کا خون رستا رہا، اگر اللہ کی رحمت وعنایت نہ ہوتی تو اس افواہ کی آگ میں ہر خشک و تر

چیز جل جاتی، بالآخر وحیٔ الٰہی نے دخل اندازی کی تاکہ اس سانحہ کے سامنے بند باندھے اور آئندہ آنے والے تمام زمانوں کے مسلمانوں کے لیے ایک منہج وطرزِ عمل مقرر فرما دے کہ ایسی افواہوں کے موقع پر کونسا موقف اختیار کرنا واجب ہے؟

چنانچہ سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے کئی آیات نازل فرمائیں۔ ایک جگہ فرمایا:

﴿ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ﴾ [النور: ١٢]

''بہتان کو سنتے ہی مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو صریح اور کھلم کھلا جھوٹ ہے۔''

اور پھر کچھ آگے جا کر فرمایا:

﴿ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ﴾ [النور: ١٦]

''تم نے ایسی بات کو سنتے ہی یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں تو ایسی بات منہ سے نکالنی بھی لائق نہیں۔ اے اللہ تو پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔''

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مہینہ بھر نہ میرے آنسو تھمے اور نہ میری آنکھ ہی لگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے میری براءت نازل فرما دی۔[1]

ان کفار و منافقین کی افواہ بازیوں ہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے واقعہ کو اپنے مذموم عزائم کے لیے استعمال کرتے ہوئے باتیں پھیلانا اور مسلمانوں کے خلاف نفسیاتی جنگ کو ہوا دینا شروع کر دی، اور کہنے لگے کہ اسلام کا قصہ اب تمام ہوا، اب اسکا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا، ان کی اس افواہ کا بعض صحابہ پر بڑا اثر ہوا اور لوگ بڑے قلق و اضطراب میں مبتلا ہوئے، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تیار کیا اور انھوں نے امت کو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے اس قلق و پریشانی سے باہر نکالا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٤٥٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٧٠)

انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ وَ مَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْئًا وَ سَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰکِرِیْنَ﴾ [آل عمران: ۱٤٤]

''حضرت محمد صرف رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید کر دیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل اسلام سے پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کا ہرگز کچھ نہ بگاڑے گا، عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاری کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔''

ذرائع ابلاغ کی دہشت گردی:

اے امتِ اسلامیہ! زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہی یہ افواہیں بھی ترقی کرتی جاتی ہیں اور ہمارا عصرِ حاضر تو خودغرضوں کی افواہوں کے رواج پانے کا سنہری زمانہ ہے، خصوصاً اس لیے کہ ٹیکنالوجی بہت ترقی کر گئی ہے، رابطہ و ابلاغ کے ذرائع اتنے بکثرت ہو گئے ہیں کہ انھوں نے پوری دنیا کو ایک چھوٹا سا گاؤں بنا دیا ہے، ہزاروں ذرائع ابلاغ، سیٹلائٹ چینلز اور انٹرنیٹ وغیرہ خودغرضی پر مبنی افواہوں اور نشریاتی یلغاروں کو مزید بڑھانے کا کام کرتے ہیں اور یہ معنوی توڑ پھوڑ کے ساتھ ساتھ نفسیاتی و اعصابی دہشت گردی کی بدترین شکل اختیار کر چکے ہیں، جو امتِ اسلامیہ کے عقیدہ، اس کے دینی اصولوں اور اخلاقی قدروں کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ یہ معنوی طور پر بڑی دھماکہ خیز چیزیں، نفسیاتی بم اور اندھی گولیاں ہیں جو لوگوں کو قتل کرتی پھرتی ہیں۔ یہ ذرائع وہ کام کر رہے ہیں جو کوئی دشمن کھل کر ہرگز نہیں کر سکتا، نہ افواج و اسلحہ سے اور نہ اپنے جاسوسی اداروں ہی سے، یہ ذرائع ابلاغ ایسی افواہیں پھیلا رہے ہیں جو خوف، بیماری، قلق و اضطراب، خوف و ہراس پیدا کر رہی ہیں، لوگوں میں فتنے کے بیج بو رہی ہیں اور خوفناک سماں بنا رہی ہیں، خصوصاً بحرانوں کے زمانے اور غفلت و بے کاری کے اوقات میں افواہ ہوا و آندھی کی طرح چلتی ہے اور موجیں مارتے سمندر کی طرح لوگوں کے دلوں میں ہیجان و تلاطم پیدا کر دیتی ہے، اور یہ اس اعتبار سے انتہائی خطرناک ہو جاتی ہیں کہ یہ دشمن کی فوجوں کا ہتھیار ہے جو لوگوں پر اپنی ظاہری چمک دمک سے فسوں کاری کرتا چلا جاتا ہے اور وہ ان افواہوں کو طوطے کی طرح دہرائے چلے جاتے ہیں، انھیں اس بات کا ادراک بھی نہیں ہوتا کہ یہ تو دراصل وہ ہتھیار ہیں جو دشمنوں کے کام آ رہے ہیں۔

ان افواہوں کے برے اثرات صرف عوام ہی پر نہیں بلکہ دنیا میں قانون ساز اداروں اور قراردادیں اور احکام جاری کرنے کی صلاحیت رکھنے والوں پر بھی مترتب ہوتے ہیں، انھی کے ذریعے دشمنوں نے امت کو اس کے حقیقی مسائل و مشکلات سے ہٹا کر ان کی توجہ دوسری طرف لگا دی ہے، مسلمانوں کی وحدت کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا ہے اور اس میں تفریق و اختلافات پیدا کر دیے ہیں۔

افواہوں کی منشیات:

اے امتِ اسلامیہ! یہ افواہیں معاشرے کے امن و امان اور سلامتی کے خلاف ایک جرم ہیں اور ان کو پھیلانے والا اپنے دین، معاشرے اور امت کا مجرم ہے، وہ امت میں قلق و اضطراب اور بد امنی پھیلانے کا بھی ارتکاب کرتا ہے اور کسی حد تک ایسے لوگ منشیات کا کاروبار کرنے والوں سے بھی بدترین ہوتے ہیں کیونکہ ان دونوں کا اصل ٹارگٹ یا نشانہ انسان ہی ہوتے ہیں، لیکن معنوی و داخلی نشانہ زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

انٹرنیٹ کا منفی پہلو:

آپ کو یہ جان کر انتہائی افسوس ہوگا کہ بعض لوگ خودغرض لوگوں کی پھیلائی ہوئی افواہوں کو یوں قبول کرتے ہیں جیسے کہ وہ مسلّمہ حقائق ہوں، ان لوگوں میں سے بعض طویل گھڑیاں انٹرنیٹ پر بیٹھے اپنے کانوں اور آنکھوں کو ایسی باطل افواہوں سے لت پت کرتے رہتے ہیں کہ جنھیں ایک مومن پڑھ سکتا ہے نہ اس کا دل انہیں قبول کر سکتا ہے چہ جائیکہ انھیں وہ آگے بیان بھی کرے۔ وہ کیا جانیں کہ یہ افواہیں پھیلانے والے لوگ بزدل، اندھیرے کے الّو اور دشمنِ دین یہودی لابی کے آلہ کار ہیں جو عالمی سطح پر مسلمانوں کے معاشروں اور امت کے امن و امان کے خلاف کام کر رہی ہے۔

انٹرنیٹ کی گوناں گوں سائیٹس کو دیکھتے رہنے والے کے دین و دنیا اور آخرت کے برباد ہونے کا خطرہ رہتا ہے اور اس بات کا اندیشہ بھی ہوتا ہے کہ اس کے سامنے حق و باطل کہیں باہم گڈمڈ نہ ہو جائیں اور وہ کہیں جادۂ حق سے منحرف نہ ہو جائے۔ **والعیاذ باللہ**

اے اہلِ اسلام! کیا ہمارے لیے یہ جائز ہے کہ ہم اپنے اسلامی اصولوں میں سے کسی سے بھی دست بردار ہوں یا ہمارے ایمان و یقین میں سرمو بھی جنبش آئے اور ہم اپنے علما و فضلا میں سے کسی کے بارے میں محض کسی افواہ کے نتیجے میں کوئی غلط نظریہ بنا لیں؟ ہماری عقل و فکر کہاں ہے؟ بلکہ

ہمارے دین و ایمان کہاں ہیں کہ ہم لوگوں کی کہی کہلائی ظن و گمان کی باتوں کو بھی قبول کرتے جائیں؟

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر ہم ہر عالم کی بات کو محض اس بنا پر چھوڑتے جائیں کہ اس سے کسی خطا کا صدور ہوا تھا یا لوگوں نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے تو پھر ہمارے سامنے کوئی بھی ان باتوں سے بری و منزہ نہیں بچے گا۔ نعوذ باللّٰہ من الھویٰ والفظاظة''

علما و دعاۃ اور طلبہ کی ذمہ داریاں:

اللہ کے بندو! ان تفصیلات کی روشنی میں آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ افواہوں کی یہ جنگ امت کے دین، اس کے معاشرے اور اس کے امن و امان کے لیے کتنی خطرناک ہے؟ اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کا مقابلہ کیا جائے، اس کے انسداد، بیخ کنی اور اس کے جراثیم کو قتل کرنے کے لیے گہری منصوبہ بندی کی جائے تاکہ امت کی رہی سہی ساکھ اور اس کے اپنے دین سے تعلق کا باقی ماندہ حصہ بھی ختم نہ ہو جائے۔

علماءِ امت، طلبہ، دعاۃ اور نوجوان نسل کا فرض ہے کہ وہ اس سازش کو سمجھیں کیونکہ دراصل وہی سب اس کا اصل نشانہ ہیں، انھیں ان لوگوں کا تر نوالہ نہیں بننا چاہیے، اور نہ انھیں ان افواہوں کے وجود اور پلنے بڑھنے کے لیے زرخیز زمین بننا چاہیے، انھیں تحقیق و تثبت میں دلچسپی پیدا کرنی چاہیے اور تاویل، اتباعِ متشابہ اور خواہشاتِ نفس کی پیروی سے احتراز و اجتناب کرنا چاہیے، اور بحرانوں، مصائب اور حوادث و مشکلات میں انھیں علم و بصیرت سے کام لینا چاہیے، ناقدانہ نظر، گہری نگاہ اور حسنِ ظن کو اپنانا چاہیے، سینوں میں آگ بڑھکانے، شر انگیزی کرنے اور افواہوں کو پھیلانے سے دامن کش رہنا چاہیے۔ فتنوں کے زمانے میں کتاب و سنت کو تھام کر رکھنا اور سلف صالحینِ امت کے طرزِ عمل کو حرزِ جان بنانا ہی سلامتی کی ضمانت ہے۔ امتِ اسلامیہ کے ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ جس شعبۂ زندگی سے بھی تعلق رکھتا ہے وہ معاشرے کی سلامتی و استقرار اور امت کے امن و امان کے خلاف بڑے تباہ کن اثرات رکھنے والے افواہ سازی اور افواہ بازی کے اس رجحان کے خاتمے کی کوشش کرے، اسی طرح گھر، مسجد، خاندان، مدرسہ اور ذرائع ابلاغ بھی اس رجحان کے خاتمے میں

بڑا کردار ادا کر سکتے ہیں تا کہ معاشرے کو اس کے شرّ اور خطرات سے محفوظ رکھ سکیں، اور وہ اس طرح کہ لوگوں کی راہنمائی کریں، ان میں ایمانی جذبات بیدار کریں، حقائق کی وضاحت اور ان کی نشر واشاعت کریں، اور صحیح باتوں اور سچی خبروں کو نقل و عام کرنے میں سستی نہ برتیں، خصوصاً بحرانوں اور مصائب و حوادث کے زمانے میں سب لوگ اپنی ذمہ داری بخوبی ادا کریں، نیز غلط تبصروں سے لوگوں کو برانگیختہ نہ کریں، اور مہذب مذاکرہ کے لیے علمی اسلوب اور علمی میکانزم ایجاد کریں تا کہ نت نئے حالات اور بحرانوں میں صحیح موقف اختیار کیا جا سکے، یہ کام پورے صدق و خلوص اور صاف شفاف انداز سے ہونا چاہیے کہ جس میں جعل سازی اور کجی نہ ہو، اور جو معنوی روح کی ترقی کا باعث بنے اور ضعف و شکست خوردگی سے دور ہو، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [آل عمران: ۱۷۳، ۱۷۵]

”وہ لوگ کہ جب لوگوں نے ان سے کہا کہ کافروں نے تمھارے مقابلے کے لیے لشکر جمع کر لیے ہیں تم ان سے خوف کھاؤ، تو اس بات نے انھیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے، (نتیجہ یہ ہوا کہ) وہ اللہ کے فضل و احسان اور نعمت کے ساتھ لوٹے، انھیں کوئی تکلیف نہ پہنچی، انھوں نے اللہ کی رضا مندی کی پیروی کی، اللہ بہت بڑے فضل والا ہے، یہ خبر دینے والا صرف شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، تم ان کافروں سے مت ڈرو، صرف میرا خوف دل میں رکھو اگر تم مومن ہو۔“

اسلامی منہج:

دینِ اسلام نے افواہوں کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک صحیح منہج اور طرزِ عمل پیش کیا ہے، تا کہ ایک مضبوط مسلم معاشرے کی تعمیر کی جا سکے۔ اس نے ان کے ذریعے ایسی انسدادی ضمانت

دی ہے جو تخریب کاری اور افواہوں کی ترویج و اشاعت کا سدّ باب کر سکے، تاکہ وہ کہیں اہلِ علم وصلاح کی غفلت وسستی کے نتیجہ میں افرادِ امت پر اثر انداز نہ ہو جائیں، اسلامی معاشرے کی لڑی کے چمکدار موتی بکھر نہ جائیں، اس کی مضبوط عمارت کی اینٹیں اِدھر اُدھر نہ جا پڑیں، کہیں پھر وہ ان طوفانوں، فتنوں اور مصائب کی متلاطم موجوں کے مقابلے کے وقت کمزور نہ پڑ جائیں، اور یہ کشتی کہیں ڈوب نہ جائے، یا اپنے صحیح راستے سے ہٹ نہ جائے، یا پھر کہیں اس میں دراڑیں اور سوراخ نہ پڑ جائیں، اور وہ کہیں سلامتی کے کنارے اور ساحلِ نجات سے دور نہ جا نکلے۔

حفاظتی تدابیر:

افواہوں کی جنگ کا مقابلہ کرنے کے لیے کئی اقدامات اور تدابیر ہیں:

۱۔ جن میں سے پہلا اقدام یا تدبیر یہ ہے کہ لوگوں کی خوفِ الٰہی کے ذریعے تربیتِ نفس کی جائے اور انھیں مختلف معاملات کے بارے میں تحقیق وتفتیش اور بحث وتمحیص کا عادی بنایا جائے۔ کسی مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ ہر کسی کے پیچھے تابع مہمل بن کر لگ جائے بلکہ اسے چاہیے کہ تحقیق کرے، واقعی دلائل و براہین اور عملی شواہد کا مطالبہ کرے، اس طرح وہ مختلف بلا دلیل دعوے کرنے والوں کا راستہ بند کرسکیں گے جو پس پردہ کام کرتے اور تمام جھوٹی وسچی باتوں کو چباتے رہتے ہیں، اور ہر غیرت مند، احتساب کرنے والے اور مصلح شخص کے خلاف ہرزہ سرائی اور زبان درازی کرتے رہتے ہیں۔

۲۔ عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان خودغرض نشریاتی یلغاروں اور حملوں اور بے دست و پا افواہوں پر نکیر کی جائے جو ہمارے عقیدہ وشریعت، ہمارے اسلامی ممالک اور مسلمانوں کے خلاف پھیلائی جا رہی ہیں، جبکہ مسلمانوں کے لیے دینِ اسلام کی طرف اپنی نسبت کرنا ایک شرف ہے۔ اسلامی ممالک کے علماءِ اسلام پر طعن وتشنیع سے ان کی ذات وشخصیات ہرگز مقصود نہیں ہوتیں بلکہ ان کا عقیدہ ومنہج مراد ہوتا ہے۔

۳۔ حرمین شریفین والے ملک کو اللہ معزز ومکرم اور قائم و دائم اور اس کے امن و ایمان کو محفوظ رکھے، یہ ملک اپنے اصولوں کا کبھی سودا نہیں کرے گا اور نہ اپنے قواعد وثوابت کو ترک کرے گا، نہ یہ اپنے عقیدہ و مواقف سے سرمو دست بردار ہو گا اور نہ ہم اپنی دینی

روایات اور اخلاقی قدروں سے دست کش ہوں گے۔

اب ایک اہم سوال یہ ہے کہ بلادِ حرمین (حرسھا اللّٰہ) پر یہ حملے کرنے والے لوگ کیا چاہتے ہیں؟ ان کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے اور یہ کس کے مفاد کے لیے کام کر رہے ہیں؟ انھیں کان کھول کر سن لینا چاہیے کہ سمندر جب ٹھاٹھیں مار رہا ہو تو کسی نادان بچے کے اس میں پتھر پھینکنے سے اس کا کچھ بھی نہیں بگڑتا۔

۴۔ ہمیں اپنے دین کی نسبت اپنی ذمہ داری سنبھالنی چاہیے کہ علم سیکھیں سکھلائیں اور دعوت و اصلاح کا کام کریں، آج دنیا اسلام اور مسلمانوں کی اصل صورت کو دیکھنے اور حقیقی شکل کو سمجھنے کی کتنی ضرورت مند ہے، اور موجودہ دور کے عالمی ذرائع کو چاہیے کہ اس سلسلے میں وہ اپنا بھرپور کردار ادا کرے۔

۵۔ ہمیں چاہیے کہ ہم سب دشمن کے مقابلے میں ایک صف بن کر رہیں اور اس صحیح منہج کو اپنائیں جو اللہ کے حکم سے ہماری امت اور معاشرے کی مصلحتوں کی ضمانت دینے اور ہم سے نقصان دہ اشیا کو ہٹانے کا ذمہ دار ہے، اپنے حکام و امرا اور اہلِ رسوخ علما کے شانہ بشانہ فتنوں کے اس طوفان کا مقابلہ کریں اور افواہیں پھیلانے والے چغل خوروں کی باتوں پر کان نہ دھریں۔

اس وقت جبکہ فتنے منہ اٹھائے بے لگام ہو کر بڑھے چلے آ رہے ہیں ایسے میں امت کو ان ماہر کپتانوں اور کشتی بانوں کی اشد ضرورت ہے جو امت کے سفینے اور مسلمانوں کی کشتی کو سلامتی کے کنارے اور ساحلِ نجات پر لے جا سکیں، کیونکہ جب ملاحوں کی کثرت ہو جائے تو کشتی ڈوب جایا کرتی ہے۔

اللہ اپنے فضل و کرم سے ہر جگہ کے تمام مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرمائے. آمین!

سعودی عرب؛ عزت وشرف اور احسان وعطا

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر صالح بن حمید حفظہ اللہ

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

مسلمانو! انسان کو ہمت سے نوازا گیا ہے، جس کی بنیاد پر وہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے، اور اس میں کچھ پالینے اور کر گزرنے کا جذبہ ودیعت کیا گیا ہے، جس کی بدولت یہ اعلیٰ سے اعلیٰ اور کامل سے اکمل کی جستجو میں لگا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں یہ بات بھی ودیعت کی ہے کہ یہ سعادت وخوشی اور سکون واطمینان کی طلب میں رہتا ہے۔

حصولِ سعادت کے لیے انسانی کوششیں:

انسان نے تہذیب انسانی کے مختلف ادوار میں اپنے ذاتی تجربات اور بشری اجتہادات کے بل بوتے پر سعادت وخوشی اور کامیابی وکامرانی پانے کی مختلف طریقوں سے متعدد کوششیں کیں مگر وہ کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکا۔ اس کی ناکامی کا صرف اور صرف ایک سبب تھا، جو بڑا ظاہر، روشن اور واضح تھا، وہ یہ کہ ''انسان اپنی ذاتی طاقت وقوت میں عاجز محض اور ذاتی عقل ودانش میں بالکل ناقص ونامکمل ہے۔'' انسان کو لیلائے کامرانی کا منہ دیکھنے اور سعادت وخوشی کا جھولا جھولنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کے ساتھ ایک گہرا تعلق پیدا کیے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں، اس غرض کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پاس وحی آئے، جسے اللہ تعالیٰ کے رسول لائیں اور کتب سماویہ اس کی حفاظت کریں۔

عقل انسانی اور وحی الٰہی کا اتحاد:

جب عقل انسانی وحی سے مل جائے اور انسانی تجربات ہدایتِ الٰہی سے جڑ جائیں تو استقرار حاصل ہوتا ہے اور اسے راستہ ملتا ہے، اور موازین حیات میں نظم وضبط پیدا ہوتا ہے۔

چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ [الحدید: ٢٥]

''یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں علیہم السلام کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور

(انصاف کا) میزان وترازو نازل فرمایا۔ تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔"

اور سورۃ طٰہٰ میں فرمایا:

﴿ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشْقٰى ۝ وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴾ [طٰہٰ: ۱۲۳، ۱۲۴]

"تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ، تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو، اب تمھارے پاس جب کبھی میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا، نہ تو وہ بہکے گا، اور نہ وہ تکلیف میں پڑے گا، ہاں جو میری یاد سے روگردانی کرے گا۔ اس کی زندگی اجیرن (تنگی میں) رہے گی۔ اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔"

دین اسلام کے بعض امتیازات:

اسلام اللہ تعالیٰ کا وہ دین ہے جس کے ساتھ اس نے رسول بھیجے اور جس کی تعلیمات پر مشتمل کتابیں نازل فرمائیں، جس کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ [آل عمران: ۱۹]

"بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو دین ہے وہ اسلام ہے۔"

انبیاء ﷩ کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے ساتھ ختم کیا اور کتابوں کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ساتھ ختم کیا، جو تحریف اور تبدیلی سے بالکل محفوظ ہے۔

جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ ﴾ [حم السجدۃ: ۴۱]

"یہ بڑی باوقعت کتاب ہے، جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا، نہ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے، یہ حکمتوں والے اور بہترین صفات والے (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے نازل کردہ ہے۔"

اور اسلام ہی وہ دین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے اور ہر علاقے کے لیے پسند فرمایا ہے،

جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ [آل عمران: ۸۵]

''جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے تو اس کا وہ دین قبول نہ کیا جائے گا، اور وہ موت کے بعد کی زندگی میں نقصان پانے والوں میں سے ہوگا۔''

اسلام کامل و مکمل اور دائمی دین ہے، جس کی گواہی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ [المائدة: ۳]

''آج میں نے تمھارے دین کو کامل کر دیا ہے، اور تم پر اپنے انعام کو بھرپور کر دیا ہے، اور دین اسلام کو تمھارے لیے پسند کر لیا ہے۔''

اسلام کا سب سے بڑا کلمہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ہے، کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ دین کا سب سے پہلا مسئلہ توحید ہے، اور توحید کا سب سے بڑا سنگِ میل یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود نہ بنائیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ [الأنعام: ١٦٤]

''آپ فرما دیجیے! کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لیے تلاش کروں؟ حالانکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔''

علاماتِ توحید ہی میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ولی و کارساز نہ بنائیں۔ اسی کی تعلیم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ يُطْعِمُ وَ لَا يُطْعَمُ ﴾ [الأنعام: ١٤]

''آپ کہہ دیجیے: کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود و کارساز بناؤں؟ جو زمین اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ کھلاتا ہے، کھاتا نہیں۔''

اور علاماتِ توحید اور اس کے روشن سنگِ میل ہونے کا مقام اس بات کو بھی حاصل ہے کہ ہم

اللہ تعالی کے سوا کسی کو اپنا فیصلہ کرنے والا نہ بنائیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ﴾ [الأنعام: ١١٤]

''تو کیا میں اللہ تعالی کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک مفصل کتاب تمھارے پاس بھیج دی ہے۔''

اسلام کے سب سے بڑے کلمہ کا دوسرا حصہ ہے''محمد رسول اللہ'' کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالی کے رسول ہیں، اور وہ جو وحی و شریعت اللہ تعالی کی طرف سے پہنچاتے ہیں اس میں وہ معصوم عن الخطا ہیں، آپ ﷺ جو کچھ لائے ہیں وہ حق اور واجب تصدیق و اطاعت ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ﴾ [الأحزاب: ٣٦]

''اور کسی مومن مرد و عورت کو اللہ تعالی اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔''

انھی علاماتِ توحید کے تحت باقی سارے ارکان ایمان، فرائض اسلام اور فرض و نفل عبادات کے مطلوبات نماز، روزہ، زکوۃ، حج، اخلاقیات، سیاسیات، اقتصادیات، امیر کا انتخاب، شوری، عدل و انصاف، حفظ حقوق، اقامت حدود اور پوری زندگی کو اللہ تعالی کے دین و شریعت کے مطابق تعمیر کرنا وغیرہ آ جاتے ہیں، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [الأنعام: ١٦٢]

''آپ فرما دیجیے یقیناً میری نماز، میری ساری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا، یہ سب خالص اللہ تعالی کے لیے ہے، جو سارے جہانوں کا مالک ہے۔''

اسی پر اسلام کی تعمیر ہوئی اور اسی پر امت اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا، اسی پر تمام نسلیں زندہ رہیں، اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس کی تاریخ میں مد و جزر، نشیب و فراز اور ضعف و قوت کے ادوار نہ آئے ہوں۔

مجددین:

اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ وہ موقع بموقع مجددین کو بھیجتا ہے، جو تجدید دین کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں، وہ صالحین اور مجددین، امت کی قوت ونشاط میں نئی روح پھونک دیتے ہیں، اور اس دور کے لوگوں، اپنی ذات، اپنے تلامذہ وشاگردوں، اپنے پیروکاروں اور اپنے گردوپیش میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں اور جس جس کام کی اللہ تعالیٰ توفیق دیتے ہیں اس میں اصلاح کا عمل جاری کر دیتے ہیں، ان میں سے کسی کی اصلاح کا میدان بڑا وسیع ہوتا ہے اور کسی کی تجدید و اصلاح کا دائرہ قدرے تنگ ہوتا ہے۔

ایک عظیم مجدّد:

ان مصلحین ومجددین میں سے تاثیر وتوفیق اور انتشار و پھیلاؤ کے اعتبار سے جس عظیم مجدد و مصلح کے نصیب میں حظ وافر آیا وہ شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب التمیمی رحمہ اللہ تھے۔ وہ ائمہ اسلام میں سے ایک امام تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں دین میں بصیرت عطا کی تھی، دعوت میں ایک اعلیٰ منہج سے نوازا تھا اور فہم شریعت کے اعتبار سے انھیں تمام علوم میں دسترس بخشی تھی۔

دعوت وحکومت کا گٹھ جوڑ:

شیخ الاسلام نے اپنے ماحول کی سب سے اہم چیز ''اعتقاد اور توحید'' کی اصلاح پر اپنی دلچسپیاں مرتکز کر دیں، ان کی دعوت کی سب سے امتیازی چیز یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعوت کے لیے سیاسی قوت میسر کر دی، تاکہ اس دعوت وشریعت کی روشنی میں اس ملک کا سیاسی نظام طے پائے، یہ سیاسی قوت، اسلامی دعوت میں شامل ہوگئی۔ اس قوت نے دعوت کا بوجھ اٹھاتے ہوئے اور اس کی دعوت کی نصرت وتائید کرتے ہوئے عام حکومتوں کی طرح اپنے پیش نظر یہ نہیں رکھا کہ اس میں ہماری کوئی سیاسی مصلحت پوشیدہ ہے، اور اس دعوت کی مدد ہماری کوئی سیاسی مجبوری ہے، نہ یہ تھا، اور نہ لوگوں کی بھیڑ اپنے پیچھے لگانے کے لیے سیاسی حواریوں کا سا کوئی کھوکھلا نعرہ تھا۔ جیسا کہ عموماً سیاسی میدان میں کسی فکر کا توڑ کرنے کے لیے کسی فکر کی تائید میں نعرے لگائے جاتے ہیں، بلکہ یہ اس سیاسی قوت کی طرف سے ایک صحیح وشرعی دعوت کی واجب تائید کا خوشگوار فریضہ تھا، غرض دو اماموں اور دو

محمدوں (امام محمد بن عبد الوہاب اور امام محمد بن سعود رحمہما اللہ) کے مابین معاہدہ ہوا، جس سے اس تاریخی تحریک کا نیا باب شروع ہوا جو زمان و مکان کی پابندیوں سے بے نیاز ہو کر پھیلتی اور پھوٹتی چلی جا رہی ہے، اور آج تک مسلسل کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوئے جا رہی ہے۔

دعوت وحکومت کے اتحاد کی برکات:

اس دعوت و حکومت کے اتحاد کا مقصد وحید شرعی منہج کی استقامت اور اللہ تعالیٰ کے دین کا غلبہ، عقیدہ توحید، علم شریعت اور حکومت کے مشترکہ حوالے سے ہو، اور توحید جس میں توحید کی تمام اقسام، توحید عبودیت و الوہیت اور اسماء و صفات شامل ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے سوا پرستش کی جانے والی تمام چیزوں کا کفر و انکار ہو، نواقض اسلام سے گریز ہو، خصوصاً اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہو اور شرک نہ ہو، اس کے وسائل اور ذرائع سے مکمل بُعد و دوری ہو۔ اور علم شریعت ایسا ہو جو دین اور زندگی کے تمام شعبوں خصوصاً چار چیزوں پر مشتمل ہو: اللہ تعالیٰ کے دین کا علم، اس پر عمل، اس کی طرف دعوت اور اس کی طرف دعوت و تبلیغ کی راہ میں آنے والی اذیتوں پر صبر و ہمت کا دامن تھامنے کی تلقین پر حاوی ہو۔ جبکہ حکومت سے مراد وہ منہج حکمرانی ہے جس میں لوگوں کو شریعتِ اسلامیہ کے مطابق زندگی گزارنے پر آمادہ کیا جائے، علم عام کیا جائے، دعوت و ارشاد اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مقام بلند کیا جائے، جرم و سزا کے قوانین میں شرعی حدود کا نفاذ ہو، اور تمام شرعی اور دینی اداروں کی نگرانی ہو۔ غرض حکومت نے اپنی ذمہ داریاں پوری کیں، جس کے نتیجہ میں عوام میں اتحاد و اتفاق پیدا ہوا۔

مملکت کے تمام علاقوں میں امن و امان کا دور دورہ ہو گیا۔ اسلامی اخوت نے جنم لیا اور دینی شعائر پر عمل شروع ہوا، اسلام اس حکومت کا شعار ہے جو اس کے جھنڈے ہی سے ظاہر ہے اور اس کا نظام شریعت ہے، جو ارباب حکومت کی زندگی سے واضح ہے، اس حکومت نے دعوت و اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کی مفید مصنوعات اور ترقی یافتہ فائدہ مند اشیا سے استفادہ کیا، اس معاشرے کی واضح علامت اس کی دینداری ہے، اور یہ ان کے فرائضِ اسلام و شعائر اسلام کی حفاظت، ان کے اعلان، صالحین کے وجود اور ان سے محبت اور اہل فسق و فجور سے نفرت جیسے امور سے بھی ظاہر ہے۔ وہ لوگ فساد والحاد کے خطرات کا گہرا شعور رکھتے ہیں، وہ شرعی ثقافت و علوم میں گہری دلچسپی

رکھتے ہیں، احکام دین اور زندگی کی جاہ و حشمت کے بارے میں سوال کرتے رہتے ہیں، خواتین اپنی عصمت و عفت اور پردے کا اہتمام کرتی ہیں اور شرعی طور پر بری چیزوں کے بارے میں وہ نفرت کے جذبات رکھتی ہیں۔ اسلامی آداب و اخلاق یہاں کے لوگوں کے کھانے پینے، لباس و پوشاک، سلام و کلام، بزرگوں کے احترام اور اہل علم کی تعظیم و توقیر سے عیاں ہیں۔

اس ملک اور اس حکومت کا وجود سلف صالحین کے منہج کی روشن مثال ہے، اسی سلف صالحین کے منہج کے ساتھ ماضی و حاضر میں حکومت کا سلسلہ جاری ہے، اور اسی سے روشن مستقبل کی طرف گامزن ہے۔ یہ حکومت نہ کبھی تہذیب جدید کے سامنے جھکی ہے اور نہ اس نے اس کی مفید اشیا کا انکار کیا ہے، اس حکومت کو عالمی اداروں میں اسلام اور اس کے منہج کو بیان کرنے اور اس کا دفاع کرنے کی ذمہ داری کا مکمل شعور و احساس ہے، مسلمانوں کی خدمت، ان کے حقوق کا دفاع اور مسلمان حکومتوں اور عوام کے ساتھ دل کھول کر مدد و تعاون، ناگہانی آفات و حادثات میں ہمدردی و مالی امداد، سعودی عرب کے اندر اور باہر دعوت وارشاد کا کام کرنے والے اداروں کا تعاون اور انسانی فلاح و ترقی اور عدل و انصاف کے اصول و مبادیات کے نفاذ کے سلسلہ میں دنیا کے ممالک کی ہر ممکن مدد اس حکومت کا شعار ہے۔

ان دونوں قوتوں ''قوتِ دعوت'' اور ''قوتِ حکومت'' نے اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق سے دین اسلام کی تجدید کی اور زندگی کی چال کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر منظم کیا۔ اسی نظم و ضبط کے نتیجے میں اس جزیرہ عربیہ کی مقامی و عالمی سطح پر قدر و قیمت سامنے آئی، اس کی بات کو وزن حاصل ہوا، اور اس کا یہ مقام عالی اسی اسلامی شریعت و دعوت کے نفاذ کا مرہون منت ہے۔

مسلمانو! یہ چند واضح اور ظاہر حقائق ہیں، لیکن اس کے باوجود نہ کوئی اس حکومت کے لیے کمال کا دعویدار ہے اور نہ کوئی اسے معصوم سمجھنے کا دعویٰ رکھتا ہے۔ ہر انسان خطا کار ہے، اور تغیرات و مؤثرات کا ایک اپنا اثر و تاثیر ہوتی ہے، لیکن یہ یقینی امر ہے کہ یہ ملک امت اسلامیہ کے لیے بھاری ذمہ داری اٹھائے ہوئے ہے، امت کے مختلف مسائل کی فکر کرنے والا ہے، یہ ملک نبوت و رسالت کا منبع ہے، محل وحی ہے، اپنی گود میں حرمین شریفین کو لیے ہوئے ہے، اور ان کی حمایت و خدمت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ان مقامات مقدسہ کا امین ہے۔ حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھنے والا ہر شخص

یہ دیکھ لے گا کہ ان مقامات مقدسہ سے اٹھنے والی آواز اور ان دیار طاہرہ میں پایا جانے والا موقف اللہ تعالی کے فضل و کرم سے اس امت کو خطرات سے تحفظ دینے کا حق ادا کرے گا، اس امت کے وجود کا تحفظ کرے گا، اور اس کی عظمت رفتہ کو واپس دلائے گا، یہی سبب ہے کہ یہ ملک اپنے دین و امت اور وطن کی قیمت پر کوئی سودا قبول نہیں کرتا، اس سلسلہ میں نہ یہ بحرانوں سے گھبراتا ہے، اور نہ فتنوں کی متلاطم لہروں سے خوف کھاتا ہے، اور نہ کسی کا دباؤ ہی قبول کرتا ہے۔

صہیونی لابی کے حملے:

مسلمانو! حق کی ایک طاقت ہوتی ہے، واضح ہدف، پگھلنے اور بکنے سے انکار، اپنے قضیہ پر ایمان اور کسی کے آگے گھٹنے نہ ٹیکنا اور نہ جھکنا بھی اس طاقت وقوت کی مختلف شکلیں ہیں، اور یہی وہ چیزیں ہیں جن کے سبب مغربی ذرائع ابلاغ کو اسلام اور مسلمان بالعموم اور سعودی حکومت وعوام اور ملک بالخصوص ایک آنکھ نہیں بھاتے، انھوں نے ایک طوفان بدتمیزی کھڑا کر رکھا ہے، مضامین و مقالات اور بیانات میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بد زبانی کے اسباب میں سے ایک تو اسلام کے بارے میں ان کی جہالت ہے، دوسرے وہ کافر اسلامؑ کے خلاف عداوت و کینہ رکھتے ہیں۔ ان ذرائع ابلاغ کی اکثریت مادی وفکری اعتبار سے صہیونی لابی کے زیر اثر ہے، جو اسلام اور مسلمانوں کے ازلی دشمن ہیں۔

ہاں، جب مسلمان پگھلنے اور بکنے یا جھکنے سے انکار کر دے، اس کی پرورش اسلامی تعلیمات پر ہوئی ہو، وہ ان پر کار بند ہو اور تمام دنیاوی لالچوں اور ان کی چکا چوند سے آنکھیں موند لے تو انھیں مختلف الزامات سے نوازا جاتا اور کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ دہشت گردی کی تخم ریزی کرتے ہیں، اسے جنم دیتے اور پھر اس کی مدد کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

یہ مغربی ذرائع ابلاغ کا حملہ اور ان کی یہ یلغار عنصریت وعصبیت کی پیداوار ہے، یہ حق سے دور خالص عداوت و دشمنی اگلنے والے اسلوب کی منہ بولتی تصویر ہے، ان سب ذرائع کا مصدر اور ان کا کلچر ایک ہے، جو تنگ نظری غرور وتکبر اور دوسرے کی ثقافت و کلچر کی توہین کرنے والے لوگ ہیں، ان کی عقل وفہم میں التباس وکجی اور فیصلوں میں ظلم و جور ہے۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ان کے ذرائع ابلاغ انتہائی مکروہ صورت اختیار کر چکے ہیں اور اپنی سوسائٹی کو تنگ نظری، انفرادیت، علیحدگی اور ظلم کی

طرف لے جا رہے ہیں، کل تک جن باتوں کا دوسروں کو الزام دیتے تھے آج وہ خود ان میں مبتلا ہو گئے ہیں، وہ ذرائع آج دوسروں پر یہ نکیر بھی کیے جا رہے ہیں کہ وہ آزادی فکر، آزادی نظر اور آزادی عمل و منہج کو کیوں اپنائے ہوئے ہیں؟ اور انھیں یہ بھی گوارہ نہیں کہ کوئی اپنے دین وعقیدہ پر چلے۔

عنصریت وعصبیت سے گریز:

اے اہل عقل و دانش! ان تمام اسالیب سے دوری اختیار کرنی چاہیے، دشمنی کے بیج نہیں بونے چاہیے، عقل و دانش کی آواز نکالنی چاہیے، اور ایسا رنگ نہیں اختیار کرنا چاہیے جسکا انجام اچھا نہ ہونے والا ہو۔ عنصریت و عصبیت کا نعرہ نہ لگے کہ لوگ وحشیانہ عادتوں پر اتر آئیں اور ملکوں اور معاشروں کا امن و استقرار برباد کر دیں۔

خبردار! ان چیزوں کو سانس نہ لینے دیں، نہ یہ سر اٹھائیں ورنہ تعصب و اضطراب عام ہو جائے گا اور فکری و سیاسی انارکی جنم لے گی۔ عقل سدید، رائے رشید اور مشورہ صادقہ سے کام لینے کا وقت ہے، مزید کسی معلومات و توضیحات کی اب ضرورت نہیں۔ رائے رشید سے امتیں زندگی پاتی، بحرانوں سے نکلتی اور فتنوں کو درگور کرتی ہیں، اور سارے معاملات اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اور وہی ہدایت دینے والا اور مدد و نصرت کرنے والا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴾

[المائدة: ٤٩، ٥٠]

''اور یہ کہ آپ ان کے درمیان اسی کتاب کے مطابق فیصلہ کیجیے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل کی ہے، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے اور ان سے ہوشیار رہیے کہیں آپ کو کسی ایسے حکم سے بہکا نہ دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا ہے، اور اگر وہ لوگ اعراض کریں تو جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انھیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے اور بیشک اکثر لوگ فاسق و نافرمان ہوتے ہیں، کیا لوگ دور جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اور ایمان و یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے بہتر کس کا فیصلہ ہوسکتا ہے؟''

شب و روز بڑھتا پھیلتا دین:

اسلام کی ایک ذاتی قوت ہے، وہ دین حق ہے۔ انسان معرفتِ حق اور اس کی تمیز و پہچان کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اسے اپنانا اور دوسروں سے افضل و اعلیٰ سمجھنا بھی اس کی فطرت میں شامل ہے۔

اس بات سے انکار ناممکن ہے کہ آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلام وہ دین ہے جو سب سے زیادہ پھیل رہا ہے، اور یہ عمل پوری دنیا میں جاری ہے، اس سے وہ ملک بھی نہیں بچ پائے جنھیں بڑا ترقی یافتہ مہذب اور متمدن ہونے کے دعوے ہیں۔ ان کے پاس مادی کشش و چمک بھی ہے، جبکہ ان کے برعکس مسلمانوں کے حالات کمزور، وسائل کی کمی اور کئی دیگر رکاوٹیں بھی ہیں، مگر اسلام روز بروز بڑھتا اور پھلتا پھولتا جا رہا ہے۔

سعودی عرب ایک اسلامی قوت اور مینارہ دین کی علامت بن کر ابھری ہے، اس کی قوت کی بنیاد اس کا تشخص ہے، اور وہ تشخص اسلام ہے، اسی کی طرف اس کی نسبت ہے، اور اسی سے اس کی دوستی اور محبت ہے۔

اسلام اس حکومت کا محض فرض نہیں بلکہ اسلام اس کی روح، اس کی زندگی اور اس کی غرض و غایت ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ کا اسلام، اہل اسلام اور اسلامی ممالک پر یلغار کا اصل سبب یہی راسخ و جامد تشخص اور صاف ستھرا طرز زندگی ہے۔ انسانی خون کے یہ سوداگر ان بحرانوں سے انتہائی عیارانہ رنگ میں فائدہ اٹھانے سے سرمو نہیں چوکتے، اس کے لیے انھیں گمراہ کن مشورہ دیتے، جھوٹی خبر پھیلاتے، جعلی اور خود ساختہ معلومات مہیا کرتے اور انحراف بردوش تبصرے کرتے ذرا شرم نہیں آتی، جبکہ اہل رائے اور اصحاب حکمت و دانش جانتے ہیں کہ منہج عقل اور اسلوبِ حکمت کو چرب لسانی کی نہیں بلکہ صحیح مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے، اور اسے اس عالمی اجماعی ادارے کی تشکیل کی ضرورت ہوتی ہے جس کی بنیاد تواضع پر ہو، تعلی و تکبر پر نہ ہو، مشورے پر ہو، جبر و استبداد پر نہ ہو، عدل و انصاف پر ہو، عنصریت و تعصب پر نہ ہو، دنیا کی تمام حکومتوں اور ان کے عوام کی ذمہ داری کے احساس پر ہو، لاپرواہی پر نہ ہو۔

بحرانوں کے دور میں ہر آدمی کی اپنی تمنائیں، رنجشیں، اعمال اور اہداف ہوتے ہیں لیکن اہل حزم و

احتیاط اور اہل عقل و دانش کہاں ہیں؟ لوگوں کے دل خواہشاتِ نفس اور شہوت سے بھرے ہوئے ہیں۔ سینے غضب و انتقام سے بھڑک رہے ہیں، اور حیات انسانی کی راہوں میں خطرات ومشکلات کے کانٹے بکھرے ہوئے ہیں۔ ان سب کا حل صدقِ منہج وحسنِ مراقبہ میں ہے۔

استقبال رمضان:

تمھارے سامنے ایک عظیم موسم اور فضائل و برکات والے ماہ کی آمد آمد ہے، جس میں اہل ایمان کے لیے ایمانی قوت اور بندوں کے لیے عزائم عبادت کی تجلی ہوتی ہے، وہ جن چیزوں کو چاہتے ہیں انھیں چھوڑتے ہیں، اور جنھیں نہیں چاہتے انھیں صبر و ہمت کے ساتھ اپناتے ہیں، یہ ماہ صبر اور روزوں کا مہینہ ہے، یہ ماہ رمضان المعظم ہے، عزت و کرامت اور فتح و نصرت کا مہینہ ہے، یہ چند دنوں تک آنے والا ہے، لوگوں کا کیا حال ہے اور امت کا کیا عالم ہے؟ جو اپنے نفس سے مات کھا گیا وہ دن بھر کے روزے کی ہمت نہیں پا سکتا اور جو اس میں ناکام ہو گیا وہ جہاد کے بوجھ کے سامنے اس سے بھی بری طرح ناکام ہو گا۔ جو مجاہد نفس کے اس چھوٹے سے میدان میں ہار گیا وہ بڑے میدان میں ثابت قدم رہ کر امت کے لیے فتح و نصرت کیسے پا سکے گا؟ وہ تو اس کا اہل ہی نہیں ہو پایا، جو شخص ایمان صادق کا مالک نہ ہو، اللہ تعالی کے لیے عبودیت و بندگی میں مخلص نہ ہو، پورے عزم کے ساتھ احکام کو نہ اپنائے اور قوت کے ساتھ دین پر نہ چلے وہ نہ روزے کے اسرار و رموز کو سمجھ سکتا ہے اور نہ وہ دین کا معنی ہی جانتا ہے۔

ماہِ رمضان
پہلا خطبہ
ماہِ رمضان کا استقبال
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر سعود الشریم حفظہ اللہ
16/11/2001 = 1/9/1422
دوسرا خطبہ
فضائلِ قیام اللیل
(تہجّد و تراویح)
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ صالح بن حمید حفظہ اللہ
23/11/2001 = 8/9/1422
تیسرا خطبہ
ماہِ رمضان
ایک غنیمت اور سنہری موقع
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر اُسامہ الخیاط حفظہ اللہ
30/11/2001 = 15/9/1422
چوتھا خطبہ
رمضان کے آخری دس دنوں کی فضیلت
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر عمر بن محمد السبیل رحمہ اللہ
7/12/2001 = 22/9/1422
پانچواں خطبہ
الوداع اے رمضان!
فضیلۃ الشیخ
امام وخطیب
ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس حفظہ اللہ
14/12/2001 = 29/9/1422

ماہِ رمضان کا استقبال

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سعود الشریم حفظہ اللہ

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

لوگو! میں اپنے آپ کو اور آپ کو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہوں کیونکہ اسی سے نفس کو عزت وشرف حاصل ہوتا ہے، میزان کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوتا ہے، اسی سے جاہ وقدر حاصل ہوتی ہے، باری تعالیٰ سے قرب کا ذریعہ بھی یہی ہے۔ جس نے تقویٰ اختیار کر لیا وہ کبھی مایوس نہیں ہوا اور جو اس سے محروم رہا وہ کبھی کامیاب وفلاح یاب نہیں ہو سکتا، خصوصاً اچھی آخرت تو صرف تقویٰ والوں کے لیے ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللهَ يَاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة: ١٠٠]

''اے عقل والو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔''

تلاشِ سکون:

جو شخص تغیراتِ زمانہ اور خصوصاً بلاؤں، مصائب ومشکلات اور آفات وہنگامہ خیز حالات کے دوران میں لوگوں کے احوال پر نظر رکھے وہ بخوبی اس نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اکثر مسلمان کسی ایسی چیز کے متلاشی نظر آتے ہیں جو ان کے دلوں کو ثابت قدم وغیر متزلزل رکھ سکے، وہ کسی ایسے سرچشمے کو پا لینے میں کوشاں ملتے ہیں جہاں سے وہ اپنی پیاس بجھا سکیں، اپنی کھیتی کو سیراب کر سکیں اور اپنے زنگ کو دور کر سکیں، جس کے ذریعے وہ اپنے غم واندوہ، فکر وپریشانی اور مشقت کے آثار کو زائل کر سکیں، جب ان کی قوتوں کو مسلسل حوادث ومصائب نے ناکارہ بنا رکھا ہے، جن کی آگ کے شعلے ہر خشک وتر کو خاکستر کرتے جا رہے ہیں، دل پارہ پارہ، عقل وفہم ناکارہ اور سوچ وفکر اس طوفانِ حوادث نے بے کار کر رکھے ہیں۔

ان تمام حالات میں لوگوں کو اس ماہِ رمضان کی اشد ضرورت تھی، وہ مہینہ جو نفسیاتی راحت وسکون اور روحانی ترقی کا مہینہ ہے، جو رکوع وسجود کا مہینہ ہے، رحمت کی ضیا باریوں کا مہینہ ہے، مساجد کی رونق کا مہینہ ہے، ذکرِ الٰہی وحمد وثناءِ باری کا مہینہ ہے، ذہنی سکون واطمینان کے حصول، محاسبۂ نفس،

بیداریٔ ضمیر، ذاتی جذبات، قلب و عقل، شرمگاہ اور پیٹ کی لذتوں اور شہوتوں کی تسکین سے بالا ہو کر سوچنے اور عمل کرنے کا مہینہ ہے، کیونکہ روزے کی مشروعیت کے اغراض و مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تمام ذاتی لذتوں اور شہوتوں کا دائرہ تنگ کر دیا جائے۔ یہ مہینہ ہر تائب ہونے والے کے لیے ایک سنہری موقع اور ہر رجوع کرنے والے کے لیے غنیمت ہے۔

چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [البقرة: ١٨٣]

''اے ایمان والو! تم پر بھی اسی طرح روزے فرض کر دیے گئے ہیں جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تا کہ تم متقی بن جاؤ۔''

ماہِ قرآن کریم:

ماہِ رمضان المبارک ماہِ قرآن ہے، اور قرآن وہ کتاب ہے جس کی ضیا باریاں کبھی کم نہ ہونگی، وہ ایسا چراغ ہے جس کا نور کبھی نہ بجھے گا۔ قرآن کریم وہ منہاج ہے جس پر عمل پیرا شخص کبھی گمراہ نہیں ہوگا، قرآن کریم وہ عزت و شرف ہے جس کے انصار و معاونین کو کبھی شکست نہیں دی جا سکتی۔

اللہ کے بندو! قرآن کریم درحقیقت جسم کے لیے بمنزلہ روح اور ہدایت کا نور ہے، جو قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرتا اور اس کے احکام پر عمل نہیں کرتا وہ کوئی زندہ شخص نہیں، اگرچہ وہ بڑی بڑی باتیں کرتا اور فضاؤں میں اڑتا یا سمندروں میں تیرتا پھرتا ہو۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَٰهُ وَجَعَلْنَا لَهُۥ نُورًا يَمْشِى بِهِۦ فِى ٱلنَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُۥ فِى ٱلظُّلُمَٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَٰفِرِينَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ﴾ [الأنعام: ١٢٢]

''وہ شخص جو مردہ تھا اور اسے ہم نے زندہ کیا اور اس کے لیے ہم نے نور مہیا کیا جس کی مدد سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، کیا وہ اس آدمی کی مانند ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے اور اس سے نکل نہیں سکتا؟ کافروں کے اعمال ان کے لیے اسی طرح خوشنما بنا دیے گئے ہیں۔''

انسان قرآن کریم کے بغیر ایسے ہی ہے جیسے پانی اور ہوا کے بغیر زندگی ہے، بلکہ اس کے بغیر اس کے احساس و بدن اور نفس میں فقر و افلاس اور مرض یقینی امر ہے، یہ اس لیے کہ قرآن ہی دراصل دوا و شفا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَ اَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴾ [حٰمٓ السجدہ: ٤٤]

”(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ یہ قرآن کریم باعثِ ہدایت و شفا ہے، ان لوگوں کے لیے جو اہلِ ایمان ہیں، اور جو اہلِ ایمان نہیں ان کے کانوں کے لیے یہ بہرا پن اور انکی آنکھوں کا اندھا پن ہے، ان لوگوں کو گویا کسی بہت ہی دور کی جگہ سے پکارا جا رہا ہے۔“

قرآن کریم اور مسلمان:

مسلمانو! اس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ آج اکثر مسلمانوں کا اپنے رب کی کتاب قرآنِ کریم سے ایسا کمزور تعلق ہے کہ وہ اس کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل کے معاملے میں اسے پسِ پشت ڈالے ہوئے ہیں، وہ ترکِ عمل و نافرمانی کے رویہ کو اپنائے ہوئے ہیں، اور اگر یہ کہا جائے تو بعید نہ گا کہ ان میں بھی سابقہ امتوں والی بیماریاں آ گئی ہیں اگرچہ انھیں اس کا شعور نہیں۔ کیا آپ لوگ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھتے:

﴿ وَ مِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴾
[البقرۃ: ٧٨]

”اور ان میں بعض لوگ ان پڑھ ہیں جو سوائے چند آرزوؤں کے، اللہ کی کتاب میں سے کچھ بھی نہیں جانتے اور وہ صرف خام خیالی میں مبتلا ہیں۔“

مفسرین کرام اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ اللہ کی کتاب کی صرف تلاوت کرتے اور اسے ترتیل سے پڑھتے ہیں اور وہ بھی ان کے حلقوں اور کانوں سے اوپر نہیں جاتی، کیونکہ وہ روحانیت سے عاری اور دل کی غیر حاضری سے کی گئی ہوتی ہے اور دلی تدبّر سے کام نہیں لیا گیا ہوتا بلکہ ان میں سے بعض کے دلوں پر تو تالے پڑے ہوئے ہیں۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا﴾ [النساء: ۸۲]

”کیا وہ قرآن میں غور و تدبّر نہیں کرتے، اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔“

قرآن میں عدمِ تدبّر و تفکر کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بکثرت مسلمان اپنے نفسوں اور مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کے فطری قوانین اور قدرتوں کا انکشاف کرنے کی جستجو نہیں کرتے، اس کائنات کے حسنِ تسخیر پر غور نہیں کرتے اور غلط مفاہیم اور مخلوط و مشکوک تاویلات کی تقدیس سے آزادی نہیں پاتے، جو حبِ دنیا اور نفرتِ موت کے باغیانہ شعور والوں کی طرف سے لوگوں میں در آئے ہیں، حالانکہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتُهَا وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ [القصص: ۶۰]

”اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے، کیا تمھیں اتنی سی بات بھی سمجھ نہیں آتی؟“

نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ کسی چیز کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ یہ تب ہوگا جب علم چلا جائے گا۔ (صحابی کہتے ہیں:) ہم نے عرض کیا: علم کیسے چلا جائے گا؟ حالانکہ ہم نے قرآن کریم پڑھا، ہم اپنے بچوں کو پڑھاتے ہیں اور ہمارے بچے اپنے بچوں کو پڑھائیں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے راوی حدیث سے مخاطب ہو کر فرمایا: تجھے تیری ماں گم پائے! میں تو تجھے اہل مدینہ کے سمجھدار لوگوں میں سے شمار کرتا تھا (یعنی تو یہ بات نہیں سمجھ سکا) کیا یہ یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں میں تورات و انجیل نہیں ہے؟ مگر وہ اس میں مذکور اشیا سے ذرا بھی استفادہ نہیں کرتے۔[1]

مسلمان اس وقت دہشت زدہ ہو جاتا ہے جب وہ بکثرت مسلمانوں کے اپنے رب کی کتاب کے ساتھ ایسے کمزور تعلق کو دیکھتا ہے، جبکہ انھیں ہر طرف سے اندھیرے گھیرے ہوئے ہیں، ہر طرف

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (۲۶۵۳) سنن الدارمي (۱/ ۹۹)

سے مصائب وفتن اور مشکلات سر اٹھائے چلی آ رہی ہیں اور وہ اِدھر اُدھر بلا سوچے سمجھے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں، ان کے تمام نظام ناکام ہو گئے ہیں، قومی نظریات ونعرے بکھر گئے ہیں اور دنیا کو ایک گلوبل ویلج (عالمی بستی) بنانے کے خواب بکھر کر پریشان ہو گئے ہیں۔ تعجب ہے کہ ایسے میں ہمارے سامنے روشنی کیسے ہو سکتی ہے؟ اور پھر جب ہم دوسری قوموں کی گاڑی میں سوار ہونے کے لیے بھاگیں گے تو ہوائیں ہمیں اِدھر اُدھر کہیں بھی اڑا پھینکیں گی اور ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔

تدبّرِ قرآن کا نبوی نمونہ:

نبی اکرم ﷺ (۶۳) سال زندہ رہے اور ہم بکثرت سنتے رہتے ہیں لمبی عمر اور متغیر حالاتِ زندگی کے نتیجہ میں انسان بوڑھا ہو جاتا ہے، مگر تمھارا اس انسان کے بارے میں کیا خیال ہے جس پر یہ سب کچھ یکے بعد دیگرے گزرے مگر وہ اپنے بڑھاپے کی نسبت عمر اور حالات کے بجائے کتاب اللہ کی ان سورتوں اور آیات کی طرف کرے جنھیں وہ پڑھا کرتا تھا اور ان کے مفاہیم ومعانی پر تدبّر وتفکر کیا کرتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ آپ کو کس چیز نے بوڑھا کر دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«شيبتني هود، والواقعة، والمرسلات، وعم يتساء لون، وإذا الشمس كورت»[1]

"مجھے سورۂ ہُود، واقعہ، مرسلات عمّ یتساء لون اور اذا الشّمس کورت (کی تلاوت وتدبّر) نے بوڑھا کر دیا ہے۔"

تلاوتِ قیام اور حلاوتِ شب:

ماہِ رمضان المبارک مسلمانوں کے لیے ایک عظیم موقع اور بہت بڑی نعمت ہے، تاکہ وہ دن کے وقت اپنے نفسوں کی تطہیر وتہذیب کر لیں اور رات کے قیام میں وہ قرآن کریم کی ہدایات کو سمجھنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا﴾ [المزمل: ٦]

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٣١٤) اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن اور امام حاکم، ذہبی اور البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

''بیشک رات کے اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے اور (دعا یا قراءت پر) بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔''

" ناشئة اللیل " سے مراد رات کی گھڑیاں اور اوقات ہیں، اور وہ دن کی نسبت تلاوتِ قرآن پر دلجمعی کے لیے زیادہ مناسب ہیں کیونکہ دن تو لوگوں کے دوڑ دھوپ کرنے اور مختلف بے ہنگم آوازوں کے بلند ہونے کا وقت ہوتا ہے، لہٰذا دن کو روزہ رکھنا خلوت کی ایک صورت ہے اور رات کو قیام اور تلاوتِ قرآن حلاوت و شیرینی کا باعث ہے۔

رمضان اور دعائیں:

اللہ کے بندو! ماہِ رمضان ایک وسیع میدان ہے جس کے دوران میں بندہ اپنے نفس کو شب زندہ داری و قیام اللیل کے لیے تیار کرتا ہے، اور اسے اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اپنی حاجات و ضروریات کے لیے صرف اللہ تعالیٰ قاضی الحاجات کی طرف رجوع کرے، کیونکہ اس کے سوا کوئی ملجا و ماوی نہیں اور وہی قاضی الحاجات ہے، وہ فیصلے کرتا ہے، اس پر کوئی فیصلہ نہیں ٹھونسا جا سکتا۔ رات کا آخری تہائی حصہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے شایان شان تنزیل الٰہی کا وقت ہے، جس میں وہ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے:

« هل من سائل فأعطيه؟ هل من داع فأستجيب له؟ هل من مستغفر فأغفر له؟ »[1]

''کیا کوئی سائل ہے کہ میں اُسے عطا کروں؟ کیا کوئی دعا کرنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کیا کوئی بخشش طلب کرنے والا ہے کہ میں اُسے بخشوں؟''

کیا ہم میں سے ہر ایک نے اس عظیم وقت کو نفع آور کام میں لگانے کے بارے میں سوچا ہے؟ جبکہ گمانِ غالب کی رو سے یہی قبولیتِ دعا کا وقت ہے۔ رات کے اس آخری تہائی حصہ میں لوگوں کا کیا حال ہوتا ہے؟ کتنے ہی لوگ ہیں جو اپنے آپ کی شکایت تو کرتے ہیں مگر ان کی نظروں سے یہ وقت اوجھل ہے، کتنے ہی لوگ وہ بھی ہیں جو کرب وبلا میں مبتلا ہیں مگر ان کی نظروں میں یہ وقت نہیں آیا جو حاجت برآری کا وقت ہے، اور کتنے ہی بیمار و زخم خوردہ لوگ ہیں جنھیں اپنی بیماری کی

---

[1] صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۰۹٤) صحیح مسلم (۷۵۸) مسند أحمد (۲/ ٤۳۳)

دوا اور شفا کا راز معلوم نہیں۔ کتنے ایسے لوگ ہیں جو گہری نیند سوئے ہوئے ہیں، وہ اس میں تو ذرا سستی نہیں کرتے کہ زمین کے شمال وجنوب اور مشرق ومغرب میں گھومیں اور شکوہ شکایت کرنے کی جگہ اور اپنی پریشانیاں اور غم بیان کرنے کے لیے کسی بندہ بشر کو تلاش کریں، لیکن وہ اس راہ سے بالکل لاپرواہ ہیں جو انھیں اس ذات تک پہنچا دے جو غموں کو دور کرنے، پریشانیوں کو اور تمام مشکلات کو زائل کرنے والی ہے، جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے، وہ پناہ دیتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں کسی کو پناہ نہیں دی جا سکتی، وہ مجبور ومظلوم کی دعا کو سنتا اور اس کی مشکلات کو دور کرتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا﴾ [نوح: ۱۳، ۱۴]

''تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عزت و وقار سے نہیں ڈرتے حالانکہ اس نے تمہیں کئی مراحل سے گزار کر پیدا کیا ہے۔''

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((ثلاثة لا ترد دعوتهم: الإمام العادل، والصائم حتى يفطر، ودعوة المظلوم يرفعها الله فوق الغمام يوم القيامة، ويفتح لها أبواب السماء، ويقول: بعزتي لأنصرنك ولو بعد حين)) [1]

''تین آدمیوں کی دعا رد نہیں کی جاتی: عدل پسند بادشاہ، روزہ دار، جب تک وہ روزہ افطار نہ کرے، اور مظلوم کی دعا کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بادلوں پر اٹھائے گا، اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''مجھے اپنے جلال کی قسم! میں تیری ضرور مدد کروں گا، اگرچہ کچھ عرصہ کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔''

عدمِ قبولیتِ دعا کے اسباب:

اللہ والو! ایک اہم بات ذہن نشین کر لو، بکثرت لوگ اللہ عزّ وجل کے سامنے گڑگڑا کر دستِ دعا دراز کرتے ہیں اور جب قبولیت میں کچھ دیر ہوتی دیکھتے ہیں تو انھیں ناامیدی و مایوسی لاحق ہونے لگتی ہے، حالانکہ ارشادِ الٰہی ہے:

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (۳۵۹۸) اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن اور امام ابن خزیمہ و ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

﴿قَالَ وَ مَنۡ یَّقۡنَطُ مِنۡ رَّحۡمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوۡنَ﴾ [الحجر: ٥٦]

''اپنے رب کی رحمت سے تو صرف گمراہ لوگ مایوس و ناامید ہوتے ہیں۔''

دعا کی عدمِ قبولیت کا راز دراصل ایک خلل و کوتاہی میں پنہاں ہے اور وہ خلل و کوتاہی یہ ہے کہ دعا گو ان لوگوں میں سے ہو جو دعا کی قبولیت میں جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اِدھر دعا ہو، اُدھر قبولیت ہو اور یہ جلد بازی بھی نبی ﷺ کے ارشاد کی رو سے عدمِ قبولیت کا سبب ہے۔ جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

« إن الله يستجيب لأحدكم ما لم يعجل، يقول: دعوت ربي فلم يستجب لي »[1]

''اللہ تعالیٰ تم میں سے اس شخص کی دعا قبول کرتا ہے جو جلد بازی نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ میں نے اپنے رب سے دعا کی مگر اس نے میری دعا قبول نہیں کی۔''

اور کبھی ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی جو گناہ یا قطع رحمی پر مبنی ہو، یا پھر دعا، دعا کرنے والوں کے صرف ہونٹوں سے نکلے اور ان الفاظ پر دعا گو کا دل ایسا ساتھ نہ دے جیسا کہ روح کے لیے ہوا اور پانی کا ساتھ ہوتا ہے، کیونکہ زبان تو دل کی محض ترجمان اور پیغام رساں ہوتی ہے جبکہ دل اصل اسرار و جذبات کا خزانہ ہوتا ہے، محض زبان سے دعا کرنا جبکہ دل اس سے غافل اور لاپرواہ ہو ایسی دعا کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور وہ قبول ہی نہیں ہوتی کیونکہ ارشادِ نبوی ہے:

« إن الله لا يستجيب دعاء من قلب غافل لاه »[2]

''اللہ تعالیٰ کسی غافل و لاپرواہ دل والے کی دعا قبول نہیں کرتا۔''

دل دنیاوی شہوات و خواہشات کی طرف مبذول ہو جاتا ہے جو اسے اپنی طرف پھیر لیتی ہیں، اور یہ بات بدیہی طور پر معلوم و معروف ہے کہ اِدھر اُدھر جھانکنے والا اپنی منزل پر جلدی نہیں پہنچ سکتا، لہٰذا دعا کے معاملے میں بھی توجہ سے کام لیں، کیونکہ وہ عبادت اور اس کا مغز ہے اور عاجز بے بس کے لیے تیر بہدف نسخہ ہے، کوئی شخص کسی حاجت کو معمولی نہ سمجھے اور معمولی یا بڑی کوئی بھی حاجت مانگنے سے نہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٩٨١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٣٥)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٤٧٩) اس حدیث کو امام حاکم نے مستقیم الاسناد اور علامہ البانی نے حسن کہا ہے۔

شرمائے کیونکہ وہ ہر چیز سے بڑا اور قادر مطلق ہے۔ اس کا فرمان ہے:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ﴾ [المؤمن: ٦٠]

''اور تمھارے رب نے کہا ہے: تم مجھے پکارو، میں تمھاری دعاؤں کو قبول کروں گا، بے شک وہ لوگ جو میری عبادت (دعا) سے تکبّر کریں گے ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔''

تمام پریشانیوں کا علاج:

مشکلات و مصائب میں مبتلا، فقر و فاقہ اور قلق و اضطراب یا دیگر کسی بھی قسم کی پریشانیوں میں مبتلا لوگوں سے ہم کہیں گے کہ اس مثال کو اپنے لیے باعثِ عبرت وتسلی بنالیں تو ان دونوں سے آدمی کی زندگی میں دعا کا اثر ظاہر ہو جائے گا اور اسے پتہ چل جائے گا کہ اس کے لیے دعا کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں کیونکہ یہی اس مرض کی دوا ہے جبکہ بیماری حد سے بڑھ جائے، اور جب گرمی حد سے تجاوز کر جائے تو یہ دعا ہی ٹھنڈک کا ذریعہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ ایک دن مسجد میں تشریف لائے تو ایک انصاری صحابی حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ پوچھا: اے ابو امامہ! کیا بات ہے میں تمھیں نماز کے وقت کے علاوہ مسجد میں دیکھ رہا ہوں؟ انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے قرضوں نے ستایا ہوا ہے جن کے ہاتھوں سخت پریشاں ہوں۔ فرمایا: میں تمھیں کچھ ایسے کلماتِ دعا نہ سکھا دوں کہ اگر ان کلمات پر مشتمل دعا کرو تو اللہ تعالیٰ تمھاری پریشانیاں بھی دور کر دے اور تمھارے قرض بھی ادا کر دے؟ انھوں نے عرض کیا: ضرور بتائیے۔ فرمایا: صبح اور شام یہ کہا کرو:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَ الْحُزْنِ وَ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ))

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں حزن وغم اور پریشانی سے، میں تیری پناہ مانگتا ہوں عاجزی وسستی سے، میں تیری پناہ مانگتا ہوں بزدلی وبخل سے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں قرضوں کے غلبے سے اور لوگوں کے قہر و دباؤ سے۔''

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''میں نے یہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے میری تمام پریشانیاں دور کر دیں اور میرا قرض بھی ادا کروا دیا۔''[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مکاتب (وہ غلام جس نے اپنے مالک سے آزادی کے لیے معاہدہ لکھا ہوا تھا کہ اتنے پیسے دوں گا تو آزاد ہو جاؤں گا) آیا اور اس نے ان سے قرضے کی شکایت کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''میں تمھیں وہ کلمات نہ سکھلاؤں جو مجھے نبی ﷺ نے سکھلائے تھے؟ اگر تم پر قرضوں کا پہاڑ بھی ہوگا تو اللہ تعالیٰ انکی ادائیگی کی سبیل پیدا فرما دے گا، یہ دعا کیا کرو:

« اللّٰهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ »[2]

''اے اللہ مجھے حرام سے بچا کر صرف حلال سے کفایت عطا فرما، اور اپنے فضل و کرم سے اپنے سوا تمام لوگوں سے مجھے مستغنی و بے نیاز کر دے۔''

رمضان... ماہِ صبر:

مسلمانو! ایک ایسے ماہِ کریم کی آمد ہو چکی ہے جو نفس کو بھوک اور پیاس برداشت کرنے کے لیے تیار کرتا ہے، آپ اپنی نظروں کے سامنے کھانا دیکھتے ہیں، دل کھانا بھی چاہتا ہے، آپ کا ہاتھ بھی اس تک پہنچتا ہے لیکن آپ نہیں کھاتے، اسی طرح پیاس آپ کے پیٹ کو مشتعل کرتی ہے، پانی آپ کے پاس موجود ہوتا ہے مگر آپ اس سے شاد کام نہیں ہو سکتے، اونگھ عقل اڑا رہی ہے، نیند پلکوں سے کھیل کھیلتی ہے مگر رمضان آتا ہے تو وہ تمھیں سونے نہیں دیتا، بلکہ یہ نماز اور سجود کے لیے بیدار کیے رکھتا ہے، بلاشبہ یہ صبر و ہمت کی ہی کڑیاں ہیں، جن کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

« الصوم نصف الصبر »[3]

''روزہ صبر کا نصف حصہ ہے۔''

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (١٥٥٥) اس کی سند میں ''غسان بن عوف البصری'' راوی ضعیف ہے۔ البتہ صحیح بخاری (۲۷۳۶) میں ان الفاظ میں ایک دعا مروی ہے: "اللهم إني أعوذ بك من الهم والحزن والعجز والكسل والبخل وضلع الدين وغلبة الرجال"

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٥٦٣) اس حدیث کو امام ترمذی اور علامہ البانی نے حسن اور امام حاکم و ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٥١٩) اس کی سند میں ''جری بن کلیب'' راوی ضعیف ہے۔

رمضان... ماہِ جود وسخا:

اللہ کے بندو! یہ ماہِ رمضان، ماہِ جود وسخا ہے، سخی دلوں اور خیرات کرنے والے ہاتھوں کا مہینہ ہے، اس ماہ میں مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کی جاتی ہے اور تھکے ماندے لوگوں کو راحت پہنچائی جاتی ہے، اس ماہ میں ہر مسلمان کا ایک نفع اور حصہ ہونا چاہیے، اپنے معاشرے اور اپنے ملک کے محتاجوں، یتیموں اور بیواؤں کے آنسو پونچھنے میں ذرا تاخیر وتردد نہ کریں اور فاقہ کشوں کی فاقہ کشی مٹانے میں دیر نہ کریں، بخل وکنجوسی سے کام نہ لیں، یہ دونوں بری چیزیں ہیں اور یہ بات کسی سے ہرگز پوشیدہ نہیں ہے، ان کے برا ہونے کے لیے یہی کیا کم ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی ہے۔[1] جبکہ جود وسخا اور عطا وکرم نبی ﷺ کی زندگی بھر کی عاداتِ مبارکہ رہیں اور خاص ماہِ رمضان میں تو آپ ﷺ کی سخاوت چلتی ہواؤں سے بھی بڑھ جاتی،[2] حتی کہ نبی ﷺ سے جس چیز کا بھی سوال کیا گیا، آپ ﷺ نے کبھی انکار نہیں فرمایا۔[3]

مزید یہ کہ اس تخصیص کا نتیجہ وپھل صرف فقرا ومساکین کی سعادت وخوشی تک نہیں رہتا بلکہ خرچ کرنے والوں کو بھی یہ امانت لوٹا دی جاتی ہے، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

بخیل اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی مثال ان دو آدمیوں جیسی ہے جن پر لوہے کی دو زرہیں ہیں جو ان کے سینوں سے لے کر گلے (حلق یا ہنسلی) تک آتی ہیں، جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ دیتا ہے تو اس کی زرہ پھیل کر اس کے پاؤں کے پوروں تک چلی جاتی ہے اور انھیں ڈھانپ لیتی ہے، اور بخیل آدمی جیسے ہی کچھ خرچ کرنا چاہتا ہے اس کی زرہ کی ہر کڑی اپنی اپنی جگہ پر چمٹ جاتی ہے، وہ اسے کھولنا چاہتا ہے، مگر وہ نہیں کھلتی۔"[4]

اس کا واضح معنی یہ ہے کہ جواد وسخی شخص جب کچھ خرچ کرنا چاہے تو اس کے لیے اس کو شرح صدر ہو جاتا ہے، اس کا دل اس پر مطمئن ہو جاتا ہے اور اجر وثواب کا مشتاق ہو جاتا ہے تو وہ خرچ کرنے میں کھلے دل سے کام لیتا ہے اور اسے لوہے کی وہ زرہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ وہ جتنی وسیع

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٧٣٦)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٦٨٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٣١١)

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٣٧٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٢١)

کرنا چاہتا ہے وہ اتنی ہی وسیع ہو جاتی ہے اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے کیونکہ جواہرات چاہے مٹی ہی میں کیوں نہ ملے ہوئے ہوں وہ تو جواہرات ہی رہیں گے اور شیر تو شیر ہی ہے چاہے وہ پنجرے میں بند کیوں نہ ہو، اور جب کوئی بخیل صدقہ کرنے کی نیت کرتا ہے تو اس کا دل کنجوسی کرتا ہے، اس کا سینہ تنگ اور اس کے ہاتھ بند ہو جاتے ہیں اور اسے یوں لگتا ہے جیسے اپنی عمر یا جگر کا کوئی گوشہ دینے لگا ہو، یہاں تک کہ وہ شخص ایک تنگ دائرے میں زندگی گزارتا چلا جاتا ہے جس میں اسے اپنے نفس کے سوا دوسرا کوئی نظر ہی نہیں آتا، اس کے گرد و پیش میں سسکتے مسکین اسے نظر ہی نہیں آتے، بلاشبہ ایسے شخص کے ہاتھوں میں بوجھ اور کڑیاں ڈال کر انھیں اس کے گلے میں باندھ دیا جاتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴾ [بني إسرائيل: ١٠٠]

”آپ کہہ دیجیے اگر میرے رب کی رحمت کے خزانے تمھارے اختیار میں ہوتے تو خرچ ہو جانے کے ڈر سے تم اپنا ہاتھ روک لیتے اور انسان بخیل واقع ہوا ہے۔“

لیکن شیطان کے لیے صدقۂ طیبہ سے زیادہ سخت، اس کے مکر کو توڑنے اور اس کے وسواس کو زائل کرنے والی دوسری کوئی چیز نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَ اللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ [البقرة: ٢٦٨]

”شیطان تمھیں فقر و تنگدستی سے ڈراتا ہے اور بُرے کاموں کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنے فضل و کرم اور مغفرت کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعتوں والا اور بڑے علم والا ہے۔“

فضائل قیام اللیل؛ تہجد و تراویح

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر صالح بن حمید ﷾

خطبہ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

میں اپنے آپ کو اور آپ لوگوں کو اللہ تعالی کا تقوی اختیار کرنے کی نصیحت و تلقین کرتا ہوں۔

اللہ تعالی آپ لوگوں پر رحم کرے، اللہ تعالی سے ڈرتے رہو اور بکثرت ذکر و شکر اور حسن عبادت کے ذریعے اس کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرو، مخلوق پر اس کی نعمتوں کا تذکرہ کر کے اس کی محبت حاصل کرو، کشائش و خوشحالی میں اسے پہچانو اور یاد رکھو، تنگی و بدحالی میں وہ تمھیں پہچانے گا، جو اللہ تعالی سے ڈرے گا وہ کل روز محشر کی ہولناکیوں سے محفوظ رہے گا، نفع کمانے والا وہ ہے جس نے اس فانی دنیا کے عوض سدا رہنے والی آخری زندگی کا سودا کر لیا اور نقصان اٹھانے والا وہ ہے جس کے کان شہوت رانیوں نے بند کر دیے اور جس نے اس دار فانی کو عالمِ عقبیٰ پر ترجیح دی۔

مادی ترقی مگر انتہائی تباہی کا دور:

مسلمانو! تاریخ کا مطالعہ کرنے اور احوالِ عالم پر نظر رکھنے والے لوگ سمجھتے ہیں کہ موجودہ دور تاریخِ انسانی کا سب سے زیاد سفاک اور تباہ کن دور ہے، اور عجیب اتفاق ہے کہ یہی دور کلچر، سائنس، تعلیم، ایجادات اور انکشافات کے لحاظ سے بھی تمام ادوار سے ترقی یافتہ دور ہے، اس سے انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں کہ آج دنیا مادی لحاظ سے ترقی کی اعلی منازل تک پہنچ چکی ہے، ذرائع اتصالات، مواصلات، آلات، ٹیکنالوجی، صحت، تعلیم اور اسبابِ معیشت میں بڑی نفع آور اور مفید چیزیں ایجاد ہوئی ہیں، لیکن ان تمام ترقیوں کے ساتھ ساتھ ہی یہ دور قسوت و سنگدلی اور وحشت و بربریت میں بھی کسی دور سے کم نہیں رہا۔ کس قدر عجیب و غریب بات ہے کہ موجود علوم و معرفت ہی تباہی و بربادی کا سبب بن جائیں، لیکن کوئی مسلمان جب اللہ تعالی کے مندرجہ ذیل ارشاد کی طرف رجوع کرے تو اس کی حیرت و استعجاب سب ختم ہو جاتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴾

[الروم: ۷]

’’وہ لوگ تو صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کا علم رکھتے ہیں اور آخرت (کے لیے مفید علوم) سے تو وہ بالکل ہی بے خبر ہیں۔‘‘

وہ آخرت سے غافل و بے خبر ہوئے تو اپنے رب کو بھی بھول گئے اور اپنی اصل ذمہ داری کی حقیقت بھی نہ سمجھ پائے، انھوں نے اپنے لیے خود قوانین گھڑ لیے اور اپنے احکام میں جبر و استبداد کو جگہ دی اور سخت سرکش بن گئے، انھوں نے اپنی تمام عقل و فکر اور علوم، اسی طرح اپنی تمام ایجادات کو تباہ کن اسلحہ تیار کرنے میں صرف کر دیا اور انھیں آمدنی کے ذرائع پر قابض ہونے کی باہمی غیر شریفانہ آویزش میں جھونک دیا۔

اللہ تعالیٰ سے تعلق کی برکات اور روگردانی کے نتائج:

غور و فکر کرنے کی بات یہ ہے کہ آج کل ان تباہی کے میدانوں میں جتنی کوششیں اور دولتیں خرچ کی جا رہی ہیں اگر ان سے نصف سے بھی کم محنت و دولت اللہ تعالیٰ کے ادب اور اس کی تعظیم و توقیر اور اس کی رضا کے حصول کے لیے صرف کی جاتی تو لوگ دنیا و آخرت دونوں میں فوز و فلاح پا جاتے، دنیا امن کا گہوارہ بن جاتی اور ان کے لیے زمین و آسمان سے رزق کے دروازے کھل جاتے لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ لوگوں کی اکثریت نے اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی تکذیب کی، ظلم کا راستہ اپنایا، دوسروں کو اذیتیں دیں، دنیا میں فتنہ و فساد برپا ہو گیا، جنگوں کی آگ کو بھڑکایا، تصادم کو جنم دیا اور اقتصادی و سیاسی مشکلات و مسائل کو ابھارا، کچھ قوموں کو ضعیف و کمزور سمجھ کر ان کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا، ان کی کمائی خود چھین لی، ان کے انھی کرتوتوں کی پاداش میں آج تک انھیں طرح طرح کے مصائب پہنچ رہے ہیں اور ان کی شامتِ اعمال نے انھیں مختلف عذابوں کی صورت میں اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔

تعلق باللہ کی استواری:

اہل اسلام جو اس ماہ رمضان المبارک سے گزر رہے ہیں وہ اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ صلاح و اصلاح کا راز دلوں کی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح رابطوں کے استوار کرنے میں پنہاں ہے، صلاح و اصلاح کا دوسرا کوئی طریقہ ہے اور نہ کوئی ہو ہی سکتا ہے، سوائے اس کے کہ صرف اللہ واحد کی عبادت اور اطاعت و رضا کے جذبات ہوں اور صرف اسی کے لیے ہمارا خشوع و خضوع ہو۔

مفہوم عبادت کی وسعتیں:

اسلام میں عبادت کا مفہوم و مدلول بڑا وسیع ہے جو ایمانِ صادق اور عملِ صالح سب کو شامل ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الأنعام: ١٦٢]

''کہہ دیجیے (اے نبی ﷺ) کہ میری نماز، میری تمام عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''

اور ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [النحل: ٩٧]

''جو بھی مرد یا عورت کوئی نیک عمل کرے اور صاحبِ ایمان بھی ہو تو ہم اسے یقیناً ایک نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے اور ان کے نیک و صالح اعمال کا بدلہ بھی انھیں ضرور دیں گے۔''

اور سورۃ العصر میں ارشاد فرمایا:

﴿وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝﴾ [العصر: ١ تا ٣]

''قسم ہے زمانے کی، انسان سراسر خسارے (گھاٹے) میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک و صالح عمل کیے اور جنھوں نے آپس میں حق کی وصیت کی، اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔''

پھر اس کے بعد زندگی کو اپنی ملکیت بنا لینا اور اسباب و ذرائع کو استعمال میں لانا ہے بایں صورت کہ آدمی کا اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد اور اس پر پورا و صحیح توکل ہو اور اپنی تمام مال و متاع کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کے کلمہ کی سربلندی کے لیے وقف کر دے تاکہ دین و عبادت پوری طرح صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہو جائیں اور کوئی فتنہ باقی نہ رہے۔

برادرانِ اسلام! انسان بڑا کمزور ہے، اللہ تعالی سے رابطے کے سوا اس کی کوئی طاقت و قوت نہیں، انسان کا مقابلہ شرّ کی قوتوں سے ہو جاتا ہے اور اس کے لیے دنیاوی شہوات و لذات اور من پسند چیزوں کی کشش کا دفعیہ و مقابلہ مشکل ہو جاتا ہے۔ شر کی ان سرکش موجوں میں اور خطرناک لہروں سے نجات کے لیے انسان کو اللہ تعالی سے رشتہ استوار کرنے اور اس کی مدد و پناہ لینے کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں رہتا۔

اسلام میں نماز کا مقام:

مسلمانو! ان دنوں مسلمان جن عزت و شرف والی گھڑیوں اور ایام سے گزر رہے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ اسلام میں اہم عبادت اور اللہ تعالی سے تعلق استوار کرنے کے سب سے عظیم ذریعے (نماز) کے بارے میں گفتگو کی جائے جو ایک ایسی عبادت ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کو اگر کوئی انتہائی اہم معاملہ پیش آ جاتا تو آپ ﷺ فوراً نماز کی طرف لپکتے، [1] اور جب کبھی آپ پر راستے تنگ کر دیے جاتے تو آپ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بھی یہی عبادت نماز ہی بنتی۔

نماز وہ خزانہ ہے جو کبھی فنا ہونے والا نہیں، اگر نبی ﷺ کاروبارِ حیات میں شدت و تنگی محسوس فرماتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ اے بلال! نماز کے لیے اقامت کہو اور ہمیں اس سے راحت پہنچاؤ۔ [2]

نماز اسلام کا ستون ہے اور اللہ تعالی کے حکم سے تائب ہونے اور خوف کھانے والے کا ملجا و ماویٰ۔ عبادت گزاروں کا نور اور اللہ تعالی کے ساتھ تجارت کرنے والوں کا مال و سامانِ تجارت ہے، اس کے انوار سے دلوں کا زنگ زائل ہوتا ہے، اس کے اذکار سے غفلتوں کے پردے دور ہوتے ہیں اور اس کے اسرار و رموز اور آثار سے چہروں کو نور ملتا ہے، جو جتنا قوی ایمان والا ہوگا وہ اتنا ہی اچھی طرح سے نماز ادا کرنے والا، طویل قیام و قنوت کرنے والا اور عظیم و پختہ یقین والا ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (١٣١٩) مسند أحمد (٥/ ٣٨٨) اس کی سند میں ''محمد بن عبداللہ الدؤلی'' راوی مجہول ہے۔

[2] سنن أبي داود (٤٩٨٥) مسند أحمد (٥/ ٣٦٤) اس حدیث کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

«الصلاة خیر موضوع، فمن استطاع أن یستکثر منها فلیستکثر»[1]

''نماز بہترین عمل ہے۔ جو اس سے جتنا حظِ وافر پانا چاہے پالے۔''

نمازِ تہجد:

اللہ کے بندو! اوقاتِ سَحر میں نمازِ تہجد اور صلوۃ اللیل آتی ہے تاکہ اس کے ذریعے بندے کا اپنے اعلیٰ و ارفع خالق و مالک سے تعلقِ عبودیت و بندگی خوبصورت شکل میں کھل کر سامنے آ جائے۔ نبی اکرم ﷺ سے مروی صحیح سند والی ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أفضل الصلاة بعد الصلاة المفروضة صلاة اللیل»[2]

''فرض نماز کے بعد افضل ترین نماز صلاۃ اللیل (تہجد) ہے۔''

اور اس بات پر کئی علما نے علماءِ امت کا اجماع و اتفاق نقل کیا ہے۔ اس نماز کے مقام و مرتبہ کے سلسلہ میں ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ ہمارے لیے عظیم مثال اور بہترین نمونہ ہیں۔ آپ ﷺ کا عمل مبارک یہ نقل کیا گیا ہے:

«کان رسول اللہ ﷺ إذا صلی قام حتی تفطر رجلاہ»[3]

''آپ رات کو اتنا طویل قیام فرمایا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک سوج کر پھٹ جاتے۔''

خصوصاً ماہِ رمضان میں تو آپ ﷺ قیام اللیل کا اتنا اہتمام فرماتے جو دوسرے مہینوں سے نسبتاً بہت ہی زیادہ ہوتا تھا۔ حدیث میں ہے:

''جب ماہ رمضان کا آخری عشرہ آ جاتا تو آپ اپنی راتوں کو زندہ کرتے (شب زندہ داری کرتے) اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے اور عبادت کے لیے کمر بستہ ہو جاتے۔''[4]

اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

---

[1] المعجم الأوسط (١/ ٨٤) علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے مجموع طرق کی بنا پر اس حدیث کو حسن لغیرہ کہا ہے۔

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (١١٦٣)

[3] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٤٨٣٧) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٨٢٠)

[4] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٢٠٢٤) صحیح مسلم، رقم الحدیث (١١٧٤)

«من قام رمضان إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه»[1]

''جس نے ماہ رمضان کی راتوں میں قیام کیا اس حال میں کہ وہ اللہ تعالی پر ایمان رکھتا ہو اور اس کی رضا و ثواب کا طالب ہو، تو اس کے پچھلے تمام گناہ بخشے گئے۔''

نیز فرمایا:

«ينزل ربنا إلى السماء الدنيا كل ليلة حين يبقى ثلث الليل فيقول: أنا الملك، من الذي يدعوني فأستجيب له، من الذي يسألني فأعطيه، من الذي يستغفرني فأغفر له»[2]

''ہمارا رب ہر رات کے آخری تہائی حصے میں آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ میں بادشاہ ہوں۔ کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے کچھ مانگے اور میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اسے بخشوں؟''

حضرت عامر بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«أقرب ما يكون الرب من العبد في جوف الليل الآخر، فإن استطعت أن تكون ممن يذكر الله في تلك الساعة فكن»[3]

''اللہ اپنے بندے کے قریب ترین اس وقت ہوتا ہے جب رات کا آخری پہر ہو، اگر اس وقت اللہ کا ذکر کرنے والوں میں سے ہو سکتے ہو تو ہو جاؤ۔''

بلکہ ایک حدیث میں ہے:

«إن في الليل ساعة لا يوافقها عبد مسلم يسأل الله شيئا إلا أعطاه الله إياه، وذلك كل ليلة»[4]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٥٩)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١١٤٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٥٨)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٥٧٩) اس حدیث کو امام ترمذی، ابن خزیمہ، حاکم، ذہبی اور البانی رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے۔

[4] صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٥٧)

”رات میں ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ اس میں کوئی مسلم بندہ اللہ تعالی سے جو کچھ مانگتا ہے اللہ تعالی اسے دیتا ہے، اور یہ گھڑی ہر رات میں (سال بھر ہی) آتی رہتی ہے۔“

رات کی نمازِ تہجد کے ساتھ اللہ تعالی کے حکم سے دلوں کو زندگی ملتی ہے اور ماند پڑی ہمتوں میں نشاط پیدا ہوتی ہے، یہ اللہ تعالی کا قرب پیدا کرتی، گناہوں سے روکتی، گناہوں کا کفارہ بنتی اور حسد جیسی بیماری کو بھگانے کا باعث بنتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

« عليكم بقيام الليل، فإنه دأب الصالحين قبلكم »[1]

”قیام اللیل کیا کرو۔ کیونکہ تم سے پہلے کے صالحین کی یہی عادت اور ان کا یہی عمل پیہم تھا۔“

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”قیام اللیل سے بدصورت کے چہرے پر چمک آتی ہے، اس کی بدولت ذلیل آدمی کو عزت نصیب ہوتی ہے، اور دن کے روزے روزہ دار کی شہوانی قوتوں کا زور توڑ دیتے ہیں، اور مومن کے لیے جنت سے پہلے راحت و آرام کی تو کوئی جگہ ہی نہیں ہے۔“[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”جو شخص یہ چاہے کہ اللہ تعالی اس کے لیے قیامت کے طویل قیام کو آسان کر دے اسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو راتوں کی تاریکی میں سجدہ و قیام کی حالت میں اللہ تعالی کے سامنے پیش کرے اور اس کے دل میں قیامت کے دن کا ڈر اور رحمت الٰہی کی امید رہے۔“[3]

یہ تیرے بندے:

اللہ کے بندے وہ ہیں جو سجدہ و قیام میں راتیں گزارتے ہیں، جو نرم و گداز بستروں، پُرسکون کمروں، راتوں کے آرام اور دنیاوی سکون تمام چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور ان سب کے مقابلے میں اللہ تعالی کے ساتھ انس و محبت کے تعلقات استوار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، اس کے وعدوں کی امید رکھتے اور اس کی وعیدوں سے ڈرتے ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

---

1. سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٥٤٩) اس حدیث کو امام ابن خزیمہ، حاکم اور ذہبی نے صحیح اور علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔
2. التهجد لابن أبي الدنيا (ص: ٢٨) مختصر قيام الليل للمروزي (ص: ٥٠)
3. تفسير القرطبي (١٥/ ٢٣٩)

﴿ أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [الزمر: ۹]

''بھلا جو شخص راتوں کے اوقات سجدوں اور قیام کی حالت میں گزارتا ہو آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو، (اور جو اس کے برعکس ہو، برابر ہو سکتے ہیں؟) بتاؤ تو بھلا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟''

اللہ تعالی کے بندے تو طویل قیام کرنے والے، تقوی اختیار کرنے والے، راتوں کو بہت کم آرام کرنے والے اور سحری کے وقت اللہ تعالی سے مغفرت طلب کرنے والے ہوتے ہیں، انھیں قیام اللیل کے اسرار و رموز کا پتہ ہوتا ہے، ان کے دلوں میں اذکار و اوراد کی حلاوت و شرینی پائی جاتی ہے، اللہ تعالی سے دعا و مناجات کی وہ لذتیں پاتے ہیں۔

ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''شب زندہ داری کرنے والوں کو راتوں کے قیام میں لہو و لعب میں مشغول لوگوں سے بھی زیادہ لذت ملتی ہے کہ اگر رات نہ ہوتی تو اس دنیا میں زندہ و باقی رہنے کی کوئی چاہت نہ ہوتی۔''[1]

جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا وقت وفات آ گیا تو انھوں نے کہا:

''مجھے دنیا کی کسی چیز کو چھوڑ جانے کا کوئی افسوس نہیں، البتہ شب بیداریوں اور راتوں کی عبادات سے محروم ہو جانے کا افسوس ہے۔''[2]

قیام اللیل دنیا کے شور و غل سے نکل کر رب کریم سے رشتے استوار کرنے کا دوسرا نام ہے، یہ اس فیاض ازل کے فیوض و برکات اور انعامات سمیٹنے، اس سے اُنس و محبت پیدا کرنے، ربانی فضاؤں سے تعرض کرنے اور ذاتِ باری تعالی سے خلوت و ملاقات کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔

اللہ اکبر! اللہ والوں کو نیند کیوں نہ بھائی؟ کیونکہ انھیں قبر کی وحشت و تنہائی اور روزِ قیامت کی ہولناکیاں یاد آ گئیں، جس دن کہ قبروں والوں کو زندہ کر کے نکال لیا جائے گا اور دلوں کے راز اگلوا

[1] تاريخ دمشق (٣٤/ ١٤٦)

[2] مصنف ابن أبي شيبة (٧/ ٢٣٠) طبقات ابن سعد (٤/ ١٨٥)

لیے جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ قتادہ رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں:

''منافق کبھی بھی اطاعتِ الٰہی کے لیے رات کو نہیں جاگ سکتا۔''[1]

اللہ کے بندے وہ نیک لوگ ہیں جن کے بارے میں اس نے فرمایا ہے:

﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ [السجدة: ١٦]

''ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں، وہ (جہنم کے) خوف اور (جنت کی) لالچ میں اللہ تعالی کو پکارتے ہیں، کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان چھپا کر رکھا گیا ہے جو انھیں ان کے اعمال کے بدلے میں دیا جانے والا ہے۔''

ان کے اغراض و مقاصد اور مطالبات و غایات الگ الگ ہیں مگر ان سب کا چشمہ شیریں اور مکان و زمانِ طلب ایک ہی ہے اور وہ ہے ظلمتِ شب۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ﴾ [البقرة: ٦٠]

''تمام لوگوں نے اپنے اپنے مقامِ شاد کے مشروب کو پہنچان لیا ہے۔''

یہ محبِ کردگار مناجات و دعا میں خوش ہے، اور وہ محسن جو درجات میں بڑھتا جاتا ہے کیونکہ وہ اعمال میں پیش قدمی کرتا اور اعمال صالحہ کے مقابلوں میں محنت کر کے جیتنے کی لگن رکھتا ہے، اور کوئی خوفِ الٰہی سے گڑگڑاتا اور اپنے رب سے معافیاں مانگتا ہے، اپنی خطاؤں اور گناہوں پر ندامت کے آنسو بہاتا ہے۔ اللہ سے امیدیں وابستہ کیے رکھنے والا سوال کرنے میں آہ و زاری کرتا اور اپنے مطلوب و مقصود کو پا لینے پر بھرپور اصرار کرتا ہے، گناہگار و تقصیر کرنے والا نجات کی دعائیں کرتا ہے اور اپنی تقصیر و سیاہ کاریوں پر معافی مانگتا اور معذرتیں کرتا ہے، غرض ہر کوئی اللہ تعالی کو پکارتا ہے، ان میں سے بیم و رجا اور خوف و امید کے جذبات میں ہر کوئی اللہ سے امیدیں لگائے بیٹھا ہے، اللہ تعالی ان پر اپنی نعمتیں نازل کرتا ہے، انھیں ان کے مطالبات پر عطا کرتا ہے اور ان میں سے بعض کو وہ اپنے مخلص و برگزیدہ بنا لیتا ہے اور وہ بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ ان لوگوں نے تھوڑی سی دنیا ہی میں کفایت

[1] الزهد لابن المبارك (٩٣)

کر لی اور نماز، تلاوتِ قرآن، ذکرِ الٰہی اور روزے میں مشغول رہے، یہ ہیں اصل قومِ مسلم کی عملی ہمتیں۔ ان آیاتِ عظیمہ کے مفاہیم و معانی پر غور کریں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ۞ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا﴾ [الدهر: ٢٦، ٢٧]

''اور رات کے وقت اس کے سامنے سجدے کر اور رات کا طویل عرصہ اس کی تسبیح کیا کر، بے شک یہ (مادی) لوگ جلدی ملنے والی (دنیا) کو چاہتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بڑے بھاری دن (قیامت کی ہولناکیوں) کو چھوڑے (بھلائے) بیٹھے ہیں۔''

رات باہمت عبادت گزاروں اور ذکر و دعا میں مشغول رہنے والوں کے لیے ایک وسیع میدان ہے، وہ سفرِ زندگی کے لیے بہترین زادِ راہ ہے، البتہ جو لوگ دنیاوی عیش و آرام کو چاہنے والے ہیں وہ کم ہمت اور معمولی مطالبات والے لوگ ہیں، وہ اسی معمولی دنیاوی زندگی کی عیش و عشرت میں غرق ہو جاتے ہیں اور روزِ محشر جیسے بھاری شدید دن کی شدتوں اور ہولناکیوں کو بھول جاتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں بعض سلف صالحین نے کہا ہے:

''وہ شخص سخت بُرے حساب سے نجات کی امید کیسے لگا سکتا ہے جبکہ وہ رات بھر سویا رہتا ہے اور دن بھر لہو و لعب اور کھیل تماشے میں گزار دیتا ہے؟''

دورِ حاضر کے اکثر لوگوں کا لہو و لعب صرف دن نہیں بلکہ رات دن دونوں پر پھیل چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسوائی سے اپنی پناہ میں رکھے۔

برادران و احباب! قیام اللیل سے دل نرم ہو جاتے ہیں۔

برادران و احباب! لوگ کمزوری کے نتیجے میں قیام اللیل کی ہمت نہیں پاتے، دل سخت ہو جاتے ہیں، آنسو خشک ہو جاتے ہیں اور غفلت چھا جاتی ہے۔ ایک آدمی کا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ذکر ہوا اور پتہ چلا کہ وہ دن چڑھنے کے باوجود ابھی سویا ہوا ہے (نماز کے لیے نہیں اٹھا) تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«ذاك رجل بال الشيطان في أذنه»[1]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٠٧٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٢٩٣)

''وہ ایسا شخص ہے کہ جس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے۔''

جب رات کی تاریکی چھا جاتی ہے تو غافل لوگوں کے دل سو جاتے ہیں اور لہو ولعب کے شائقین کی روحیں مر جاتی ہیں، جس نے رات کے لیے کوئی ورد (تلاوت ونماز) طے نہیں کر رکھا اس نے اپنے نفس پر سخت زیادتی کی ہے اور اس سے سخت لاپرواہی ہوئی ہے۔ اس سے بڑی حرماں نصیبی اور کیا ہوسکتی ہے کہ کسی کے لیے اپنے مولائے کریم سے مناجات و دعا اور خلوت و ملاقات کا وقت ہو مگر وہ اس کی طرف جلدی نہ کرے اور کوئی پرواہ ہی نہ کرے؟ اسے اس موقع سے روکنے والا سستی و لاپرواہی کے سوا کوئی نہیں اور اس حرماں نصیبی میں مبتلا کرنے والا نیند اور کم ہمتی کے سوا کچھ نہیں۔ ان لوگوں کو اب کیا کہیں جو حرام امور اور اشیا پر راتیں گزارتے، گناہوں پر رتجگے کرتے؟ رحمان کے دوستوں (اولیاء الرحمٰن) اور شیطان کے دوستوں (اولیاء الشیطان) میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

« إن الله يبغض كل جعظري جواظ، سخاب في الأسواق، جيفة بالليل، حمار بالنهار، عالم بأمر الدنيا، جاهل بأمر الآخرة »[1]

''اللہ تعالیٰ ہر اس شخص سے بغض و ناراضی رکھتا ہے جو اکھڑ و بدمزاج، بازاروں میں شور وغل کرنے، رات بھر مردوں کی طرح (بے ذکر و دعا و نماز) پڑا رہنے والا، دن کو گدھے کی طرح (فرائض ترک کر کے) کام ہی کام میں جتا رہنے والا، دنیاوی امور و معاملات کو جاننے والا اور اُخروی زندگی (کی تیاری) سے غافل و نابلد ہے۔''

آپ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے ان مسلمانوں کو دیکھ لیا ہے جو اسی طرح اپنی راتیں کاٹتے ہیں، فحش ڈرامے، بیہودہ گانے، لغو و لایعنی تفریحی پروگرام پیش کرنے والے اور بے حیائی کو فروغ دینے والے چینلز دیکھتے رہتے ہیں اور اسی لہو ولعب پر غل غپاڑہ بھی کرتے ہیں۔ بعض گھر قیام اللیل کی ہمت کمزور پڑ جانے کا شکوہ کیوں کرتے ہیں؟ ایسے میں تہجد گزاروں اور عبادت گزاروں کے اس عمل کو

---

[1] سنن البيهقي (١٠/ ١٩٤) صحيح ابن حبان (١/ ٢٧٣) اس حدیث کو امام ابن حبان اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

کم کر بیٹھنے کی شکایت کیوں پیدا ہوتی ہے؟

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: ہم قیام اللیل نہیں کر سکتے۔ انھوں نے کہا:

''تمھیں تمھارے گناہوں نے اس قابل نہیں چھوڑا۔''[1]

کسی آدمی نے ایک صالح شخص سے کہا: میں قیام اللیل کی استطاعت نہیں پاتا مجھے اس کا کوئی علاج بتائیے؟ انھوں نے کہا:

''دن کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں نہ کرو تو رات کو وہ خود تمھیں اپنے سامنے کھڑا کر لے گا۔''

اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے! رات کو جس قدر ممکن ہو نماز پڑھا کرو اور نمازِ تراویح پڑھنے کی کوشش کیا کرو۔ رات کو کچھ نہ کچھ نماز ضرور پڑھا کرو کیونکہ رات کی تھوڑی سی نماز بھی بہت ہے اور اس پر صبر و ہمت کے ساتھ پابندی کرو، صبر و مداومت اور پابندی و اخلاص کی بدولت تمھیں ثابت قدمی و مدد ملے گی اور یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ رات کا منٹ منٹ بڑا قیمتی ہوتا ہے، اسے غفلت و لاپرواہی اور آج کل آج کل کے چکر میں ضائع نہ کر دو، جس نے قیمتی گھڑیوں کو گنوا دیا اسے بھاری جرمانے ادا کرنے پڑیں گے، اس کے لیے راہیں تنگ ہو جائیں گی اور اس کا معاملہ تو حد سے گزر چکا ہے۔

خود اٹھیں اور اپنے اہل کو بھی بیدار کریں، اپنے گھر والوں کو بھی نہ بھولیں، انھیں بھی بیدار کریں، اس لیے نہیں کہ وہ کوئی گھٹیا ڈرامہ یا فحش منظر دیکھنے کے لیے مل بیٹھیں بلکہ اس لیے کہ وہ اپنے رب خالق و مالک کے سامنے کھڑے ہوں، اس کی طرف تائب ہوں اور اس کی طرف رجوع کریں، اشک ہائے ندامت اور دلی گریہ و زاری سے اپنے گناہوں کو دھولیں، ان کے گناہ مٹا دیے جائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے:

﴿رحم الله رجلا قام من الليل فصلى، وأيقظ امرأته فصلت، فإن أبت نضح في وجهها الماء، ورحم الله امرأة قامت من الليل فصلت، ثم أيقظت زوجها، فإن أبىٰ نضحت في وجهه الماء﴾[2]

---

[1] التهجد لابن أبي الدنيا، رقم الحديث (٣٦١)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (١١١٣) مسند أحمد (٢/ ٢٥٠) اس حدیث کو امام ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ذہبی اور البانی رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے۔

”اللہ تعالی اس آدمی پر رحم فرمائے جو رات کو اٹھا اور نماز پڑھی، اس نے اپنی اہلیہ کو بھی اٹھایا اور اس نے بھی نماز ادا کی اور اگر اس نے اٹھنے میں پس و پیش کیا تو اس کے چہرے پر پانی کا چھینٹا مارا۔ اور اللہ تعالی اس عورت پر رحم فرمائے جو رات کو بیدار ہوئی اور اس نے نماز پڑھی، پھر اس نے اپنے شوہر کو بھی بیدار کیا، اگر اس نے اٹھنے سے انکار کیا تو اس کے چہرے پر پانی کا چھینٹا مارا۔“

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۞ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۞ اَلصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴾ [آل عمران: ١٤ تا ١٧]

”(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے: کیا میں تمھیں اس (متاع دنیا) سے بہت ہی بہتر چیز بتاؤں؟ تقوی والوں کے لیے ان کے رب کے پاس ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور ان کے لیے پاکیزہ بیویاں اور اللہ تعالی کی رضا ہے، اور اللہ تعالی سب بندوں پر نگاہ رکھے ہوئے ہے، جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لا چکے، اس لیے ہمارے گناہ معاف فرما دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے، جو صبر کرنے، سچ بولنے، فرمانبرداری کرنے، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے، اور اوقات سحر گاہی میں بخشش مانگنے والے ہیں۔“

قیام اللیل کے لیے معاون اسباب:

قیام اللیل کے لیے معاون و مددگار اسباب و ذرائع میں سے یہ ہیں کہ اللہ تعالی کی طرف رجوع کریں، اس سے صدق دل سے سچا تعلق استوار کریں، اللہ سبحانہ وتعالی سے حسن ظن رکھیں، اس کی نعمتوں کی بھرپور امید رکھیں اور گناہوں سے دور رہنے کی کوشش کرتے رہیں کیونکہ گناہ دلوں کو سخت

کر دیتے ہیں اور ہمتوں کی کمر توڑ دیتے ہیں، کھانا کم کھائیں، جس نے زیادہ کھانا کھایا اس کی طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے اور اس پر نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے۔

وہب بن منبہ رحمہ اللہ کہہ گئے ہیں:

''شیطان کو پُر خور (زیادہ کھانے والے) اور پُر خواب (زیادہ سونے والے) سے زیادہ پیارا اور کوئی نہیں۔''[1]

دل کو حسد و حقد اور بغض و کینہ سے بچائیں، بدعات سے مکمل اجتناب کریں اور سنت کو لازم پکڑیں، دل میں بہت تھوڑی امنگیں اور تمنائیں رکھیں مگر اسے اللہ کے خوف سے پُر رکھیں، اور ان سب سے زیادہ اعلیٰ اور مؤثر سبب اللہ کی محبت، اس کی مناجات و سرگوشی، اس کی کتاب قرآن کریم کی محبت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔

قیام اللیل کا وقت:

قیام اللیل کا وقت نماز عشا کے بعد سے شروع ہو کر طلوع فجر تک رہتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے نصف، تہائی، اس کے پانچویں اور اس کے چھٹے حصوں میں یعنی ہر وقت قیام کیا ہے، اور بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ قرار پایا کہ آپ سحری کے وقت قیام کرنے لگے۔[2] اور اللہ تعالیٰ کو سب سے پیاری نماز، داود علیہ السلام کی نماز ہے، وہ رات کا پہلا نصف حصہ سوتے اور ایک تہائی قیام کرتے اور آخری چھٹا حصہ پھر سو جاتے تھے۔[3]

سلف صالحین کا قیام اللیل:

سلف صالحینِ امت میں سے بعض لوگ رات رات بھر نماز پڑھتے، بعض رات کا نصف حصہ نماز میں گزارتے، بعض ثلث و تہائی، بعض پانچواں اور بعض چھٹا حصہ قیام کرتے تھے، اور بعض تو چند رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ جس نے اپنی اہلیہ کو بھی جگایا اور دونوں نے صرف دو دو رکعتیں پڑھ لیں وہ اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرنے والے مردوں اور عورتوں میں لکھے گئے۔[4]

---

[1] الزهد للإمام أحمد (ص: ٣٧٣)

[2] صحیح مسلم، رقم الحديث (٧٤٥)

[3] صحیح البخاري، رقم الحديث (١١٣١) صحیح مسلم، رقم الحديث (١١٥٩)

[4] سنن أبي داود، رقم الحديث (١٣٠٩) اس حدیث کو امام ابن حبان، حاکم اور البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

قیام اللیل کے آداب:

قیام اللیل کے لیے جن آداب کا لحاظ رکھنا چاہیے ان میں سے یہ ہے کہ سب سے پہلے دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھیں اور پھر حسبِ توفیق دو دو رکعتیں کر کے پڑھتے جائیں اور ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیریں۔ مستحب یہ ہے کہ قراءت وتلاوت اور رکوع وسجود برابر ہوں، قراءت کریں اور آیاتِ قرآنیہ پر تدبر وتفکر کریں اور ذکر ودعا کی کوشش بکثرت کریں، اپنے نفس کے لیے مشقت نہ بنائیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جتنی طاقت ہو اتنی عبادت کرو، اللہ تعالیٰ تو تھکتا نہیں حتی کہ تم ہی نہ تھک جاؤ۔[1] سیدھے چلو، اور لوگوں کو قریب کرو اور انھیں بشارتیں دو اور صبح وشام اور اندھیرے کی نماز و دعا کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔''[2]

قیام اللیل کے لیے آپ کی ہمت افزائی کرنے اور آپ کو قیام اللیل کی طاقت بخشنے والی ایک چیز یہ بھی ہے کہ آپ کو معلوم ہو کہ آپ انتہائی فضائل و برکات والے ایام اور عزت وشرف والی گھڑیوں اور ماہِ رمضان المبارک سے گزر رہے ہیں، جو افراط وتفریط میں مبتلا ہو گیا وہ لاپرواہ ہے اور جس نے اس ماہ میں بھی دوسروں سے نیکی میں بڑھ جانے کی کوشش نہ کی وہ خسارہ ونقصان پانے والا ہے، یہ قیام اللیل کے مقابلے اور رکوع وسجود کرنے والوں کی کثرتِ عبادت میں دوڑ لگانے کا میدان ہے، یہ دن سب سے زیادہ امیدوں والے دن ہیں۔

دنوں کی قیمت ان کی گھڑیوں سے اور راتوں کا مرتبہ ان کے عدد اور طول سے نہیں بلکہ اوقات کی قیمت اس خیر و بھلائی کی بدولت ہے جنھیں وہ انسان کی بہتری اور دلوں کی سعادت کے لیے اپنے دامن میں لیے ہوتے ہیں، اپنے اوقات کو غنیمت سمجھو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے نیکیوں کا نذرانہ پیش کرو پھر اپنے رب کی فیاضیاں دیکھو، سلام کو عام کرو، لوگوں کو کھانا کھلاؤ، لوگ سوئے ہوئے ہوں تو تم قیام کرو اور نماز پڑھو یوں تم خیر وسلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔[3]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٨٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٩)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٤٨٥) مسند أحمد (٥/ ٤٥١) اس حدیث کو امام ترمذی، حاکم، مقدسی اور البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

ماہِ رمضان؛ ایک غنیمت اور سنہری موقع

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر اُسامہ خیاط حفظہ اللہ

خطبۂ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

بے فائدہ اور لا یعنی امور سے گریز:

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور نفیس وقت پر مشتمل اپنی عمر کی قیمتی گھڑیوں کو لا یعنی امور میں ضائع کرنے سے بچو، کیونکہ وہ تو بے کار چیز ہے، اس کے برعکس وقت و زمانہ اور عمر کو مفید و نافع اَشیا میں صرف کرو، کیونکہ مفید و نافع اشیا ہی زمین میں رہتی ہیں اور انھی سے اللہ تمھارے لیے اپنی رضا وخوشی لکھتا ہے۔

پناہ گاہ کی ضرورت:

مسلمانو! اس زندگی کی لغویات، رنگینیوں، اس کے معاملات و واقعات کی سختیوں، اس کی آتش آویزش اور سرکش و نافرمانی کی دو پہر کی گھڑیوں میں انسان محسوس کرتا ہے کہ اسے کسی ایسی پناہ گاہ کی ضرورت ہے جس میں وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھے، اس کے سائے میں کچھ ستا لے، تاکہ نئے عزم، تازہ ہمت اور قوی ارادے کی تیاری کر سکے اور آئندہ وقت میں لرزشوں سے بچتے ہوئے توفیقِ خیر کے حظِ وافر کو پا کر جادۂ حق پر چلتے ہوئے منزل کو پا سکے۔

طاقتور مومن کی فضیلت:

قوتِ بدن و ارادہ ایک مسلمان کا وہ زادِ راہ ہے جس کے بغیر اس کے لیے کوئی چارہ کار ہی نہیں، اور یہ اس کا وہ ذخیرہ واندوختہ ہے جو اس کے لیے راہِ حق پر چلنے کے لیے اس کی مدد کرتا ہے، اسے منصب و کامیابی کا راستہ دکھاتا ہے، اور اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی محبت و رضا کا دروازہ کھولتا ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''طاقتور مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کمزور مومن سے زیادہ محبوب و بہتر ہے، اگرچہ دونوں ہی میں بھلائی کا عنصر موجود ہے۔'' [1]

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٦٦٤)

روزہ، منبعِ قوت:

کوئی صاحبِ عقل و دانش اس بات میں شک نہیں کر سکتا کہ جس چیز سے بھی یہ غرض و غایت حاصل ہوسکتی ہے اسے اپنانا اور اس کی تلاش میں نکلنا ضروری امر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت یہ ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لیے عمر میں ایسے سنہری مواقع اور خیر و بھلائی کے موسم و سیزن بنائے ہیں جن کے ذریعے اس غرض و غایت اور حاجت و مراد کو پانا ممکن ہو جاتا ہے۔ ان مواقع و مواسم میں سب سے پہلے نمبر پر جو موقع و موسم آتا ہے وہ ماہِ رمضان ہے۔ جسے غنیمت سمجھنا اور اس سے بھر پور فائدہ اٹھانا ہر صاحب عقل و خرد کا فرض ہے۔

روزے میں اس بات کی وسیع صلاحیت موجود ہے کہ وہ انسان کو زندگی کے مختلف شعبوں اور متعدد میدانوں کے لیے وافر مقدار میں قوت مہیا کر سکے، مثلاً دن کے وقت کھانے پینے کی اشیاء، پطن و شرمگاہ کی خواہشات کی تسکین سے رکے رہنا اور پھر ان چیزوں کے اس وقتی فقدان و حرمان کی تلخی و صعوبت پر صبر کرنا، رات کو قیام اللیل سے زندہ کرنا اور اس کی وجہ سے حاصل ہونے والی تھکان و مشقت پر صبر و ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس عمل پر مسلسل کاربند رہنا وغیرہ ایسے امور ہیں جو اس ماہ کے شب و روز کو باقاعدہ منظّم کر دیتے ہیں۔ ان امور میں سے ہر چیز ارادے کو تقویت بخشنے کا بہترین عامل ہے، یہ قوتِ ارادہ ان تمام صاحب عقل انسانوں کا مطمع نظر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے اور اس تک پہنچنے کے لیے مختلف اعمال کے وسیلہ کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور اسی سے وہ اچھے سے اچھے راستے، بہتر سے بہترین روش، صحیح سے صحیح تر طریقہ اور خوب سے خوب تر کی تلاش کرتے ہیں، خطاؤں کی ذلت و رسوائی کو ترک کر کے وہ سمع و طاعت میں عزت ڈھونڈتے ہیں، معذوری و سستی کے خوف سے نکل کر وہ جدوجہد اور عزم و ہمت کی وادی میں قدم رکھتے ہیں، قبیح عادات اور بُرے طریقوں سے دستکش ہوکر وہ عمدہ عادات، پیارے طریقوں اور اخلاق عالیہ و خصالِ جلیلہ کو اپناتے ہیں۔

اللہ کے بندو! روزہ انسان میں اس قوت کی نشو و نما کرتا ہے جو کمزور یا مدہم پڑ چکی ہوتی ہے، وہ اس ارادے کو تقویت دیتا ہے جو خفتہ ہو چکا ہے، اور اس عزم و ہمت کو جلا دیتا ہے جو خوابیدہ و ماند پڑ چکی ہوتی ہے تاکہ یہ چیزیں انسان کے لیے ایک بہترین توشہ و متاع ثابت ہوں جن کے بل

ہوتے پر وہ بلند درجات پر فائز ہو سکے، اس دنیا میں سعادت وخوشی سے اس کا دامن بھر جائے، اور اس دن بھی اسے سعادت وخوشی حاصل ہو جس دن کہ تمام انسان اپنے پروردگار کے روبرو کھڑے ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [البقرة: ١٨٣]

''اے ایمان والو! تم پر بھی روزہ فرض کیا گیا ہے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کیا گیا تھا، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔''

اللہ کے بندو! اس ماہِ رمضان المبارک کے دن بڑی تیزی سے گزرے چلے جا رہے ہیں بلکہ یہ مہینہ تو اب ختم ہونے کو آ گیا ہے اور اس مہمان کی رخصتی کا وقت ہو گیا ہے، جن لوگوں سے اس ماہ کے گزشتہ ایام میں کوتاہی ہوئی ہے انھیں چاہیے کہ تلافی مافات کے لیے آئندہ ایام میں بھرپور اعمالِ خیر سرانجام دیں کیونکہ بدقسمت وحرماں نصیب ہے وہ شخص جو اس ماہ میں بھی رحمتِ الٰہی سے محروم رہا۔

رمضان کے آخری دس دنوں کی فضیلت

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عمر بن محمد السبیل رحمہ اللہ

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اے اہلِ اسلام! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سے ڈرنا مومنوں کی راہ اور نیکو کاروں کا سامان سفر ہے۔ اور روزِ قیامت نجات اور کامیابی کا دارومدار بھی اسی پر ہوگا۔ لہٰذا ہر وقت اور ہر لمحے اس سے ڈرتے رہا کرو اور ہر اس کام میں خوفِ الٰہی کو مدنظر رکھا کرو جو تم کرنے لگو یا چھوڑنے لگو تاکہ اپنی مراد پاسکو۔

اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرو کہ اس نے تمھیں ایمان کی راہ سجھائی اور یہ عظیم الشان نیکیوں کا موسم اور کرم کا مہینہ تمھاری قسمت میں کیا، جو تمام مہینوں میں سے بہترین اور عظیم ترین فضائل و خصائص کا حامل ہے۔ اسی میں قرآن کریم نازل ہوا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

[البقرة: ١٨٥]

”رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا، جو لوگوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ہدایت کی اور (حق و باطل میں) فرق کرنے کی واضح دلیلیں ہیں تو تم میں سے جو اس مہینے میں حاضر ہو وہ اس کا روزہ رکھے اور جو بیمار ہو یا کسی سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرنا ہے۔ اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تمھارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا اور تاکہ تم گنتی پوری کرو اور تاکہ اللہ کی بڑائی بیان کرو، اس پر جو اس نے تمھیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر کرو۔“

فضیلتِ رمضان:

یہ ایسا عظیم مہینہ ہے جس کا ابتدائی حصہ رحمت، درمیانی عشرہ مغفرت اور آخری دس دن آگ

سے آزادی کے ہیں۔[1] جس نے اس مہینے کے روزے حالتِ ایمان میں ثواب کی نیت سے رکھے اس کے گزشتہ گناہ معاف ہوگئے، اور جس نے حالتِ ایمان میں ثواب کی نیت سے اس کی رات قیام میں گزاری اس کے بھی سابقہ گناہ معاف ہوگئے، جس طرح رسولِ ہدایت ﷺ سے صحیح ثابت شدہ حدیث میں مروی ہے۔[2]

آخری عشرے کی فضیلت:

بندگانِ الٰہی! یاد رہے کہ اس مہینے کے دنوں اور راتوں میں سے بہترین شب و روز آخری دس دن ہیں، اس عشرے کے دن اس مہینے کے دیگر دنوں میں سے بہترین ہیں اور اس کی راتیں سارے سال کی راتوں سے افضل ہیں۔ رسول کریم ﷺ مزید عبادت کے لیے یہ عشرہ خاص کرتے، اس میں نیک اعمال بکثرت کرتے، ہر قسم کی نیکیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور قربِ الٰہی کے حصول کے لیے بھرپور محنت کرتے۔

صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ''جب رمضان کا آخری عشرہ آ پہنچتا تو آپ ﷺ شب بیداری کرتے، اپنے اہل خانہ کو جگاتے اور کمر کس لیتے۔''[3]

شبِ قدر کی فضیلت:

ان راتوں کی عزت، شرف اور فضیلت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے شب قدر کے لیے خاص کیا ہوا ہے۔ وہ شب قدر جسے اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت، عظمت اور عزت بخشی ہے کہ اس میں سید المرسلین ﷺ پر وحی نازل کی۔ اس میں ہر محکم کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اس رات عبادت کرنا اس کے علاوہ دوسرے مہینوں میں ہزار مہینے عبادت کرنے سے افضل ہے۔ یہ عظیم ترین برکتوں اور کثیر ترین بھلائیوں کی حامل رات ہے کیونکہ اس رات بندوں پر عظیم الشان اور جلیل القدر ربانی عنایات اور الٰہی نوازشات ہوتی ہیں۔ یہ انسان کے ایمان کے سچا ہونے اور توفیقِ الٰہی کی دلیل ہے کہ وہ ان بابرکت راتوں کو غنیمت سمجھتے ہوئے ان میں جلیل القدر نیک اعمال کرے، ہر طرح کی

---

[1] **ضعیف**. صحیح ابن خزیمۃ (۳/ ۱۹۱) شعب الإیمان (۳۶۰۸) اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان راوی ضعیف ہے۔

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۳۸، ۱۹۰۵) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۷۵۹)

[3] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۱۹۲۰) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۱۷۴)

نیکی اور عبادت میں مگن رہے، اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑائے، توبہ کرے، اور شب قدر کی فضیلت اور برکات پانے کی امید رکھے۔

جو اس رات خالص نیت اور سچی بندگی کے ساتھ قیام کرتا ہے وہ اس کے جلیل القدر ثواب اور عظیم الشان فضیلت کا مستحق ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ بخش دیتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے:

《من قام ليلة القدر إيماناً واحتساباً غفرله ما تقدم من ذنبه》[1]

''جس نے لیلۃ القدر کا قیام ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت رکھتے ہوئے کیا تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔''

شبِ قدر کی تلاش:

رسولِ ہدایت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی امت کو یہ تلقین کی ہے کہ اس رات کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں یا باقی سات دنوں میں تلاش کریں۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اسے آخری دس دنوں میں تلاش کرو۔ اگر تم میں کوئی کمزور ہو یا عاجز آجائے تو باقی سات دن اس پر کسی صورت غالب نہیں آنے چاہییں۔''[2]

ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

''جو اسے تلاش کرنا چاہے تو وہ اسے آخری سات دنوں میں تلاش کرے۔''[3]

شبِ قدر کی دعا:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اگر وہ لیلۃ القدر کو پا لیں تو اس میں کون سی دعا پڑھیں؟ آپ ﷺ نے ان کی راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دعا پڑھو:

《اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ، فَاعْفُ عَنِّي》[4]

''اے اللہ تو درگزر کرنے والا ہے، درگزر کرنا پسند فرماتا ہے تو مجھ سے درگزر کر۔''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٨٠٢)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٦٥)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٦٥)

[4] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٥١٣)

موقع غنیمت سے فائدہ اٹھائیں:

اے اہلِ ایمان! ان فضیلت اور برکت والے اوقات اور موسموں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو نیکی کے مواقع پیدا کیے ہیں انھیں غنیمت جانو اور ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ کیونکہ ان میں نیکیوں کا اجر کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور غلطیوں پر عفو کا قلم پھیر دیا جاتا ہے۔ ان میں وہ اعمال کرو جو تمھیں اللہ تعالیٰ کے قرب اور خوشنودی کے قریب کر دیں، خصوصاً اس حرم پاک کی فضاؤں تلے جسے اللہ تعالیٰ نے شرف وعظمت سے نوازا ہے، اس میں عبادت کرنے کی بہت زیادہ فضیلت رکھی ہے۔ دیگر مقامات کی نسبت یہاں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے[1] اور ہر نیک عمل کا اجر کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔

شرفِ مکان کے ساتھ شرفِ زمان:

اے اہلِ ایمان! یہاں آپ کے لیے دو فضیلتیں اکٹھی ہو چکی ہیں، ایک جگہ کی فضیلت اور دوسرا وقت کا شرف۔ اور یہ دونوں ہی عظیم الشان فضیلتیں اور جلیل القدر خوبیاں ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے تمھاری قسمت میں کی ہیں۔ لہٰذا دینی بصیرت اور توفیق الٰہی کا تقاضا ہے کہ ایک مسلمان ان ربانی فضائل اور الٰہی عنایات کو غنیمت سمجھے اور ان میں نیک اعمال، نیکیوں کی رغبت، نماز و روزے پر پابندی، صدقہ و خیرات، حسن سلوک، فقیروں یتیموں پر دست شفقت رکھ کر، اور طواف و استغفار میں کثرت کے ساتھ مشغول رہ کر کچھ سامان آخرت تیار کرے اور دن ورات کی گھڑیوں میں اپنی زبان کو ذکر الٰہی سے تر رکھے، کیونکہ ذکر الٰہی سے تزکیہ نفس، شرح صدر اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ﴾ [الرعد: ٢٨]

''سن لو! اللہ کی یاد ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔''

اور ذکر کی اللہ تعالیٰ کے ہاں اعلیٰ اور عظیم ترین قسم قرآن کریم کی تلاوت ہے۔ فرمایا:

﴿ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ﴾ [حم السجدة: ٤٢]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١١٣٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٣٩٤)

”اس کے پاس باطل نہ اس کے آگے سے آتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے، ایک کمال حکمت والے، تمام خوبیوں والے کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔“

رمضان اور تلاوتِ قرآن:

رسول کریم ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ رمضان میں دیگر مہینوں کی نسبت قرآن کریم کی تلاوت بکثرت فرماتے، حضرت جبرئیل آپ ﷺ کے پاس رمضان میں تشریف لاتے اور آپ کے ساتھ قرآن کریم کا دور کرتے۔[1] رسول کریم ﷺ نے قرآن کریم کی تلاوت کی فضیلت اور اس کے عظیم ترین ثواب کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«من قرأ حرفاً من كتاب الله فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول: الٓمٓ حرف، ولكن ألف حرف، و لام حرف، وميم حرف»[2]

”جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ایک حرف پڑھا تو اسے اس کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے، ایک نیکی دس گناہ ہوتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ”الم“ ایک حرف ہے، لیکن ”الف“ ایک حرف ہے، ”لام“ ایک حرف ہے اور ”م“ بھی ایک حرف ہے۔“

زکاۃ کی ادائیگی:

اے اللہ کے بندو! یہاں اس چیز کی یاد دہانی بھی ضروری ہے، خصوصاً مالدار حضرات کو کہ وہ زکاۃ ادا کرنے کا اہتمام بھی کریں کیونکہ یہ دین کا تاکیدی رکن اور شریعت مطہرہ کی روشن ترین خوبی ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سارے عظیم ترین فوائد اور مصالح کے پیش نظر فرض کیا ہے۔

یہ دلوں کی پاکیزگی، مال کی نشونما، مومنوں کے درمیان محبت ومودت کا اہم عامل اور اجتماعی تعاون کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ لہٰذا اے اہل ایمان! اسے نیک نیتی سے مکمل نکالیں۔ دل نیکی کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں اس لیے احسان جتلائیں نہ تکلیف دیں نہ تکبر اور غرور ہی اپنائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٣٠٨)

[2] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩١٠)

عَلِيمٌ ۝ اَلَّذِينَ يُنفِقُونَ اَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَآ اَنفَقُوْا مَنًّا وَّ لَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ [البقرة: ۲٦۱، ۲٦۲]

''ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، ایک دانے کی مثال کی طرح ہے جس نے سات خوشے اگائے، ہر خوشے میں سو دانے ہیں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے اور اللہ وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ جو لوگ اپنے مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، پھر انھوں نے جو خرچ کیا اس کے پیچھے نہ کسی طرح کا احسان جتلاتا لگاتے ہیں اور نہ کوئی تکلیف پہنچانا، ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، اور ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

ریا کاری سے بچیں:

لہٰذا اس فریضے اور دیگر فرائض کی پابندی کریں، ہر نیک عمل میں نیت اور ارادہ اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کریں، کیونکہ نیک عمل میں اگر ریا کاری کا شائبہ اور ملاوٹ ہو جائے تو یہ اسے ضائع کر دینے کا سبب بن جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔

صحیح مسلم میں حدیث قدسی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

«أنا أغنى الشركاء عن الشرك، من عمل عملا أشرك فيه معي غيري تركته وشركه»[1]

''میں شریکوں کے شرک سے بے پرواہ ہوں، جس نے کوئی عمل کیا اور اس میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا تو میں اس کو اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔''

نیکی میں سبقت کرو اور برائی سے بچو:

لہٰذا اے اللہ کے بندو! اس سے ڈر جاؤ۔ اس مہینے سے جو دن باقی رہتے ہیں، انھیں موقع غنیمت جانو، اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور خوشنودی کے حصول کے لیے آگے بڑھو، اس کی

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۹۸۵)

مہربانیاں اور عنایات سمیٹو۔ شائد آدمی اللہ تعالیٰ کی کسی ایک عنایت کو پالے تو اس کے سبب مقربین کے درجے اور اولیاء اللہ کی صفوں میں کھڑا ہو جائے جن پر کوئی خوف ہوگا نہ کوئی غم۔

چنانچہ گناہوں اور نافرمانیوں سے بچو، خواہشات اور شہوتوں کے پیچھے مت چلو، لہو ولعب اور بے مقصد کاموں میں وقت ضائع نہ کرو، جو تمھیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کرنے کا سامان اور اس کے غصے کو دعوت دینے کا سبب بن سکتے ہیں۔ پھر بعد میں جب تمھاری تمھارے رب کے ساتھ ملاقات ہو تو تم اس وقت شرمندگی سے سر جھکاتے پھرو، لیکن تب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت!

گریہ زاری جہنم کی آگ ٹھنڈی کر دیتی ہے:

اے اہل ایمان! اپنے رب کے حضور گڑ گڑاؤ، عجز وانکسار کا اظہار کرو، گناہوں، غلطیوں اور خطاؤں کو معاف کروانے کے لیے اور جہنم سے آزادی پانے کے لیے اس کے سامنے آہ وزاری کرو:

﴿ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ [آل عمران: ۱۸۵]

”پھر جو شخص آگ سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو یقیناً وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔“

نیز فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۝ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾ [الفاطر: ۲۹، ۳۰]

”بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور انھوں نے نماز قائم کی اور جو کچھ ہم نے انھیں دیا اس میں سے انھوں نے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کیا، وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو کبھی برباد نہ ہوگی۔ تاکہ وہ انھیں ان کے اجر پورے پورے دے اور اپنے فضل سے انھیں زیادہ بھی دے، بلاشبہ وہ بے حد بخشنے والا، نہایت قدردان ہے۔“

اپنے ہم عقیدہ بھائیوں کو بھی یاد رکھیں:

اے اہل اسلام! تقویٰ کو اپنا شعار بنائیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و رضا پر ثابت قدم رہیں۔ برادران اسلام! تم اس کرم و رحمت اور ہمدردی کے مہینے کے سائے تلے لطف اندوز ہو رہے ہو، اس حال میں دنیا کے کونے کونے میں بکھرے ہوئے اپنے ہم عقیدہ بھائیوں کو بھی یاد رکھنا، جو بہت بڑی مصیبتوں کا شکار ہیں، مسلسل بڑے بڑے حادثات کی چکی میں پس رہے ہیں۔ کتنے سالوں سے ایسے وطنوں میں رہائش پذیر ہیں جو ظالموں کے ظلم کا شکار ہیں، سرکشوں نے ان کا جینا حرام کر دیا ہے، ان لوگوں کو ملک بدر کر دیا گیا ہے، ان کی عزتوں کو پائمال کیا جاتا ہے، ان کو توڑ کر رکھ دیا گیا ہے، انھیں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں، اور وہ ایسی ایسی سزائیں پاتے ہیں کہ اللہ کی پناہ!

﴿ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ [البروج: ۸]

''اور انھوں نے ان سے اس کے سوا کسی چیز کا بدلہ نہیں لیا کہ وہ اس اللہ پر ایمان رکھتے ہیں جو سب پر غالب ہے، ہر تعریف کے لائق ہے۔''

ان تمام حالتوں سے زیادہ کربناک اور خوفناک حالت ہمارے فلسطینی بھائیوں کی ہے۔ ان غاصب یہودیوں اور ان کے ہمنوا ظالم کافروں نے ننگی بدمعاشی کرتے ہوئے تمام دنیا کی نگاہوں کے سامنے اور اس بابرکت مہینے میں ان پر کھلی جارحیت اور وحشیانہ درندگی کا ارتکاب کیا ہے، ان کی عزتیں لوٹی ہیں، مقدس مقامات کی بے حرمتی کی ہے، خون کے دریا بہائے ہیں اور زمین کو ظلم اور فساد کا گہوارہ بنا دیا ہے، نہ انھیں عالمی معاہدوں کا کچھ خیال ہے نہ انسانی رواجوں کا کچھ پاس۔

﴿ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴾ [التوبة: ۱۰]

''وہ کسی مومن کے بارے میں نہ کسی قرابت کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ کسی عہد کا اور یہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں۔''

کچھ ہمارے بھائی ایسے بھی ہیں جو دنیا کے مختلف کونوں میں بڑی تنگدستی کی زندگی گزار رہے ہیں اور انواع و اقسام کی تکلیفوں سے دوچار ہیں، مصیبتوں نے ان کے ہاتھ باندھ دیے ہیں اور وہ مسلسل حادثاتِ زمانہ کا شکار ہیں، یہاں تک کہ وہ زندگی کے بوجھوں تلے دبے جا رہے ہیں، تنگدستی اور عسرت کی بھٹی میں جھلس رہے ہیں، بھوک، افلاس اور بیماری سے ہلاکت کے منہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

یہ بڑے تکلیف دہ حالات اور غم آلود داستانیں ہیں، جنھیں سن کر اہل ایمان کے دل خون کے آنسو روتے ہیں۔ اس لیے اے برادران اسلام! ہر جگہ اپنے ان مظلوم بھائیوں کی طرف نظر دوڑاؤ، ان کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کرو، ان کی پریشانیاں اور شکوے دور کرنے کے لیے ان کی مادی اور معنوی مدد کرو، کیونکہ یہ اسلامی بھائی چارے اور ایمانی تعلق داری کا تقاضا ہے۔ محتاجوں کی مدد کرو، غمزدوں کا آسرا بنو اور شکستہ دلوں کی خاطر داری کرو تاکہ ان کی تکلیفوں اور دکھوں کا کچھ تو مداوی کر سکو۔

﴿ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا وَّاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [المزمل: ۲۰]

''اور جو نیکی بھی تم اپنی جانوں کے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے کہ وہ بہتر اور ثواب میں کہیں بڑی ہے اور اللہ سے بخشش مانگو، بلاشبہ اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

الوداع؛ اے رمضان

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اللہ کے بندو! میں تمھیں اور اپنے آپ کو پرہیز گاری اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ یہ وہ مضبوط کڑا ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا، وہ شعلہ ہے جو دلوں اور عقلوں کو منور کرتا ہے، یہ وہ بہترین زادِ راہ ہے جو انسان کو امن کے گھر، جنت تک لے جا سکتا ہے۔ جو اس کے زیور سے آراستہ ہو وہ بلند ترین مقامات پر فائز ہو جاتا ہے، ایسے آدمی کا انجام محفوظ اور قابل اطمینان ہوتا ہے اور وہ ہر طرح کے حادثات کی پریشانیوں سے بچا لیا جاتا ہے۔

انقلابِ زمانہ:

اہل اسلام! اقوامِ عالم اور دنیا کی تہذیبوں اور ثقافتوں کا بالاستقرا مطالعہ کرنے اور ان پر غور وفکر کرنے کے بعد انسان اس نتیجے تک پہنچتا ہے کہ ان میں ہر کوئی انقلابات اور تغیرات کی زندگی گزارتا رہا ہے۔ ؏

ثبات اک تغیر کو ہے فقط زمانے میں

ہر ایک کی ابتدا ہے تو ایک انتہا بھی ہے۔ اس طرح دن اور رات، ماہ وسال گزرتے رہتے ہیں۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
یونہی زندگی تمام ہوتی ہے

یہ قوانینِ فطرت اور سننِ الٰہیہ ہیں جو بدل سکتی ہیں نہ تغیر پذیر۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ﴾ [النور: ٤٤]

”اللہ رات اور دن کو ادل بدل کرتا ہے، بے شک اس میں آنکھوں والوں کے لیے یقیناً بڑی عبرت ہے۔“

رمضان کی جدائی:

برادرانِ اسلام! اس معزز مہمان اور محبوب از جان دوست کے متعلق کیا خیال ہے جو تمھیں

شرف زیارت بخشے، اپنے احسان اور مہربانی کے ساتھ تمھارے سر پر سایہ فگن رہے اور مہربانیوں اور عنایات کے خزانے لوٹاتا رہے؟ تمھیں اپنی آغوشِ محبت اور الفت کی گود میں سہلاتا رہے اور تم بھی اس کی محبت اور شفقت میں کھو جاؤ؟ پھر جدائی کا وقت آ جائے، الوداع کہنے والے لمحات آہستہ آہستہ قریب آ جائیں تو اس وقت تم کس احساس اور شعور کے ساتھ اس کے ساتھ آخری ملاقات کر کے اس سے جدا ہوگے؟ یقیناً جدائی کے لمحات بڑے شدید ہوتے ہیں، دل غمگین اور آزردہ ہو جاتا ہے، آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہو جاتی ہیں، غم فراق میں دل آہستہ آہستہ جلتا رہتا ہے، خصوصاً جب ایک سوختہ عشق اپنے ظالم محبوب کو الوداعی نظروں سے دیکھے، کیا اس سے بڑھ کر بھی کسی فراق اور جدائی کی تکلیف غم اور سوز ہو سکتا ہے جو المناکی، کرب اور شیفتگی امت مسلمہ اپنے عزیز از جان مہمان کو الوداع کہتے وقت محسوس کر رہی ہے؟! جو نیکی، سخاوت، فیاضی، قرآن، بخشش اور جہنم سے آزادی کا مہینہ ہے۔ جسے رمضان کا مہینہ کہا جاتا ہے۔

رمضان نے رختِ سفر باندھ لیا ہے:

بندگانِ الٰہی! اس مبارک مہینے نے واپسی کا رخت سفر باندھ لیا ہے، وہ چلنے کی اجازت چاہتا ہے، اس کے کوچ اور فراق کا وقت قریب پہنچ چکا ہے، خیمے اکھاڑ لیے گئے ہیں اور ایک ایک کر کے اس کے دن جا رہے ہیں، صرف چند ایام باقی رہ گئے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے، ہم اس کے آنے پر مبارکبادیں قبول کر رہے تھے اور آج اس کے جانے پر صف ماتم بچھ چکی ہے اور ہم تعزیت وصول کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسے قبول فرما لے۔

خوش نصیب اور تیرہ بخت:

یہ جود و کرم کا مہینہ تو چلتا بنا، کچھ لوگوں نے اس مہینے میں بہت ساری نیکیاں کمائیں اور کچھ نے گناہوں کے ڈھیر لگائے۔ اس میں جو اعمال ہم نے کیے یہ ان کی وجہ سے یا تو ہمارے حق میں گواہی دے گا یا پھر ہمارے خلاف گواہ بنے گا۔ روزے، قیام اور نیکی پر کمر کسنے والوں کے حق میں گواہ ہوگا، اور غفلت، اعراض، بخیلی اور نافرمانی کی وجہ سے اس میں کوتاہی کرنے والوں کے خلاف منہ بولتا ثبوت ہوگا۔

نہ جانے ہم دوبارہ اسے پا سکیں گے یا نہیں؟ یا ہمارے اور اس کے درمیان لذتوں کو توڑنے والی اور گروہوں کو جدا کر دینے والی موت منہ اٹھا کر کھڑی ہو جائے گی۔

ہاں، ہاں، اس مہینے وہ سعید اور خوش نصیب ہوا جسے اخلاص کے ساتھ، آخر میں محاسبہ نفس، توبہ و استغفار اور اعمال صالحہ کی توفیق نصیب ہوئی، کیونکہ اعمال کا دارومدار خاتموں پر ہوتا ہے۔ [1]

عمل سے زیادہ قبولیتِ عمل:

برادرانِ ایمان! سلف صالحین عمل میں عمدگی اور کمال پیدا کرنے کی پوری کوشش کرتے، پھر اس کے بعد اس کی قبولیت کے لیے اہتمام کرتے اور اس ڈر میں رہتے کہ کہیں یہ رد نہ کر دیا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''عمل سے زیادہ قبولیتِ عمل کو اہمیت دو۔ کیا تم نے یہ قولِ رحمٰن نہیں سنا: ﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ [المائدۃ: ٢٧] ''اللہ تعالیٰ صرف متقین سے قبول کرتے ہیں۔'' [2]

امام مالک بن دینار رحمہ اللہ کا قول ہے:

''یہ خوف کہ ''شائد عمل قبول نہ ہو'' عمل سے زیادہ شدید ہے۔'' [3]

فضالہ بن عبید فرماتے ہیں:

''اگر مجھے علم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ایک نیکی قبول کر لی ہے تو یہ میرے لیے دنیا و مافیہا سے کہیں بہتر ہے۔'' [4]

رمضان کی برکات آخر تک سمیٹ لیں:

اللہ اکبر! یہ ہے کمر کسنے والوں کی حالت۔ اے رب! ہم تیری رحمت اور عفو کے طالب ہیں۔ ہم کمزوروں پر رحم فرما۔ ہاں، اس صیام و قیام کے مہینے پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو، اس تراویح و تلاوت اور ذکر و تسبیح کے مہینے کو مبارک ہو۔ وہ ایسے گزر گیا جیسے آنکھ کا جھپکنا یا بجلی کا چمکنا۔ یہ نیکی کی دوڑ اور تقوے کے مقابلے کا میدان تھا۔ یاد رہے یہ لا محالہ کوچ کرنے والا ہے، لہٰذا اسے الوداع کہنے کے لیے اس کے ساتھ ساتھ آخر تک چلو۔ اس کے باقی ماندہ ہر لمحے اور ساعت کو اچک لو اور ضائع ہونے سے بچا لو۔ کوئی مہینہ اس مہینے کا بدل ہے نہ کوئی فریضہ اس میں سرانجام دیے ہوئے فریضے کی طرح

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٢٣٣)
[2] حلية الأولياء (١/ ٧٥)
[3] حلية الأولياء (٢/ ٣٧٧)
[4] سير أعلام النبلاء (٣/ ١١٦)

ہے۔ یہ دلوں کی آبادکاری اور گناہوں کی بربادی کا مہینہ ہے۔ ہر خوفزدہ اور سہمے ہوئے کی امیدوں کا دروازہ، آنسوؤں، آہوں، سسکیوں اور اندیشوں کا مہینہ۔ اس مہینے میں کتنے ہی عاجز اور کمزور ہاتھ گریہ زاری کرتے ہوئے اٹھے، پھر آنکھوں سے گرما گرم آنسوؤں کی قطاریں لگ گئیں، دل خوف وخشیت سے کانپ اٹھے، حساس ترین جذبات اور فیاضانہ احساسات بھری ہوئی موجوں کی طرح اچھل پڑے اور پھر کیسے کیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جود وکرم اور رحمت ومغفرت کے بادل برسائے؟ جہنم سے آزادی کے پروانے جاری کیے، خصوصاً اس مہینے کے آخری ایام اور گزرتی ہوئی ساعتوں میں!

حرماں نصیب:

اللہ کے بندو! جس کی اس مہینے میں بھی بخشش نہ ہوئی تو پھر کب ہوگی؟ جسے لیلۃ القدر میں رد کر دیا گیا وہ کب قبول کیا جائے گا؟ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ رمضان کی آخری شب اعلان کیا کرتے تھے:

''کاش! مجھے علم ہو جاتا آج کون اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوا ہے اور میں اسے مبارکباد دیتا اور کون محروم ہو چکا کہ میں اس سے تعزیت کرتا۔''

اے مقبولانِ بارگاہ ربانی! مبارکباد ہو۔ اے راندہ درگاہ باری عزوجل! اللہ تمھاری مصیبت کاٹے! جو رمضان کی خیر سے محروم ہو گیا اس کے پاس کیا بچا؟ جس نے رمضان میں صرف حرماں نصیبی کو پایا اس نے کیا کمایا؟ جو اللہ کے ہاں مقبول ہوا اور بخشش کا حق دار ٹھہرا اور جو ناکامی اور خسارے سے دوچار ہوا، دونوں میں کس قدر فرق ہے!

چہ نسبت خاک را با آسمان پاک!

جو رمضان میں بھی نیک نہیں ہوا وہ کب نیک ہوگا؟ جو جہالت اور غفلت کی دو بیماریوں کا شکار ہے وہ کب تندرست ہوگا؟

ترحل الشهر والهفاه وانصرما
واختص بالفوز بالجنان من خدما

''مہینہ تو کوچ کر گیا، وائے حسرت! جس نے اس کی خدمت کی اسے کامیابی کی صورت میں جنت کے ساتھ خاص کر گیا۔''

آگ سے بچنا:

اے بڑے بڑے گناہوں کے ذخیرہ اندوزو! پاپیو! ان کریم اور فیاض دنوں کو غنیمت سمجھو، ان سے فائدہ اٹھا لو، جو ان دنوں میں جہنم سے آزاد کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ اللہ کی قسم! کتنا عظیم الشان انعام اور گراں قدر تحفہ ہے؟!

کہاں ہے ان لوگوں کا سوز جو دن بھر مشغول رہتے ہیں؟ کدھر ہے ان لوگوں کا اضطراب جو سحر آنکھوں میں کاٹتے ہیں؟ اے وہ خوش نصیب، جسے اس کے آقا نے آگ سے آزاد کر دیا ہے: بچنا! پھر بچنا آزاد ہونے کے بعد گناہوں کا غلام بننے سے! تجھے تیرا آقا آگ سے دور کر رہا ہے اور تو اس کے قریب جا رہا ہے؟ وہ تجھے بچا رہا ہے اور تو اپنے آپ کو پھنسا رہا ہے؟ کیا ایسے کوتاہی کرنے والے لا پرواہ کو رونا پیٹنا کوئی فائدہ دے سکتا ہے جس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ چکے ہوں؟!

خوابِ غفلت سے بیدار ہوں:

لہٰذا جلدی کرو۔ اللہ آپ کی حفاظت کرے۔ شاید تم میں کچھ لوگ آئندہ سال کو نہ پاسکیں اور موت اسے مکمل کرنے کی مہلت نہ دے۔ سو کتنا عظیم منافع کما لیا اس نے جو اس میں کامیابی اور خوش بختی کو پا گیا؟ ہائے افسوس! اس پر جو ان غنیمتوں اور منافع سے محروم ہو گیا! اس مبارک مہینے کی رحلت کا وقت بالکل قریب آ چکا ہے۔ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو اس کی ملاقات کی امید رکھتے ہیں لیکن امکان ان کے ساتھ خیانت کر جاتا ہے! اس لیے (اے غافل انسان!) ان آخری دنوں سے فائدہ اٹھا لے، اس سے پہلے کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے، اللہ رحمان و منان کی اطاعت میں انھیں گزار لے۔ اے بے خبر انسان! خوابِ غفلت سے بیدار ہو، دیکھ دن تیرے سامنے کس طرح جگر فگار ہیں؟ ڈر جا! کہیں یہ مہینہ تیرے سامنے ان قبیح ترین گناہوں کی گواہی دینے کے لیے کھڑا نہ ہو جائے۔ کوشش کر کہ خاتمہ بالخیر ہو جائے کیونکہ انجام خیر ہی کا اعتبار ہوگا۔

کیا روزے نے اپنے اثرات مرتب کیے ہیں؟

اے امت اسلام! روزے نے روزے داروں پر کیا اثرات مرتب کیے ہیں؟ ذرا اپنے حال کو دیکھیں، اپنی اور اپنی قوم کی واقعاتی زندگی پر نظر دوڑائیں، مہینے کے شروع اور آخر میں اپنی

حالت کا موازنہ کریں۔ کیا ہمارے دل تقویٰ سے معمور ہو چکے ہیں؟ کیا ہمارے اعمال درست ہو چکے ہیں؟ اخلاق کی حالت سدھر چکی ہے؟ کردار مضبوط ہو چکا ہے؟ کیا دشمن کے خلاف صفیں متحد ہو چکی ہیں؟ کیا دلوں سے حسد، کینے، بغض اور نفرتیں مٹ چکی ہیں؟ کیا معاشرے سے برائیاں اور حرام کاریاں روپوش ہو چکی ہیں؟

اہل اسلام! اللہ کا حکم مانتے ہوئے روزے رکھنے والو! راتیں قیام میں بسر کرنے والو!، تمام کاموں میں اور تمام دنوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دو۔ کیا وہ وقت نہیں پہنچا کہ تمھارے دل ذکر الٰہی سے نرم پڑ جائیں؟ کتاب و سنت کی راہ پر روانہ ہو جائیں تاکہ امت دکھوں کے کرب سے چھٹکارہ پا سکے اور مصیبتوں کے بادل چھٹ جائیں؟!

برادران اسلام! اے امتِ صیام و قیام! آج امت جب عمر کے بہترین، افضل و اعلیٰ اور قیمتی دنوں کو الوداع کہہ رہی ہے تو کاش اس کے ساتھ ہی ان المناک اور دردانگیز حالات اور خونی زخموں کو بھی اللہ حافظ کہہ دیتی جو اس کے زخموں سے چور چور بدن پر جگہ جگہ لگے ہوئے ہیں۔

کتنا اچھا ہوتا کہ امت، خون مسلم کو روکنے کے لیے کوئی عملی اقدام اور سنجیدہ منصوبہ بندی کرتی۔ آج فلسطین کی ارض مقدسہ، چیچنیا کی زمین اور کشمیر کا خطہ دام ہمرنگ خون ہے!

کیا مسلمان۔ جن کی تعداد ایک ارب سے زیادہ ہے۔ مسلمانوں کے خون کی بے حرمتی روکنے کے لیے منصفانہ حل تلاش کرنے سے عاجز ہیں؟ کوئی ایسا حل جو ان کی عظمت، عزت، بزرگی اور ہیبت کو بحال کر سکے؟

کیا امت اسلامیہ رمضان کو الوداع کہتے ہوئے مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں اپنائی جانے والی پسپائی چھوڑنے کے لیے بھی تیار ہے؟ وہ فلسطین جو قبلہ اول اور سیر گاہ سید الاولین ہے۔ اے اللہ اسے جلد از جلد آزاد کروا کر ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرما۔ وہ فلسطین جو ظالم صیہونی پنجہ استبداد میں کلبلا رہا ہے لیکن کوئی غیرت مند آگے بڑھ کر اس کی پکار سننے اور اس کی مدد کرنے پر تیار نہیں!

پس اللہ ہی سے شکوہ ہے، وہی چھٹکارا دینے والا ہے، ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ. اور مسئلہ افغان کی سطح پر کیا افغانی قبائل اپنے اختلافات بھلا کر کسی ایسے شخص کو اپنا حاکم بنانے پر تیار ہیں جو کتاب و سنت کے مطابق حکومت کرے اور مسلمانوں کا خون بند کرنے، ملک میں امن و امان قائم کرنے اور مسلم افغانی قوم کو

خانماں بربادی، ملک بدری، ہجرت کی گرمی و سردی سے بچانے میں مخلص ہو؟

کیا امت اسلامیہ اس بابرکت مہینے کو چھوڑتے ہوئے دنیا میں مسلم اقلیتوں کے دکھوں اور آلام کا مداوا کرنے کی بھی سوچ رکھتی ہے؟ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ جلد ہی ان کا کوئی حل نکال دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں۔ امیدیں اللہ کے بعد قائدین امت، علماء دین اور اصحاب فکر و دانش سے وابستہ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو غالب کرنے اور ہر جگہ مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کے سلسلے میں مزید کوششیں کریں۔ خصوصاً عالمی واقعات اور انٹرنیشنل صورتحال کے بعد جن کا دنیا میں مسلمانوں کے حالات پر گہرا اثر تھا۔ کیا امت ان ابلاغی حملوں کو چھوڑنے کے لیے بھی تیار ہے جو اسلام، مسلمانوں، مسلمانوں کے ملکوں اور ان کے مقدس مقامات کے خلاف بڑی شدت سے جاری ہیں؟ خصوصاً بلادِ حرمین شریفین کے خلاف! اللہ ان کی حفاظت فرمائے۔

اپنی صلاحیتیں اسلام کے لیے وقف کریں:

کیا فرزندان اسلام اپنی عام علمی، دعوتی اور موجودہ ابلاغی تکنیکات اور صلاحیتیں محاسنِ اسلام پھیلانے، حقوق انسانی کی حفاظت کرنے، دنیا میں عدل و انصاف اور سلامتی کا مفہوم عام کرنے اور تشدد اور دہشت گردی کے مسلک سے علیحدہ رہنے کے لیے وقف کر سکتے ہیں؟ خصوصاً ایسے حالات میں کہ جب عالمگیریت کی تیز رو آندھی امت اسلامیہ کے مسلّمات اور عقائد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے درپے ہیں۔ ہر طرف تہذیبی کشمکش اور اصطلاحات کے ساتھ کھلواڑ جاری ہے۔ ان اندوہناک حالات میں کیا عالمی سطح پر اس دہشت گردی کی حد بندی کے لیے کوئی کوشش کی جا رہی ہے جس دہشت گردی کا ارتکاب عالمی صیہونیت دنیا کی نظروں اور ناک تلے کھلے عام کر رہی ہے؟!

اے دنیا کے قائدو! اے فیصلے کرنے والی قوتو! اے اسلامی عالمی اور ملکی رائے عامہ کے مالکو! اے عقلمندو اور انصاف پرورو! حالات و واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ جو حادثات سے عبرت حاصل نہیں کرتا وہ غافل ہے اور جس کو واقعات چوٹ نہ لگا سکیں وہ ایک مفلوج اور بے حس انسان ہے۔

اپنا تابناک ماضی یاد رکھیں:

امت اسلام! امت محمدیہ! ہم وہ امت ہیں جس نے عزت و عظمت، رفعت و بلندی اور بزرگی و بلند مقامی کے جھنڈے ثریا پر گاڑ دیے تھے۔ ہم اس درخشندہ تاریخ کے ذریعے پہچانے جاتے ہیں،

لہذا ہم پر حرام ہے کہ کمزوری اور مسکینی کا مظاہرہ کریں اور پیٹ بھر کر ذلت کا جام نوش کریں۔ انتہائی ضروری ہے کہ امت اسلامیہ دیگر امتوں کے درمیان اپنی جگہ بنائے، تاکہ مظلوم بشریت اور حیران و سرگرداں انسانیت حق، عدل و انصاف اور امن و سلامتی کا خواب پورا کر سکے، اور گمراہی، بدبختی، اضطراب اور انارکی کی دلدلوں، گندگیوں اور جوہڑوں میں غرق شدہ اقوام عالم کو باہر نکالا جا سکے۔

دنیا کی قیادت کا حق:

اگر تمھارے دشمن مادہ پرستی، گمراہی اور باطل پر ہوتے ہوئے دنیا کی قیادت کی لگام اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہیں تو تمھیں کیا ہے؟ بلکہ قیادت، سیادت اور لیڈرشپ کے تم سب سے زیادہ حق دار ہو، کیونکہ تمھارے پاس ایمان، حق اور تقویٰ کا شہد سے زیادہ صاف اور شیریں منہج اور لائحہ عمل موجود ہے۔ اسلامی دعوت کا معیار بلند کرنے کے لیے اور امت کو اس فرقہ بندی اور فروعی اختلافات سے بچانے کے لیے، جن کا وہ ایک لمبی مدت تک شکار رہی ہے، پھر ان خود ساختہ مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے، جو امت کی پشت پر شدید ترین حملہ متصور ہوتی ہیں، انتہائی ضروری ہے کہ سٹرٹیجک تحقیقات کی بنیاد رکھی جائے اور عملی اقدامات کیے جائیں، اس کے ساتھ ساتھ موجودہ نسل کی تربیت اعتدال اور میانہ روی کے منہج کے مطابق کی جائے۔

زوال کا سبب:

تمام اہل اسلام کے لیے یہ جاننا فرض ہے کہ ان کے حالات کی اصلاح، جن کا وہ فوری اور تیر بہدف علاج تلاش کرتے ہیں، اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ اس الحاد، عقل پرستی، انحراف اور تبدیلیوں کی موجوں میں پھنسی ہوئی دنیا میں صحیح اسلامی عقیدے کو مضبوطی سے نہیں تھام لیتے۔ اللہ کی قسم! اللہ شاہد ہے، میں رب رحمان کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں، اعتقادی و اخلاقی بگاڑ اور اعتقادی مسلمات اور شرعی مناہج سے دست بردار ہو جانے کی وجہ سے آج امتیں شکست خوردہ ہیں، قومیں سرنگوں ہیں اور تہذیبیں زوال پذیر۔

یہ ساری امت کی ذمے داری ہے۔ کیا مسلمانوں کو اپنے عقیدے کی اہمیت کا احساس ہے؟ کیا وہ اس نقطے پر متحد ہو سکتے ہیں جس پر سلف صالحین قائم تھے؟ تاکہ زمین اور اہل زمین کے لیے بھلائی اور اچھائی کا خواب پورا ہو سکے۔

یہ ہے وہ امید اور ہمیں صدقِ دل کے ساتھ اس کی بر آری کے لیے عمل کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کے روزے، قیام اور دعائیں قبول فرمائے۔ اپنے فضل و کرم سے ہمیں شرف قبولیت، مغفرت، اور جہنم سے آزادی سے نوازے۔ اس مہینے کی جدائی پر ہماری خاطر داری کرے۔ اسے ہم پر اور ہماری امت پر اس حالت میں ہزاروں سال لوٹاتا رہے کہ امت عزت، نصرت اور اقتدار کی خلعت فاخرہ میں ناز و انداز سے چلتی نظر آئے اور چہار سو اس کی عزت اور ہیبت کا پرچم لہرا رہا ہو۔

رمضان کی رخصتی نیک اعمال کے ساتھ کریں:

اللہ کے بندو! اس مہینے کو نیک عمل کے ساتھ رخصت کرو۔ یہ اللہ ملک العلام کے حضور تمھارے حق میں گواہ بن کر آئے گا۔ جدائی کے وقت اسے اللہ حافظ کہتے ہوئے بہترین الفاظ میں سلام و دعا کا تحفہ دو۔ متقین کے دل اس مہینے کے مشتاق اور دلدادہ ہیں اور سوز فراق میں رنجیدہ۔ ایک مومن اس کی جدائی پر آنسو کیوں نہ بہائے جبکہ اسے کوئی خبر نہیں کہ دوبارہ اپنی زندگی میں اس سے مل سکے گا یا نہیں؟ محبت کرنے والوں کے دل اس کی جدائی پر پھٹے جا رہے ہیں اور ان کے آنسو اس کے کوچ کے سوز میں چھم چھم برس رہے ہیں!

روزے دار بھائیو! تمھارے آقا نے اس مہینے کے اختتام پر تمھارے لیے بڑے عظیم الشان اعمال رکھے ہیں، جو روزوں میں واقع ہونے والے نقائص اور کوتاہیوں کا ازالہ کرتے ہیں اور اجر و ثواب میں اضافہ۔ لہٰذا اس مہینے کے آخر میں اللہ تعالیٰ توبہ و استغفار اور شکر کی دعوت دیتے ہیں۔ فرمایا:

﴿ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

[البقرۃ: ۱۸۵]

''اور تاکہ تم گنتی پوری کرو اور تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو، اس پر جو اس نے تمھیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر کرو۔''

صدقہ فطر کی حکمت اور اس کے احکام:

اللہ تعالیٰ نے روزے اور قیام رمضان کی توفیق پر شکریہ ادا کرنے کے لیے، روزے دار سے صادر ہونے والی لغویات اور نافرمانیوں کی طہارت کی خاطر، مسکینوں کے کھانے کے لیے اور مسلمانوں کے درمیان بھائی چارے اور محبت کے جذبات کو تحریک دینے کی وجہ سے صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا

ہے۔ جو ہر علاقے کے غلے اور کھانے والی اشیا، جیسے: گندم، چاول، جَو وغیرہ میں سے ایک صاع نکالنا ہے، لہٰذا ہر چھوٹے بڑے اور مذکر و مونث کی طرف سے اسے نکالنا واجب ہے، جس طرح حضرت ابو سعید اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیث میں ہے۔[1]

اس بچے کی طرف سے بھی صدقہ فطر نکالنا مستحب ہے جو ابھی شکمِ مادر میں ہو۔ افضل یہ ہے کہ اسے نمازِ فجر اور نمازِ عید کے درمیانی وقفے میں نکال دیا جائے تاہم عید سے ایک دو دن پہلے نکالنے میں بھی ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں۔ سنت یہی ہے کہ آدمی غلے سے نکالے، جس طرح حدیث کے الفاظ ہیں اور سلف صالحین کا عمل۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ رمضان کے آخر میں ہر علاقے میں یہ حکم جاری کرتے کہ رمضان کا اختتام استغفار کے ساتھ اور صدقہ فطر نکال کر کیا جائے۔

لہٰذا متلاشیانِ رحمتِ الٰہی! صدقہ فطر راضی خوشی ادا کرو، تمھارے آقا نے تمھیں بہت کچھ عطا کیا ہے لیکن ایک قلیل مقدار کا مطالبہ کیا ہے۔

اعمال کو صرف رمضان تک محدود نہ رکھو:

بھائیو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ڈرتے باقی عمر استمرار اور ثابت قدمی کے ساتھ نیک اعمال کرتے کرتے گزار دینا، بھلائی کے کام جاری رکھنا تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکو۔ تمھارے پاس اتنے نیک اعمال ہیں کہ وہ مستقل موسموں میں شمار ہوتے ہیں، جیسے: نمازِ پنجگانہ، نفلی نماز، نفلی روزے، صدقہ، اسی طرح تمام نیک اعمال۔ یہ بھی یاد رکھو کہ اگر ماہِ رمضان گزر جائے تو مومن کا عمل تو ختم نہیں ہوجائے گا بلکہ یہ موت تک جاری رہتا ہے۔ نیکی قبول ہونے کی یہ علامت ہے کہ آدمی نیکی کے بعد نیکی کرتا رہے، تمام مہینوں کا مالک تو ایک ہی ہے اور وہ تمھارے اعمال کو نہ صرف دیکھ رہا ہے بلکہ ان کی نگرانی بھی کر رہا ہے۔ کتنے بدبخت ہیں وہ لوگ جو صرف رمضان میں اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں؟ تحدیثِ نعمت کے طور پر یہ کہنا بھی بجا ہوگا کہ یہاں لوگ امن کی فضا میں روزے رکھ رہے ہیں اور عمرہ کر رہے ہیں، ہر طرح کی خدمات مہیا ہیں، اور تمام تر سہولیات مہیا کرنے کے لیے قابلِ قدر کوششیں کی جا رہی ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٤٣٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٨٤)

اگر اول اور آخر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہوتی تو اتنے بڑے جم غفیر کے لیے یہ سب کچھ مہیا کرنا آسانی سے ممکن نہ ہوتا۔ پھر یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے حرمین شریفین کی خدمت کا موقع ایسے خدمت گزاروں کو دیا ہے جو ہمیشہ سے، تعمیری معاملات ہوں یا زائرین کو سہولیات پہنچانے کا مسئلہ، دل کھول کر خرچ کرتے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اللہ اسے خالص اپنے لیے بنا دے اور اپنے فضل وکرم سے اس کی مزید توفیق عنایت فرمائے۔

پہلا خطبہ

رمضان کے بعد

امام وخطیب

فضیلۃ الشیخ

ڈاکٹر سعود الشریم حفظہ اللہ

21/12/2001 = 6/10/1422

دوسرا خطبہ

فریضۂ نماز اور ہماری حالت

امام وخطیب

فضیلۃ الشیخ

ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس حفظہ اللہ

28/12/2001 = 13/10/1422

تیسرا خطبہ

عصرِ حاضر کے اصول و مبادیات اور ان کے اثرات کا جائزہ

امام وخطیب

فضیلۃ الشیخ صالح بن حمید حفظہ اللہ

4/1/2002 = 20/10/1422

چوتھا خطبہ

اھلِ باطل کی خوشامد کرنے کی مذمت

امام وخطیب

فضیلۃ الشیخ

ڈاکٹر اُسامہ الخیاط حفظہ اللہ

11/1/2002 = 27/10/1422

رمضان کے بعد

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سعود الشریم ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور ظاہر و باطن ہر دو حالتوں میں اس سے خوف کھاؤ۔ اس طرح اس کی عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، اگر تم اس کو دیکھ نہیں پا رہے تو وہ تو یقیناً تم کو دیکھ رہا ہے۔

﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ [الشعراء: ۲۱۷ تا ۲۲۰]

''اور اس سب پر غالب، نہایت رحم والے پر بھروسا کر۔ جو تجھے دیکھتا ہے، جب تو کھڑا ہوتا ہے۔ اور سجدہ کرنے والوں میں تیرے پھرنے کو بھی۔ بے شک وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

وقت تیزی سے گزر رہا ہے:

اللہ کے بندو! دن رات کے آنے جانے میں بھی نصیحت ہے۔ دن بادلوں کی طرح چلتے ہیں، شام کو چلے جاتے ہیں اور صبح پھر آجاتے ہیں۔ ذرے ذرے کا حساب ہوگا، تمام لوگ اپنی پیدائش کے دن سے مسافر ہیں، ان کا آخری سٹیشن جنت ہوگا یا جہنم۔ دن رات کی تیز رفتاری اس بات کی دلیل ہے کہ وقت کتنا سمٹتا جا رہا ہے جو قیامت کی نشانی ہے جس طرح کہ نبی صادق ﷺ نے اس کی سچی خبر دی ہے۔[1]

نیک اعمال میں لگے رہو:

اللہ کے بندو! یہ تمام صورتحال عقلمندوں اور سمجھداروں کو سچی توبہ کرنے، نیکی کرنے، بدی سے رکنے اور اچھے اعمال کرنے کے لیے بہترین موقع فراہم کرتی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴾ [الفرقان: ٦٢]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٩٨٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٥٧)

''اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا، اس کے لیے جو چاہے کہ نصیحت حاصل کرے یا کچھ شکر کرنا چاہے۔''

تمام مسلمان پورا مہینہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے بہرہ ور ہوتے رہے ہیں اور نماز دعا، صدقہ، ذکر اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رہ کر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنا آپ پیش کرتے رہے ہیں لیکن جونہی یہ دن گزر گئے تو ان کی یادیں بھی مٹ گئیں۔ گویا وہ خزاں رسیدہ پتے تھے جنھیں ہوا نے اڑا دیا یا روحانی بلبلیں تھیں جن کی چہچہاہٹ خاموش ہوگئی حالانکہ اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے!

رمضان اور غیر رمضان میں تضاد:

مسلمانو! جو شخص لوگوں کی رمضان میں حالت کا رمضان کے بعد والی حالت کے ساتھ تقابل کرتا ہے اور جب وہ دیکھتا ہے کہ لوگ واضح طور پر سستی اور کاہلی کا شکار ہیں اور نیکی سے دور ہو چکے ہیں تو وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ گویا وہ زبان حال سے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ عبادت، توبہ اور دیگر نیک اعمال کا تعلق صرف رمضان تک محدود ہے۔ کیا ان کو اس بات کی خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام مہینوں کا رب ہے؟ رمضان دوسرے مہینوں کے لیے صرف ایک نیکی اور صبر کی ریاضت کے اسٹیشن کی حیثیت رکھتا ہے تا آنکہ دوسرا رمضان آجائے۔

اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ [البقرۃ: ۲۱] ''تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔''

عبادت کی حقیقت کا جائزہ لیں:

اللہ کے بندو! ہمیں لازماً عبادات کی حقیقتوں اور اثرات کا جائزہ لینا چاہیے، صرف ان کی ظاہری شکل وصورت نہیں دیکھنی چاہیے۔ کتنے ہی ایسے مشقت برداشت کرنے والے ہیں جن کے حصے میں روزے سے بھوک و پیاس کے سوا کچھ بھی نہیں آیا۔ اور کتنے ہی ایسے مسلسل عبادت کرنے والے ہیں لیکن انھیں تھکاوٹ اور بیداری کے سوا کچھ بھی نہیں ملا؟! اس بات کی سب سے یقینی دلیل یہ ہے کہ جب لوگ خود اپنے آپ سے یہ سوال کریں کہ انھوں نے رمضان میں کتنی مرتبہ قرآن کریم کی تلاوت کی؟ کتنی نصیحت آموز اور عبرت خیز باتیں سنیں؟ کیا انھوں نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے ساتھ کیا سلوک کیا، جن جیسے آج تک اس نے انسان پیدا نہیں کیے؟ کیا انھوں نے قوم عاد کو

ہلاک کرنے والی چیخ اور قوم ثمود کو برباد کرنے والی آندھی کے بارے میں، اور قوم لوط پر ہونے والی پتھروں کی بارش کے متعلق کچھ نہیں سنا؟ کیا انھوں نے سورت الحاقہ، زلزال، القارعۃ اور تکویر کی تلاوت نہیں کی؟

سبحان اللہ! دل اس قدر زنگ آلود ہو چکے ہیں؟

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا﴾ [النساء: ۸۲]

''تو کیا وہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے، اور اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔''

قرآن ہم پر اثر کیوں نہیں کرتا؟

کیا ہمارے دل کسی سخت چٹان سے بنے ہوئے ہیں؟ وہ دل کہاں ہیں جو ڈرتے ہیں؟ وہ آنکھیں کہاں ہیں جن سے آنسو بہتے ہیں؟ اللہ کی قسم! یہ کتنے زیادہ دل ہیں جو غفلت کی چراگاہ میں چر رہے ہیں اور نیکی اور تقوے سے خالی ہو کر ویران پڑے ہیں؟ نہ کوئی نوجوان بچپنے سے باز آتا ہے نہ کوئی بوڑھا ہی ہوش کے ناخن لیتا ہے بلکہ خلوت اور جلوت میں ہم نے اپنے رب کی کتاب کے متعلق لاپرواہی سے کام لیا ہے۔ ہمارے درمیان اور نیکی کے درمیان اتنی دوری ہو چکی ہے جتنی صفا اور مروہ کے درمیان بھی نہیں۔ لا حول و لا قوۃ إلا باللہ.

﴿ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۞ اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَی الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمْلٰی لَهُمْ﴾

[محمد: ۲٤، ۲۵]

''تو کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا کچھ دلوں پر ان کے قفل پڑے ہوئے ہیں؟ بے شک وہ لوگ جو اپنی پیٹھوں پر پھر گئے، اس کے بعد کہ ان کے لیے سیدھا راستہ واضح ہو چکا، شیطان نے ان کے لیے (ان کا عمل) مزین کر دیا اور ان کے لیے مہلت لمبی بتائی۔''

سستی سے بچیں:

سامعین محترم! اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے۔ یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ جو سستی اور کاہلی کے قریب رہتا ہے وہ محنت اور مشقت سے دور بھاگتا ہے، اور جو آرام طلبی اور تفریح طبع کا دلدادہ ہو جائے وہ اپنے نفس کا شکار ہو جاتا ہے اور جو نفس کا شکار ہو جائے وہ شخص ناکارہ ہو جاتا ہے۔

لہٰذا اے مسلمان! رمضان المبارک میں ترک خواہشات کے مضبوط ارادے سے اس دھوکے میں نہ آجانا کہ رمضان گزرنے کے بعد سب کچھ جائز ہو جاتا ہے، کیونکہ خواہشات کے جال ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ میدان قتال میں کتنے بہادر لوگ ایسے لوگوں کے ہاتھوں دھوکے کا شکار ہو کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں جن کو انسان دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور وحشی کا قصہ اس سلسلے کی واضح مثال ہے۔

عبادت کی لذت سے محروم:

جو شخص کمال کے بعد تقصیر میں مبتلا ہو جائے یا گناہ سے باز آجانے کے بعد دوبارہ گناہ کا رسیا ہو جائے تو ایسا شخص اطاعت گزاری کے ذریعے کامیابی کے نزدیک آنے کے بجائے اس سے دور ہو جاتا ہے، چاہے وہ ناقص اور موسمی عبادات کے ذریعے اپنا جی ہی کیوں نہ بہلاتا رہے؟ ایسی عبادات مستقل نہیں ہوتیں بلکہ شائد انسان کے لیے مخفی انداز میں ایک بہت بڑی سزا میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا انسان عبادات کی مٹھاس اور مناجات کی لذت سے محروم ہو جاتا ہے۔ صرف وہ مومن مرد و عورت اس لذت سے محظوظ ہوتے ہیں جو عام مہینوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، ان کا باطن ان کے ظاہر کی طرح اور ان کا شوال ان کے رمضان کی طرح ہوتا ہے۔ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں حالانکہ وہ اپنا ایک سفر طے کر رہے ہیں۔ صبر کا خوگر ہی اپنا مقصد پاتا ہے، جو مسلسل دروازہ کھٹکھٹاتا ہے وہی اس میں داخل ہوتا ہے، اس لیے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ طبیعت غالب آجائے بلکہ مزہ تو اس بات میں ہے کہ طبیعت کو مغلوب کر لیا جائے۔ ان جیسے لوگ بلا شبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں نیک اعمال پر ہمیشگی اختیار کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رمضان میں عبادت کی اپنی خوبی اور خصوصیت ہے جو کسی دوسرے مہینے کی نہیں، تاہم فرمانبرداری اور اطاعت گزاری کا صرف یہی مہینہ نہیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ساری زندگی میں نیکی اور اطاعت گزاری میں انتہائی فیاض اور بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے تھے لیکن جونہی رمضان آتا آپ کی فیاضی اور سخاوت میں طغیانی آجاتی۔[1]

لہٰذا نیک اعمال سے اعراض کرنے اور ان سے پیچھے ہٹنے کی روش ترک کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٣٠٨)

نے اس سے پناہ مانگی ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

«وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْحَوَرِ بَعْدَ الْكَوَرِ» ❶

''اے اللہ! میں اضافے کے بعد کمی سے پناہ مانگتا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ﴾ [النحل: ٩٢]

''اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کرنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا۔''

اس کی تاکید اس مشہور دعائے نبوی سے بھی ہوتی ہے:

«وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِي فِي كُلِّ خَيْرٍ» ❷

''یہ زندگی میرے لیے بھلائی میں مزید اضافے کا سبب بنا۔''

نیکی اور اچھائی صرف رمضان کے مہینے تک محدود نہیں بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو تسلیم کرنے کی صورتیں ہیں:

﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴾ [الحجر: ٩٩]

''موت تک اپنے رب کی عبادت کر۔''

عبادت کی انتہا...موت:

لہٰذا جب تک موت نہ آ جائے تب تک عبادت کی انتہا ہے نہ اللہ کے قرب کے حصول کی آخری حد۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان میں کمزوری ہے اور وہ اس کمزوری سے چھٹکارہ نہیں پا سکتا، اور یہ مطلوب بھی نہیں کہ انسان اپنی بشریت سے تجاوز کر جائیں۔ صرف یہی مطلوب ہے کہ وہ اس مضبوط کڑے کو تھامے رکھیں جو انھیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسلک رکھے، اور ان کی زندگی کے تمام ثقافتی، خاندانی اور صحافتی گوشوں پر دین داری غالب رہے، ناقابل تغیر مبادیات کے ساتھ ان کا رشتہ مضبوط رہے، اور انسانی نفس مختلف موسموں اور ہنگامی مواقع کے دھوکے میں نہ آئے۔

❶ صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث (٥٤٩٨)

❷ صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٢٠)

نیک اعمال پر ہمیشگی:

نیک اعمال چاہے تھوڑے ہی ہوں لیکن ہمیشگی کے ساتھ ہوں تو یہ انسان کو گرنے اور ہلاک ہونے سے بچائے رکھتے ہیں اور برائی کے بعد انسان کو سست نہیں رہنے دیتے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«یا أیها الناس! خذوا من الأعمال ما تطیقون فإن الله لا یمل حتی تملوا، وإن أحب الأعمال إلی الله ما دام وإن قل»[1]

''اے لوگو! جتنی طاقت رکھتے ہو اتنے ہی اعمال کرو، اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتے حتیٰ کہ تم اکتا جاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندہ وہ عمل ہے جو ہمیشہ ہو چاہے کم ہی ہو۔''

مستقل عبادات:

اس لیے مسلمانو! کچھ ایسی عبادات ہیں جو مستقل ہیں اور رمضان کے بعد بھی ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، جیسے: نماز، زکاۃ، صدقہ، اپنے لیے دعا کرنا، جس نے دعا کی درخواست کی ہو اس کے لیے دعا کرنا، اپنے دیگر کمزور محتاج دینی بھائیوں اور مجاہدین کے لیے دعا کرنا۔ اس کے ساتھ ساتھ مستقل توبہ کا حکم ہے جو ہر وقت اور ہر حالت میں مطلوب ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم بھی دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [النور: ۳۱]

''اور تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو اے مومنو! تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

نبی ﷺ اس آیت پر اس طرح عمل فرماتے تھے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«إني لأستغفر الله وأتوب إلیه في الیوم مائة مرة»[2]

''میں ایک دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا اور توبہ کرتا ہوں۔''

سن کر عمل کریں:

اے اللہ کے بندو! تمھیں ان تمام باتوں کا علم ہو چکا ہے اس لیے انھیں اختیار کرو۔ اس

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۵۵۲۳) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۷۸۲)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۷۰۲) سنن أبي داود، رقم الحدیث (۳۸۱۵)

سے اچھا کون ہو سکتا ہے جو سن کر یا جان کر عمل کے لیے کمر بستہ ہو جائے؟ تم نے رمضان میں عبادت کا لطف اٹھایا اور اللہ کے قرب سے لذت آشنا ہوئے، لہٰذا اس صفائے باطن کو گندہ نہ کرو، سعادت کو شقاوت میں نہ بدلو اور قرب کو دوری کا سبب نہ بناؤ۔ ہر وقت فرمانبرداری پر قائم رہنا یا بار بار اس میں سستی کا شکار ہونا دونوں کا اثر انسان کے دل پر ہوتا ہے کیونکہ دل دیگر اعضا میں سے سب سے زیادہ تبدیلی کا شکار ہوتا ہے حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إنما سمي القلب من تقلبه، إنما مثل القلب كمثل ريشة في أصل شجرة يقلبها الريح ظهراً على بطن»[1]

''دل کو قلب اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ پھرتا ہے۔ دل کی مثال درخت کے نیچے پڑے ہوئے اس پتے کی سی ہے جسے ہوا الٹ دیتی ہے۔''

اس لیے آپ یہ دعا کیا کرتے تھے:

«يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ»[2]

''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھنا۔''

عید عبادت اور دل بستگی کا بہترین موقع ہے:

اس کے بعد اے بندۂ الٰہی! اللہ تمھاری حفاظت فرمائے۔ تیرے نفس کا تجھ پر یہ حق ہے کہ تو اس کی عید پر خوش ہو۔ اللہ تعالیٰ نے خوشی اور تفریح کو رضا اور یقین میں رکھا ہے جبکہ غم اور رنج کو شک اور ناراضی میں رکھا ہے۔

اللہ کے بندو! زندگی سے ناراض رہنے والا حقیقت میں اکثر اوقات ناسمجھی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ دنیا اس کی آنکھوں میں ایسے تنگ ہو جاتی ہے جیسے سوئی کا ناکا، یہاں تک کہ اسے شدتِ غم سے اپنی موت نظر آتی ہے۔ اور عید، اے اللہ کے بندو! اہل خانہ، معاشرے اور ابلاغ کے لیے شور و غل سے خالی ایک پرسکون تفریح اور دل بہلانے کا موقع ہے۔

حدود سے تجاوز شکر نہیں:

جب لوگ عید کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں، حرام کھیل کود

---

[1] صحيح. مسند أحمد (٤/ ٤٠٨) شعب الإيمان (١/ ٤٧٣)

[2] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث (٢١٤٠)

میں مشغول ہوجاتے ہیں، اور غل غپاڑہ ڈال کر دوسرے لوگوں کو ایذا پہنچاتے ہیں تو پھر یہ لوگ گویا نعمت الٰہی کی قدر افزائی نہیں کرتے، نہ اس کی نعمتوں کا شکریہ ہی ادا کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو دیکھا وہ عید کے روز غیر شرعی کھیل کود میں مشغول تھے تو انھوں نے کہا:

«إن كان هؤلاء تقبل منهم صيامهم فما هذا فعل الشاكرين، وإن كانوا لم يتقبل منهم صيامهم فما هذا فعل الخائفين»[1]

''اگر ان کے روزے قبول ہو چکے ہوں تو یہ شکر کرنے والوں کا طرز عمل نہیں، اور اگر ان کے روزے قبول نہیں ہوئے تو یہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کا طریقہ کار نہیں۔''

امام ابن قیم رحمہ اللہ کے فرمودات:

اللہ تعالیٰ امام ابن قیم رحمہ اللہ پر اپنی رحمت کی بارش برسائے، وہ خوشی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس سامان کو اس کے خریدنے والوں اور اس کے قدر شناسوں کے پاس لے کر جائے گا، اور اگر راستے میں یہ ایسے لوگوں کے ہاتھ لگ جائے جو اس کے قدر شناس نہیں تو ایسے بھی ہوتا ہے کہ کچھ حاملین فقہ خود فقیہ نہیں ہوتے تو کچھ ایسے حاملین فقہ بھی ہوتے ہیں جو اپنے سے بڑے فقیہ کے پاس اسے پیش کر دیتے ہیں۔''[2]

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ [الجمعة: ٥]

''ان لوگوں کی مثال جن پر تورات کا بوجھ رکھا گیا، پھر انھوں نے اسے نہیں اٹھایا، گدھے کی مثال کی سی ہے جو کئی کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔''

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ اسے اسراف کی حد تک خوشی منانے والا نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ ان جیسے خوش ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ قطعاً پسند نہیں فرماتے، اس جیسی خوشی سرکشی اور تکبر کو جنم دیتی

[1] یہ اثر وہیب بن الورد المکی سے مروی ہے۔ دیکھیں: شعب الإيمان (٥/ ٢٩٦) تهذيب الكمال (٣١/ ١٧٤)

[2] مدارج السالكين (١/ ٢٠١)

ہے۔ جس کی دلیل یہ فرمان ربانی ہے:

﴿ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ﴾ [الناس: ٤]

''وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے، جو ہٹ ہٹ کر آنے والا ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں کچھ مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ وسوسہ ڈالنے والا شیطان غمی اور خوشی کے موقع پر ابن آدم کے دل میں پھونکیں مارتا ہے اور جب آدمی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو پھر یہ الٹے پاؤں بھاگ جاتا ہے۔

متقین کی طرح خوشی منائیں:

اے مسلمانوں کی جماعت! بگوش ہوش سن لو، اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، اور خوشی اور غمی کے موقع پر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ڈسپلن قائم رکھو۔ ایک سچا مومن متقین اور اتقیا کی طرح خوشی مناتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ظلم، بے راہ روی اور انحراف سے مکمل اجتناب برتتا ہے، وہ کبھی جہنمیوں والے کام نہیں کرتا جن کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ﴾ [غافر: ٧٥]

''یہ اس لیے ہے کہ تم زمین میں حق کے بغیر خوش ہوتے تھے اور اس لیے کہ تم اکڑتے تھے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''ہر وہ دن جس میں آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے وہ دن اس کے لیے روز عید ہوتا ہے۔''

شوال کے چھ روزے:

مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور یہ یاد رکھو کہ صاحب شریعت نے تمھارے لیے شوال کے چھے روزے مقرر کیے ہیں، اور اسے نیکی کی نیکی کے ساتھ پیروی قرار دیا ہے۔ فرمان نبوی ہے:

«من صام رمضان ثم أتبعه ستا من شوال كان كصيام الدهر كله» [1]

''جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے پیچھے شوال کے چھے روزے رکھے تو گویا اس نے زمانہ بھر (سارے سال) کے روزے رکھے۔''

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٦٤)

رمضان کے بعد شوال کے چھے روزے ایک سال کے روزوں کے مانند ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیکی کو دس گنا قرار دیا ہے۔ فرمان ربانی ہے:

﴿مَن جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ [الأنعام: ١٦٠]

''جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس جیسی دس نیکیاں ہوں گی۔''

رمضان کے روزے دس گنا ہو کر دس مہینوں کے برابر ہو جاتے ہیں اور چھے روزے ساٹھ دنوں کے برابر۔ اس طرح پورے سال کے تین سو ساٹھ دنوں کے روزوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

ان روزوں میں بہترین طریقہ یہ ہے کہ یہ عید کے فوراً بعد اور پے درپے رکھے جائیں، تاہم اگر کوئی انھیں جدا جدا کر کے بھی رکھ لے تو کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح انھیں مہینے کے درمیان اور آخر میں رکھنا بھی درست ہے۔ یہ روزے واجب نہیں ہیں۔

اس بات کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں جو زبان زد عوام ہے کہ اگر کوئی انہیں ایک سال رکھ لے تو پھر آئندہ سالوں کے لیے انھیں رکھنا واجب ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ سنت ہیں، جو انھیں رکھے اسے ثواب ملے گا اور جو انھیں نہ رکھے اسے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اور جو ہر سال باقاعدگی کے ساتھ انھیں رکھتا ہے، پھر کسی دوسرے سال میں بیماری یا سفر کے سبب انھیں نہیں رکھ پاتا تو ان کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا، چاہے وہ انھیں نہ رکھے۔ کیونکہ فرمان نبوی ہے:

«إذا مرض العبد أو سافر كتب له ما كان يعمل صحيحاً مقيماً»[1]

''جب کوئی انسان بیمار ہو جائے یا سفر کرے تو جو اعمال وہ صحت اور اقامت کے دوران میں کیا کرتا تھا وہ اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیے جاتے ہیں۔''

یہ مسئلہ بھی ذہن نشین رہے کہ شوال کے چھے روزوں کے اجر کے حصول کی یہ شرط ہے کہ آدمی رمضان کے سارے روزے رکھے تب کہیں جا کر یہ سمجھا جائے گا کہ اس آدمی نے سارے سال کے روزے رکھے ہیں۔

دیگر نفلی روزے:

اگر کوئی شخص مزید اجر اور زیادہ ثواب کا خواہاں ہے تو اسے چاہیے کہ ہر مہینے کی تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزے پر ہمیشگی کرے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان روزوں

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٨٣٤)

کو بھی زمانہ بھر کے روزوں کے برابر قرار دیا ہے یعنی مکمل سال کے روزے۔[1] اس طرح ہر مہینے کے تین روزے رکھے جائیں تو یہ سال بھر میں چھتیس (۳۶) روزے ہو جائیں گے۔ تیس (۳۰) رمضان کے اور چھ شوال کے، جو کل ملا کر ایک سال میں بہتر (۷۲) روزے ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ایک سال میں اگر بہتر (۷۲) روزے رکھے جائیں تو ثواب کے لحاظ سے یہ دو سال کے روزوں کے برابر ہو جائیں گے یعنی سات سو دن سے بھی زیادہ!

﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴾ [الحدید: ۲۱]

''یہ اللہ کا فضل ہے، وہ اسے اس کو دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔''

[1] مسند أحمد (۳/ ٤٣٦)

فریضۂ نماز اور ہماری حالت

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس حفظہ اللہ

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اے مسلمانو! اللہ رب العالمین سے ڈرو، اپنے دین کو مضبوطی سے تھامے رکھو، اس کے ستون پر ہمیشگی کرو، اس میں خشوع وخضوع اختیار کرو، اس طرح تم کامیاب ہونے والوں کی راہ پر گامزن ہو جاؤ گے، اور یہی۔ اللہ کی قسم۔ عمل کرنے والوں کا منتہائے مقصود ہے۔

اسلامی عبادات قلبی راحت کا سامان:

دنیوی زندگی کی مصروفیات کے بحر بے کراں اور اس جدید تہذیب کی پیدا کردہ نفسیاتی پریشانیوں اور اعصابی تناؤ کی کیفیت میں انسان اس بات کی اشد ضرورت محسوس کرتا ہے کہ وہ پریشانی، اضطراب اور ٹینشن کی فضا سے نکل کر اپنے احساسات اور پریشانیوں کو سکون مہیا کرے اور نفسیاتی راحت اور قلبی اطمینان حاصل کرے۔ انسان کو یہ چیز اسلام کے سائے کے علاوہ اور عظیم اسلامی عبادات کے سوا کہیں میسر نہیں آسکتی۔ یہ عبادات ایک ایسا کامیاب روحانی کردار ادا کرتی ہیں کہ مادی ادویہ میں بھی اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

نمازِ پنجگانہ:

برادرانِ ایمان! امت ایسے حادثات، مصائب، المیوں اور سانحوں سے گزر رہی ہے جنھوں نے اسے اس کے اصلی مسائل اور شرعی اقدار سے غافل کر دیا ہے، اور ایسے مواقع اور موسم بھی آتے ہیں جن کا بہت زیادہ ذکر اور اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ تمام مواقع انتہائی عظیم اور مسلمانوں کے لیے میٹھے اور عمدہ چشموں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھی میں سے ایک موقع ایسا ہے جس کا ایک دن میں پانچ مرتبہ تکرار ہوتا ہے لیکن اکثر لوگ اس کے اثرات سمیٹنے، اس کے مرتبے اور اُسرار کو سمجھنے اور اس کی حکمت اور احکام پر توجہ دینے میں غفلت کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

”تمھارا کیا خیال ہے کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے کے پاس سے ایک پانی سے

لبالب نہر گزرتی ہو اور وہ پانچ مرتبہ اس میں غسل کرے، تو کیا اس پر کچھ میل کچیل باقی رہ جائے گی؟!'' صحابہ نے کہا: اس پر کوئی میل کچیل باقی نہیں رہے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''پانچ نمازوں کی بھی یہی مثال ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے غلطیاں مٹا دیتے ہیں۔''[1]

نماز سے غفلت:

اے لوگو! یہ اس کام کا نتیجہ ہے کہ اکثر لوگ دنیا کی گود میں گرنے کے لیے اس کا مال اکٹھا کرنے کی خاطر، دلوں اور ارادوں کے اسی میں مصروف رہنے کی وجہ سے حقیقی گھر کو بھلا دینے پر اور اس کے لیے عمل کرنے میں غفلت اختیار کرتے ہوئے اسی چکر میں گھومتے ہوئے اس عظیم عبادت کے مقام و مرتبے کو بھلا بیٹھے ہیں، لہٰذا انھیں اس کی کوئی پرواہ ہے نہ اسے قائم کرنے کا کوئی خیال۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ فرمایا ہے:

﴿ فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴾ [مريم: ٥٩]

''پھر ان کے بعد ایسے نالائق جانشین ان کی جگہ آئے جنھوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے تو وہ عنقریب گمراہی کو ملیں گے۔''

بے روح نمازیں:

لوگوں کی ایک قسم ایسی ہے جو نماز ادا تو کرتی ہے لیکن لغزشوں کے ساتھ اور کوتاہیوں پر ہمیشگی کرتے ہوئے۔ نماز ضرور پڑھتے ہیں لیکن اس کا کوئی اثر ان پر ظاہر نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اس کے آداب کا خیال رکھتے ہیں نہ اس کے ارکان اور واجبات ہی کا کچھ التزام کرتے ہیں۔ ان کی نماز صرف عادت اور شکل کی حد تک نماز ہوتی ہے، کیونکہ یہ اس کے مغز، اس کی روح اور خشوع میں کوتاہی کرتے ہیں، یہ روح سے خالی جسم اور دل کے بغیر بدن کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں، یہ احساسات اور جذبات سے خالی حرکات ہیں، ان کی نماز وسوسوں اور خیالات کی چراگاہ ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کے پاس نماز کی حالت میں شیطان آ جاتا ہے اور انھیں اپنے کفر کی وجہ سے دنیا کے مختلف میدانوں میں گھماتا پھراتا رہتا ہے۔ یہ لوگ نماز میں بے جا حرکتیں کرتے رہتے ہیں، بدن پھیلاتے ہیں، سستی محسوس کرتے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٠٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٦٦٧)

ہیں، جدھر جی چاہتا ہے ادھر دل اور آنکھوں کو متوجہ کر لیتے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوتے ہیں تو اس سے ان کے پلے کچھ بھی نہیں پڑتا، بلکہ شائد کچھ ایسے بھی ہوتے ہوں گے جن کو اس سے بہت تھوڑا افائدہ حاصل ہوتا ہوگا۔

پھر آپ ان لوگوں کے حالاتِ بد، غلط کاریوں، بری عادتوں اور نماز کے بعد فحش گوئی، بدعملی، حرام خوری، بد اخلاقی، گناہ، نافرمانیوں اور منع کردہ کاموں پر اصرار کرنے کے بارے میں تو پوچھیے ہی مت! شائد کوئی یہ سوال کرے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ﴾ [العنکبوت: ٤٥]

''بلا شبہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے منع کرتی ہے۔''

لیکن ہم اس آیت سے کس قدر دور کھڑے ہیں؟ ہم نماز تو پڑھتے ہیں لیکن اس کا ہماری زندگی پر کوئی اثر ہے نہ ہماری واقعاتی زندگی میں اس کا کوئی نتیجہ نظر آتا ہے، نہ ہمارے حالات میں کوئی تبدیلی آئی ہے نہ ہمارے طرزِ زندگی ہی میں کوئی بہتری واقع ہوئی ہے بلکہ زندگی کے تمام پہلوؤں میں کہیں بھی اصلاح اور بہتری نظر نہیں آتی!

اسلام کیسی نماز چاہتا ہے؟

ہم عقیدہ بھائیو! اسلام جو نماز چاہتا ہے حقیقت میں وہی نماز مومن کی روحانی معراج کی نمائندگی کرتی ہے کہ جب وہ فرض ادا کرنے کے لیے یا نفل پڑھنے کی نیت سے مصلّی پر کھڑا ہوتا ہے تو اس کی روح اس مادی دنیا کو چھوڑ کر عالمِ بالا اور صفائی و پاکیزگی کے آسمان کی طرف محوِ پرواز ہو جاتی ہے، اور یہی درحقیقت خوشی، سعادت، اطمینان اور مسرت کا سرچشمہ ہے۔ یہ تمام انبیاء کرام کی مسلسل سنت رہی ہے۔ اس سلسلے میں حبیبِ کبریا نبی مصطفیٰ ﷺ کا نمونہ قابلِ اتباع ہے کہ آپ ﷺ کو جب بھی کوئی مشکل معاملہ پیش آتا تو آپ فوراً نماز کا رخ کرتے۔[1]

نماز کے اسرار:

حضرات! نماز دلوں کی غذا اور روحوں کے لیے زادِراہ ہے۔ یہ مناجات، دعا، عاجزی، تعریف، خضوع، رونے، امید، توسل، اللہ کے ساتھ مضبوط تعلق، التجا، اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے سامنے

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (١٣١٩) اس کی سند میں ''محمد بن عبداللہ الدؤلی'' راوی ضعیف ہے۔

جھکے رہنے، اس کی عظمت کے سامنے سر پھینک دینے، اس کے آگے انکساری اور اسی کی محتاجی، جھک جانے، بندگی اختیار کرنے، قرب حاصل کرنے، اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور الوہیت کی جناب میں خشوع کرنے کا نام ہے۔ یہ مسلمان کی پناہ گاہ اور ایک مومن کا ٹھکانہ ہے۔ یہ مسلمان کے لیے شفا بخش مرہم، کفایت کرنے والی دوا اور مکمل غذا ہے۔ یہ سب سے بہتر ہتھیار، ڈھال اور جدوجہد ہے، یہ کامیابی، اصلاح اور نجات پانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ یہ دلوں اور روحوں میں روحانی قوت، مضبوط ایمان اور گہرا یقین پیدا کرتی ہے۔ یہ ایک ایسی روشنی جلاتی ہے جس سے فتنوں کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں اور انسان شدید ترین مشکلات اور ترغیبات کا آسانی کے ساتھ مقابلہ کر لیتا ہے۔

نماز میں اتنی زیادہ حکمتیں، اسرار، مقاصد اور اہداف ہیں کہ جنھیں اکثر نمازی بالکل نہیں سمجھتے، جو شخص اسے شریعت کے مطابق ادا کرے تو اس کے اجر کے کیا کہنے؟

امام ابو داود رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خمس صلوات افترضهن الله عزوجل، من أحسن وضوء هن، وصلاهن لوقتهن، وأتم ركوعهن وخشوعهن كان على الله عهد أن يغفر له» [1]

''اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جو ان کے لیے بہترین وضو کرے، ان کو ان کے وقت پر ادا کرے، ان کے رکوع اور خشوع کو مکمل کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کی ذمے داری ہے کہ وہ اس شخص کو معاف کر دے۔''

لوگ نماز سے غافل کیوں ہیں؟

برادران اسلام! الحمد للہ، اللہ تعالیٰ کے دین اور شریعت میں نماز کا جو مرتبہ اور مقام ہے اس سے کوئی مسلمان بھی بے خبر نہیں۔ یہ اسلام کی عمارت کا اہم ستون اور کفر اور ایمان کے درمیان حد فاصل ہے۔[2] اگر اس معاملے کی اس قدر اہمیت ہے تو جو چیز نفس کو کچوکے لگاتی اور دل کو تکلیف دیتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کی طرف نسبت رکھنے والی ایک بہت بڑی تعداد اس کو پرکاہ جتنی حیثیت بھی نہیں دیتی!

لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان رہتے ہوئے بھی نماز کو کوئی وزن نہیں

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٢٥)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٢)

دیتے؟ ان کے ہاں اس کا معیار بالکل گر چکا ہے، بلکہ، لاحول ولا قوة إلا بالله، معاملہ اس سے بھی زیادہ ہولناک ہو چکا ہے۔ کیا یہ لوگ اس سے پہلے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا غصہ اترے یا یہ کہ موت ان کو اسی بری حالت میں اٹھالے اس کام سے باز نہیں آئیں گے؟

نماز کی شروط و آداب:

اے نمازی بھائیو! تمھیں نماز کی مبارک ہو! کس قدر خوشی کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے سینوں کو اس عظیم فریضے کے لیے کشادہ کر دیا ہے! تمھیں اس عظیم شرعی فریضے کو بجالانے کی وجہ سے اس کا دنیا اور آخرت میں ملنے والا اجر اور فضیلت مبارک ہو!

لیکن اے نمازیو! تمھیں یہ بھی علم ہونا چاہیے کہ اللہ کی بارگاہ میں قبول ہونے والی نماز کی چند شرطیں، ارکان، واجبات اور آداب بھی ہیں جنھیں پورا کرنا انتہائی ضروری ہے، اسی طرح اس فریضے کے متعلق اہم مسائل بھی ہیں اور عام غلطیاں بھی ہیں جنھیں پہچاننا ایک نمازی کے لیے ازبس ضروری ہے۔

مسند احمد وغیرہ میں فرمان نبوی ہے:

《إن أسوأ الناس سرقة الذي يسرق من صلاته》[1]

''بدترین چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے۔''

اس چوری کی یہ صورت ہوتی ہے کہ آدمی نماز میں رکوع و سجود اور خشوع کو ادھورا چھوڑ دیتا ہے، جس طرح مسند احمد، ابو داود اور نسائی میں حدیث شریف ہے:

《إن المصلي لينصرف من صلاته وما كتب له إلا عشر صلاته》[2]

''نمازی جب اپنی نماز سے فارغ ہوتا ہے تو وہ اس کے صرف دسویں حصے کو حاصل کرتا ہے۔''

یہ حدیث ایک مسلمان نمازی کو اس بات کی دعوت فکر دیتی ہے کہ وہ اپنی نماز کے معاملے میں خبردار رہے تاکہ کہیں وہ اس کا ثواب نہ کھودے بلکہ سزا کا مستحق نہ ٹھہرے۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ

---

[1] صحيح. مسند أحمد (٥/ ٣٠١)

[2] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث (٧٩٦)

طہارت اور نماز کی شروط، ارکان اور واجبات کا پورا پورا خیال رکھے اور اس میں خشوع پیدا کرنے کے لیے بھر پور کوشش کرے جو نماز کا لب لباب اور اس کی روح ہے۔

نماز میں خشوع وخضوع:

امت اسلامیہ! اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی تعریف اور مدح سرائی فرمائی ہے اور ان کی یہ خوبی بیان کی ہے کہ وہ اپنی جلیل القدر عبادت میں خشوع اختیار کرتے ہیں جو ذریعہ نجات اور راہِ کامیابی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾ [المومنون: ۱، ۲]

''یقیناً کامیاب ہوگئے مومن۔ وہی جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یعنی انھوں نے نجات پائی، وہ خوش نصیب ہوئے، اور انھوں نے اپنی مراد پائی۔''[1]

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''خشوع کی اساس دل کی نرمی، رقت، سکون، خضوع، انکساری، اور اس کا چلتے رہنا ہے۔ جب دل میں خشوع پیدا ہوجائے تو اس کی پیروی میں تمام اعضاءِ بدن میں بھی خشوع پیدا ہوجاتا ہے، کیونکہ دیگر اعضا دل کے تابع ہوتے ہیں۔''[2]

کسی بزرگ نے ایک آدمی کو نماز میں اپنے ہاتھ کے ساتھ فضول حرکات کرتے ہوئے دیکھا تو کہا:

''اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضا میں بھی خشوع پیدا ہوجاتا۔''[3]

یہ حضرت حذیفہ اور سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہم سے بھی بیان کیا گیا ہے اور ایک مرفوع مگر غیر صحیح روایت میں بھی بیان ہوا ہے۔[4] نماز میں خشوع کے معنیٰ کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

---

[1] تفسیر ابن کثیر (۳/ ۳۱۹)

[2] فتح الباري لابن رجب (٤/ ۳۳۸)

[3] مصنف ابن أبي شیبة (۲/ ۸٦) یہ اثر حضرت سعید بن میّب کی طرف منسوب ہے لیکن اس کی سند میں انقطاع ہے۔

[4] دیکھیں: إرواء الغلیل (۲/ ۹۲)

''یہ دل میں خشوع رکھنے، مسلمان کے لیے نرمی کا پہلو رکھنے اور نماز میں دائیں بائیں حرکات نہ کرنے کا نام ہے۔''[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت: ﴿الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ((خائفون ساكنون)) یعنی وہ خوفزدہ اور پرسکون رہتے ہیں۔

حضرت حسن رحمہ اللہ کا قول ہے:

''ان کے دل میں خشوع تھا تو اس کی وجہ سے ان کی نگاہیں جھکی رہیں اور ان کے پہلو نرم رہے۔''[2]

ابن سیرین کا قول ہے کہ ''وہ اپنی نگاہیں اپنے سجدہ کرنے کی جگہ پر ٹکائے رکھتے تھے۔''[3]

مسلم بن یسار کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بصرہ کی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے تو مسجد کی دیوار گر گئی، اہل بازار اس کی دھمک سن کر گھبرا اٹھے لیکن وہ بالکل متوجہ نہ ہوئے۔ جب انھیں بچ جانے پر مبارک بادیں دی گئیں تو انھوں نے تعجب کرتے ہوئے کہا کہ مجھے تو اس کا احساس تک نہیں ہوا۔[4]

سلف صالحین کا خشوع:

اللہ اکبر! یہ ہے سلف صالحین رحمہم اللہ کا منہج اور طریقہ کار جن کے دل نماز میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کا رعب اور دہشت محسوس کرتے تھے، لہٰذا وہ پرسکون ہو جاتے، خشوع کے عالم میں چلے جاتے اور یہ خشوع دل سے ہوتا ہوا دیگر تمام اعضا، حرکات اور سکنات تک سرایت کر جاتا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوتے تو ان کو اللہ تعالیٰ کا جلال اور اس کی عظمت ڈھانپ لیتی۔ جب وہ اللہ جبار کے ساتھ مناجات کی لذت کوشی میں مشغول ہوجاتے تو ہر قسم کی مشغولیات ان کے ذہن سے مٹ جاتیں، اس حالت میں ہر چیز جو ان کے اردگرد ہوتی ان کے محسوسات سے دور ہو جاتی اس طرح ان کا وجدان ہر قسم کی گندگی سے پاک اور مطہر ہو جاتا، وہ ہر شبہے کو جھٹک دیتے، ایسی کیفیت میں تمام مادی امور کمزور ہو جاتے ہیں اور تمام دنیوی کام ایک ایک کر کے دور ہٹ جاتے ہیں تب کہیں جا کر نماز حقیقی دلی راحت، نفسیاتی سکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنتی ہے۔ جس طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

---

[1] فتح الباري لابن رجب (٤/ ٣٣٧)

[2] مصدر سابق.

[3] تفسير ابن كثير (٣/ ٢٣٩)

[4] حلية الأولياء (٢/ ٢٩٠)

((و جعلت قرة عیني في الصلاة)) [1]

''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔''

مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((قم یا بلال، فأرحنا بالصلاة)) [2]

''اے بلال! کھڑے ہو جاؤ اور ہمیں نماز کے ساتھ راحت پہنچاؤ۔''

نماز کی کیفیات:

اللہ اکبر! یہ ہے مطمئن لوگوں کے لیے دائمی راحت۔ جب اسے ادا کیا جا رہا ہو تو یہی احساس چھایا رہے کہ اس کے ذریعے زمین و آسمان کے مالک کے ساتھ سرگوشیاں کی جا رہی ہیں۔

نمازی جب تکبیر کہہ کر ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تعظیم کرتا ہے، جب دائیاں ہاتھ بائیں پر رکھ لیتا ہے تو اپنے آقا کے سامنے جھک جانے کا اعلان کرتا ہے۔ جس طرح امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ سب پر غالب کے سامنے جھک جانا ہے۔'' اور جب وہ رکوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اقرار کرتا ہے۔ اور جب سجدے کے لیے سر جھکاتا ہے تو وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بلندی کے سامنے تواضع کا اظہار کرتا ہے، اس طرح مسلمان اپنی نماز میں اپنے آقا کے ساتھ اپنا بندھن مضبوط کرتا ہے تاکہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وعدے کے مطابق نجات پا کر اپنی محنت کا پھل پا لے، اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی پاسداری کرتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی مصطفی ﷺ سے بیان فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس مسلم آدمی کو بھی فرض نماز پالے تو وہ اس کے لیے بہترین وضو کرے، اور اس کے رکوع اور خشوع کو عمدہ انداز میں ادا کرے تو وہ اس کے گزشتہ گناہوں کے لیے کفارہ ہوگی جب تک کبیرہ گناہ نہ کیے جائیں، اور یہ سارا زمانہ (سال) ہے۔'' [3]

---

[1] مسند أحمد (۳/ ۱۲۸) سنن النسائي، رقم الحدیث (۳۹۳۹) اس حدیث کو امام حاکم، ضیاء مقدسی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

[2] سنن أبي داود، رقم الحدیث (٤٩٨٦)

[3] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۲۸)

حقیقی نمازی:

اے نمازی بھائیو! حقیقی نمازی وہ ہوتا ہے جو نماز کو اس کے مکمل فرائض اور ارکان کے ساتھ اور تمام شروط، واجبات اور آداب کا مکمل خیال رکھ کر قائم کرے۔ اس کا دل اس میں مکمل منہمک ہو، اور وجدان اس دوران میں اس کا پورا ساتھ دے۔ وہ اس پر اپنی بساط کے مطابق مکمل محافظت کرے، اس مداومت اور ہمیشگی پر اس کو اس کا بیدار دل، سچا شعور، گہرا احساس اور زندہ ضمیر ابھارتا رہے تاکہ یہ انسان اپنے مکمل احساسات اور اعضا کے ساتھ نماز میں ڈوب جائے، کیونکہ نماز میں خشوع اسے ہی حاصل ہوتا ہے جو اپنے دل کو اس کے لیے خالی کرے، ہر چیز سے اس کو دور رکھے اور ہر چیز پر اس حضوری کو ترجیح دے۔

نماز میں شیطان کا حصہ:

نماز میں خشوع کا وہی مقام ہے جو جسم میں سر کا ہے، جو شخص اپنی نماز کو دنیاوی امور میں غور و فکر کرنے کے لیے چراگاہ اور اپنے کاموں کے سلسلے میں خیالات کی آماج گاہ بنا لیتا ہے اس کا دل کسی وادی میں ہوتا ہے اور ارادہ دوسری جگہ کی سیر کرنے میں لگا رہتا ہے، اس کی بکثرت حرکات، بے توجہگی، ہاتھ، پاؤں، کپڑوں اور اعضا کے ساتھ فضول حرکات کرنے کی وجہ سے شیطان اس کی نماز سے اپنا حصہ اچک لیتا ہے اور شائد اس کے اطمینان میں بھی خلل انداز ہوتا ہے، لہٰذا آدمی کو کوئی خبر نہیں رہتی کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے؟ ایسے آدمی کے بارے میں خدشہ پیدا ہو جاتا ہے کہ کہیں اس کی نماز رد ہی نہ کر دی جائے!

طبرانی وغیرہ میں وارد ہوا ہے کہ جس شخص کی نماز اس طرح کی ہو تو معاذ اللہ اسے پرانے کپڑے میں لپیٹ کر ایسے نمازی کے منہ پر دے مارا جاتا ہے۔[1]

نماز کی بے تاثیری:

اے امت اسلام! اب جبکہ لوگوں پر لمبی مدت گزر گئی ہے، ان کے دل سخت ہو گئے ہیں اور انھوں نے اسلامی شعائر اور علامت کو غلط طور سے سمجھا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ کوئی نماز کی بعض شرطوں میں کوتاہی کرتا ہے تو کوئی اس کے ارکان اور واجبات میں تقصیر کا شکار ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے

[1] ضعیف. المعجم الأوسط (۳/ ۲٦۳) اس کی سند میں عباد بن کثیر راوی متروک ہے۔ نیز اس کی ایک دوسری سند (مسند الطیالسي، رقم الحدیث: ٥٨٥) میں احوص بن حکیم راوی ضعیف ہے۔

کہ نماز نے لوگوں کے دلوں اور زندگیوں پر وہ اثر نہیں ڈالا جو ڈالنا چاہیے تھا۔

کیا ایسے لوگ بھی نماز ادا کرنے والے ہیں جن کو یہ نماز برائی، بے حیائی، عقیدے کی مخالفت، سنت کے ساتھ عداوت، مبادیات اسلام کی خلاف ورزی، سود خوری، زنا کاری، رشوت ستانی، دھوکے دہی، منشیات کے استعمال، حقوق العباد میں سستی، لوگوں کی عزتیں اچھالنے اور دیگر حرام کاموں سے بالکل منع نہیں کرتی؟ کیا ایسے لوگوں نے نماز قائم کی ہے اور اس کا حق صحیح طور سے ادا کیا ہے؟

اللہ کی قسم! اگر یہ اس کے حقوق صحیح طور سے ادا کرتے تو تمام حرام کردہ کاموں سے رک جاتے اور شریعت کی تمام خلاف ورزیاں چھوڑ دیتے، لیکن، لاحول ولاقوۃ إلا باللہ۔ ہمارے ہاں تو نماز کا جوہر ہی ضائع کر دیا گیا ہے!

امام ترمذی اور نسائی نے جبیر بن نفیر کی حدیث بیان کی ہے کہ لوگوں سے سب سے پہلے خشوع کو اٹھا لیا جائے گا۔[1] قریب ہے کہ آپ کسی جامع مسجد میں داخل ہوں تو آپ کو ایک آدمی بھی خشوع کرنے والا نظر نہ آئے۔ واللہ المستعان.

اے امت محمدیہ! آج ہم اس عظیم فریضے کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں؟ جسم زمین کی طرف جھکتے ہیں جبکہ دل غافل اور خیالات دنیاوی امور میں مگن ہیں مگر جس پر اللہ رحم فرمائے!

لمحۂ فکریہ:

اے نمازی مسلمانو! کیا اس عظیم فریضے اور دیگر فرائض میں رسول کریم ﷺ کے قدموں کے نشانات کی طرف لوٹنے کی کسی کو سچی لگن ہے؟ تاکہ امت اس خطرناک شکست کے بعد، جس میں یہ اپنے آپ کو مضبوط رکھنے والے عناصر کھو بیٹھی ہے، اپنی قوت اور سطوت کو ایک مرتبہ پھر بحال کر سکے؟

کیا شکست و پسپائی کے کڑوے گھونٹ پینے والی امت کو یہ لائق نہیں کہ وہ ان اسباب اور وجوہات کی کھوج لگائے جن کی بنا پر وہ اس شکست و ریخت پر غالب آ سکے؟ یقیناً یہ تمام اسباب اسے اسلامی شعائر ہی میں ملیں گے، اور ان شعائر میں سب سے عظیم نماز ہے جو افراد کی تربیت کرنے، معاشروں کی تہذیب و تنقیح، حالات کی اصلاح، کمزوری و شکست کے اسباب کا قلع قمع کرنے اور امت میں کم حوصلگی کا خاتمہ کرنے والی ہے۔

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٦٥٣)

نحن الذين إذا دعوا لصلاتهم
والحرب تسقي الأرض جاما أحمر
جعلوا الوجوه إلى الحجاز فكبروا
في مسمع الروح الأمين فكبّرا

''ہم وہ ہیں جنھیں جب اس حالت میں نماز کے لیے پکارا جائے کہ جنگ زمین کو سرخ جام پلا رہی ہو تو روح الامین کی معیت میں ہم حجاز کی طرف اپنے چہرے موڑ کر اللہ اکبر کہتے ہیں۔''

نماز میں غفلت کا انجام:

لٰہذا اللہ کے بندو! ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے عام معاملات اور خصوصاً نماز میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کریں، آدمی کا اسلام میں اتنا ہی حصہ ہے جتنا اس کا نماز میں حصہ ہوتا ہے، اس لیے ہمیں اپنی حالت پر غور وفکر کرنا چاہیے۔ آخر ہم نے اسلام کے تمام شعائر خصوصاً نماز میں سستی کر کے کیا کما لیا ہے؟

وہ امت جس کے افراد نماز میں اللہ تعالیٰ کے حضور فضل اور بھلائی کی طلب کے لیے کھڑے نہیں ہوسکتے وہ اسی لائق ہیں کہ بھلائی، اتحاد، نصرت اور قوت کے کسی بھی میدان میں ثابت قدم نہ رہیں، کیونکہ ان تمام چیزوں کا مصدر اور سر چشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جب ہم اپنے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملات کی اصلاح کرلیں گے تب اللہ تعالیٰ بھی ہمارے درمیان اور لوگوں کے درمیان معاملات کی اصلاح اور درستی کر دیں گے۔

وہ امت جس کے بیٹے اپنے خالق کی تعظیم کی خاطر اور اس کی مکمل بندگی کا اظہار کرنے کے لیے اپنے چہروں کو خاک آلود اور اپنی پیشانیوں کو مٹی میں آلودہ نہیں کر سکتے تو اس امت کا یہی انجام ہونا چاہیے کہ وہ زمانے کے چیلنجوں اور پیش آمدہ حالات کا مقابلہ کرنے میں ناکام اور ترغیبات، آزمائشوں، مصیبتوں، پریشانیوں اور دکھوں کے سیلابوں، جوہڑوں اور سمندروں میں غرق ہی رہے۔ آج۔ لا حول و لا قوة إلا بالله۔ زمین کے مختلف علاقوں میں جو حالات اس قدر دگر گوں ہیں تو اس کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ وہاں کے افراد اور لوگ نافرمانیوں کی وادیوں میں گم گشتہ راہ ہیں اور

جو سب سے بڑا واجب یعنی نماز ہے اسے بالکل ادا نہیں کرتے۔ اللہ ہی سے حالات کا شکوہ ہے، اسی سے دعا ہے کہ وہ ہر جگہ مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرمائے اور انھیں دین کی سمجھ اور اس کی بصیرت عنایت فرمائے، اور انھیں دینی شعائر کی تعظیم اور دین کے ستون کو صحیح طریقے سے ادا کرنے کی توفیق دے۔ إنه جواد کریم.

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اپنے دین کے شعائر کی تعظیم کرو، انھیں ادا کرتے وقت اپنے پروردگار کی عظمت کا تصور اپنے ذہن میں قائم رکھا کرو، اپنے دلوں کو دنیوی مشغولیات اور مادی آلائشوں سے خالی رکھا کرو اور حضورِ قلب اور دل کے خشوع کے ساتھ اپنی نمازیں ادا کیا کرو۔

حضوری قائم رکھنے والے اسباب:

اللہ تعالیٰ تمھاری حفاظت فرمائے۔ یہ جان رکھو کہ اس مقصد کے حصول کے لیے سب سے زیادہ مددگار ثابت ہونے والی چیز دل کی حضوری، پروردگار کی عظمت اور جلال کا تصور ذہن میں قائم رکھنا، اللہ تعالیٰ اور آخرت سے دھیان ہٹانے والی مشغولیات سے دل کو خالی رکھنا، دنیا کے کاموں میں تخفیف رکھنا، دلوں کو ایمان سے آباد کرنا اور انسان کے دل میں داخل ہونے والے شیطان کے تمام راستے بند کر دینا ہے۔ نیز آنکھوں کو مقام سجدہ تک محدود رکھنا، حالت قیام میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا، قرآن کریم کی تلاوت اور دعاؤں پر تدبر کرنا، ادھر ادھر متوجہ نہ ہونا، اطمینان کا خیال رکھنا، جلد بازی اور امام سے سبقت لے جانے سے پرہیز کرنا، فضول حرکتوں سے اجتناب کرنا۔ یہ تمام ایسے اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایک مسلمان کے لیے اس طرح نماز ادا کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں جس طرح اللہ اور اس کے رسول نے اسے نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

خشوع سے دور کرنے والے جدید تمدن کے مسائل:

برادران اسلام! کچھ ایسے پیش آمدہ مسائل ہیں جن کا حل نکالنا نہایت ضروری ہے، یہ ایسے مسائل ہیں جن کا نمازیوں کو نماز میں خشوع سے دور کرنے میں بہت کردار ہے۔ ان مسائل کو جدید دور کے تمدن نے جنم دیا ہے، جن میں سرفہرست ذرائع رابطہ و اتصال ہیں، جیسے موبائل فونز کہ اکثر لوگ ان کے سحر میں گرفتار ہیں اور اپنی نمازوں میں اور مسجد میں بھی ان کو سینے سے لگائے رکھتے ہیں جبکہ یہ دیگر نمازیوں کے لیے تکلیف اور تشویش کا سبب بنتے ہیں۔ ایسے نمازی کو۔ اللہ اسے معاف

فرمائے، کونسا خشوع حاصل ہوگا جس کے موبائل کی گھنٹی بار بار اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کی لذت میں کباب میں ہڈی کی طرح بن کر آئے؟ اس طرح وہ خود تو مشغول ہو جاتا ہے لیکن دوسرے لوگوں کو بھی تکلیف پہنچاتا ہے۔ یہ لوگ جو مسجد میں اپنے ساتھ یہ آلات بند کیے بغیر لے کر آتے ہیں کیا یہ نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں یا کسی اور مقصد کے لیے؟

ایسے لوگوں کو اپنی نمازوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اپنے مسلمان بھائیوں کو تکلیف دینے اور اللہ کے گھروں کی بے حرمتی کرنے سے بچنا چاہیے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے میں بھلائی کی رغبت دیکھتے ہیں تو اس کو اس کی توفیق دیتے ہیں اور اس کے لیے اس کی مدد کرتے ہیں۔

مسنون نماز ہر پریشانی کا علاج:

اگر آج مسلمان اپنی نمازوں کو اس طرح ادا کریں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ان کا طریقہ جاری کیا تھا تو اللہ کی توفیق سے یہ ان کے حالات کی اصلاح، ان کے معاشروں کی سلامتی، دشمنوں پر فتح یابی اور دنیا و آخرت کی مرادیں پانے کے لیے ایک انتہائی سنجیدہ ابتدا ہوتی۔ اسلامی شعائر پر عمل کرنا ہی اللہ کے حکم سے مضبوط ہتھیار اور ہر پریشانی سے بچانے والی ڈھال ہے کیونکہ اس کا سبب ایمان کی قوت، یقین کی سچائی اور آخرت کا شوق ہے۔

نماز محض ادا نہ کریں بلکہ اسے قائم کریں:

اس لیے اے بندگانِ الٰہی! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور اپنی نمازیں قائم کرنے کے لیے لالچ کی حد تک کوشش کرو، یہ تمھارے لیے زمین میں نور اور آسمان میں ذخیرہ ہے۔ قرآن کریم کے اسلوب پر غور کرنے والا اس نتیجے کو پہنچے گا کہ جہاں بھی نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جس کا معنی محض ادا کرنا ہی نہیں بلکہ اس سے زیادہ ہے کیونکہ اقامت کا معنی ہے اہتمام کے ساتھ مکمل کرنا۔ اس سلسلے میں نمازیوں پر جہاں ان کی اپنی ذات کے متعلق ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ نماز پر ہمیشگی کریں اور اسے توجہ اور اہتمام کے ساتھ ادا کریں اسی طرح دوسروں کے متعلق بھی یعنی ان کے جاننے والوں، رشتے داروں، بیٹوں اور پڑوسیوں کے متعلق بھی ان پر اہم ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ انھیں اس اہم موضوع کے متعلق پند و نصیحت کریں، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ﴾ [طٰہٰ: ۱۳۲]

''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور اس پر خوب پابند رہ۔''

اس سلسلے میں مساجد کے ائمہ کا بھی انتہائی اہم کردار ہے کہ وہ اس اہم ذمے داری کو اٹھائیں، اس پر توجہ دیں، اس کے احکام اور حکمتوں سے لوگوں کو روشناس کروائیں، اور ائمہ حضرات مقتدیوں کے ساتھ تعاون کریں تا کہ ہر کوئی اپنے پیغام کو ادا کرنے میں ذمے داری کا مظاہرہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے مطلوبہ نتائج حاصل ہو سکیں۔

عصرِ حاضر کے اصول ومبادیات اور ان کے اثرات کا جائزہ

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر صالح بن حمید ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اے لوگو! میں تمھیں اور اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہوں، لہٰذا اس کا تقویٰ اختیار کرو، جو اس سے ڈر جاتا ہے وہ اس کو بچا لیتا ہے، جو اس کی طرف لوٹتا ہے وہ اس پر اپنی مہربانی فرماتا ہے، جو اس سے راضی ہوجاتا ہے وہ اس سے راضی ہو کر اس کو خوش کر دیتا ہے، جو اللہ رب العزت کی اطاعت کی خاطر اپنے نفس کو ذلیل اور مطیع کرتا ہے وہ اسے عزت کی بلندیوں پر بٹھاتا ہے۔ جو اللہ بزرگ و برتر کے ساتھ تجارت کرتا ہے اس کی تجارت نفع بخش ثابت ہوتی ہے اور جو اس کی طرف ہجرت کرتا ہے اس کی ہجرت صحیح ہوتی ہے۔

حادثاتِ زمانہ اور عبرت خیز واقعات میں غور وفکر کیا کرو، کیونکہ یہ سچی خبریں ہوتی ہیں، یہ نصیحت آموز حادثات اور عبرت ناک متغیرات ہوتے ہیں جو ایک مرتبہ دیتے اور دوسری مرتبہ چھین لیتے ہیں، کسی آباد کو برباد کر دیتے ہیں اور کسی محل کو تعمیر کر دیتے ہیں۔

فتنوں سے عبرت حاصل کریں:

اے مسلمانو! فتنے اور آزمائشیں خبردار کرنے والی اور خوابِ غفلت سے بیدار کرنے والی چیزیں ہیں جو زندہ قوموں کو اپنی طرف لوٹ کر آنے، اور علمی ورثے، عملی نظریات اور تہذیبی کاروانِ حیات کا حقیقت پسندی، سنجیدگی، صراحت اور شفافیت کے ساتھ ایسا جائزہ لینے کی ذمے داری اٹھانے پر اکساتی ہیں جو ان کی وراثت پر نظر ثانی کرنے، ان کے عمل کو درست کرنے اور ان کی ثقافت کی چھان پھٹک کرنے میں معاون ثابت ہوسکتا ہو۔

یہ ثقافتی ورثے ایسی چیزیں ہیں جو لوگوں کی زندگی پر اثر انداز ہو کر ان کے کردار کو ایک جہت عطا کرتی ہیں، اور کمی وکوتاہی کے اسباب اور مقامات کی تحدید کے سلسلے میں سنجیدہ اور مخلصانہ کوششوں کے لیے ان کے اہتمامات اور ترجیحات کو متعین کرتی ہیں۔ بڑے بڑے چیلنجز اور خطرناک بحرانات قوموں کو بیدار کر دیتے ہیں، ملکوں کو خبردار کر دیتے ہیں، کاروانِ حیات میں بہت بڑی تبدیلیوں کو

تشکیل دیتے ہیں، قوموں کی زندگی میں بدنما صورتوں، بڑھاپے کے عناصر اور نرم و ناپختہ ڈھانچوں کو حرف غلط کی طرح مٹا دیتے اور ان میں نئے سرے سے سر اٹھا کر چلنے کی روح پھونک دیتے ہیں۔

ناکامی کامیابی کا زینہ ہے:

زندہ قوموں کے ہاں ماضی کی ناکامیاں اور ناشاد و نامراد امیدیں مستقبل کے امکانات کا صفایا نہیں کر دیتیں بلکہ انھیں ان کے بارے میں خبردار کرتی ہیں بلکہ انھیں یقینی ثابت کرتے ہوئے ان کے اثر کو زود اثر ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

غزوہ احد کی آزمائش کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

﴿ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَ لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ﴾

[آل عمران: ١٤٠، ١٤١]

''اگر تمھیں کوئی زخم پہنچے تو یقیناً ان لوگوں کو بھی اس جیسا زخم پہنچا ہے اور یہ تو دن ہیں، ہم انھیں لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں اور تاکہ اللہ ان لوگوں کو جان لے جو ایمان لائے اور تم میں سے بعض کو شہید بنائے اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ اور تاکہ اللہ ان لوگوں کو خالص کر دے جو ایمان لائے اور کافروں کو مٹا دے۔''

جب سنگین حادثات رونما ہوتے ہیں تو وہ کسی ایک قوم یا اکیلے ایک ملک کے ساتھ خاص نہیں ہوتے بلکہ وہ وسیع پیمانے پر دنیا کو متاثر کرتے ہیں، اگرچہ ساری دنیا کے افراد، اقوام، جماعتوں اور ملکوں کو اپنی لپیٹ میں نہ ہی لیں۔

حادثات وسیع پیمانے پر تبدیلیوں کا پیش خیمہ ہوتے ہیں:

بڑے حادثات بہت ساری تبدیلیوں کو جنم دیتے ہیں جن کے نتیجے میں اعتقادات، اقتصادیات، سیاست، معاشرہ، تعلیم و تربیت اور زندگی کے تمام میدانوں میں کئی نظریات پیدا ہوتے ہیں۔ ان واقعات اور آزمائشوں کے سائے تلے اصحاب عقل و دانش کو چاہیے کہ وہ مبادیات کا دوبارہ بغور مطالعہ

کریں، نصاب میں نظر ثانی کریں۔ اسی طرح زندگی کے نظاموں اور طور اطوار کا بھی جائزہ لیں۔

مبادیات اور نصاب کا جائزہ لینا ایک بہت اچھی بات ہے لیکن اس سے بھی بہتر ان مبادیات اور نظاموں کے قوموں اور افراد پر مرتب ہونے والے اثرات اور نتائج کا جائزہ لینا ہے۔ اور سب سے زیادہ نظر ثانی کرنے اور جائزہ لینے کے مستحق موجودہ زمانے کے اصول و مبادیات، نصابات اور نظام و سیاست ہے۔

مبادیاتِ عصر کی تباہ کاریاں:

آغاز میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صنعت، زراعت، تجارت، کیمونیکشن، میڈیکل، ادویہ سازی، ایجادات، اختراعات اور مصنوعات کے بہت سارے مثبت پہلو اور خوبیاں بھی ہیں جنھیں اختیار کرنا اور ان میں مزید کی طلب اور حرص رکھنا ایک مستحسن فعل ہے، لیکن ان اصول اور تجاویز کا انسانیت سازی، نسلوں کی تعمیر، حقوق کے احترام اور عدل کے نفاذ کے ساتھ کتنا تعلق اور ان کا کیا اثر ہے؟

ان اصول پر کاربند اکثر حضرات پیسنے والے آلات اور چکیوں کے مانند ہیں، گویا ان سے صفت انسانیت بالکل نکال دی گئی ہے۔ جمہوریت پسندی، آزادی کے مفہوم اور انسانی حقوق وغیرہ کے مقرر کردہ خوشنما اصول وضوابط کے بلند و بانگ نعرے لگائے جاتے ہیں، پھر انھیں چند خاص گروہوں یا علاقوں کے تنگ دائرے تک محدود کر کے روبعمل لایا جاتا ہے۔ ان مثالوں اور کارروائیوں کے درمیان کھلے تناقض پر ٹھنڈے دل سے رک کر غور کرنا چاہیے۔

موجودہ تاریخ انتہائی سیاہ اور تاریک ہے، جو سطوت، تکبر، تذلیل، توہین، قوموں اور ملکوں پر جبر و استبداد اور غلبے اور اجارہ داری کی تیرگی سے اٹی پڑی ہے۔

مبادیاتِ عصر پر غور کی ضرورت:

امانتداری، انصاف پسندی، حق کی تلاش میں عقل مند اور سنجیدہ رویے، تمام انسانیت کے لیے خیر خواہی، نظریات پر نظر ثانی اور ان بنیادی اسباب کے متعلق درست انداز فکر اپنانے کا، جو بہت ساری قوموں میں نفرت بھر رہے ہیں اور تشدد کو جنم دے رہے ہیں، یہ تقاضا ہے کہ اس بات پر غور و فکر کیا جائے کہ یہ کونسے اصول اور مبادیات ہیں جو نفرت پیدا کر رہے ہیں؟ یہ کونسے طریقے ہیں جو دوسروں کو ذلیل اور انھیں نیچا و حقیر دکھانے کی اجازت دیتے ہیں؟ یہ کیسے قواعد اور نصاب ہیں جو سطوت اور اکڑ بازی کے بیج بو رہے ہیں؟ یہ کیسی اقدار ہیں جو ان مبادیات کو وجود بخش رہی ہیں یا کونسی پالیسیاں اور

سیاسی چالبازیاں ہیں جو ان نظاموں کی خاکہ کشی کر رہی ہیں؟! یہاں اس تشدد پسندی کا دیانتدارانہ جائزہ لینے کی اشد ضرورت ہے جو مشرق و مغرب میں تمام دنیا پر مختلف شکلوں اور اسلوبوں میں چھا رہا ہے۔

تشدد علاج نہیں:

تشدد اور تسلط کے اظہار کے لیے عموماً مختلف جارحانہ انداز اپنائے جاتے ہیں، جیسے: نفرت کرنا، کمزورں پر قبضہ جمانا، ان کا مادی اور معنوی طور پر استحصال کرنا، باطل پرستی اور ظلم و جور روا رکھنا۔

اگر افہام و تفہیم اور گفت و شنید کے بجائے تشدد اور تسلط کا دور دورہ ہو جائے تو کمزور کی آواز رہے نہ اس کے لیے کوئی جگہ ہی باقی رہتی ہے۔ اسی طرح انصاف اور مساوات کے لیے بھی کوئی جگہ اور مقام باقی نہیں رہتا۔ اس سے بھی بدتر اور ہولناک وہ صورت ہے جب تشدد اور تسلط شریعت کا لباس پہن کر باقاعدہ پروگرام اور منصوبہ بندی کے تحت سامنے آتے ہیں۔ دنیا میں اس تشدد کی لہر کو روکنے کے لیے اور ناپسندیدگی، قوم پرستی، سطوت اور نسلی امتیازات کی بیخ کنی کے لیے بیدار ہونا انتہائی ضروری ہے۔

موجودہ جنگی تباہیاں...غور و فکر کے لیے تازیانہ:

اس زمانے میں جو یہ وقتاً فوقتاً جنگیں برپا ہوتی رہتی ہیں ہمیں حالات کا جائزہ لینے اور غور و فکر کرنے پر اکساتی ہیں۔

کتنے ملین افراد ان کا لقمہ بن چکے ہیں؟ کیسے انواع و اقسام کے بم برسائے گئے ہیں؟ کیسے کیسے تباہ کن اور مہلک ہتھیار آزمائے گئے ہیں کہ جن کا اثر صرف میدان جنگ اور انھیں تک محدود نہیں رہتا، جو ان کا شکار بن جائیں، بلکہ ان کے جراثیمی، کیمیکل اور ایٹمی اثرات ہر زندہ انسان، حیوان، درخت، ماحول، راکھ اور غبار تک کو متاثر کرتے ہیں اور بہت زیادہ بیماریاں اور عوارض پھیلاتے ہیں۔ ان کی شعاعیں ایک وسیع رقبے کو طول، عرض اور گہرائی میں متاثر کرتی ہیں اور اپنے پیچھے قتل، جلاؤ، تباہی خرابی اور بربادی کو چھوڑ جاتی ہیں، جس سے کھیت کھلیان بھی برباد ہوجاتے ہیں اور نسل انسانی بھی ہلاکت کے منہ میں چلی جاتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فساد کو قطعاً پسند نہیں فرماتے۔

یہ کون سے اصول اور سیاست بازی ہے جس کے مدرسے سے یہ کاریگر، موجد حضرات اور لوگوں کو آلہ کار بنانے والے فارغ التحصیل ہو رہے ہیں؟

جنگوں کے ریکارڈز غضب، ظلم، زیادتی، سنگ دلی اور درشتی سے لدھے پھدے ہیں۔ یہ کسی قانون کے تابع ہیں نہ عدل ان کا اقرار ہی کرتا ہے۔ ہمارے رب کی کتاب ہمیں جنگ کے آداب اور مقاصد سے آگاہ کرتی ہے:

﴿ وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ [البقرة: ۱۹۰]

''اور اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔''

اسلحہ اور جنگیں تو صرف اجتماعی بربادی اور قتل عام کرنا جانتی ہیں، ان دونوں کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد سینکڑوں، ہزاروں بلکہ لاکھوں تک ہے۔ ان کی تباہی کے ہاتھوں گھر بچے ہیں نہ کھیتیاں، مساجد اور عبادت گاہیں محفوظ رہی ہیں اور نہ گلی محلے اور بازار ہی بچ سکے ہیں۔

حادثات اور جنگوں نے تاریخ کو سب سے زیادہ مسموم کیا ہے، اگر یہی صورتحال جاری رہی تو پھر ان جنگوں کے سائے میں مستقبل انتہائی زیادہ تاریک ہے۔ دنیا کے تمام براعظموں میں ان جنگوں کے ما حاصل اس قدر ہولناک تعداد میں ہیں کہ خود اعداد و شمار ان کی کثرت کو دیکھ کر نوحہ گر ہیں۔ یہ خوفناک ٹیکنولوجیز اور وحشتناک درندگی کے سائے میں لاکھوں تک پہنچ جاتے ہیں۔

عہد حاضر کے فلسفوں کی بنیاد مادہ پرستی:

اے لوگو! محتاط جائزے اور دقیق غور و فکر کے مطابق ان طریقوں اور طرز ہائے بود و باش میں کارفرما سوچ اور واقعات کی تفسیر و توجیہ اور اغراض کی منصوبہ بندی کرتے وقت جن مادی پہلوؤں کو مدنظر رکھا جاتا ہے ان کا ان پر بڑا گہرا اثر ہے۔

اس زمانے کے فلسفوں، اصولوں، ثقافت اور سیاست کی بنیاد خشک مادہ پرستی پر قائم ہے، ایمان صرف محسوسات تک محدود ہے، غیبی امور اور ماوراء الحس کا کوئی اثر نہیں، دنیا کے ساتھ ہی تعلق ہے، اسی کی کثرت طلب میں انہماک ہے، تمام علوم و فنون اور معارف اسی کے ہالے میں گھومتے ہیں۔ سورۂ روم میں اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان قابل توجہ حقیقت بیان فرمائی ہے:

﴿ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴾ [الروم: ۷]

''وہ دنیا کی زندگی میں سے ظاہر کو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے، وہی غافل ہیں۔''

یہاں قلبی اعمال کے لیے کوئی جگہ نہیں، صرف لذتوں کا اہتمام ہے، خواہشات اور شہوت رانیوں میں گہرائیوں تک مکمل مشغولیت ہے، اسی لیے جسمانی ورزش، سپورٹس، رقص و سرود، ساغر و مینا، اداکاری، دل لگی، پینٹنگ اور دیگر فنون لطیفہ کو بھرپور توجہ دینے میں ایک طرح کا غلو اور بے اعتدالی نظر آتی ہے۔

دین روح سے خالی محض ایک رسم:

اخلاقیات، سیاسیات، فلسفہ جات اور مبادیات پر دین کا کوئی اثر نہیں۔ دین ان کے ہاں محض ایک رسمی اور تقلیدی چیز ہے جس کا دلوں پر کوئی اثر ہے نہ روح پر کوئی حکمرانی۔ سائنس، دین، روح اور جسم کے درمیان ایک منحوس قسم کی عداوت ہے۔

ان فکری نظریات کے دامن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے کوئی جگہ نہیں، نہ یہ اس عظیم وسبحان ذات کی ضرورت ہی محسوس کرتے ہیں، بلکہ ان تہذیبوں اور ان کی تاریخ میں معبود مختلف شکلوں میں متشکل ہیں جن کے لیے بت گھڑے جاتے ہیں، پھر ان کے لیے مندر اور صنم گھر تعمیر کیے جاتے ہیں، یہاں تک کہ انھوں نے دلی اعمال اور محض معنوی افعال کے لیے بھی جسم، بت، صنم، شکلیں اور تصویریں بنائی ہوئی ہیں، لہٰذا ان کے ہاں محبت کی بھی دیویاں ہیں اور خوبصورتی کے بھی دیوتا ہیں۔ دین محض خشک رسموں اور نغموں کا مجموعہ ہے، جنھیں اگر کبھی ادا بھی کرنا پڑے تو صرف رسماً اور بڑوں کی پیروی میں ادا کیا جاتا ہے۔

یہی وہ سبب ہے جس کی وجہ سے یہ سنگ دلی عام ہو چکی ہے، تشدد کی حکمرانی قائم ہو چکی ہے، ظلم کے بچے ہر جگہ دندناتے پھر رہے ہیں، اصول و مبادیات میں کوئی فرق نہیں رہا بلکہ ان کے معانی ہی اوندھے اور الٹ ہو چکے ہیں۔ ان میں بکثرت ایسے لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کے وقار اور عظمت کی کوئی پرواہ نہیں بلکہ یہ لوگ آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

دنیا کو عمل پرور دین کی ضرورت ہے:

اے برادران ایمان! عدل و انصاف کی حکمرانی، حق کی سربلندی اور باطل کی نگوں ساری کے لیے سنجیدہ اور سچا جائزہ لینے اور احتساب کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

دنیا ایک ایسی رحمدل سیاست سازی کی ضرورت محسوس کرتی ہے جو اس پر اخلاق، انصاف، عدل، دین اور کرم کی ابر باری کرے۔ اسے ایسی پالیسیوں کی ضرورت ہے جو دلوں پر تباہی کے پتھر برسانے اور اللہ کی زمین پر بربادی کے بیج بونے والے اس خبیث بائیولوجیکل اسلحے کو کالعدم قرار دے۔ ایسی سیاست کی ضرورت ہے جو انسانی حقوق میں انصاف، آزادی، تکریم، شفقت اور اطمینان کی یقین دہانی کروائے، دنیا ایسی سیاست کی پیاسی ہے جو اقتصادی، فکری اور ثقافتی ہر طرح کے سامراج اور تسلط کو ختم کر دے۔

لوگ ایک ایسی سیاست کے منتظر ہیں جو سچائی کے ساتھ مظلوم اور ضعیف کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑی ہو، ان کے شکووں کو دور کرے، کیونکہ عدل ظلم کے ساتھ شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا، نہ امن خوف کے سائے میں قائم ہوسکتا ہے۔

آج بدلہ اور انتقام کو ایک طرف رکھ کر گفت وشنید اور پرسکون ڈائیلاگ کرنے کی اہم ضرورت ہے۔ تمام دنیا، چھوٹے بڑے ملکوں سمیت، باہمی ربط وتعلق اور امن وسلامتی کے سائے تلے رہنے سہنے کی شدید حاجت مند ہے۔

اصحابِ خرد ہوش کے ناخن لیں:

اصحاب عقل وخرد اور مخلصین حضرات کو، جو تمام انسانیت کے خیر خواہ ہیں، چاہیے کہ ان اصول و مبادیات کو اپنائیں اور ان کی دعوت دیں، ان صاحبان عقل و دانش کو چاہیے کہ تاریخ میں مغالطہ پیدا نہ کریں اور قوانین فطرت کی خلاف ورزی سے بچیں، اگر انھوں نے ایسا نہ کیا تو پھر کمزور کمزور نہیں رہے گا۔ تاریخ قوموں اور تہذیبوں کے عروج و زوال کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

اسی طرح تاریخ میں قوموں کے صبر، ثبات، استقامت، مزاحمت اور طویل جدوجہد کی قوت کے مشاہدات بھی وافر مقدار میں موجود ہیں، دن رات گردش میں رہتے ہیں، زمانہ زیر انقلاب رہتا ہے۔

﴿ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ [الشعراء: ٢٢٧]

''اور عنقریب وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا، جان لیں گے کہ وہ لوٹنے کی کون سی جگہ لوٹ کر جائیں گے۔''

امت کی تاریخ عدل کے سنہرے اوراق:

امت اسلامیہ کی تاریخ خصوصاً داخلی فتنوں اور خارجی مصیبتوں کی تاریخ کا آغاز میں فتنہ ارتداد، پھر منگول آندھی، پھر صلیبی جنگوں، پھر جدید سامراجیت اور استعماریت اور آخر میں مستقل یہودی عہد کا مطالعہ کرنے والا محقق اس حقیقت تک پہنچے گا کہ اس عظیم الشان اسلامی تاریخ نے جس قدر تہذیب و روشنی اور عدل و انصاف کو اپنے ساتھ اور ان تمام قوموں کے ساتھ، جو اسلامی قلمرو کے ماتحت تھیں، روا رکھا ہے، ان فتنوں اور بحرانوں نے ان پر گہرا اثر چھوڑا ہے، جس کی وجہ سے تہذیبی کمزوری اور معاشرتی ناپائیداری کی کئی صورتیں وجود میں آئی ہیں اور انقلابِ زمانہ نے امت کے بہت سارے پہلوؤں کو زمین بوس کر دیا ہے جس کی وجہ سے دشمنوں نے خوب خوشی منائی ہے۔

دشمنوں کے چڑ کے بیداری کا سبب:

تاہم اس کے ساتھ ساتھ ان فتنوں اور بحرانوں نے مختلف چیلنجز کو تشکیل دیا ہے، اشتعال انگیزی کو بھڑکایا ہے، عزائم کی تجدید کی ہے، ہمتوں کو مہمیز لگائی ہے، اور اس تہذیبی عظمت کو نئے سرے سے قائم کرنے پر اکسایا ہے۔

آج امت جن نقصانات اور زخموں سے چور چور ہے حقیقت میں یہ تہذیبی طور پر بیدار کرنے والے اور خوابِ غفلت سے ہوش میں لانے والے چرکے ہیں، جن کے چہرے پر زمانہ حاضر کو دیکھنے والی دور رس نگاہیں اور منہ میں مستقبل کی خوشخبریاں دینے والی زبان ہے۔

غزوہ احد کی ابتلا کے حوالے سے یہ ایک دوسری آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا

رِضْوَانَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ [آل عمران: ۱۷۲ تا ۱۷۵]

''وہ جنھوں نے اللہ اور رسول کا حکم مانا، اس کے بعد کہ انھیں زخم پہنچا، ان میں ان لوگوں کے لیے جنھوں نے نیکی کی اور متقی بنے بہت بڑا اجر ہے۔ وہ لوگ کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ بے شک لوگوں نے تمھارے لیے (فوج) جمع کر لی ہے، سوان سے ڈرو، تو اس (بات) نے انھیں ایمان میں زیادہ کر دیا اور انھوں نے کہا، ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔ تو وہ اللہ کی طرف سے عظیم نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹے انھیں کوئی برائی نہیں پہنچی اور انھوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔ یہ تو شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، تو تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔''

شریعت کے عقائد و اقدار امید کی کرن:

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ امت آج جن مصیبتوں کا شکار ہے ان کا سبب یہ خود اور اس کے اپنے اعمال ہیں، لیکن ہمیں اس بات کا بھی کامل یقین ہے کہ یہ امت بفضلہٖ تعالیٰ ان اقدار کی مالک ہے جن کا منبع وحیِ الٰہی ہے، جو قرآن اور سنت کی شکل میں ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ یہ امت اس پر ایمان رکھتی ہے اور اسی کی بنیاد پر قائم ہے۔ یہی وہ پیمانہ اور روشن چراغ ہے جو خلل اور خرابی کی نشاندہی کر کے انحراف کے کونے کی تحدید کرنے پر قادر ہے، اور یہی وہ چیز ہے جس کے ساتھ امت باذن الٰہی درستی، ہوشمندی، بیداری اور تجدید پر قادر ہو سکتی ہے۔

شریعت کے عقائد اور اصول حقیقت میں وہ دفاعی نظام ہیں جو فکری بحرانوں، عقلی بیماریوں اور مادی انحرافات کے سامنے بند باندھنے پر قادر ہیں۔ یہ تو ایک پہلو تھا، ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس حقیقت سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسا کبوتر کا بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لینا کہ معاصر نو وارد فکری لہروں نے دنیا بھر میں وسیع پیمانے پر جنگ کے میدان میں کافی کامیابیاں سمیٹی ہیں اور ہر چیز کو نادیدے پن کے ساتھ لپیٹ لینے کی کئی کاوشیں کی ہیں، لیکن ان تمام مشکلات اور بحرانی کیفیات کے باوجود اسلام اور اسلامی معاشرہ ان تبدیلی کی ہواؤں کا مقابلہ ڈٹ کر کرتا رہا ہے اور ان شاء اللہ کرتا رہے گا۔

نو واردفکری لہروں کی تلبیس کاری:

اسلام کو سچا دین ماننے کا ایمان تمام مسلمان قوموں کے ہاں بڑا مضبوط اور ان کے دلوں میں اس کی جڑیں بڑی گہری ہیں۔

مسلمان کسی جدید مگر مفید چیز سے انکار نہیں کرتے، لیکن مشکل تو یہ ہے کہ یہ نو واردفکری لہروں کے مالک اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ وہی اکیلے قابل تقلید نمونہ ہیں، جس کا رواج پذیر ہونا نہایت لازمی ہے، اور اس کے ساتھ یہ لوگ نمود ونمائش، تزئین و آرائش، واقعات میں تبدیلی، صورتِ احوال کا غلط تجزیہ، تسلیم شدہ حقائق کے متعلق غلط فہمی، جانبداری، جعل سازی، ملمع کاری، طبقاتی فرق، اعتراضات کی بوچھاڑ ہر ایک کو غیر دانشمند قرار دینے اور ہر ایک کا وقار گھٹانے کے لیے ذرائع ابلاغ کا انتہائی غلط استعمال کرتے ہیں۔

ایک مسلمان کھلے دل کا مالک اور حالات کے ساتھ چلنے والا ہوتا ہے، وہ مفید ترقی کی راہ میں کھڑا نہیں ہوتا نہ علمی یا مادی علیحدگی اور کنجوسی کی دعوت دیتا ہے، نہ تہذیبوں میں نفع مند اشیا سے عداوت رکھتا ہے لیکن وہ دست نگری، ماتحتی، ملیچھ پن اور ذلت کو کبھی قبول نہیں کرتا۔

اسلام مستقل اور کامل دین ہے:

اسلام ایک ایسا دین ہے جو کسی میں ضم ہوسکتا ہے نہ خود پگھل کر مٹ ہی سکتا ہے۔ اکثر ادیان کے مبادیات اور اصول ایسے ہیں جو مرجھا کر اور کمزور ہو کر تحریف شدہ ہو چکے ہیں، لیکن اسلام ۔الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ کا محفوظ، دائمی اور آخری دین ہے۔ اور پھر یہ بھی انتہائی قابل فخر، باعث اعزاز اور لائق تقویت مقام ہے کہ اسلام نے اپنے عقائد، احکام، تہذیب اور مبادیات کی صورت میں انسانیت کی خدمت میں وہ تحفہ پیش کیا جو کوئی تہذیب بھی پیش نہیں کر سکی۔

ذمہ داری کا احساس...کامیابی کی کنجی:

مسلمان اگر فرقے بندی اور انتشار کو چھوڑ دیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہر قسم کی مشکلات سے نکلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، لیکن یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب مسلمانوں کو نہ صرف اپنے متعلق بلکہ ساری انسانیت کے متعلق اپنی ذمے داریوں کا مکمل احساس ہو جائے۔ یہی ایک احساس

ہے جس کے ساتھ وہ اپنے آپ کو بھی بچا سکتے ہیں اور انسانیت کی اصلاح کا بیڑا بھی اٹھا سکتے ہیں۔

انھیں اپنے دین کی حقیقت اور اپنے پیغام کی اصلیت کا مکمل علم ہونا چاہیے تاکہ وہ تبدیلی، قوموں کی تعمیر اور اصلاح کے متعین راستوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کے قوانین سمجھ سکیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ﴾ [الرعد: ۱۱]

''بے شک اللہ نہیں بدلتا جو کسی قوم میں ہے، یہاں تک کہ وہ اسے بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے۔''

اس لیے اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ، دین قائم کرو اور اس میں فرقے بندی اختیار نہ کرو۔

﴿ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ ﴾ [الشوری: ۱۳]

''مشرکوں پر وہ بات بھاری ہے جس کی طرف تو انھیں بلاتا ہے، اللہ اپنی طرف چن لیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اپنی طرف راستہ اسے دیتا ہے جو رجوع کرے۔''

اہل باطل کی خوشامد کرنے کی مذمت

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر اُسامہ خیاط حفظہ اللہ

خطبہ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا عقلمندوں کا طریق ہے۔ یہی راستہ لغزش سے بچا سکتا، جنت کی نعمتوں کا وارث بنا سکتا اور آگ سے نجات دلا سکتا ہے۔

رزق کی قلت اور موت کا خوف:

اہل اسلام! پستیوں کے دائرے میں اور کم ہمتی کی مختلف اقسام کے درمیان انسان کی زندگی میں دو شدید ترین متاثر کرنے والے معاملے رونما ہوتے ہیں جو اسے ان سطحوں تک لے جاتے ہیں جو اس کے لائق ہیں نہ اس کے مناسب بلکہ یہ اس عظیم مقام کے ساتھ بھی کوئی میل نہیں کھاتے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو فائز کیا، اس کو عزت دی اور اپنی بہت ساری مخلوق پر اسے فضیلت بخشی۔ ان میں سے ایک رزق کم ہونے یا ختم ہونے کا خوف ہے اور دوسرا دنیا میں انسان کے مقرر وقت (عمر) کے ختم ہو جانے یا کم ہونے کا خوف ہے۔

دین میں اس کا حل:

دین اسلام کے فضائل اور محاسن کی ایک جھلک یہ بھی ہے کہ یہ دین اس بیماری کا دقیق اور شافی علاج پیش کرتا ہے، تاکہ یہ خوف مسلمان پر حاوی ہو کر اسے ضعفِ یقین، محدود توکل اور نقصِ ایمان کے اثراتِ بد کے شکنجے میں نہ کس لے۔

اور وہ اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں اطمینان کی روح پھونکی اور ان دونوں خوفوں کو پیدا کرنے والے تمام اسباب ان سے دور کر دیے تو ان دونوں خوفوں کو اکیلے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنے سوا کسی کا بھی ان میں کوئی حصہ نہ رکھا، تاکہ اس کے بندے صرف اس کے ساتھ امید کی لو لگائیں، دل صرف اس کی طرف متوجہ ہوں، تاکہ وہ اپنی حاجتیں صرف اس کے حضور پیش کریں اور ان کو ایسا یقین نصیب ہو جائے جس کے ہوتے ہوئے وہ امن کے سائے میں زندگی

کے چکر پورے کریں اور اللہ کے سوا کسی کا خوف ان کو دامن گیر نہ ہو۔ ان کی روحیں ایسی بلندی تک پہنچ جائیں کہ اللہ کے سوا کسی کے آگے نہ جھکیں اور ان کے سر اتنے بلند ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کے سامنے سرنگوں نہ ہوں۔

رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے:

رزق کے میدان میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ بڑے تاکیدی قول اور پکے اور سچے وعدے کے ساتھ اپنے بندوں کو مطمئن کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ﴾ [الذاریات: ۲۲، ۲۳]

’’اور آسمان ہی میں تمھارا رزق ہے اور وہ بھی جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو، سو آسمان و زمین کے رب کی قسم ہے! بلاشبہ یہ (بات) یقیناً حق ہے اس (بات) کی طرح کہ بلاشبہ تم بولتے ہو۔‘‘

نیز اپنے اکیلے خالق رازق ہونے اور زندہ کرنے والے اور مارنے والے ہونے کا بیان کرتے ہوئے اور اپنے بندوں پر اپنی متعدد نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حق شانہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [الروم: ٤٠]

’’اللہ وہ ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، پھر تمھیں رزق دیا، پھر تمھیں موت دے گا، پھر تمھیں زندہ کرے گا، کیا تمھارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کرے؟ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے، اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔‘‘

اس آیت کریمہ کا یہ مقتضیٰ ہے کہ رزق صرف اسی سے چاہا جائے، خالصتاً اس کی عبادت کی جائے اور اسی کا شکریہ ادا کیا جائے۔ فرمایا:

﴿ فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ [العنکبوت: ١٧]

’’سو تم اللہ کے ہاں ہی رزق تلاش کرو اور اس کی عبادت کرو اور اس کا شکر کرو، اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔‘‘

رسول کریم ﷺ نے اپنی اس مشہور نصیحت میں، جو آپ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو فرمائی تھی، بیان کیا ہے کہ نفع اور نقصان کے تمام امور کی چابیاں صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ فرمایا:

« واعلم: أن الأمة لو اجتمعت على أن ينفعوك بشيء لم ينفعوك إلا بشيء قد كتبه الله لك، ولو اجتمعوا على أن يضروك بشيء لم يضروك إلا بما كتب الله عليك، رفعت الأقلام وجفت الصحف »[1]

’’جان لو! اگر ساری امت بھی تجھے کوئی فائدہ پہنچانے کے لیے اکٹھی ہو جائے تو تجھے اس فائدے کے سوا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے، اور اگر تجھے کوئی نقصان پہنچانے کے لیے سارے اکٹھے ہو جائیں تب بھی تجھے اس نقصان کے سوا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے، قلمیں اٹھا لی گئی ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔‘‘

زندگی مقرر ہے:

اور عمر کے متعلق اللہ جل شانہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ اس کے ہاں کتاب میں مقرر اور لکھی ہوئی ہے، جسے درازیٔ صحت، پرتعیش زندگی، ناز و نعم میں پلنا اور ہر اس کام سے بچنا جو باعث خطرہ ہو سکتا ہو، بڑھا نہیں سکتا، نہ عزت و شرف اور جہاد کے میدان میں کود پڑھنا، جہاں بے خوف و خطر کود پڑنا ضروری ہو جاتا ہے، عمر میں کچھ کمی ہی کر سکتا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [آل عمران: ١٤٥]

’’اور کسی جان کے لیے کبھی ممکن نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر مر جائے۔‘‘

مگر لوگ غافل ہیں:

اس حقیقت کے بالکل عیاں ہونے اور اس وعدے کے قطعاً سچا ہونے کے باوجود بے یقینی کی کیفیت جو اکثر لوگوں پر طاری رہتی ہے ان کو اس پورہ ہونے والے وعدے سے دور رکھتی ہے اور ان

[1] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٥١٦) مسند أحمد (١/ ٢٩٣)

کے درمیان اور حق کے درمیان مزید دوریاں بڑھا دیتی ہے۔ اس طرح یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس وعدے سے غافل ہوجاتے ہیں کہ عمروں اور رزق میں تصرف کا اختیار اس نے اپنے پاس رکھا ہے اور کسی کا اس میں کوئی اختیار نہیں۔ اور جب کوئی اپنے جیسے بشر کی چاپلوسی کرتا ہے، اسے مکھن لگاتا ہے، اس کے سامنے کتے کی طرح دم ہلاتا رہتا ہے اور اس کی مدح کے ڈونگرے برساتا ہے، اس کی خاطر جملے چنتا ہے کہ شاید یہ تعریف اور خوشامد اس کو بغیر کسی استحقاق اور اہلیت کے صدیقین، صالحین اور مصلحین کے مقام پر فائز کر دے۔

پھر یہ شخص بہت سارے باطل اور غلط معاملات کی تائید میں طوطے کی طرح بولتا رہتا ہے اور جہاں حق کی آبرو کا مسئلہ آ جائے وہاں زبان کو تالا لگا لیتا ہے، لہٰذا انجام کار اس آدمی کی یہ چاپلوسی اس کے لیے وبال جان بن جاتی ہے، کیونکہ یہ قبیح عادت اسے اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضی کا وارث بنا دیتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«من التمس رضا الله بسخط الناس رضي الله عنه، وأرضیٰ عنه الناس، ومن التمس رضا الناس بسخط الله سخط الله عليه، وأسخط عليه الناس»[1]

''جو لوگوں کو ناراض کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی تلاش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوجاتے ہیں اور لوگوں کو بھی اس سے راضی کر دیتے ہیں، اور جو اللہ کی ناراضی کے ساتھ لوگوں کی رضا مندی کا متلاشی ہوتا ہے، اللہ اس پر ناراض ہوجاتے ہیں اور لوگوں کو بھی اس پر ناراض کر دیتے ہیں۔''

چاپلوسی ناپسندیدہ خو ہے:

لہٰذا کہاں ہے جائے پناہ اور فرار ونجات کی راہ؟ اللہ کے بندو! یہ ایک ناپسندیدہ خو، قابل حقارت عادت اور لائق مذمت رویہ اور روش ہے۔ اصحاب عقل وخرد اور مالکان دانش وبینش اس کے گڑھے میں گرنے اور اس کی گندگی میں ملوث ہونے سے دور بھاگتے ہیں، خصوصاً جب اس خوشامد کا مقصد کسی دوسرے کی چغل خوری اور عزت دری کر کے اس پر الزام تراشی اور طعن وتشنیع کے زہریلے

[1] صحيح ابن حبان (۱/ ۵۱۰) نیز دیکھیں: سنن الترمذي، رقم الحديث (۲٤۱٤)

تیر چلا کر اس کے مقام و مرتبے کو گرانا مقصود ہو۔

اللہ پر حسنِ اعتماد رکھیں:

اے اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ پر حسن اعتماد رکھو اور یاد رکھو کہ رزق اور عمر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور کوئی جان اس وقت تک موت سے آشنا نہیں ہوگی جب تک وہ رزق اور عمر مکمل نہ کرے۔ نفع اور نقصان صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کو کافی ہے، لہٰذا اس کے ہوتے ہوئے انھیں کسی دوسرے کی کفایت اور کفالت کی ضرورت نہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾ [الزمر: ٣٦]

''کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے اور وہ تجھے ان سے ڈراتے ہیں جو اس کے سوا ہیں اور جسے اللہ گمراہ کر دے، پھر اسے کوئی راہ پر لانے والا نہیں۔''

اللہ کو راضی کریں:

اللہ کے بندو! آدمی جب اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے اور اسے وافر رزق عطا کرتا ہے، وہ اسے لوگوں کی معاونت سے کافی ہو جاتا ہے۔ ایسے کام کے ساتھ لوگوں کو راضی کرنا جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیتے ہیں یہ ان سے خوف کھانے اور ان پر امید کی نظریں لگانے کی وجہ سے ہوتا ہے جو ایمان میں کمزوری کی علامت ہے۔ پھر جب وہ تیرے مقدر میں نہ آئے جو تو سمجھتا تھا کہ وہ کر سکیں گے تو یقین کر لے کہ معاملہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں، جو وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے، جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، اس کے سوا کوئی رب ہے نہ کوئی معبود برحق۔

دوسرا خطبہ

مبادیاتِ اسلام سے دست بردار نہ ہو جاؤ

امام وخطیب

فضیلۃ الشیخ

ڈاکٹر سعود الشریم حفظہ اللہ

25/1/2002 = 11/11/1422

تیسرا خطبہ

ہماری تہذیب اور اُن کی تہذیب

امام وخطیب

فضیلۃ الشیخ

ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس حفظہ اللہ

1/2/2002 = 18/11/1422

چوتھا خطبہ

نیک عمل کی حقیقت

امام وخطیب

فضیلۃ الشیخ صالح بن حمید حفظہ اللہ

8/2/2002 = 25/11/1422

حفاظتِ زبان کی ترغیب

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عمر بن محمد السبیل حفظہ اللہ

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے کیونکہ یہ تمام بھلائیوں کا مجموعہ اور سعادت ونجات کی راہ ہے۔ اسی کے ساتھ نفس جلا پاتے ہیں، زبانیں درست ہوتی ہیں اور دل اصلاح پذیر ہوتے ہیں، اس لیے اپنے قول وفعل میں تقویٰ اختیار کرو۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَ اتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ [البقرة: ٢٨١]

''اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو پورا دیا جائے گا جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

حفاظتِ زبان:

اللہ کے بندو! دین اسلام اپنے احکام اور قوانین میں ایک مکمل اور جامع دین ہے، یہ دین اعلیٰ اخلاق اور اکمل آداب کی راہ دکھاتا اور برے افعال اور ناپسندیدہ اقوال سے منع کرتا ہے۔ جن آداب اور فضائل کی طرف اسلام نے توجہ دلائی ہے ان میں وہ آداب بھی شامل ہیں جن کا تعلق حسنِ کلام، گفتگو کے آداب اور لغویات سے زبان کی حفاظت کے ساتھ ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بنی آدم کو عقل وبیان کی نعمت عطا کر کے دیگر تمام مخلوقات سے ممتاز کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں اپنی مخلوق پر اس احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ﴾ [يٰسين: ٧٧]

''اور کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے اسے ایک قطرے سے پیدا کیا تو اچانک وہ کھلا جھگڑنے والا ہے۔''

اس نعمت کا حق یہ ہے کہ اس کا شکر یہ ادا کیا جائے نہ کہ اس کی ناشکری کی جائے، اور اسے حرام سے بچا کر اور گناہوں سے محفوظ کر کے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پاسداری کی جائے۔ کیونکہ

زبان دیگر اعضاءِ جسم میں سب سے زیادہ خطرناک اور پر تاثیر ہے۔ اگر اسے اللہ کی رضا اور مخلوق کے فائدے میں استعمال کیا جائے تو یہ انسان کے لیے دنیا و آخرت میں خوشی اور کامیابی کا سب سے بڑا سبب بن جاتی ہے، لیکن اگر اسے اللہ جبار کی ناراضی اور مخلوق کے لیے نقصان دہ امور میں استعمال کیا جائے تو یہ انسان کے لیے سب سے زیادہ ضرر رساں ثابت ہوتی ہے اور اس کے سر پر گناہوں کا بھاری بوجھ ڈال دیتی ہے۔

اس لیے اسلام نے زبان کے معاملے پر بہت زیادہ توجہ دی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور سید الانبیاء ﷺ نے اپنے فرامین میں زبان کی حفاظت اور فحش گوئی سے دور رہنے کی بہت زیادہ ترغیب دی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَ قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴾ [الإسراء: ٥٣]

''اور میرے بندوں سے کہہ دے وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہو، بے شک شیطان ان کے درمیان جھگڑا ڈالتا ہے۔ بے شک شیطان ہمیشہ سے انسان کا کھلا دشمن ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں اور پرہیزگاروں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ فضولیات سے اعراض کرتے اور جھوٹی باتوں سے دور بھاگتے ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴾ [المؤمنون: ١ تا ٣]

''یقیناً کامیاب ہو گئے مومن۔ وہی جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔ اور وہی جو لغو کاموں سے منہ موڑنے والے ہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ ﴾ [القصص: ٥٥]

''اور جب وہ لغو بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کرتے ہیں۔''

گناہ اور حرام سے زبان کی حفاظت کرنا استقامتِ دین اور کمالِ ایمان کی نشانی ہے، جس

طرح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

« لا يستقيم إيمان عبد حتى يستقيم قلبه، ولا يستقيم قلبه حتى يستقيم لسانه»[1]

''آدمی کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک اس کا دل درست نہ ہو، اور اس کا دل اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک اس کی زبان درست نہ ہو۔''

بلکہ درستی اور ٹیڑھے پن میں تمام جسمانی اعضا زبان کے ساتھ مربوط ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إذا أصبح ابن آدم فإن الأعضاء كلها تكفر اللسان، تقول: اتق الله فينا، فإنما نحن بك، فإن استقمت استقمنا، وإن اعوججت اعوججنا»[2]

''جب انسان صبح کے وقت بیدار ہوتا ہے تو تمام اعضاءِ بدن زبان کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہمارے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہنا کیونکہ ہم تمھارے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اگر تو درست رہے گی تو ہم بھی درست رہیں گے، اور اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔''

کم گوئی اور حسنِ کلام:

آدمی کا کم گو ہونا اور اپنی زبان کی حفاظت کرنا اس کے باادب، عقلمند اور نیک طینت ہونے کی نشانی ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے:

« إذا تم العقل نقص الكلام»

''جب عقل پختہ ہو جائے تو گفتگو میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔''

کسی دانا کا کہنا ہے:

''آدمی کی گفتگو اس کی شرافت کا بیان اور اس کی عقل کی ترجمان ہے۔ اس لیے اسے اچھائی تک محدود رکھ اور تھوڑی پر اکتفا کر۔''

---

1. حسن. مسند أحمد (٣/ ١٩٨) المعجم الكبير للطبراني (١٠/ ٢٢٧)
2. حسن. سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٤٠٧) مسند أحمد (٣/ ٩٥)

ایک سمجھدار مسلمان کی عقل اور ایمان اسے حسن کلام اور خوبصورت گفتگو کرنے پر اکساتے ہیں۔ اگر بات کرنے کا موقع محل ہوتو وہ بات کرتا ہے وگرنہ گناہ سے بچنے کی خاطر اور رسول کریم ﷺ کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے خاموشی ہی میں عافیت سمجھتا ہے۔

فرمانِ مصطفیٰ ﷺ ہے:

《من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا، أو ليصمت》 ❶

''جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ یا اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔''

دل کی باتوں کو عمدہ سلیقے سے کہنا بلند ترین اور شریفانہ خوبی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ ادیان کے ماننے والوں کی توجہ اس طرف مبذول کروائی اور ان سے پختہ وعدہ لیا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ﴾ [البقرة: ٨٣]

''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے۔''

حسن کلام کے فوائد:

اچھی بات دوست اور دشمن ہر ایک کے ساتھ عمدگی کے ساتھ پیش آنا سکھاتی ہے، دوستوں کے ساتھ یہ الفت و محبت میں ہمیشگی کا سبب بنتی ہے جبکہ دشمنوں کے ساتھ حسن کلام کے ساتھ پیش آنا دلوں میں موجود نفرتوں اور کدورتوں کو دور کر دیتا ہے، اور جھگڑوں کی آگ بجھا دیتا ہے، جس طرح ارشاد ربانی ہے:

﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾ [فصلت: ٣٤، ٣٥]

''تو اچانک وہ شخص کہ تیرے درمیان اور اس کے درمیان دشمنی ہے، ایسا ہوگا جیسے وہ دلی دوست ہے۔ اور یہ چیز نہیں دی جاتی مگر انھی کو جو صبر کریں اور یہ نہیں دی جاتی مگر اسی کو جو بہت بڑے نصیب والا ہے۔''

زبان کی آفتیں:

اے مسلمانو! زبان کی بہت زیادہ آفتیں اور بیہودہ گوئی کی بہت زیادہ برائیاں ہیں۔ امیر

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٦٧٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (٤٧)

المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی شے پر خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

"من كثر كلامه كثر سقطه، ومن كثر سقطه قلّ حياؤه، ومن قلّ حياؤه قلّ ورعه، ومن قلّ ورعه مات قلبه"[1]

''جو بہت زیادہ باتیں کرتا ہے اس کے قول وفعل میں بہت زیادہ غلطیاں ہوتی ہیں، جس کی غلطیاں زیادہ ہوں اس میں حیا کم ہو جاتا ہے، اور جس میں حیا کم ہو جائے اس میں پرہیز گاری کم ہو جاتی ہے، اور جس میں پرہیز گاری کم ہو جائے اس کا دل مر جاتا ہے۔''

کسی بزرگ کا قول ہے:

"أطول الناس شقاء وأعظمهم بلاء من ابتلي بلسان منطلق، و فؤاد منطبق"

''وہ شخص طویل بدبختی اور عظیم مصیبت کا شکار ہو جاتا ہے جو چلنے والی زبان اور بند دل کی آزمائش میں مبتلا ہو جائے۔''

بیہودہ گوئی سے بچنا اور زبان کی ہر اس کام سے حفاظت کرنا جو دین و دنیا کے معاملے میں غیر مفید ہو عقلمندی اور سمجھداری کی علامت ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس بات کی نصیحت فرمائی اور اس کی ترغیب دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے کہا:

« كف عليك هذا » ''اس کو اپنے تک روکے رکھ۔'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت معاذ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم جو گفتگو کرتے ہیں کیا ہمارا اس پر مؤاخذہ ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« ثكلتك أمك يا معاذ! هل يكب الناس في النار على وجوههم إلا حصائد ألسنتهم »[2]

''اے معاذ! تیری ماں تجھے گم پائے، لوگ تو صرف اپنی زبانوں کی کرتوتوں کے بدلے جہنم میں اوندھے منہ گرائے جائیں گے!''

حضرت سفیان ثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کو میرے متعلق

---

1. المعجم الأوسط (٢/ ٣٧٠) یہ روایت مرفوعاً بھی مروی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: السلسلة الضعيفة، رقم الحديث (٤٦٤٣)
2. **صحيح**. سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٦١٦)

کس چیز کا سب سے زیادہ خدشہ ہے؟ آپ نے اپنی زبان پکڑی اور کہا: ''اس کے متعلق۔''[1]

اس لیے امت کے برگزیدہ لوگ زبان کے خطرات سے بہت زیادہ ڈرتے اور ممکن حد تک ان سے اجتناب برتتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زبان نکالتے اور کہتے:

«هذا الذي أوردني شر الموارد»[2]

''یہ ہے وہ جس نے مجھے بڑی بری جگہوں میں پھنسایا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

«والله الذي لا إله غيره، ما على ظهر الأرض شيء أحوج إلى طول سجن من لسان»[3]

''اللہ کی قسم! زمین میں زبان سے بڑھ کر کوئی ایسی چیز نہیں جسے طویل مدت تک قید کرنا چاہیے۔''

امام عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ کا قول ہے:

''کیا یہ قابل شرم بات نہیں کہ آدمی کا دن بھر کا صحیفہ جب پھیلایا جائے تو اس میں ان چیزوں کی کثرت ہو جن کا نہ دین کے ساتھ کوئی تعلق ہو اور نہ دنیا کا؟''[4]

زبان کی لگام ڈھیلی نہ ہونے دیں:

اس لیے اے بندگان الٰہی! اگر انسان زبان کو تقوے کی نکیل نہ ڈالے تو اس کی رسی شیطان کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے، پھر وہ جس طرح چاہتا ہے آدمی کو گھماتا ہے۔ اگر انسان زبان کی لگام ڈھیلی چھوڑ دے اور وہ جو دل میں آئے بولتی چلی جائے تو یہ اس کو تباہی و بربادی کے گھاٹ پر لے آتی ہے اور چغلی، غیبت، جھوٹ، الزام تراشی، فحش گوئی اور زبان درازی جیسے کبیرہ گناہوں میں گرفتار کر لیتی ہے، بلکہ بعض لوگ تو اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ وہ اپنی زبان کی قینچی سے لوگوں کی عزتیں کاٹنا شروع کر دیتے اور ایسے فحش اور بیہودہ کلمات استعمال کرتے ہیں جو انسان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ پھر یہ لوگ اللہ کے بندوں کو طعن و تشنیع، طنز و مزاح، حقارت آمیزی اور عیب جوئی کا

---

[1] **صحيح**. سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٤١٠)

[2] مسند أبي يعلى (١/ ١٧)

[3] المعجم الكبير (٩/ ١٤٩)

[4] تاريخ دمشق (٤٠/ ٣٩٨)

نشانہ بناتے ہیں، نہ ان کو اس کام سے دین روکتا ہے اور نہ شرم و حیا اور مروت ہی ان کے آڑے آتی ہے۔ شائد انھوں نے یہ فرمان الٰہی نہیں سنا:

﴿ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا ﴾ [آل عمران: ١٨١]

''ہم ضرور لکھیں گے جو انھوں نے کہا۔''

نیز فرمایا:

﴿ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴾ [ق: ١٨]

''وہ کوئی بھی بات نہیں بولتا مگر اس کے پاس ایک تیار نگران ہوتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إن العبد ليتكلم بالكلمة من سخط الله لا يلقي لها بالاً يهوي بها في جهنم »[1]

''آدمی کوئی ایسی بات منہ سے نکالتا ہے جو اللہ کو ناراض کرنے والی ہوتی ہے لیکن بندہ اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا حالانکہ وہ اس کو جہنم میں پھینک دے گی۔''

ایک مذموم روش:

لیکن پریشانی اس وقت دو چند ہو جاتی ہے جب آدمی ایسے لوگوں کو بد کلامی کرتے ہوئے دیکھتا ہے جو بظاہر بڑے صاحب علم، پارسا اور پر وقار نظر آتے ہیں۔ وہ ایسی گندی زبان استعمال کرتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ نہ کسی کی عزت کا خیال کرتے ہیں نہ کسی کے مرتبے کا کچھ لحاظ رکھتے ہیں اور نہ کسی زندہ یا مردہ ہی کی پرواہ کرتے ہیں بلکہ صرف سبقت لسانی کی وجہ سے یا قلم سے سرزد ہونے والی غلطی کے سبب یا کسی خاص صورتحال کے پیش نظر ان پر طعن و تشنیع کے تیر چھوڑتے ہیں، جبکہ اس کا سبب حسد اور بغض کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ کیا ایسے شخص کو دین، اخلاق، تقویٰ یا عقل ایسی بد کلامی سے منع نہیں کر سکتی؟ کیا اس کے اپنے عیب اس کو اس رویے سے باز نہیں رکھ سکتے؟

کسی نیک آدمی نے ایک شخص کو لوگوں کی عزتیں اچھالتے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا: ''تم بکثرت لوگوں کے عیب ذکر کر رہے ہو، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمھارے اپنے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦١١٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٢٨٨)

عیب بہت زیادہ ہیں۔"

اس لیے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور اپنی زبان اور دیگر تمام اعضا کو حرام کام کرنے سے منع کرو، اور ہمیشہ یہ فرمانِ الٰہی یاد رکھا کرو:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ [الأحزاب: ۷۰، ۷۱]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور بالکل سیدھی بات کہو۔ وہ تمھارے لیے تمھارے اعمال درست کر دے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے تو یقیناً اس نے کامیابی حاصل کر لی، بہت بڑی کامیابی۔"

بدگوئی...مجالس کا دستر خوان:

اللہ کے بندو! آج معاشرے کی واقعاتی صورتحال پر غور وفکر کرنے والا شخص یہ دیکھ کر حیران وششدر رہ جاتا ہے کہ مجالس اور محافل میں کی جانے والی لوگوں کی اکثر گفتگو اور میڈیا پر پیش کیے جانے والے پروگرامز فضولیات کا طومار اور لغویات کا پلندہ ہوتے ہیں جن میں محض نفس کا چسکا، زبان کا پھٹکا اور سماعت کا لپکا ہے۔ ان کا کوئی فائدہ ہے نہ نفع بلکہ ان کی اکثریت دین و دنیا کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس کا اسلامی آداب و اخلاقیات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں کیونکہ اسلام لغویات اور فضولیات کو ناپسند کرتا، غیر مفید کاموں میں مشغولیت کو کراہت کی نظر سے دیکھتا اور اعلیٰ اور عمدہ اخلاقیات اور آداب کو پسند کرتا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ [النساء: ۱۱۴]

"ان کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں، سوائے اس شخص کے جو کسی صدقے یا نیک کام یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دے اور جو بھی یہ کام اللہ کی رضا کی طلب کے

لیے کرے گا تو ہم جلد ہی اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔"

سامعین محترم! اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنی رحمت فرمائے۔تقویٰ اختیار کریں، اسلامی تعلیمات اور آداب کا التزام کریں اور اپنی زبانوں کو حرام سے بچائیں۔ جو زبان کے شر سے محفوظ ہو گیا وہ بہت بڑے شر سے محفوظ ہو گیا، اور جس نے اپنی زبان بھلائی، فرمانبرداری اور حلال گفتگو میں استعمال کی تو اس کو اصلاح کی کامل توفیق مل گئی۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا کرے، اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

مبادیاتِ اسلام سے دست بردار نہ ہو جاؤ

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سعود الشریم ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اے لوگو! میں تم کو اور اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے، اسی پر توکل کرنے، اسی سے مدد چاہنے، اسی کے سامنے عاجزی اختیار کرنے اور اسی پر اعتماد کرنے کی تلقین کرتا ہوں کیونکہ صرف اسی کے ساتھ بلندی نصیب ہوتی ہے، نعمت حاصل ہوتی ہے، بلند درجہ عطا ہوتا ہے اور دنیا و آخرت میں انجام بہتر ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے:

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴾ [یونس: ٦٢، ٦٣]

''سن لو! بے شک اللہ کے دوست، ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ جو ایمان لائے اور بچا کرتے تھے۔''

اسلامی روح سے خالی کوئی بھی تحریک تمام اندھیروں کا حل نہیں:

لوگو! آج تمام دنیا کے مجموعی حالات کو نظر میں رکھنے والا شخص جو موج در موج اٹھنے والی آندھیوں کا سینہ چیر کر چلتے سفینے پر گہری نظر ڈالتا ہے اور نئے درپیش مسائل کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کا بنظر غائر مشاہدہ کرتا ہے وہ جب زندگی کے تمام گوشوں کے ساتھ تعلق رکھنے والے عام حالات اور بکثرت پیش آنے والے غیر واضح معاملات کا بلا استثنا تجربہ کرتا ہے تو اسے اس بات کا یقین کی حد تک علم ہو جاتا ہے کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ادھر ادھر اٹھنے والی کوئی بھی تحریک، دعوت، یا بنیاد جو اسلام اور شریعت مطہرہ کی روح سے خالی ہو تو وہ تمام اندھیروں کو ختم کر سکتی ہے، یا ناپختہ معاشروں کے رخنے بند کر سکتی ہے، خواہ اس تحریک کے مقاصد کو کتنا زیادہ مزین کر کے ہی پیش کیوں نہ کیا جائے جو بھی ایسا خیال رکھتا ہے وہ شاذ افکار کا مالک ہے۔ ایسا شخص یا تو اٹکل پچو لگانے والا ذہنی مریض ہے، یا پھر غیروں کے افکار اس کے رگ و پے میں سرایت کر چکے ہیں۔ اس جیسے شخص پر اعتماد کیا جا سکتا ہے نہ اس کا کوئی اعتبار ہی کیا جا سکتا ہے۔

عظمت اسلام:

اے اللہ کے بندو! دین اسلام اپنی گہرائیوں کی حد تک ایک آزاد شریعت ہے۔ اس نے بندوں کو لوگوں کی غلامی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی عبودیت میں دے دیا ہے۔ عزت اسی کے ساتھ مربوط ہے، اور ذلت و رسوائی اس سے دوری کا نتیجہ۔

اس کی ابتدا واضح طور سے فرد کے ضمیر سے ہوتی ہے، پھر تمام معاشروں کے ضمیر کے حلقے تک پہنچ کر اس کی انتہا ہوتی ہے۔ تاہم جو بات بھی ہو یہ ناممکن ہے کہ ایک دل اسلام کی مٹھاس سے معمور ہو جائے اور پھر وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حاکمیت چھوڑ کر کسی اور کی حاکمیت کے آگے سر جھکا کر اس سے دست بردار ہو جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

۱۔ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ﴾ [الزخرف: ۸٤]

”اور وہی ہے جو آسمانوں میں معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے۔“

۲۔ ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ [آل عمران: ۱۹]

”بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔“

۳۔ ﴿وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ [آل عمران: ۸۵]

”اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں سے ہوگا۔“

۴۔ میرے رب کی قسم! یہی اللہ کا رنگ ہے۔ فرمایا:

﴿وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾ [البقرة: ۱۳۸]

”اور رنگ میں اللہ سے بہتر کون ہے؟“

اہل حق کسی خلل کا شکار نہ ہوں:

مسلمانو! جب ہم دیکھتے ہیں کہ زمین پر پیہم ظلم ہو رہے ہیں، اور جب سنتے ہیں کہ مصیبت زدگان کی، جن کے علاقے مقبوضہ ہو چکے ہیں، زمینیں ہتھیالی گئی ہیں، وہ رو رہے ہیں، چیخ و پکار کر

رہے ہیں، خوف کے عالم میں بھاگ رہے ہیں، اور دکھوں میں مبتلا ہیں، ان کی چیخیں امت اسلامیہ کے کانوں تک پہنچ رہی ہیں لیکن افسوس امت کی نخوت کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگ رہی کہ وہ اٹھے اور اس نازل ہونے والی مصیبت اور واقع ہونے والے حالات کو روک سکے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب کسی خلل کے متعلق شک کا شکار ہو چکے ہیں اور وہ خلل ہی درحقیقت اس بہت بڑی کمزوری کا راز ہے کہ حق والے چین کی بانسری بجا رہے ہیں جبکہ باطل حرکت وعمل میں مشغول ہے جس کے نتیجے میں امت کی کمر ٹوٹ چکی ہے، اس کے زخم بہہ رہے ہیں اور اس کی جمعیت منتشر ہو چکی ہے، خصوصاً جو امت کی واقعاتی صورتحال کا علاج کرنا چاہتا ہے اس کو بیماری اور اس کی جگہ کی معرفت ضرور ہونی چاہیے۔

آزمائش کا خوشی سے مقابلہ کریں:

مسلمانو! بادِنسیم مسلمان معاشروں میں ہمیشہ بیمار ہو کر نہیں چلتی، بلکہ کبھی فضا آلودہ ہوتی ہے، کبھی آندھیاں چلتی ہیں اور آتش فشاں کے دھانے بڑھکتے ہیں۔ اسی طرح مکمل راحت بھی محض ایک خیال اور وہم ہے۔

دانائی اور سمجھداری کا تقاضا ہے کہ اپنے نفس کو اسلام اور مسلمانوں کو پیش آنے والی مشکلات کا سامنا کرنے، انھیں برداشت کرنے، ان کے لیے تیاری کرنے اور ان کے سامنے استقلال سے کھڑا ہونے کے لیے ہر وقت تیار رکھنا چاہیے۔ صرف ان پر تند و تیز تبصرے کرنے میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ایسا کام ہے جو شکار تو شاید نہ کر سکے لیکن شکاری کی آنکھ ضرور پھوڑ دیتا ہے۔

پھر یہ بات بھی یاد رہنی چاہیے کہ وقتاً فوقتاً امت کو جن فتنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ درحقیقت ان کو آزمانے اور ناخالص سے خالص کو جدا کرنے کے لیے بھی ہوتا ہے۔ فرمانِ ربانی ہے:

﴿ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَ يَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ أُولَئِكَ هُمُ الْخَسِرُونَ ﴾ [الأنفال: ٣٧]

”تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے جدا کر دے اور ناپاک کو، اس کے بعض کو بعض پر رکھے، پس اسے اکٹھا ڈھیر بنا دے، پھر اسے جہنم میں ڈال دے۔ یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔“

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں یہ قاعدہ دیا ہے کہ ہم آزمائش کا خوشی کے ساتھ مقابلہ کریں۔ اللہ

کریم حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴾ [النمل: ٤٠]

''یہ میرے رب کے فضل سے ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں، یا ناشکری کرتا ہوں اور جس نے شکر کیا تو وہ اپنے ہی لیے شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو یقیناً میرا رب بہت بے پروا، بہت کرم والا ہے۔''

اسی طرح تکلیف میں ہمارا موقف اس حال کے برعکس ہونا چاہیے جس کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ﴾ [الحج: ١١]

''اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔''

دوسری جگہ فرمان ہے:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ﴾ [العنکبوت: ١٠]

''اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو کہتا ہے، ہم اللہ پر ایمان لائے، پھر جب اسے اللہ (کے معاملہ) میں تکلیف دی جائے تو لوگوں کے ستانے کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھ لیتا ہے۔''

کافر مسلمان سے خوش نہیں ہوسکتا:

اللہ کے بندو! غیر مسلم امت مسلمہ سے اس وقت تک خوش نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے دین اور شریعت کو چھوڑ کر ان سے علیحدہ نہ ہو جائے یا کم از کم اس سے پیچھے ہٹ جائے یا اتنی پسپائی اختیار کر لے کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں دو آدمیوں کا اختلاف بھی نہیں ہونا چاہیے اور نہ دو منہ پھٹ افراد کو اس میں جھگڑا ہی کرنا چاہیے۔

مسند احمد اور ابن ابی شیبہ میں حضرت جابر کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک کتاب لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جو انھیں کسی اہل کتاب سے ملی تھی۔ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے اسے آپ کے سامنے پڑھنا شروع کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہو گئے اور فرمانے لگے:

''میں تمھارے پاس ایک صاف ستھری اور روشن چیز لے کر آیا ہوں، تم ان (اہل کتاب) سے جس چیز کے بارے میں بھی سوال کرو گے تو وہ تمھیں اس کی سچی خبر دیں گے تو تم اس کو جھٹلا دو گے، یا وہ تمھیں اس کے متعلق جھوٹی خبر دیں گے تو تم اس کی تصدیق کر دو گے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی میری پیروی کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوتا۔''[1]

مبادیات پر سودے بازی... کسی صورت نہیں:

اس قاعدے کے مطابق دین کے ساتھ نسبت پر ظاہری یا باطنی سودے بازی، یا دین کے ان تسلیم شدہ عقائد پر سودے بازی کرنا، جن میں کوئی جھگڑا یا اختلاف نہیں جن کا ہر زمانہ تابع ہو جبکہ وہ کسی خاص زمانے کے ماتحت نہیں، ان جیسی اشیا پر سودے بازی کرنا یقیناً بہت بڑی خیانت، عقل سے خالی پاگل پن اور ایسی بے ہوشی ہے جس میں بیداری نہیں۔ کیونکہ آدمی کی عزت اور معاشرے کا وقار دین کے ساتھ نسبت رکھنے، اس پر عمل کرنے، اس کی دعوت دینے اور موت تک اس پر کاربند رہنے ہی میں ہے۔

جس شخص کو مشغولیاتِ زندگی تبدیل کر دیں، بڑے حادثات، شکست خوردگیاں کوئی لالچ یا خوف اس کے وجود کو ہلا کر رکھ دے۔ پھر دین پر ثابت قدم رہنے کے بعد اس کا قدم پھسل جائے تو ایسا شخص حقیقت میں لاپرواہ، برباد، سوت کاتنے کے بعد اسے توڑنے والا، ہار میں موتی پرو کر اسے کھولنے والا، اور ہدایت کے بعد گمراہی اور عزت کے بعد ذلت کا شکار ہو جاتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ۞ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ۞ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۞ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴾ [محمد: ۲۵ تا ۲۸]

---

[1] مسند أحمد (۳/ ۳۸۷) اس حدیث کی سند میں مجالد بن سعید ضعیف ہے لیکن علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے دیگر شواہد کی بنا پر اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ دیکھیں: إرواء الغلیل (۸/ ۳۵)

”بے شک وہ لوگ جو اپنی پیٹھوں پر پھر گئے، اس کے بعد کہ ان کے لیے سیدھا راستہ واضح ہو چکا، شیطان نے ان کے لیے (ان کا عمل) مزین کر دیا اور ان کے لیے مہلت لمبی بتائی۔ یہ اس لیے کہ بے شک انھوں نے ان لوگوں سے کہا، جنھوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل کی، عنقریب ہم بعض کاموں میں تمھارا کہا مانیں گے اور اللہ ان کے چھپانے کو جانتا ہے۔ تو کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کریں گے، ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہوں گے۔ یہ اس لیے کہ بے شک انھوں نے اس چیز کی پیروی کی، جس نے اللہ کو ناراض کر دیا اور اس کی خوشنودی کو برا جانا تو اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔“

اللہ کے بندو! یہاں شریعت اسلامیہ دین پر ثابت قدم رہنے اور اس کو مدتِ عمر تک مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھنے پر زور دیتی ہے۔ نیز فرمایا:

﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ [الحجر: ٩٩]

”اور اپنے رب کی عبادت کر، یہاں تک کہ تیرے پاس یقین (یعنی موت، جس کا آنا یقینی ہے) آجائے۔“

اور رسول کریم ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے:

((اللهم إذا أردت بالناس فتنة فاقبضني إليك غير مفتون))[1]

”اے اللہ! اگر تو لوگوں کو مبتلاءِ فتنہ کرنے کا ارادہ رکھے تو مجھے فتنے کا شکار ہونے کے بغیر ہی اپنے پاس بلا لینا۔“

بلکہ آپ ﷺ ہم سے پہلے مؤمنین کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے:

”تم سے پہلے جو لوگ تھے ان میں آدمی کے لیے گڑھا کھودا جاتا تو اس کو اس میں دفنا دیا جاتا، پھر ہر ایک کو آرے کے پاس لایا جاتا اور وہ آرا اس کے سر پر رکھ دیا جاتا جو اس کے جسم کو دو حصوں میں چیر دیتا، لیکن یہ کام بھی اس کو دین سے روک نہ پاتا۔ اور کسی کے جسم پر لوہے کے دندانوں والی کنگیاں پھیری جاتیں جو ہڈیوں یا پٹھوں تک گوشت نوچ لیتیں اور یہ بھی اس کو دین سے روک نہ پاتا۔“[2]

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٢٣٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٤١٦)

دین پر اعتراض کے لیے کوئی بہانہ نہیں:

اللہ کے بندو! یہ کس قدر حیرتناک بات ہے کہ ایک شخص جو اچھی طرح جانتا ہے کہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی طرف توجہ کرنا یا ان کی طرف میلانِ طبع یا جذبات کی رغبت ہونا جن کا ملت اسلامیہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، خواہ واقعاتی حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں یا خوف یا لالچ کے اسباب کس قدر زیادہ ہی کیوں نہ ہوں، یہ ان کی طرف مائل ہونے، ان کی طرف جھکنے، اپنی قلموں اور عقلوں کو ان کے تابع کرنے یا ان کے مقاصد کے پیچھے پیچھے چلنے یا دین اسلامی کی طرف اشارے بازی اور طعن وتشنیع کرنے کی مسلسل دعوت کو قبول کرنے یا اپنے بعض تسلیم شدہ عقائد یا دین کے کسی ستون کو چھوڑنے یا دینی تعلیم کے نصاب میں یا دینی بیداری کے پھل اور نتیجے میں خوبصورت الفاظ میں شک پیدا کرنے کے لیے کوئی بہانہ نہیں ہوسکتا۔

ان جیسے لوگوں کے ساتھ ان چیزوں کے پیچھے پیچھے بھاگنا ایک کھلم کھلا جرم ہے بلکہ ان کے ساتھ نرم انداز میں بات کرنا بھی جھوٹ اور بہتان کے زمرے میں آتا ہے۔

ہماری اسلامی دنیا میں ان چیزوں کے محبت رکھنے والے لوگ درحقیقت فتنے کے زکام میں مبتلا ہیں، ان کے ہاں ہر طرح کی بو یا خوشبو برابر ہے یا یہ ایسے جسموں کے مانند ہیں جو پسینے میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ان کا پسینہ صاف نہیں ہوا بلکہ یہ ایک طرح کے بخار میں مبتلا ہیں۔

مسلمان کے روپ میں مخالفِ اسلام:

اللہ کے بندو! اگر تم اس بات پر تعجب کرتے ہو تو اس سے بڑھ کر تعجب ان عقلوں پر ہے جو نام تو اسلام کا لیتی ہیں مگر جو ان کے ہاتھ لکھتے ہیں اور ان کی زبانیں بولتی ہیں اس کا اس کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا!

ایسے لوگ مال کے حریص، منصب کے بھوکے اور قابل نفرت خواہشات کے غلام ہوتے ہیں۔

یہ خواہشات ان کے جسم اور خون کا حصہ بن جاتی ہیں جن سے چھٹکارا پانا ناممکن ہو جاتا ہے۔

اگر آپ ان لوگوں کے بارے میں حسن ظن سے بھی کام لیں تو بھی یہ ایسے لوگ ہیں جو تقلید کرنے والے دلوں کے آگے ڈھیر ہو چکے ہیں، جو ثابت رہنے والے عقائد اور متغیرات کے درمیان فرق بھی نہیں کر سکتے، یا یہ ایسے لوگ ہیں جو اسباب کی نسبت ان کے مسببات اور نتائج کی طرف نہیں کرتے، ہر ورم شدہ چیز

کو خوب موٹا بنا کر پیش کرتے ہیں لیکن نہ ان کو اس بات کی حقیقت کا علم ہوتا ہے نہ اُس بات کی اصل کا۔
اگر کوئی انسان مسجد میں چوری کرے تو یہ مسجدیں بند یا منہدم کرنے کی آوازیں لگانا شروع کر دیتے ہیں تاکہ چوری ہی نہ ہو سکے۔ اگر کوئی باپردہ خاتون دھوکا دہی یا فراڈ کی مرتکب ہو تو یہ لوگ پردہ اتار دینے کی صدائیں بلند کرنا شروع کر دیتے ہیں، اس کے نقصانات گنوانا شروع کر دیتے ہیں اور یہ بات باور کروانا چاہتے ہیں کہ پردہ دھوکا دہی اور فراڈ کے لیے بہت بڑی آڑ ہے۔ لیکن حقیقت میں ان لوگوں نے چور کا ہاتھ کاٹا نہ اس دھوکا دینے والی پر تعزیر لگائی بلکہ انھوں نے مساجد منہدم کرنے اور حجاب اتار دینے کے لیے پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا۔ یہ ہے اس حیرانی کا راز۔ جب اس طرح کا الٹا انداز فکر دیکھتے ہیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

اسلامی غیرت:

ابوسفیان اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک مرتبہ مدینہ آیا اور اپنی بیٹی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر داخل ہوا، جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھی۔ جب ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے کے لیے آگے بڑھا تو اس کی بیٹی نے بستر اٹھالیا۔ وہ کہنے لگا: ''پیاری بیٹی! کیا یہ بستر میرے لائق نہیں یا میں اس بستر کے لائق نہیں؟!'' انھوں نے جواب دیا: ''بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور تم ایک مشرک اور پلید آدمی ہو۔''[1]

اس طرح اس کلمہ حق کے ساتھ ام المومنین نے اپنے باپ کو جواب دیا اور اس مشہور عربی مثال کے بخیے ادھیڑ دیے کہ «كل فتاة معجبة بأبيها» ''ہر دوشیزہ اپنے باپ کو پسند کرتی ہے۔''

اللہ کے بندو! انھوں نے ایسا صرف اس لیے کیا تھا کہ ابھی تک ان کے باپ کے دل میں ایمان جاگزیں ہوا تھا نہ انھوں نے کلمہ توحید ہی زبان سے پڑھا تھا، اور ان کے ہاں باپ کے رشتے کا یہ اتنا بھی حق نہیں بنتا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر ہی کو چھو لے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام آپ کے بستر کے مانند:

لوگو! یاد رکھو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام آپ کے بستر کے مانند ہے جس نے اس پر ایسے شخص کو بٹھایا جو اس سے نہیں یا اسے عار محسوس کرتے ہوئے یا کسی فائدے کی خاطر اس کو لپیٹ دیا تو ایسے

[1] الطبقات الكبرى لابن سعد (٨/ ١٠٠) الإصابة لابن حجر (٧/ ٦٥٣)

شخص نے نہ اللہ کے حق کا کچھ خیال کیا نہ اس کے رسول کے حق کا کچھ لحاظ رکھا اور نہ اپنے دین اور اپنی امت کی لاج ہی کا کچھ پاس کیا۔ اس لیے یہ ایک منطقی بات ہے کہ اس چیز کا تصور کرنا بھی محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ترک تعلقات کر کے اور اس کی شریعت کے خلاف اپنے دل میں نفرت رکھ کر انسان انسانی پختگی اور ترقی کو پہنچ جائے۔

دین سے نام کا تعلق رکھنے کی سوچ:

وقتاً فوقتاً لوگوں میں کچھ ایسے نئے نئے خیالات جنم لیتے رہتے ہیں کہ ایک مسلمان آدمی اپنے دین کے ساتھ اپنا تعلق توڑنے کا امکان رکھتا ہے یا محض وہ پھیکے کلمات استعمال کر کے یا پھر اللہ کے دین کی کسی ایک فرع ہی کو تھام کر چاپلوسی کے انداز میں وہ اپنے دین کے ساتھ تعلق قائم رکھ سکتا ہے۔ پھر اس کے بعد وہ اپنے لیے اپنا راستہ خود منتخب کر سکتا ہے جس میں مسجد یا اللہ تعالیٰ کی حدود کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ یہ ایک انتہائی خطرناک سوچ ہے اور یہ انداز فکر وسیع پیمانے پر متلاشیان حق کے سامنے بہت سارے سوالات جنم دیتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کا مسئلہ اس قدر آسان ہے کہ اس میں نفی اور اثبات برابر ہیں؟ لینا اور ترک کرنا ایک جیسا ہے؟ شرک اور توحید ایک ہی چیز ہیں؟ کیا یہ مسئلہ اس قدر ہلکا اور بے وزن ہے کہ اس میں ثابت اور متغیر، عدل اور ظلم اور شک اور سچ کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں؟!

اگر ہم کسی کو یہ کہتا ہوا سنیں کہ زمین چوکور ہے، یا وہ کہتا ہو کہ سمندروں اور دریاؤں کا پانی انتہائی میٹھا ہوتا ہے تو بلاشبہ ہم اس کی عقل میں خلل سمجھیں گے اور اس کو بیوقوف اور پاگل قرار دیں گے۔ اگر دنیا کے بعض حقائق کو سمجھنے میں غلطی کرنے والے کا انکار اس وزن اور شدت کے ساتھ ہوتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھنے والے بلند حقائق میں بڑی بڑی غلطیاں کرنے والوں کے بارے میں پھر کیا خیال ہوگا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ﴾ [فصلت: ٤٠]

"بے شک وہ لوگ جو ہماری آیات کے بارے میں ٹیڑھے چلتے ہیں، وہ ہم پر مخفی نہیں رہتے۔"

دیندار اصحاب قلم کی ضرورت:

کاش! مجھے معلوم ہوتا وہ روشن قلمیں اور درست عقلیں کہاں رہتی ہیں جو لوگوں کی ایسے

کاموں کی طرف راہنمائی کریں جس سے وہ اپنے دین کو بچا سکیں، اپنے وجود کی حفاظت کر سکیں، اپنے مبادیات اور تعلیمی نصاب کے متعلق اعتماد پیدا کر سکیں، انھیں حسد رکھنے والوں کے حسد اور بغض رکھنے والوں کے شر سے بچا سکیں، قول اور عمل میں میزانِ عدل قائم کر سکیں اور وہ ایسے ممتاز عقلمند ہو کر سامنے آئیں جن کو علم ہو کہ کس چیز کو لینا ہے اور کس کو ترک کرنا ہے؟!

اسلامی ممالک نشانہ اور ہدف بنے ہوئے ہیں اور شریعت مطہرہ کے عقائد اندرونی اور بیرونی تشکیکی سرگرمیوں اور گمراہ کرنے والی مہموں کا شکار بنے ہوئے ہیں بلکہ ایسے لوگ اس کام میں شریک ہیں جو مسلمانوں کی زمینوں پر بستے ہیں اور ان کی زبان بولتے ہیں۔

بلادِ حرمین ان ہتھکنڈوں سے متاثر ہونے والے نہیں:

بلادِ حرمین شریفین جو وحی اترنے کے گھر اور اسلام کے قلعے ہیں، کبھی اپنے آپ کو ان کانٹوں کے سپرد نہیں کریں گے، چاہے الزامات اور تہمت بازی کے حملے کتنے ہی شدید کیوں نہ ہوں؟ اللہ کے فضل سے کوئی ایسا شخص جو دینی عقائد، دینی بیداری اور شرعی طور اطوار میں شک کرنے والا ہو یہ بلادِ حرمین کبھی اس کے منہ کی چیونگم نہیں بن سکتے کہ وہ جیسے چاہے انھیں چباتا پھرے۔ یہاں کے پیر و جواں اس بیداری سے متاثر ہیں جس کی بنیاد صحیح اسلامی تربیت پر ہے۔ ان کے افکار اور خیالات صحیح عقیدے کے ستونوں اور اللہ تعالیٰ کے لیے دوستی اور دشمنی کی بنیادوں پر قائم ہیں۔ ہمارے یہ نوجوان ہمارے علما کی محنتوں کا پھل اور اپنے حکام کی طاقت ہیں۔ یہاں کے رہنے والے اللہ کے فضل سے کبھی ایسے باجے نہیں بنیں گے جن کو دشمن اپنے افکار پھیلانے کے لیے آلہ کار بنا سکیں، اور نہ ایسی سواریاں ہی بنیں گے جن پر اس ملک سے حسد رکھنے والے اور اس کے مضبوط عقیدے اور شرعی طور اطوار سے نفرت کرنے والے سواری کر سکیں۔

ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے وہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ پہلے اور بعد میں بھی حکم اسی کا ہے۔

﴿ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ﴾ [الشعراء: ۲۲۷]

''اور عنقریب وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا، جان لیں گے کہ وہ لوٹنے کی کون سی جگہ لوٹ کر جائیں گے؟''

نیز فرمایا:

﴿ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴾ [النساء: ١٤١]

''وہ جو تمھارے بارے میں انتظار کرتے ہیں، پھر اگر تمھارے لیے اللہ کی طرف سے کوئی فتح ہو جائے تو کہتے ہیں کیا ہم تمھارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو کوئی حصہ مل جائے تو کہتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہیں ہو گئے تھے اور ہم نے تمھیں ایمان والوں سے نہیں بچایا تھا۔ پس اللہ تمھارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا اور اللہ کافروں کے لیے مومنوں پر ہرگز کوئی راستہ نہیں بنائے گا۔''

غیر اسلامی تہذیبوں کے پیدا کردہ مسائل:

لوگو! دنیا کے ہر نظام کے پیچھے اس کا ایک فلسفہ، اس کے مسائل اور ان کا حل ہوتا ہے، اور مشکلات کو حل کرنے کے لیے اس کے خاص حل ہوتے ہیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ وہ صحیح ہوں یا غیر صحیح، اچھے ہوں یا برے۔ اس لیے یہ بھی کوئی معقول اور منطقی بات نہیں بلکہ اختلاف میں انصاف کی بات بھی نہیں کہ شریعت اسلامیہ کو ایسی مشکلات میں پھنسانے کا الزام دیا جائے جن کو امت اسلام نے پیدا کیا نہ ان کا اس کے ساتھ کوئی تعلق ہی ہے بلکہ انھیں ان نظاموں اور کوششوں نے جنم دیا ہے جو امت اسلام کے لیے اجنبی ہیں۔ پھر یہ لوگ امت اسلامیہ سے اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ان کی عقل کے مطابق سوچیں نہ کہ اسلامی عقل کے مطابق غور وفکر کریں اور ان کے دل کے ساتھ محسوس کریں نہ کہ اسلامی دل کے ساتھ!

اسلام کے لیے ولاء اور براء (کسی کے ساتھ دوستی بھی اللہ کے لیے اور دشمنی بھی اسی کی خاطر) کے مفہوم کو اپنے دلوں میں گہرائی کے ساتھ پیدا کرنے کے لیے اور اس خلیج کو پاٹنے کے لیے جو بہت سارے لوگوں کو ان کے شاندار ماضی اور عظمت رفتہ سے دور کرتی ہے اور اس پرخطر راہ میں اگنے والی ہر کانٹے دار جھاڑی کا مقابلہ کرنے کے لیے، تاکہ امت اپنے عقیدے، فکر یا تعلیمی نظام سے

دست بردار ہونے کے لیے تیار نہ ہو جائے جس کے لیے نہ کوئی بہانہ ہے نہ کوئی ایسا مفہوم ہی بلکہ یہ اس فکری بیداری کی راہ میں حسد کرنے والے کی سازش ہے۔

لہٰذا مغربی افکار اور ان کی دست نگری سے چھٹکارا پانے اور ان تمام چیزوں کا ادراک کرنے کے لیے یہ انتہائی اہم ہے کہ ہم مندرجہ ذیل چیزیں اپنا نصب العین بنائیں:۔

مغربی افکار سے چھٹکارا پانے کے لیے ضروری اقدامات:

ا۔ توحید:

اے مسلمانو! ہمارے عقیدے کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اس کے آگے جھک جانا اور شرک سے نجات پانا ہے، اس لیے اس بات سے دور رہنا کہ اس کے علاوہ کوئی اور اعتقادی شکل قابل قبول یا اس پر لائق ترجیح ہو۔ قرآن مجید ہے:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَ قَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴾ [المائدة: ۷۲]

''بلاشبہ یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا، جنھوں نے کہا: بے شک اللہ مسیح ابن مریم ہے اور مسیح نے کہا: اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو، جو میرا رب اور تمھارا رب ہے۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ جو بھی اللہ کے ساتھ شریک بنائے سو یقیناً اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا آگ ہے اور ظالموں کے لیے کوئی مدد کرنے والے نہیں۔''

۲۔ حسد و بغض یکجہتی میں رکاوٹ ہے:

افراد اور معاشروں کے درمیان کامیاب اسلامی یکجہتی کا ادراک اس وقت تک ممکن نہیں جب تک لوگ ایک دوسرے کے ساتھ بغض رکھیں، یا ایک دوسرے سے نفرت کھائیں، یا اسلام کو ناپسند کریں، یا تھوڑے یا زیادہ میدانوں میں اس کی تعلیمات سے انکار کر دیں۔

۳۔ حق اور شریعت کی پیروی:

شرعی مصلحتوں کے لیے یا مفاسد کو روکنے کے لیے جو بھی اتحادی کمیٹی بنائی جائے انھیں اس بات پر متفق ہونا چاہیے کہ وہ ذرائع اور مقاصد میں حق اور شریعت کے مطابق چلیں، ہر وہ اتحاد کی صف یا مطلوبہ

ہدف جو اسلامی نصاب اور شرعی تسلیم شدہ حقائق سے خارج ہو وہ محض ایک وہم ہے۔

۴۔ اندورنی پسپائی:

مسلمانوں کے درمیان پسپائی اور شکست خوردگی دوسروں کے پریشر سے پہلے ان کے اپنے اندر پیدا ہوتی ہے۔ ہم کوئی پہلی امت نہیں جو آزمائشوں میں مبتلا ہیں۔ اللہ نے محض ہم ہی پر دین پر ثابت قدم رہنا اور اس کی عزت کی خاطر کوشش کرنا فرض قرار نہیں دیا۔

۵۔ ذرائع ابلاغ کا درست استعمال:

ذرائع ابلاغ کے ذریعے پھیلائی جانے والی ہماری ثقافت ہمارے درمیان قرب پیدا کرنے کے لیے ہونی چاہیے نہ کہ ہمارے درمیان دوری پیدا کرنے کے لیے، ہمیں جوڑنے کے لیے ہونی چاہیے نہ کہ توڑنے کے لیے، دین پر فخر کرنے کے لیے ہونی چاہیے نہ کہ رسوائی کے لیے۔ اس طرح یہ ثقافت دینی اقدار کی تائید کرنے کے لیے ہونی چاہیے، امت اسلامیہ اور اس کے طور اطوار کے متعلق پھیلائے جانے والے شبہات کا رد کرنے کے لیے ہونی چاہیے، اس کی دعوت مسلمانوں کے اتحاد کو زندہ کرنے کے لیے اور جاہلیت کی آوازوں کو دبانے کے لیے ہونی چاہیے اور یہ کہ صرف اسلامی عنوان تعمیری بیداری اور درست انداز فکر کی بنیاد کے طور پر ابھرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ﴾ [صٓ: ۲۸]

''کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح کر دیں گے؟ یا کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟''

ہماری تہذیب اور اُن کی تہذیب

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس حفظہ اللہ

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

سامعین محترم! میں تمھیں اور اپنی ذات کو اللہ جل جلالہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں، کیونکہ یہ تمام کڑوں میں سے مضبوط ترین کڑا ہے، یہی دنیا میں سعادت حاصل کرنے کا سبب اور آخرت میں نجات پانے کا ذریعہ ہے۔ اور بہترین انجام تقویٰ ہی کا ہے۔

قوموں کی بقا:

مسلمانو! عظمتوں کی تعمیر اور قوموں کی بقا تہذیب کے دوام میں پوشیدہ ہے، اور قوموں کی عظمتوں کی بقا اور امتوں کی تہذیب کے دوام کا راز چند مرکزی عناصر میں مضمر ہے، جن میں سرفہرست ایمانی عقیدہ اور اخلاقی اقدار ہیں۔ انسانی تہذیبوں کی تاریخ کا بنظر غور مطالعہ کرنے والا اس نتیجے تک پہنچے گا کہ ان میں ترقی و انحطاط اور قائم ہونے اور گر پڑنے کی طرح کے مختلف اتار چڑھاؤ آتے رہے ہیں، اکثر تہذیبیں بقا اور دوام کے عناصر نہ ہونے کی وجہ سے تباہ اور انتہائی ضعیف ہو چکی ہیں۔

سب سے بلند مرتبہ تہذیب:

وہ سب سے معزز اور بلند مرتبہ تہذیب جو آج تک انسانی تاریخ کی نگاہ سے گزری ہے وہ ہماری اسلامی تہذیب ہے۔ آج مغربی تہذیب جن بلندیوں پر ہے یہ اس تعلق کا نتیجہ ہے جو اس مغربی تہذیب اور اندلس وغیرہ میں اسلامی تہذیب کے درمیان قائم ہوا تھا۔ اس کے دیوالیہ ہونے کا صرف یہ سبب ہے کہ اس کا انحصار دین و اخلاق سے دوری اور محض مادی نقطۂ نگاہ پر ہے، اور یہی انسانی بدبختی کا سب سے اہم سبب ہے۔ آج جو بکثرت خودکشیاں ہو رہی ہیں، نفسیاتی پریشانیاں دکھائی دے رہی ہیں، اور اخلاقی گراوٹ نقطۂ عروج پر ہے تو اس کی سب سے بڑی وجہ اس گہری ہلاکت خیز کھائی میں بڑی گہرائی تک گر جانا ہے کہ جس کی تہہ میں عقل پرست حضرات جو ہو چکا اس کے تدارک کی دعوتیں دے رہے ہیں، اور ان کے لیے اتنی دور جگہ سے اسے حاصل کرنا کیسے ممکن ہے؟

اے امت مسلمہ! مغربی تہذیب کے حقائق کا دامن چاک ہو چکا ہے اور اس کی ان ذمے داریوں کے بوجھ اٹھانے کی حقیقت پسندی ریزہ ریزہ ہو چکی ہے جو دنیا میں انسان کے لیے قیام امن، حقوق انسانی کی حفاظت اور اعلیٰ انسانی اور اخلاقی اقدار کی نگہبانی کے لیے اس کو قائدانہ کردار ادا کرنے کے اہل بنا سکتی ہیں۔ دنیا میں ایک امت کے سوا کوئی ایسی امت نہیں جو عالمگیر تہذیبی منصوبے کو پیش کرنے کی اہلیت رکھتی ہو یہ وہ امت ہے جو لوگوں پر گواہ ہوگی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ [البقرة: ۱۴۳]

''اور اسی طرح ہم نے تمھیں سب سے بہتر امت بنایا، تاکہ تم لوگوں پر شہادت دینے والے بنو اور رسول تم پر شہادت دینے والا بنے۔''

یہ وہ امت ہے جو تمام جہانوں کے لیے سراسر رحمت ہے:

﴿ وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [الأنبياء: ۱۰۷]

''اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر جہانوں پر رحم کرتے ہوئے۔''

یہ وہ امت ہے جو تمام عالم میں بہترین امت ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [آل عمران: ۱۱۰]

''تم سب سے بہتر امت چلے آئے ہو، جو لوگوں کے لیے نکالی گئی، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔''

یہ وہ امت ہے جسے زمین پر غلبہ اور سطوت حاصل ہوگی:

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [الحج: ۴۱]

''وہ لوگ کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوۃ دیں گے اور اچھے کام کا حکم دیں گے اور برے کام سے روکیں گے۔''

سامعین کرام! اس میں کوئی تعجب خیز بات نہیں کیونکہ ہمارے اسلاف وہ لوگ ہیں جنھوں نے اسلامی تہذیب کے محلات تعمیر کیے، وہ ایمانی مشعل بردار تھے، اور تمام انسانیت کے لیے انھوں نے سعادت کا جھنڈا بلند کیا۔ یہ ہماری امت اسلامیہ کی پیشانی پر اس کی تہذیبی اور دینی خصوصیات کی بنا پر ایک تابندہ و درخشندہ تاج، لہروں کی طرح اچھلنے والی سخاوت اور چمکتا ہوا نور ہے، جو صرف اسی کو نصیب ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد ﷺ کے نبی اور رسول ہونے پر راضی ہو جائے۔

اسلامی تہذیب کی خصوصیات:

ہم عقیدہ بھائیو! ان تہذیبی خصوصیات اور ارکان میں سب سے پہلی چیز خالص عقیدہ توحید ہے، یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو علم کی ترغیب دلاتا ہے، عقل کا احترام کرتا ہے، اخلاق کی پاسداری کرتا ہے، مصالح کے حصول اور مفاسد سے نفور کے لیے مخلصانہ کوشش کرتا ہے۔ انسان کے دین، جان، عقل، مال اور عزت کی حفاظت کر کے انسانی حقوق کی پاسبانی کرتا ہے۔ ضمیر کی تربیت کرتا ہے، مثبت اور تعمیری روح کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور میانہ روی، اعتدال، نرمی، آسانی، توازن، عدل اور رحمت پر ابھارتا ہے، خواہ دریدہ دہن اور ڈھینگیں مارنے والے اس کے متعلق جو کچھ مرضی کہہ لیں۔ حق تعالیٰ نے فرما دیا ہے:

﴿ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾ [الأنعام: ٣٣]

”بے شک ہم جانتے ہیں کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ یقیناً تجھے وہ بات غمگین کرتی ہے جو وہ کہتے ہیں، تو بے شک وہ تجھے نہیں جھٹلاتے اور لیکن وہ ظالم اللہ کی آیات ہی کا انکار کرتے ہیں۔“

کوئی بھی انصاف پسند اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ دنیا نے زمانے بھر میں آج تک کوئی ایسی تہذیب نہیں دیکھی جو اس سے بڑھ کر مخلوق کے لیے رحمت، اخلاق میں بلند اور فیصلے میں عدل کرنے والی ہو، اور آج جبکہ یہ خیالی تہذیبیں مادہ پرستی کے جوہڑ میں ڈوب چکی ہیں اور اخلاقی بحرانوں کا شکار ہیں، حتی کہ ان کے خاندانی نظام تباہی اور بربادی کی دلدلوں میں پھنس چکے ہیں تو ان حالات میں ہماری امت اسلامیہ ہی قیادت کی لگام تھامنے اور دنیا کی قیادت و سیادت کے گھوڑے پر سواری کرنے کے قابل ہے۔ اور تب یہ مغربی تہذیب تمدنی ترقی کو قوموں کا استیصال کرنے، ان کے

وسائل لوٹنے اور ان کی عزت دری کرنے کے لیے بطور آلہ استعمال کر سکے گی نہ ان ایجادات اور اختراعات کو بے دینی پھیلانے اور دہشت گردی کو سپورٹ کرنے کے لیے اہم ذریعہ بنا سکے گی، نہ ان فوجی آلات اور جنگی ٹیکنو لوجی کی بدولت ملکوں اور قوموں کے امن کے لیے خطرہ بن سکے گی، نہ یہ وحشیانہ اور بربریت خیز کارروائیاں کر سکے گی اور نہ ذرائع ابلاغ اور میڈیا کو رائے عامہ گمراہ کرنے، عالمی حالات پر پردہ ڈالنے اور ملکی معاملات کے متعلق غلط پروپیگنڈہ کرنے کے لیے استعمال کر سکے گی۔

انسانیت جو آج ظلم اور تیرہ بختی کی اندھیری سرنگوں میں سرگرداں ہے اسے اس اندھیر نگری سے نکالنے اور سعادت مند بنانے کے لیے یہ وہ ذمے داریاں ہیں جو اسلامی پیغام پیش کرنے والوں پر عائد ہوتی ہیں۔

اسلامی تہذیب کے اثرات:

برادران ایمان! ہماری اسلامی تہذیب نے مختلف علمی اور اخلاقی جہات میں بہت سارے پائندہ اثرات چھوڑے، انسانی ترقی کی تاریخ میں انتہائی اہم کردار ادا کیے، اور انتہائی دیرپا اور قوی تاثیر رکھنے والے اثرات پیچھے چھوڑے ہیں جن کا جدید تہذیبوں کے اس مقام تک پہنچنے میں بڑا عمل دخل ہے۔

اس میں نہ کوئی مبالغہ آرائی ہے اور نہ کوئی جھوٹی تعلی اور قابل مذمت دعوی بازی، بلکہ تاریخ کے صفحات سنہری حرفوں اور نور کی روشنائی سے چمک رہے ہیں۔

چند روشن مثالیں:

انصاف پسند لوگو! یہاں ہم اپنی روشن اور درخشندہ تہذیب کی تاریخ سے چند واقعاتی شواہد اور زندہ نمونے پیش کرتے ہیں۔ ہماری یہ تہذیب عدل، رحمت اور انصاف سے بھرپور ہے حتی کہ مخالفین کے ساتھ بھی اس کا یہی رویہ رہا ہے۔ ذرا بگوش ہوش سنیں، تقابل کریں اور دیکھیں کہ آج بھی وہ کس قدر تابناک ہے!

ہماری انسانی تہذیب کے رجحان کے متعلق اسلام ایک زندہ جاوید انسانی قاعدہ کا اعلان کرتا ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾ [الحجرات: ۱۳]

''اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنا دیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک تم میں سب سے عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔''

تاکہ اسلام انسانیت کو حسد، ناپسندیدگی، فرقہ بندی، تعصب اور نسلی امتیاز کی گھٹن بھری فضاؤں سے نکال کر مساوات اور تعاون کی ٹھنڈی چھاؤں میں لے آئے، جس میں کسی نسلی یا نسبی بلندی اور غلبے کا کوئی اثر نہ ہو، اور یہ چیز ہماری تہذیب، قانون اور واقعاتی صورتحال میں روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ سیرت اور تاریخ کی کتابیں اس طرح کے بہت سارے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے آدمی کو بازار میں صدقہ مانگتے ہوئے دیکھا، یہ مدینہ کا رہنے والا ایک یہودی تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا حال دریافت کیا اور فرمانے لگے:

''ما أنصفناك إذ أخذنا منك الجزية في شيبتك، ثم ضيعناك شيخا.''[1]

''ہم نے تمھارے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ تمھاری جوانی میں تجھ سے جزیہ وصول کیا اور تیرے بڑھاپے میں تمھیں ذلیل ہونے کے لیے چھوڑ دیا۔''

پھر انھوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے گھر لے آئے، اسے کھانا پیش کیا، پھر بیت المال کے خزانچی (وزیر مالیات) کے نام یہ حکم جاری کیا کہ اس کے لیے اور اس جیسے دیگر افراد کے لیے اتنا وظیفہ مقرر کرو جو اس کے لیے اور اس کے خاندان کے لیے قابل کفایت ہو۔

اللہ اکبر! سچے رب کی قسم، یہ ہماری امت کی قابل فخر تاریخ میں تہذیبی شان وشکوہ کی ایک بلند مثال ہے۔

مخالفین کے ساتھ حسن سلوک:

پیارے دوستو! مخالف کو کس نگاہ سے دیکھنا چاہیے؟ اس میدان میں ہماری تہذیب نے انصاف کرنے، حسن سلوک برتنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں بہترین اسلوب اختیار کرنے اور تمام انبیاء کرام پر ایمان لانے کو یقینی بنانے کے قاعدے کا اعلان کیا ہے:

---

[1] ضعيف جدا. نصب الراية (٣/ ٤٥٣)

﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ ﴾ [البقرة: ١٣٦]

''ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے۔''

اس کے ساتھ ساتھ گفت وشنید کرنے اور قائل کرنے کے قاعدے کو اپنانے پر بھی زور دیا گیا ہے:

﴿ أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴾ [یونس: ٩٩]

''تو کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا، یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں؟''

نیز فرمایا:

﴿ وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ﴾ [العنکبوت: ٤٦]

''اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو۔''

اس بات کی بڑی تاکید کی گئی ہے کہ ان کے معبودوں کو سب وشتم نہ کر کے سد ذرائع کے قاعدے کو اپنایا جائے، یہاں تک کہ ان کو بھی وہ حق حاصل ہو جائے جو ہمیں حاصل ہے، اور جو ہم پر لازم ہے وہی ان پر بھی لازم آئے، اس کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ کریمانہ معاملہ کرنے، اچھی ہمسائیگی اختیار کرنے اور معروف کے مطابق ان کے ساتھ رہن سہن پر بھی بڑا زور دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے پڑوسی اہل کتاب بھی تھے، آپ ﷺ ان کے ساتھ ملتے، ہمیشہ ان کے ساتھ اچھائی کرتے اور ان کے تحفے قبول فرماتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اہل ایلیا کے نام خط ایک شاندار نمونہ ہے جو ہماری اسلامی تہذیب کے اثرات کا انتہائی گہرا نتیجہ پیش کرتا ہے، اس حکم نامے کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو ان کی جانوں، مالوں اور عبادت خانوں کی امان دی، اور ان کی شرائط قبول کیں کہ ان کے ساتھ کسی یہودی کو نہیں بسائیں گے۔ مسلمانوں کے یہ معاملات دیکھ کر انصاف پسند غیر مسلموں کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ قوموں نے آج تک نہ عربوں جیسے مہربان اور روادار فاتحین دیکھے ہیں اور نہ کوئی ایسا دین دیکھا ہے جو ان کے دین سے بڑھ کر روادار ہو۔

''والفضل ما شهدت به الأعداء'' اور کمال تو وہ ہے جس کی دشمن بھی گواہی دیں!

جنگی اخلاقیات:

اے امت اسلام! ہماری اسلامی تہذیب کا ایک اور بھی روشن پہلو ہے، اور وہ ہمارا ''جنگی

اخلاقیات'' کا پہلو ہے۔ جب ہماری تہذیب کا آفتاب طلوع ہوا، تب پوری دنیا پر جنگل کے قانون کی حکمرانی تھی، حتی کہ یہ ساری دنیا وحشی درندوں کی دنیا بن چکی تھی، ان حالات میں ہماری تہذیب نے ایسے جنگی قواعد وضع کیے جن کے مطابق جنگ میں لوٹ مار، قوموں کی تذلیل اور معاشروں کو تباہ کرنا حرام قرار دے دیا گیا۔ ان قوانین نے جنگ کے اعلیٰ مقاصد مقرر کیے، جن میں امت کے عقیدے کا دفاع کرنا، معاشرتی امن برقرار رکھنا اور ظالموں کے ظلم کو روکنا شامل ہے۔

﴿ وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ [البقرة: ۱۹۰]

''اور اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔''

جنگ ہمیں ہمارے قواعد نہیں بھلاتی، اس لیے لڑائی جب جوبن پر ہو تو مجاہدین کو نہایت کریمانہ نصیحتیں کی جاتی ہیں کہ ''مثلہ نہ کرو، غدر نہ کرو، مال غنیمت میں خیانت نہ کرو، کسی بوڑھے، بچے یا عورت کو قتل نہ کرو، کسی کھجور کو کاٹو اور نہ اسے آگ لگاؤ، کوئی پھلدار درخت نہ کاٹو، صرف کھانے کے لیے بکری، گائے یا اونٹ کو ذبح کرو۔ تمھارا گزر ایسے لوگوں سے ہوگا جنھوں نے اپنی زندگی گرجا گھروں میں عبادت کے لیے وقف کی ہوگی، لہٰذا انھیں اور جس کام کے لیے انھوں نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے، اس کو چھوڑ دینا اور ان کے ساتھ تعرض نہیں کرنا۔''[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب لشکر اسامہ روانہ کیا تب اس کو ان الفاظ میں نصیحت کی۔ اور اس سے بھی بلیغ وہ الفاظ ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمائے جب معرکہ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوگئے، آپ کے دندان مبارک شہید ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور زخموں سے چور ہوگیا تو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کے خلاف بد دعا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

«إني لم أبعث لعانا، ولكن بعثت رحمة، اللهم اهد قومي فإنهم لا يعلمون»[2]

---

[1] تاریخ دمشق (۲/ ۵۰)

[2] الشفا (۱/ ۸۶) عیون الأثر (۲/ ۴۳۴) نیز دیکھیں: صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۵۹۹)

''میں لعنت و ملامت کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا، بلکہ میں تو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، اے اللہ! میری قوم کو ہدایت نصیب فرما، کیونکہ یہ جانتے نہیں۔''

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اذهبوا، أنتم الطلقاء» [1] ''جاؤ، تم آزاد ہو۔''

کسی جنگ میں آپ نے ایک مقتولہ عورت دیکھی تو آپ ﷺ نے ناراضی کا اظہار فرمایا اور کہا:

«ما كانت هذه لتقاتل» [2] ''یہ تو لڑ نہیں سکتی تھی!''

اسی طرح ہماری یہ قابل عظمت تاریخ اس طرح کے عظیم الشان کارنامے رقم کرتی جاتی ہے۔ تاتاریوں کے خلاف لڑی جانے والی جنگوں میں جب بہت سارے مسلمان اور ذمی (اسلامی سلطنت میں معاہدے کے تحت رہنے والے کافر) ان کے ہاتھوں جنگی قیدی بن گئے تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے قیدی چھڑوانے کے لیے اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا، گورنر نے صرف مسلمان قیدی آزادی کرنے کی حامی بھری، لیکن شیخ الاسلام نے اس سے انکار کر دیا اور فرمایا:

''تمام قیدیوں کو چھڑوانا ضروری ہے، خواہ وہ ہمارے دین پر ہوں یا ہمارے اہل ذمہ۔ نہ ہم اپنا کوئی اہل دین قیدی رہنے دیں گے اور نہ اہل ذمہ ہی۔''

ہماری تہذیب اس طرح مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ پیش آتی ہے۔ جب صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے بیت المقدس فتح کیا تو اس میں ایک لاکھ سے زائد غیر مسلم تھے، انھوں نے ان کو ان کی جانوں اور اموال کی امان دی اور انھیں ایک معمولی رقم کے عوض، وہ بھی اس کے لیے جو اسے ادا کرنے پر قادر ہو، وہاں سے نکل جانے کی اجازت دے دی، اور جو فقیر اسے ادا کرنے پر قادر نہیں تھا تو اس کا فدیہ انھوں نے خود ادا کیا۔

یہ ہے ہماری شاندار اور عظیم الشان تہذیب۔ اس کے مقابلے میں ان کی تہذیب کیا ہے؟ قباحت اور ہولناکی سے بھرپور؟!

---

[1] **ضعیف**. سيرة ابن إسحاق (٤/ ٣١) اس کی سند میں انقطاع اور ارسال ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: السلسلة الضعيفة، رقم الحديث (١١٦٣)

[2] **صحیح**. سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٦٦٩)

حكمنا	فكان	العدل	فينا	سجية
فلما	حكمتم	سال	بالدم	أبطح
وما	عجب	هذا	التفاوت	بيننا
فكل	إناء	بالذي	فيه	ينضح

''جب ہم نے حکومت کی تو عدل ہمارا شعار تھا، جب تم نے حکومت کی تو زمین خون رنگ ہوگئی، ہمارے اور تمھارے درمیان اس تفاوت میں کوئی قابل تعجب چیز نہیں، کیونکہ برتن میں جو ہوتا ہے وہی چھلکتا ہے۔''

موجودہ زمانے کی تاریخ، ان بلند و بانگ اور بھڑکیلے نعروں کے باوجود جنھیں عملی اعتبار سے ہر لمحہ رسوا کیا گیا اور ان بین الاقوامی اور عالمگیر معاہدوں اور مواثیق کے باوصف جو خیالی معاہدوں اور بزعم خویش قسم کی جمہوریت کے ذریعے انسانی حقوق کا خیال رکھنے کی دعوت دیتے ہیں، ان معاہدوں کو دنیا کی آنکھ اور ناک تلے انسانیت سوز جرائم کر کے پامال کیا جا رہا ہے، یہ انسانیت کُشی اس کافر قوم کی وحشت ناکی اور دہشت گردی پر گواہی پیش کرتی ہے۔

عالمی کافرانہ جنگوں کی وحشت ناکیاں:

تاریخ صلیبی جنگوں میں اندلس میں اور موجودہ صورتحال میں مسلمانوں کے خلاف تعصب میں کیے گئے شدید ترین اور رسوا کن واقعات کبھی نہیں بھول سکتی، یہ وہ واقعات ہیں جن کی وجہ سے ان کے سر شرم سے جھک جانے چاہییں، بلکہ ان کے تعصب اور ظلم میں اپنائے گئے رسوا کن رویے ایسے ہیں جنھیں تاریخ کبھی دفن نہیں کر سکتی۔

نازی ظالمانہ افعال اور تفتیشی عدالتوں کے اندوہناک واقعات اہل اسلام پر مخفی نہیں، بلکہ ہم دور نہیں جاتے ان دونوں عالمی جنگوں میں ان کا مسلمان کے خلاف کینہ اور نفرت عروج پر نظر آتا ہے، خواہ یہ اقوام متحدہ کے معاہدوں اور انٹرنیشنل فورمز پر انسان دوستی کا کتنا زیادہ ڈھنڈورا کیوں نہ پیٹیں، جبکہ واقعاتی زمین پر وہ ہر طرح کی بربریت اور درندگی کا عملی طور پر بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔

یہ وہ نعرے ہیں جو امن اور سلامتی کی آڑ میں دہشت گردی اور سامراجی کا بیج بوتے ہیں، عالمی حالات اور بین الممالک ہونے والے حادثات نے ان کی سنگ دلی کا پول کھول دیا ہے جو اس

بات کی پختہ دلیل ہے کہ یہ لوگ ہر زمانے میں انسانیت کا خون بہانے والے، متعصب درندے اور سنگدلی کے غلام رہے ہیں، لہٰذا یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گردی اور وحشی پن کا الزام دینے کے لیے ان کے خلاف میڈیا میں تابڑ توڑ حملے کیوں کرتے ہیں، جبکہ یہ ان کی اپنی ہولناکیاں ہیں؟!

اپنی امت کے موجودہ حالات پر غیرت کھانے والے افراد صابرہ اور شتیلا کے ذبح خانوں کو اور فلسطین میں اپنے بھائیوں کے خلاف صیہونی غضب کے انبار کو کبھی بھول نہیں پائیں گے کہ جہاں پتھر بھی بولتے ہیں:

سکت الرصاص فيا حجارة حدثي
أن العقيدة قوة لا تهزم

''گولی خاموش ہوگئی ہے، لہٰذا اے پتھر! تو بیان کر کہ عقیدہ ایک ناقابل شکست قوت ہے۔''

صیہونیت گزیدہ میڈیا:

موجودہ مغربی میڈیا کے چہرے سے نقاب اتر چکا ہے اور اربابِ اختیار کو اس بات کا یقینی علم ہو چکا ہے کہ اکثر خبر رساں ایجنسیاں اور انٹرنیشنل ٹی وی چینلز صیہونی تنظیموں کے نرغے میں پھنسے ہوئے ہیں، بلکہ یہ عالمی صیہونی لابی کے ہاتھوں کٹھ پتلیاں بن چکے ہیں۔

یہاں تعجب کی بات نہیں، بلکہ تعجب تو اس صیہونی بننے والے میڈیا پر ہے جس کی مثال اس چیخنے والے بگل کی سی ہے جسے واضح جعلی اور من گھڑت کہانیوں اور قابل مذمت افعال کو خوب تر بنا کر پیش کرنے میں مہارت حاصل ہو۔

اسلامی ابلاغ کی ذمے داریاں:

یہ ہماری اسلامی دنیا کے صحافیوں کی خدمت میں ایک درد مند دل کی آواز ہے کہ وہ مثبت انداز فکر اور باہمی تعاون اپنائیں، منفی انداز فکر اور انجماد و کاہلی کی چادر اتار پھینکیں، آئیڈیلزم اور سطحیت سے چھٹکارا حاصل کریں اور ان وسائل ابلاغ کو اپنی اسلامی تہذیب کے عظیم الشان کارنامے بیان کرنے کے لیے استعمال کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی اہم ضرورت ہے کہ وہ معاملات کی مکمل تحقیق اور چھان پھٹک کریں۔ عالمگیریت کی آواز اور دعوت اور دہشت گردی کے خلاف

جنگ کے نام پر شروع کی جانے والی دہشت گردی کی فضا میں محض جذبات انگیخت کرنے اور دینی ثابت شدہ حقائق کا تقدس پامال کرنے کی طرف مائل نہ ہوں۔

دہشت گردی اور حریت کے درمیان فرق کیا جائے:

یہاں اس بات کی بھی اہم ضرورت ہے کہ اصطلاحات کا مفہوم بالکل واضح کیا جائے اور قابل مذمت دہشت گردی اور آزادی کی جائز جدوجہد کے درمیان فرق رکھا جائے تاکہ دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر امت کے بے گناہ اصحاب علم، داعیان اصلاح و احتساب، علمی، دعوتی اداروں اور ریلیف دینے والی ویلفیئر تنظیموں کو الزام نہ دیا جائے، حالانکہ دہشت گردی تو خود الزام دینے والوں کی جیب کی گھڑی اور ہاتھ کی چھڑی ہے!

عالمی رائے عامہ سے سوال:

یہاں عالمی رائے عامہ اور مغربی میڈیا کے سامنے یہ سوال پیش کیا جاتا ہے کہ آج جو فلسطین کی سرزمین پر ہو رہا ہے اور جو یہ کینہ ور اسرائیل کر رہا ہے، کیا اس کا حق، انصاف اور انسانیت کے ساتھ کوئی تعلق ہے؟

اگر فلسطین میں صیہونی کارروائیاں دہشت گردی نہیں تو پھر دہشت گردی کس چیز کا نام ہے؟ یہ صورتحال اس بات کی متقاضی ہے کہ مسلمان اٹھ کھڑے ہوں اور دنیا کے چیلنجوں کا سامنا کرنے والے سفینے کو امن اور نجات کے ساحل پر لگانے کے لیے عالمی تہذیبی پروگرام پیش کریں۔ یہ ایک ایسی دنیا ہے جس میں کمزوروں کے لیے کوئی جگہ نہیں، اور اس میں کمزور صرف مسلمان ہیں، مسلمان ہی قربانی کے بکرے اور مختلف الزامات کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، جبکہ اغیار مد مقابل اور رقیب بن کر فیصلے کی کرسی پر براجماں ہیں!

اس لیے اللہ کے بندو! اٹھ کھڑے ہو جاؤ، جلدی کرو۔ اور اے امت اسلام! خبردار ہو جاؤ:

﴿ وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [يوسف: ۲۱]

''اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

اسلامی تہذیبی منصوبے کے بنیادی اقدامات:

اے ادارۂ اسلام! اسلامی تہذیبی منصوبے کو پیش کرنے کے ضمن میں ضروری ہے کہ

نیتیں خالص کی جائیں، مقاصد بہتر کیے جائیں، کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھام کر اسلامی اتحاد کو یقینی بنایا جائے، دلوں کے کینے اور خواہشات کی ہلاکت خیزیوں کو صاف کیا جائے، اپنی نسلوں کی شرعی علم کے مطابق تربیت کی جائے، مضبوط اور ثقہ علماء سے علم حاصل کیا جائے، اہم اور قابل ترجیح کام پہلے کیے جائیں، مختلف خیالات پر اپنے موقف اور سیاسی امور میں نظر ثانی کرنی چاہیے، خود احتسابی اور اپنے افعال پر نظر ثانی کرنے کا بھی ایک صفحہ کھولنا چاہیے، تاکہ اہل خیر امت میں ان تمام لوگوں کی راہ کھوٹی کر سکیں اور انھیں کوئی موقع نہ دیں جو گدلے پانی میں شکار کرنے والے ہوں۔ اور کہیں یہ شکست خوردہ افراد اور کافروں کی تہذیب کی چمک سے دھوکا کھانے والے حضرات، جن کا اپنی ذات سے اور اپنی امت سے اعتبار اٹھ چکا ہے، امت کے اس تہذیبی منصوبے کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔

تہذیب مغرب کے خوشہ چین:

بلکہ ان لوگوں کی تو یہ حالت ہوچکی ہے کہ یہ تہذیب مغرب کے دستر خواں اور ان کے فلسفی خیالات سے بھیک مانگنے والے بن چکے ہیں، ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انھوں نے امت کے عقائد اور اخلاقیات کی عصمت دری کرنے کے لیے اپنے قلموں کو کرائے پر دے دیا ہے، ان کے ہاں ولاء اور براء کا عقیدہ پاش پاش ہوچکا ہے، انھوں نے مسلمان عورت کے پردے کی پردہ دری کی ہے، یہ لوگ مسلمانوں کی ثقافت اور ان کے شرعی نظامِ تعلیم اور طریقوں کو بنظر استخفاف دیکھتے ہیں۔ یہ بزعم خویش ترقی و تجدید کے سہارے پر ان مناہج میں تبدیلی اور ترمیم کے لیے طوطوں جیسی رٹ لگائے ہوئے ہیں۔

آج بکثرت لوگ زمانے کے سامری کے جادو کا شکار ہوچکے ہیں، اور ان کے بچھڑے، جن کی یہ پوجا کر رہے ہیں، وہ نو وارد ثقافتیں اور خود غرض افکار ہیں۔

ارض حرمین کی ندا:

ان اندھیرے حالات کے سمندر میں ارض رسالت و ہدایت حرمین و شریفین کی۔ اللہ ان کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ مقدس دھرتی سے یہ گونج دار آواز بلند ہو رہی ہے، جو اس بات کا اعلان کر رہی ہے کہ دین اور عقیدے پر کوئی سودے بازی نہیں، الحمد للہ اس سے غیر تمند مسلمانوں کے سینوں کو

ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے اور باطل پرست اور خودغرض افراد کی راہ بند ہوگئی ہے تاکہ اس تلاطم خیز دنیا کے سمندر میں معاشرے کا سفینہ امن کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھ سکے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس سفینے کے ماہر ملاحوں کا کارنامہ ہے جنھوں نے بہترین انداز میں قیادت کی اور کمال کی عمارت تعمیر کی۔ امت کی دعائیں ان کے ساتھ ہیں کہ وہ بتوفیق الٰہی درست راستے پر چلتے رہیں اور اللہ اس امت سے غموں کے بادل دور کرے۔ یہ سب کچھ پھولوں کی سیج اور خوش کن خوابوں کے ذریعے نہیں بلکہ میدان صلاح اور اصلاح میں بڑے بڑے جچے تلے قدم ڈال کر ہی ممکن ہے اور یہ کہ ہر شخص ہر میدان میں اس تہذیبی عمارت کی تعمیر کے لیے بھرپور وقت دے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہر ایک کو ایسے کاموں کی توفیق دے جو اس کی دنیا و آخرت میں مفید ہوں۔

نیک عمل کی حقیقت

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر صالح بن حمید ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

لوگو! میں تمھیں اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں، لہٰذا اس سے ڈر جاؤ، اور اس کی رحمت میں رغبت رکھو، یہ دنیا کی زندگی تمھیں دھوکے میں مبتلا نہ کر دے، اس کا طلبگار اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والا بہت زیادہ مشقت اٹھاتا ہے، تھکاوٹ سے چور چور ہوجاتا ہے، اور جو اس سے کنارہ کشی اور علیحدگی اختیار کر لیتا ہے وہ قابل تعریف اور لائق ستائش ہوجاتا ہے۔ خواہشات کی پیروی اور اوقات کے ضیاع سے اللہ کی پناہ مانگو، اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جسے قوت عطا ہوئی ہو اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کرے یا جسے کمزوری عاجز کر دے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور سے بچ جائے۔

مسلمان ہر حالت میں حکم الٰہی کا پابند ہوتا ہے:

اہل اسلام! مسلمان عمر کے ہر حصے میں اللہ کے حکم کا پابند ہوتا ہے، لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ حسب طاقت اور بقدر استطاعت اسے ادا کرتا رہے، اپنی استطاعت کے مطابق اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ [البقرة: ٢٨٦]

''اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا، مگر اس کی گنجائش کے مطابق۔''

یہ فرائض اور پابندیاں تمام عمر کے لیے ہیں:

﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴾ [الحجر: ٩٩]

''اور اپنے رب کی عبادت کر، یہاں تک کہ تیرے پاس یقین (یعنی موت، جس کا آنا یقینی ہے) آجائے۔''

نیز فرمایا:

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا

شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ [الأنعام: ١٦٢، ١٦٣]

''کہہ دے بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے، جو جہانوں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں حکم ماننے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔''

نیکیوں کے موسم:

اے اہلِ اسلام! تمھارے لیے یہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کافی ہیں کہ وہ اپنے بندوں کو نیکیوں اور فضیلتوں کے مواقع مختلف موسموں میں مہیا کرتا رہتا ہے، کبھی رمضان کا مہینہ آ جاتا ہے، پھر اس کا آخری دھاکا شروع ہو جاتا ہے، اس کے بعد عشرہ ذی الحجہ آ جاتا ہے، پھر یوم عرفات۔ اسی طرح حج اور اس کے تمام مناسک یہ تمام کے تمام فضیلتوں میں اضافے اور اجروں میں سینکڑوں گنا بڑھوتری کے موسم اور مواقع ہیں۔ یہ فرائض اور مرغوبات ایک دور اندیش مسلمان کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ نیک اعمال کی جستجو کرے اور ان کی حقیقت، اثرات، وسعت اور فوائد کی تلاش میں چل پڑے۔

نیک اعمال کی اہمیت:

اہلِ اسلام! دین اسلام میں نیک اعمال کا مقام و مرتبہ بڑا عظیم الشان اور بلند و بالا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی ایمان کا تذکرہ ہوتا ہے وہیں عمل صالح بھی اس کا ہم قرین ہوتا ہے، بلکہ یہ اس کا لازمی نتیجہ اور جز و لا ینفک ہے:

﴿وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا یَخٰفُ ظُلْمًا وَّ لَا هَضْمًا﴾

[طٰهٰ: ١١٢]

''اور جو شخص اچھی قسم کے اعمال کرے اور وہ مومن ہو تو وہ نہ کسی بے انصافی سے ڈرے گا اور نہ حق تلفی سے۔''

نیز فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾

[الکهف: ١٠٧]

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے فردوس

کے باغ مہمانی ہوں گے۔‘‘

پھر فرمایا:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [النحل: ۹۷]

’’جو بھی نیک عمل کرے، مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو یقیناً ہم اسے ضرور زندگی بخشیں گے، پاکیزہ زندگی اور یقیناً ہم انھیں ان کا اجر ضرور بدلے میں دیں گے، ان بہترین اعمال کے مطابق جو وہ کیا کرتے تھے۔‘‘

قرآن عزیز اور سنت مطہرہ کا ایک بحر زخار ہے جو اس کی حقیقت، تقاضوں، اثرات و نتائج، دائرۂ کار اور قبولیت کے اسباب کے بیان میں لبالب بھرا ہوا ہے۔

عمل صالح کی حقیقت:

برادران ایمان! اللہ تعالیٰ پر ایمان، اس کی پہچان، توحید خالص، معرفت حق، عمل میں اخلاص، لزومِ سنت، حلال روزی، ہمیشگی، اعتدال اور میانہ روی، برائی کے بعد اچھائی، توبہ و استغفار، غلطی پر رونا یہ تمام چیزیں نیک عمل یقینی بنانے کے قواعد وضوابط، علامات اور اس کی نشانیاں ہیں۔

جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا لیکن حق کی پہچان نہ کر سکا، اس نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، جس نے حق کی معرفت حاصل کر لی لیکن اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل نہ کر سکا اسے بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا، جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا، حق بھی پہچان لیا، لیکن عمل میں اخلاص نہیں اپنا سکا وہ بھی فائدے سے محروم رہا، جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا، حق کی معرفت حاصل کر لی، خلوص نیت سے عمل کیا لیکن سنت کے مطابق اسے ادا نہیں کیا اس کی محنت بھی رائیگاں گئی، اور اگر ان تمام کے ہوتے ہوئے بھی کوئی شخص حلال نہیں کھا سکا، حرام سے نہ بچ سکا، گناہوں کا دلدادہ رہا تب بھی اس کی ساری تگ و دو اکارت گئی۔

قبولیتِ عمل کا امیدوار:

اللہ کے بندو! عمل کی قبولیت کی امید صرف وہ شخص رکھتا ہے جو اپنے رب اور اس کی آیات پر ایمان رکھتا ہے، مخلصانہ عبادت کرتا ہے، اللہ کے خوف سے ہمیشہ لرزاں رہتا ہے، اپنی عبادات کی

حقیقت سمجھتا ہے، اپنی نیکیاں انتہائی قلیل سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے جلال و عظمت اور علم و وسعت کا بخوبی ادراک رکھتا ہے اور اپنے داخلی احساسات اور ظاہری اعمال میں اس کو نگران سمجھتا ہے۔

عمل صالح کی پہلی شرط:

اہلِ اسلام! عمل صالح کی یہ بنیادی شرط ہے کہ وہ صغیرہ و کبیرہ، دقیق و جلیل اور ظاہری اور باطنی ہر طرح کے شرک سے مبرّا ہو:

﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ [الكهف: ١١٠]

”پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو تو لازم ہے کہ وہ عمل کرے نیک عمل اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔“

صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«أنا أغنى الشركاء عن الشرك، من عمل عملاً أشرك فيه معي غيري تركته وشركه» ❶

”میں سب شریکوں سے زیادہ شرک سے بے پرواہ ہوں، جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو بھی شریک کیا تو میں اس کو اس کے شرک سمیت چھوڑ دیتا ہوں۔“

دوسری شرط:

عمل صالح کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ بدعات اور دین میں نو ایجاد یافتہ امور سے پاک ہو۔

فرمان نبوی ﷺ ہے:

«من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد» ❷

”جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے دین پر نہیں تو وہ مردود ہے۔“

«من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد» ❸

❶ صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٨٥)

❷ صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧١٨)

❸ صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٥٥٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧١٨)

''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسا کام ایجاد کیا جو اس سے نہیں تو وہ مردود ہے۔''

«وإياكم و محدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة، و كل بدعة ضلالة»[1]

''نو ایجاد یافتہ امور سے بچو، ہر نو ایجاد بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

دوسری شرط کا لازمی نتیجہ:

بدعات سے بچنے کے ساتھ ساتھ محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیروی کرنا بھی لازمی امر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف انھیں طریقوں کے مطابق کی جا سکتی ہے جنھیں محمد کریم ﷺ نے مشروع قرار دیا ہے۔ قرآن عزیز میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [آل عمران: ٣١]

''کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھیں تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ [النور: ٦٣]

''سو لازم ہے کہ وہ لوگ ڈریں جو اس کا حکم ماننے سے پیچھے رہتے ہیں کہ انھیں کوئی فتنہ آ پہنچے، یا انھیں دردناک عذاب آ پہنچے۔''

رسول کریم ﷺ کی متابعت کے قلعے میں پناہ لے کر آدمی تمام قسم کی بدعات سے محفوظ ہو جاتا ہے، کیونکہ بہترین طریقہ حضرت محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور بدترین امور بدعات ہیں۔

تیسری شرط:

عمل صالح کے لیے برادران اسلام! تیسری ضروری چیز اخلاص کا وجود ہے، اعمال کو سب سے زیادہ خراب کرنے والی، قبولیت میں رکاوٹ ڈالنے والی اور توفیق الٰہی سے دور کر دینے والی چیز عدم اخلاص اور نیت و مقاصد میں شرک ہے۔ حدیث نبوی ہے:

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٦٠٧) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٦٧٦)

«إياكم وشرك السرائر ... يقوم الرجل فيصلي فيزين صلاته جاهدا لما يرىٰ من نظر الناس إليه، فذلك شرك السرائر»[1]

''نیتوں کے شرک سے بچو، ایک آدمی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ کوئی آدمی اسے نظر اٹھائے دیکھ رہا ہے تو بڑی کوشش کر کے نماز میں خوبصورتی پیدا کرتا ہے، یہ نیتوں کا شرک ہے۔''

ریاکاری کی بدترین صورت:

اگر ریاکاری لوگوں کے لیے عمل کرنے کا نام ہے تو اس سے بھی خطرناک ایک قسم موجود ہے کہ آدمی اپنی نفسانی لذتوں کی خاطر عمل کرے نہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خاطر اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے اور اس کی رحمت و جنت پانے کی امید سے۔ یہ عدم توفیق کی صورت ہے کہ آدمی اپنے نفس کو خوش کرنے اور دنیوی مقاصد کے پیش نظر عمل کرلے، محض دنیا اور اس کے اغراض حاصل کرنے کی نیت سے صوم وصلاۃ کی پابندی کرے، صدقہ وخیرات کرے اور زہد و ورع کا لبادہ اوڑھ لے۔

اخلاص اس چیز کا نام ہے کہ آدمی کا ظاہری اور باطنی حال ایک جیسا ہو، اللہ تعالیٰ کا مخلص بندہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرتا ہے، خواہ کوئی اسے دیکھے یا نہ دیکھے، چاہے اسے کوئی دنیا کی لذت ملے یا نہ ملے، وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اس کی صرف یہ طمع ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جنت میں چلا جائے، اس کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پالے، وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے علاوہ اور کسی کام سے نہیں بھاگتا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کے علاوہ کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔

اخلاص کی حقیقت:

اخلاص کا بندہ کبھی دنیاوی مقاصد کے لیے اپنے عمل میں اضافہ یا کمی نہیں کرتا، اگر وہ لشکر کے آخر میں ہو تو وہیں رہتا ہے، اگر پہرے داری پر متعین ہو تو وہیں رہتا ہے، جب حاضر ہو تو کسی شمار اور پہچان میں نہیں ہوتا اور جب غائب ہو تب بھی اس کی کمی محسوس نہیں کی جاتی۔

نیتوں کے معاملات:

فرزندان اسلام! نیتیں اور ان کے معاملات نپٹانا ایک اہم اور دقیق موضوع ہے، حقیقۃ

[1] صحيح ابن خزيمة (٢/ ٦٧) مصنف ابن أبي شيبة (٢/ ٢٢٧) سنن البيهقي (٢/ ٢٩٠)

میں یہ قبول ورد اور کامیابی و ناکامی کی بنیاد ہے۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول ہے:

"ما عالجت شيئاً أشد من نيتي فإنها تنقلب علي" [1]

''میرے لیے سب سے مشکل مسئلہ اپنی نیت کا علاج اور حل رہا ہے، یہ پلٹ کر مجھ پر دوڑ چڑھتی ہے۔''

امام یوسف بن اسباط رحمہ اللہ کا قول ہے:

"تخليص النية وفسادها أشد على العاملين من طول الاجتهاد" [2]

''عمل کرنے والوں کے لیے نیت خراب ہونے اور اسے خالص کرنے کا معاملہ طویل مشقت سے بھی زیادہ شدید ہے۔''

آج اکثر لوگ جن مسائل اور مصیبتوں کا شکار ہیں یہ سب نیتوں کے ضیاع اور اخلاص کمزور ہو جانے کا نتیجہ ہے۔

اخلاص ایک نازک آبگینہ:

اللہ کے بندو! اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، نیک اعمال میں دلوں کی حفاظت اور اخلاص نیت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ اخلاص بفضلہٖ تعالیٰ ایک ایسی چیز ہے جو حق کے لیے قوت، صبر، استقامت اور مداومت کا وارث بناتی ہے۔ اخلاص کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا فضل دو چند اور اس کا اجر و ثواب عظیم تر ہو جاتا ہے، بلکہ اخلاص تو مباح اور جائز امور کو نیکیوں، عبادتوں اور اللہ تعالیٰ کے قریب کر دینے والے پسندیدہ اعمال میں بدل دیتا ہے۔ پھر بندے کی تمام کی تمام زندگی اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جاتی ہے:

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ [الأنعام: ١٦٢، ١٦٣]

''کہہ دے بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے

---

[1] جامع العلوم والحكم (١/ ١٣)

[2] جامع العلوم والحكم (١/ ١٣)

لیے ہے، جو جہانوں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں حکم ماننے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔''

پاکیزہ کمائی:

برادرانِ کرام! اخلاص کے ساتھ طیبات (پاکیزہ اشیاء) کی تلاش کا بھی گہرا تعلق ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ خود پاک ہے اور وہ پاکیزہ چیز کے سوا کچھ قبول نہیں کرتا، اور پاک وہ ہے جسے شریعت پاک کہے، نہ کہ وہ پاک ہے جسے ذوق پاک قرار دے۔ یہ پاکیزگی اعتقادات، اعمال اور اقوال سب کی صفت ہے۔

﴿ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ [المائدة: ۱۰۰]

''کہہ دے ناپاک اور پاک برابر نہیں، خواہ ناپاک کی کثرت تجھے تعجب میں ڈالے۔ پس اللہ سے ڈرو، اے عقلوں والو! تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ آپ طیبات اور پاکیزہ اشیاء کو حلال قرار دیتے ہیں اور خبیث اور گندی چیزوں کو حرام۔ مومن تمام کا تمام طیب ہے۔ اس کا دل، اس کی زبان اس کا جسم سب کا سب نسیم پاکیزگی میں دھلا ہوا ہے، اس کا دل پاک ہے کیونکہ اس میں ایمان رہتا ہے، اس کی زبان پاک ہے کیونکہ وہ ذکر الٰہی کی کوثر وتسنیم میں تروتازہ رہتی ہے، اس کا جسم مجسم پاکیزگی ہے کیونکہ اس کا انگ انگ نیک اعمال میں مشغول رہتا ہے۔

وہ سب سے عظیم چیز جس سے عمل میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے وہ رزق کی پاکیزگی اور کسبِ حلال کی تلاش ہے، رزق حلال سے نیک عمل کی نشونما ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ بزرگ و برتر نے جس طرح رسولوں کو رزق حلال کھانے کا حکم دیا ہے اسی طرح مومنوں کو بھی اکل حلال کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّي بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴾ [المومنون: ۵۱]

''اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو، یقیناً میں اسے جو تم کرتے ہو،

خوب جاننے والا ہوں۔''

اور اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ [البقرة: ١٧٢]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمھیں عطا فرمائی ہیں اور اللہ کا شکر کرو، اگر تم صرف اس کی عبادت کرتے ہو۔''

کسی بزرگ کا قول ہے:

''اگر تم ستون کی مانند بھی کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کرو تمھیں اس وقت تک کوئی چیز فائدہ نہیں دے سکے گی جب تک تم یہ نہ دیکھ لو کہ تمھارے پیٹ میں کیا داخل ہو رہا ہے؟''[1]

ہر وہ گوشت جو حرام سے پروان چڑھا ہو وہ اس لائق ہے کہ آگ میں جھلسے۔[2]

نیک اعمال پر ہمیشگی:

جب آپ نیک اعمال کی تلاش میں ہوں تو ان پر ہمیشگی اور مداومت کو مت بھولیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أدومها و إن قل))[3] ''جس پر ہمیشگی کی جائے، چاہے تھوڑا ہی ہو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مسلسل برسنے والی بارش کی طرح جاری رہتا۔ امام نووی رحمہ اللہ کا قول ہے:

''تھوڑے عمل پر ہمیشگی کی وجہ سے نیکی، ذکر، مراقبہ، اخلاص، اور اللہ کی طرف توجہ مسلسل جاری رہتی ہے، اس طرح یہ دائمی قلیل عمل نشو و نما پاتا رہتا ہے، حتی کہ وقفے وقفے سے کیے ہوئے کثیر عمل سے کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔''[4]

امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] حلية الأولياء (٨/ ١٥٤)

[2] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث (٦١٤)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٤٦٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨١٨)

[4] شرح النووي على صحيح مسلم (٢/ ٧١)

''بھلائی پر مداومت کرنے والا اپنے آقا کی خدمت پر مامور غلام کی طرح ہے، اور جو ایک مکمل دن دروازے پر کھڑا رہے، پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کرے وہ اس کی طرح نہیں ہوسکتا جو ایک خاص وقت تک روزانہ دروازے پر ڈیوٹی دیتا ہے۔''

میانہ روی:

مداومت کے ساتھ میانہ روی اور اعتدال برقرار رکھنے کی آرزو، حقوق و فرائض کا خیال اور ذمے داریوں کے درمیان توازن قائم رکھنا بھی گہرا تعلق رکھتا ہے، تجھ پر تیری ذات کا حق، تیری بیوی کا حق اور ملنے والوں کا حق ہے، ہر صاحب حق کو اس کا حق دے، انسان کے لیے یہ بالکل روا نہیں کہ ایک جانب پر بہت زیادہ توجہ دے اور دوسری جانب میں کوتاہی کرے۔

"سددوا، قاربوا، وأبشروا، واستعينوا بالغدوة والروحة، وشيء من الدلجة، والقصد القصد تبلغوا." [1]

''سیدھے رکھو، قربت پیدا کرو، خوشخبری دو، صبح کے وقت، شام کے اندھیرے اور رات کے ابتدائی حصے کو کام میں لاؤ، میانہ چال چلو تا کہ منزل مقصود پا سکو۔''

"إن الله لا يمل حتى تملوا، واكلفوا من العمل ما تطيقون." [2]

''اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتے حتی کہ تم اکتا جاؤ، اتنا ہی عمل اپنے ذمے لو جتنی طاقت رکھتے ہو۔''

امید و خوف:

احباب کرام! یہ نیک عمل ہے اور یہ اس کے تقاضے۔ اس کے باوجود انسان گناہوں کا پتلا اور کوتاہی کا فرزند ہے۔ ہر ابن آدم خطا کار ہے اور بہترین خطا کار توبہ کرنے والا۔ نیک عمل کا توفیق یافتہ، مخلص دل، توحید خالص، سنجیدہ ہمت کا مالک، شرعی احکامات بجالانے والا، غفلت اور لغزش سے دور، ایثار کی راہ کا مسافر اور اللہ کی رحمت کی امید رکھنے والا ہے۔

﴿ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا﴾ [الإسراء: ٥٧]

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٤٦٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨١٦)
2. صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٨٢)

''اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تیرے رب کا عذاب وہ ہے جس سے ہمیشہ ڈرا جاتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴾ [المؤمنون: ٥٧ تا ٦١]

''بے شک وہ لوگ جو اپنے رب کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنے رب کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے۔ اور وہ کہ انھوں نے جو کچھ دیا اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل ڈرنے والے ہوتے ہیں کہ یقیناً وہ اپنے رب ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جو نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی ان کی طرف آگے نکلنے والے ہیں۔''

غفلت ہر خطا کی جڑ:

برادرانِ اسلام! غفلت تمام خطاؤں کی اصل بنیاد ہے، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے:

''نیکی دل کو روشن کرتی ہے اور بدن کو قوت بخشتی ہے، بدی دل میں اندھیرا کر دیتی ہے اور بدن کو کمزور کر دیتی ہے، اور نافرمانی کے اندھیرے فرمانبرداری کی روشنی بجھا دیتے ہیں۔''[1]

مقابلے کا میدان:

اس لیے نیکیوں کی دوڑ، فرمانبرداری کے مقابلے اور اچھائیوں کے میدان میں آگے بڑھنے کی سر توڑ کوشش کرو۔

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾ [الواقعة: ١٠، ١١]

''اور جو پہل کرنے والے ہیں، وہی آگے بڑھنے والے ہیں۔ یہی لوگ قریب کیے ہوئے ہیں۔''

[1] مختصر منهاج القاصدين للمقدسي۔ یہ قول امام سلیمان بن طرخان تیمی (حلية الأولياء: ٣/ ٣٠) سے بھی مروی ہے۔

نیز فرمایا:

﴿وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ﴾ [المطففين: ٢٦]

''اس میں ان لوگوں کو مقابلہ کرنا لازم ہے جو (کسی چیز کے حاصل کرنے میں) مقابلہ کرنے والے ہیں۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿لِمِثْلِ هَٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ﴾ [الصآفات: ٦١]

''اس جیسی (کامیابی) ہی کے لیے پس لازم ہے کہ عمل کرنے والے عمل کریں۔''

پھر فرمایا:

﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [البقرة: ١٤٨]

''سو نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو، تم جہاں کہیں ہو گے اللہ تمھیں اکٹھا کر کے لے آئے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔''

صرف متقی کا عمل قبول ہوتا ہے:

اللہ تعالیٰ تمھیں توفیق دے، آفات آ رہی ہیں، رکاوٹیں روک لگائے کھڑی ہیں، موت اچانک اچک لیتی ہے، حیل و حجت اور بہانہ سازی شیطانی وسوسہ ہے، جبکہ پیش قدمی اور عملی اقدام ذمہ داری نبھانے کی خالص کوشش ایک فیصلہ کن امر، ٹال مٹول کا مفید علاج، رب کی رضا جوئی اور گناہوں کو مٹانے والا سب سے بڑا عمل ہے۔

صالحین کو اس فرمان الٰہی: ﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ [المائدة: ٢٧] (اللہ تعالیٰ صرف متقین سے قبول کرتے ہیں) نے ہمیشہ ٹھہر کر سوچنے پر مجبور کیا ہے اور وہ اس کے متعلق خوفزدہ رہتے تھے۔

جب عامر بن عبداللہ کی موت کا وقت آیا تو وہ رونے لگ پڑے۔ انھیں کہا گیا: آپ کیوں رو رہے ہیں جبکہ آپ اتنے پارسا رہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: کیونکہ میں اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنتا

ہوں: ﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ [المائدۃ: ۲۷]

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« لأن أستيقن أن الله تقبل مني صلاة واحدة أحب إلي من الدنيا وما فيها »[1]

''اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ میری ایک ہی نماز قبول ہو جائے گی تو یہ مجھے دنیا اور اس کی تمام دولت سے بدر جہا محبوب ہے۔''

خوابِ غفلت سے بیداری... عمل کی ضرورت ہے:

اس لیے حضرات پرہیز گاری اختیار کریں، نافرمانیوں سے بچیں، اپنا احتساب کریں۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل کرے پھر اس کا حق ادا نہ کرے؟ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک آدمی محبتِ رسول کا دعوی تو کرے لیکن آپ ﷺ کی سنت نہ اپنائے؟ کیسی عجیب بات ہے کہ آدمی قرآن کریم کی تلاوت کرے اور اس کے مطابق عمل نہ کرے؟! انسان دن رات اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں کھیلتا ہے اور ان کا شکریہ ادا نہیں کرتا، شیطان کو دشمن نہیں بناتا، جنت کے لیے عمل نہیں کرتا، آگ سے نہیں بھاگتا، موت کی تیاری نہیں کرتا، لوگوں کی عیب جوئی میں مشغول ہے اور اپنے عیبوں سے بے خبر۔ ایسے لوگ خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، نعمتیں ان کی رسی دراز کر رہی ہیں، مالداری نے انھیں سرکش بنا دیا ہے اور امید نے انھیں غافل کر دیا ہے۔

﴿ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ [المجادلة: ۱۹]

''شیطان ان پر غالب آ گیا، سو اس نے انھیں اللہ کی یاد بھلا دی، یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ سن لو! یقیناً شیطان کا گروہ ہی وہ لوگ ہیں جو خسارہ اٹھانے والے ہیں۔''

اگر انھوں نے توبہ نہ کی تو ندامت اور پچھتاوہ ان کا سایہ بن کر تعاقب کرتا رہے گا، لیکن جب چڑیاں چگ گئیں کھیت، تب پچھتائے کیا ہوت!

---

[1] تفسیر ابن کثیر (۲/ ۸۵)

ماہِ ذو الحجة
پہلا خطبہ
حج بیت اللہ
کے
فوائد و ثمرات
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر اُسامہ الخیاط حفظہ اللہ
15/2/2002 = 3/12/1422
دوسرا خطبہ
حج اکبر
کا دن
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس حفظہ اللہ
22/2/2002 = 10/12/1422
تیسرا خطبہ
حقیقی بندگی
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ صالح بن حمید حفظہ اللہ
1/3/2002 = 17/12/1422
چوتھا خطبہ
سال کا اختتام
اور
محاسبۂ نفس
امام وخطیب
فضیلۃ الشیخ
ڈاکٹر اُسامہ الخیاط حفظہ اللہ
8/3/2002 = 24/12/1422

حجِ بیت اللہ کے فوائد و ثمرات

امام و خطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر اُسامہ خیاط ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد و ثنا کے بعد:

شرفِ زمان و مکان:

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔ آپ لوگ آج کل ایسے ملک اور ایسے وقت میں موجود ہیں کہ جہاں شرف زمان و شرف مکان دونوں ہی جمع ہو گئے ہیں، ان دونوں شرفوں کو غنیمت سمجھتے ہوئے ان سے فائدہ اٹھاؤ، فلاح پاؤ گے۔

مقدس ترین عالمی سالانہ اجتماع:

مسلمانو! اجتماعات اور کانفرنسز چاہے کتنی بھی ہوں اور ان کے اغراض و مقاصد اور اہداف چاہے کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں ان میں سے کوئی بھی اس سالانہ عالمی اجتماع حج سے مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اجتماع تمام اغراض و مقاصد، امیدوں اور آلام و مصائب کے حل کو شامل ہوتا ہے، یہ اللہ کے امن والے، انتہائی مقدس شہر اور مقام نزول رحمت میں موجود بیت اللہ کے حج کا اجتماع ہے، وہ شہر جسے اللہ تعالیٰ نے حرمت والا بنایا، اس کا تحفظ فرمایا اور اس پر امن عامہ کی چادر ڈال رکھی ہے، جو انسان تو کیا حیوانات اور نباتات کو بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شہر میں سکون و اطمینان اور امن و سلامتی عام کر رکھی ہے تاکہ اقامتِ شعائر میں کسی قسم کی کوئی دقت پیش نہ آئے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾

[آل عمران: ۹۶، ۹۷]

''اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے وہی ہے جو مکہ شریف میں ہے جو تمام دنیا کے لیے برکت و ہدایت والا ہے، جس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، اس میں جو آ جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کیا ہے۔''

ندائے خلیل پر لبیک:

مسلمان بھائیوں کی ملاقات ہو، اللہ کے بندوں کا اجتماع ہو، مومن پناہ گاہ کی طرف لوٹیں، تمام لوگ اس گھر کی طرف کھچے چلے آتے ہیں اور اس میں جمع ہوتے ہیں۔ یہ ان کا حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی ندا پر لبیک کہنا ہے، جو انھوں نے اللہ کے حکم سے لگائی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْقَآئِمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ﴾ [الحج: ٢٦ تا ٢٨]

''اور جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ متعین کر دی کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع، سجود کرنے والوں کے لیے پاک کر۔ اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے، وہ تیرے پاس پیدل اور ہر لاغر سواری پر آئیں گے، جو ہر دور دراز راستے سے آئیں گی۔ تاکہ وہ اپنے بہت سے فائدوں میں حاضر ہوں اور چند معلوم دنوں میں ان پالتو چوپاؤں پر اللہ کا نام ذکر کریں جو اس نے انھیں دیے ہیں، سو ان میں سے کھاؤ اور تنگ دست محتاج کو کھلاؤ۔''

اس حج کے فوائد کا شمار کرنا ممکن ہی نہیں لیکن ان سب کا ایک ہی مقصود و مطلوب ہے اور وہ ہے امورِ دین و دنیا کی اصلاح اور امتِ اسلامیہ کی مضبوطی، تجدیدِ عہد و پیمان، کمزور تعلقات میں تقویت اور ٹوٹے ہوؤں کو جوڑنا حج کے اعلیٰ منافع، رفیع المنزلت فوائد اور بلند مقام منافع ہیں کیونکہ یہ سب اس اخوت و بھائی چارہ کے تحفظ کا ذریعہ ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے بڑا اعلیٰ مقام بنایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾ [الحجرات: ١٠] ''مومن لوگ باہم بھائی بھائی ہیں۔''

وحدتِ امت:

اس اخوت اور بھائی چارے کا تحفظ کرنا اور اسکے حقوق ادا کرنا ایک امت کی عمارت تعمیر کرنے اور اس کی اصلاح و ترمیم کرنے کے واضح ترین وسائل میں سے ایک ہے، تاکہ وحدتِ امت

کی یہ عمارت زمانے بھر کی عداوتوں اور تخریب کاروں کی نظروں کے سامنے پوری شان وشوکت سے کھڑی رہے اور یہی وہ چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے پختہ وعدہ فرمایا ہے۔ وہ وعدہ کہ جس میں کوئی تغیر وتبدیلی ہونے والی نہیں۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ [النور: ٥٥]

''تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انھیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان لوگوں کو بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کے لیے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے اس خوف وخطرہ کو وہ امن وامان سے بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے، اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں وہ یقیناً فاسق ہیں۔''

شعائرِ اسلامیہ اور حج میں پنہاں قوت:

مسلمان اور حاجی اس دین میں پوشیدہ اس قوت کا شعور پاتا ہے جو توحیدِ الٰہی کی بنیاد پر قائم وحدت میں پنہاں ہے۔ وہ توحید جس کا اعلان حج کا ہر ہر عمل کرتا ہے اور خود حاجی بھی اپنے مواقف میں سے ہر جگہ یہی اعلان کرتا چلا جاتا ہے، یہی وہ چیز ہے جو مسلمان اور حاجی کو اس قوت کی حفاظت کے طریقوں کو اختیار کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور وہ اس کی حقیقی رعایت کرتا ہے، اس میں فہم عمیق، اخلاص وثیق اور عمل پیہم سے کام لیتا ہے، اس میں وہ تھکتا ہے نہ اکتاتا ہے اور نہ ماندہ یا درماندہ ہوتا ہے، لہٰذا حجاج بیت اللہ کے لیے لازم ہے کہ جب وہ مناسک حج کی ادائیگی کے لیے تشریف لائیں تو نظر میں وسعت اور فہم کو اتنا ترقی پر ہونا چاہیے کہ وہ حج کے منافع وفوائد کا صحیح ادراک کر سکیں، اور انھیں وہ اوراق وسطور میں بکھرے معارف وعلوم اور سینوں میں ٹھنڈک پہنچانے والی تمناؤں سے زندہ تعبیر میں بدل دیں جس کا اثر قائم رہے اور اس کے میدان میں وسعت آئے۔

بندوں کی بندگی نہیں بلکہ اللہ تعالی کی عبودیت کریں:

حاجی کو چاہیے کہ جب وہ تلبیہ کہے تو اس کے دل میں اس کی آزادی کا شعور موجزن ہو کہ وہ بندوں کی بندگی سے خلاصی پا کر اپنے خالق کی بندگی کے لیے آزاد ہے اور صرف اسی کے حکم کی اتباع کرے اور اسی کی حکومت و سلطنت کے سامنے جھکے۔ کسی مسلمان کے لیے روا نہیں کہ خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے اٹھنے والی ندا پر لبیک کہنے کے بعد اب شیطانی صداؤں پر بھی لبیک کہتا پھرے، جو تفرقہ اور امت کے افراد کے مابین اختلاف کی دعوت دیتا ہے، اور کسی مسلمان کے لیے یہ بھی ہرگز روا نہیں کہ وہ ایمان کے شعار کے سوا کسی دوسرے نعرے کو اپنا شعار بنائے، وہ شعار ایمان کہ جس کا اس نے رحمت و غفران کی ہر منزل پر اعلان کیا ہے، بیت اللہ کا حج کرتے اور مناسک حج ادا کرتے وقت اعلان کیا ہے تا کہ حاجی ایسا نہ ہو جائے کہ ایڑیوں کے بل مڑنے والے اور عہد و معاہدہ کر کے اس سے پھرنے والے شخص کی طرح ہو جائے۔

غنیمت کا موقع:

اللہ کے بندو! اللہ کا تقوی اختیار کرو اور حج بیت اللہ کی اس زیارت کو غنیمت سمجھو اور قربت و اطاعتِ الٰہی کی شکل میں پائے جانے والے منافع و فوائد کو حاصل کرنے کی کوشش کرو جن کے ذریعے تم اپنے رب کی طرف بڑھتے ہو یا پھر وہ منافع و فوائد کہ جو ہر راستے میں اس امت کے اتحاد و اتفاق کا باعث ہیں اور جن سے ظلم کی آگ بجھائی جا سکتی ہے، جس کی تپش اکثر مسلمان ملکوں کے لوگ پا رہے ہیں اور جن سے وہ جور و جفا دور ہو کہ جس نے راتوں کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں اور اپنے آپ کو ان منافع کے سلسلہ میں ہر وہم میں مبتلا شخص سے دور رکھیں۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَ اتَّقُوْنِ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ [البقرة:۹۷]

”حج کے مہینے مقرر ہیں، اس لیے جو شخص ان میں حج لازم کرے وہ اپنی بیوی سے ملاپ کرنے، گناہ کرنے، لڑائی جھگڑا کرنے سے بچتا رہے، تم جو نیکی کرو گے اللہ تعالی اس

سے باخبر ہے اور اپنے ساتھ زادِ راہ لے لیا کرو، سب سے بہتر توشہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ و ڈر ہے، اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔"

حج کے منافع وفوائد ایک بہت بڑا موقع ہے، انھیں اپنے حساب سے الگ نہیں کرنا چاہیے اور نہ اس سے آنکھیں موندنی چاہییں، پھر یہ فوائد ومنافع بھلائے بھی کیسے جائیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے حج فرض کیا اور اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کا اعلان کرنے کا حکم دیا تاکہ لوگ آئیں اور فوائد ومنافع حاصل کریں۔ اس کی غرض وغایت سے کیسے لاپرواہی کی جاسکتی ہے؟ جب امت اس فریضہ کے منافع سے اعراض وروگردانی کرے گی اور اس خیر سے منہ پھیرے گی تو ساحلِ مراد کو کب پائے گی؟

مسلمانو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اسلام کے اس عظیم رکن، مبارک ملاقات سے ثمرات و فوائد حاصل کرنے کی کوشش کرو، تم کامیابی وفلاح پانے والے ہو جاؤ گے۔

حجِ اکبر کا دن

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس ﷾

خطبہ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

برادرانِ اسلام اور حجاج کرام! میں تمھیں اور اپنے آپ کو اللہ بزرگ و برتر کا تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں کیونکہ وہ بہترین زاد راہ ہے جو تمھیں دارالسلام یعنی جنت تک سلامتی کے ساتھ پہنچادے گا، یہ گناہوں اور کوتاہیوں کو مٹانے اور دور کرنے کا بھی سبب ہے:

﴿ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ [البقرۃ: ١٩٧]

''اور زاد راہ لے لو کہ بے شک زاد راہ کی سب سے بہتر خوبی (سوال سے) بچنا ہے۔''

باعث سعادت لمحات:

اللہ کے بندو! حج بیت اللہ کرنے والو! اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں اور اس کی بڑی بڑی نوازشوں پر اس کا شکریہ ادا کرو کہ تم میدان عرفات میں وقوف کرنے کے بعد، مزدلفہ میں رات گزار کر منیٰ میں قیام کرنے کے بعد یوم النحر کے اعمال: کنکریاں مارنا، قربانی کرنا، سر منڈوانا، اور طواف افاضہ کرنے کے بعد اس روح پرور ماحول اور مشامِ جان کو معطر کردینے والی ایمانی فضاؤں میں سانس لے رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے امت اسلامیہ کے لیے بھلائی، نصرت، عزت اور غلبے کا سبب بنائے۔

تمھارے لیے یہ کتنی بڑی خوشی ہے کہ تم روحانی فضاؤں اور ایمانی لمحات میں رہ رہے ہو۔ یہ لمحات ایسے ہیں کہ انھوں نے بہترین وقت اور مبارک مقام کی عزت کا تاج اپنے سر پر پہنا ہوا ہے۔ لہٰذا تمھارا یہ دن۔ اللہ کے بندو۔ زمانے کی پیشانی کا روشن جھومر ہے اور وقت کے چہرے پر ایک خوبصورت مسکان۔ کیوں نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے ایک عید میں دو عیدیں اکٹھی کردیں ہیں، یہ ایک ایسا دن ہے جس میں دل کے درخت ثمر بار ہوتے ہیں، گناہوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں اور خلق ربانی اکٹھی ہو کر اس علام الغیوب کے حضور دست بستہ دعائیں کرتی ہے، درجات کی بلندی کا سوال کرتی ہے، بھلائیوں کی طلبگار ہوتی ہے، خواہشات اور درخواستیں پیش کرتی ہے۔

عظمت رفتہ کی یاد:

اس دن ان پہاڑی ٹیلوں اور سنگریزوں پر کھڑے ہو کر حاجی ہماری قابل فخر اسلامی تاریخ کو یاد کرتا ہے۔

آج امت اسلامیہ کو اپنی عظمت رفتہ کا اعادہ کرنے کے لیے اس حج جیسے اہم موقع سے درس عبرت حاصل کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ عزت، نصرت اور غلبہ امت کے مقدر میں ہو جائے۔ اس بابرکت دن میں مسلمان ان ابدی یادوں کی عطر بیزی اور عظیم فتوحات کی خوشبو سے اپنے مشام جان کو معطر کرتا ہے اور ان معطر فضاؤں میں رہ کر وہ اپنی خواہشات اور تمناؤں کو عملی شکل دینے کے لیے کوشش کرتا ہے۔

یوم النحر کے اعمال:

رحمٰن کے مہمانو! تم آج یوم النحر یعنی ذوالحجہ کے دسویں دن میں ہو، اس بابرکت دن میں حاجی جمرہ عقبہ کو مسلسل سات کنکریاں مارنے کے لیے روانہ ہوتے ہیں، جب حاجی کنکریاں مارنے سے فارغ ہو جائے اور وہ حج تمتع یا قران کر رہا ہو تو وہ قربانی کرتا ہے، اگر قربانی کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو پھر اس کو دس روزے رکھنے ہوتے ہیں، پھر اس کے بعد حاجی اپنا سر منڈوا لیتا ہے۔ اس طرح یہ کام کر کے وہ پہلے تحلل سے آزاد ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کے لیے اپنی بیوی کے پاس آنے کے سوا بقیہ تمام امور جائز ہو جاتے ہیں، پھر اس کے بعد حاجی بیت اللہ کا رخ کرتا ہے تاکہ طواف افاضہ کر لے جو حج کا ایک رکن ہے جس کے بغیر حج مکمل نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴾

[الحج: ٢٩]

”پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا خوب طواف کریں۔“

طواف کے بعد آدمی صفا مروہ کی سعی کرتا ہے، خواہ وہ حج تمتع کر رہا ہو یا قِران یا اِفراد، اگر اس نے طواف قدوم کے ساتھ سعی نہ کی ہو تو۔ اور دوسرا تحلل (احرام کی پابندیوں سے مکمل آزادی) تین کام کر کے حاصل ہو جاتا ہے اور وہ تین کام یہ ہیں: جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنا، بال کٹوانا یا سر منڈوانا، اور طواف افاضہ کرنا۔

جب حاجی یہ تین کام کر لیتا ہے تو اس کے لیے وہ تمام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں جو احرام کی

وجہ سے حرام ہوئی تھیں یہاں تک کہ اس کے لیے اپنی بیوی کے پاس جانا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ اگر حاجی ان کاموں میں تقدیم و تاخیر کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یوم النحر میں جس کام کی تقدیم و تاخیر کے متعلق بھی آپ ﷺ سے پوچھا گیا آپ ﷺ نے ایک ہی جواب دیا:

《 افعل ولا حرج》 ''کرلو کوئی حرج نہیں۔''[1]

وقوفِ منیٰ اور ایام تشریق کے اعمال:

اے مہمانانِ رحمان! نبی ﷺ کی اتباع میں آج کی رات اور کل کا دن تمھارے لیے منیٰ میں گزارنا واجب ہے۔ کل گیارہ ذوالحج کا دن بابرکت ایام تشریق کا پہلا دن ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِيٓ أَيَّامٍ مَّعْدُودَٰتٍ﴾ [البقرة: ٢٠٣]

''اور اللہ کو چند گنے ہوئے دنوں میں یاد کرو۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''ان سے مراد ایام تشریق ہیں۔''[2]

ان کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

《 أيام التشريق أيام أكل، وشرب، وذكر الله》[3]

''ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔''

لہٰذا ان ایام مبارکہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم کو بجا لاتے ہوئے؛ رسول کریم کی سنت اپناتے ہوئے اور سلف صالحین کے طریقے پر چلتے ہوئے بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور تکبیریں پڑھو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان فضیلت والے دنوں میں تکبیریں کہا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منیٰ میں ہر بلند جگہ پر تکبیر کہتے، لوگ بھی آپ کی تکبیر سن کر اللہ أکبر کہتے تو منیٰ کی ساری وادی اللہ اکبر کی صداؤں سے گونج اٹھتی:

《 الله أكبر، لا إله إلا الله، والله أكبر ولله الحمد، الله أكبر كبيرا والحمد لله كثيرا، وسبحان الله بكرة وأصيلا》[4]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٨٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٣٠٦)
[2] صحيح البخاري (١/ ٣٢٩)
[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٤١) مسند أحمد (٢/ ٢٢٩)
[4] سنن البيهقي (٣/ ٦١٢)

ان بابرکت دنوں میں رسول کریم ﷺ کا یہ طریقہ ہوتا تھا کہ آپ ﷺ زوال کے بعد تینوں جمرات (شیطانوں) کو ترتیب کے ساتھ مسلسل کنکریاں مارتے، پہلے چھوٹے کو مارتے، پھر درمیانے کو، اور پھر بڑے کو۔ اور ہر کنکری پھینکتے وقت اللہ اکبر کہتے۔ [1]

یاد رہے کہ منیٰ میں رات گزارنا حج کے واجبات میں سے ہے، اور حاجیوں کے لیے لازم ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں اپنے قیام کی مدت کے دوران میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی اطاعت پر ہمیشگی کریں۔

حج کے آداب:

اے حجاج بیت اللہ! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کے مطابق حج کے مناسک (عبادات) ادا کرو، اپنے حاجی بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، اچھی عادتیں، کریمانہ خصلتیں اور شریفانہ سلوک اپناؤ، ایذا رسانی اور دھکم پیل سے بچو، نرمی اور رحمدلی اختیار کرو، اس جگہ کے تقدس کا خیال رکھو، اس کے امن اور نظام کی پاسداری کرو اور اس عظیم ترین اسلامی مذہبی علامت کی فضا کو مکدر کرنے والے ہر عمل سے احتراز کرو۔

خلاف ورزیوں سے احتراز:

کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ کئی حاجی۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت دے۔ حج کے کئی اعمال میں، جیسے: کنکریاں مارنا، منیٰ میں رات گزارنا وغیرہ میں جان بوجھ کر سستی اختیار کرتے اور بغیر کسی شرعی ضرورت کے اپنی طرف سے دوسروں کو وکیل بنا دیتے ہیں، بلکہ کچھ تو اس طرح کرتے ہیں کہ وہ منیٰ وغیرہ میں رات گزارنے اور کنکریاں مارنے کے بغیر ہی اپنے ملکوں میں واپس چلے آتے ہیں، یہ رسول کریم ﷺ کی سنت کی خلاف ورزی اور اللہ تعالیٰ کے شعائر (مذہبی علامات) کی تعظیم میں سستی ہے۔ فرمان ربانی ہے:

﴿ ذٰلِكَ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴾ [الحج: ٣٢]

”یہ اور جو اللہ کے نام کی چیزوں کی تعظیم کرتا ہے تو یقیناً یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔“

منیٰ سے نکلنے کے احکام:

اگر حاجی ایام تشریق کے پہلے دو دن منیٰ میں گزارے اور کنکریاں مارے تو اس کے لیے جائز

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٦٦٤)

ہے کہ وہ جلدی کرتے ہوئے بارہویں دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے منیٰ سے نکل آئے۔ اور جو تاخیر کرتے ہوئے تیسری رات بھی گزار لے اور تیسرے دن کنکریاں مارے تو یہ افضل اور زیادہ اجر والا عمل ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَ مَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ [البقرة: ٢٠٣]

''پھر جو دو دنوں میں جلد چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، اس شخص کے لیے جو ڈرے، اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے۔''

طوافِ وداع:

حاجی اگر اپنے ملکوں کو واپس جانا چاہیں تو ان پر طواف وداع کرنا واجب ہے۔ اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ فرماتے ہیں:

«أمر الناس أن يكون آخر عهدهم بالبيت إلا أنه خفف عن الحائض»[1]

''لوگوں کو حکم دیا گیا کہ ان کا آخری کام بیت اللہ کا طواف ہو، البتہ حائضہ کو اس کی رخصت ہے۔''

اعمال کا خاتمہ استغفار کے ساتھ:

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، اپنے مناسک حج اسی طرح مکمل کرو جس طرح تمھارے رب نے تمھیں حکم دیا ہے:

﴿ وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ [البقرة: ١٩٦]

''اور حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو۔''

اپنے رب سے ثواب کی امید رکھو، اور اپنے اعمال کا خاتمہ استغفار، ذکر اور توبہ کے ساتھ کرو:

﴿ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٦٦٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٣٢٨)

رَحِيمٌ ۝ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ [البقرة: ۱۹۹ تا ۲۰۲]

''پھر اس جگہ سے واپس آؤ جہاں سے سب لوگ واپس آئیں اور اللہ سے بخشش مانگو، بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ پھر جب تم اپنے حج کے احکام پورے کر لو تو اللہ کو یاد کرو، اپنے باپ دادا کو تمھارے یاد کرنے کی طرح، بلکہ اس سے بڑھ کر یاد کرنا، پھر لوگوں میں سے کوئی تو وہ ہے جو کہتا ہے: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے دے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اور ان میں سے کوئی وہ ہے جو کہتا ہے: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے جو انھوں نے کمایا اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔''

دھکم پیل اور ایذا رسانی سے گریز:

حاجی بھائیو! یہاں ایک اہم صورتحال سے سابقہ پڑتا ہے جس کا علاج کرنا نہایت ضروری ہے، وہ صورتحال یہ ہے کہ کئی حاجی منیٰ سے بارہ تاریخ والے دن جلد از جلد نکلنا چاہتے ہیں، لہٰذا وہ زوال کے بعد کنکر مارنے کے وقت کا انتظار کرتے رہتے ہیں، جونہی وقت ہوتا ہے وہ اتنی شدید دھکم پیل کرتے ہیں کہ یہ خدشہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ کہیں ایک دوسرے کو قتل ہی نہ کر دیں۔

یہ غلطی اور ناسمجھی کی علامت ہے۔ کنکر مارنے کا وقت الحمد للہ وسیع ہے، اس لیے اے بندگانِ رحمٰن! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ، اور اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالو، حج تو اللہ تعالیٰ کی بندگی کا ایک اہم مظہر، اور بھائی چارے اور آپس میں رحمدلی کی بہت بڑی علامت ہے۔

اس لیے ایسے لوگوں میں ہونے سے بچو جن کے بارے میں شاعر کا کہنا ہے:

يحج كيما يغفر الله ذنبه
ويرجع قد حُطت عليه ذنوب

"حج تو وہ اس لیے کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے لیکن جب وہ حج کر کے واپس آتا ہے تو اس پر گناہوں کا بوجھ ہوتا ہے۔"

اے حاجی بھائی! مناسک حج کے احکام سیکھ، اور جس بات میں کوئی اشکال ہو اس کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی اہل علم سے پوچھ۔

زیارت قبرِ نبوی حج کا حصہ نہیں:

مسلمانو! یہاں اس بات کو جاننا بھی از حد ضروری ہے کہ بہت سارے حاجی حضرات یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں قبر نبوی کی زیارت کرنا حج کے لوازمات سے ہے جبکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ یہ زیارت لوازماتِ حج میں سے ہے نہ اس کا اس کے ساتھ کوئی تعلق ہی ہے، لہٰذا یہ واجب نہیں۔ اس سلسلے میں جتنی بھی احادیث بیان کی جاتی ہیں وہ سب کی سب جھوٹی اور خود ساختہ ہیں۔ ثقہ محدثین کے ہاں ثابت نہیں۔[1]

جس طرح روایت کیا جاتا ہے کہ:

«من حج فلم يزرني فقد جفاني»[2]

"جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے میرے ساتھ زیادتی کی۔"

زیارت مسجد نبوی ﷺ کے آداب:

اے زیارت کرنے والے محترم بھائی! اے محبوب سبحانی کی زیارت کا عزم رکھنے والے! تمھیں اس مدینہ طیبہ کی زیارت مبارک ہو جو ایمان کا قلعہ اور نبی ﷺ کی ہجرت کا گھر ہے، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، لیکن تمھیں ضرور بالضرور اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ جو زیارت کی نیت رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ صرف مسجد نبوی شریف کی زیارت کا ارادہ رکھے۔ اس کے لیے وقت کی کوئی پابندی نہیں، اور وہاں نماز پڑھنے کی نیت سے جائے، اس کے بعد بڑے ادب اور احترام کے

[1] اس مسئلے میں تفصیل کے لیے دیکھیں: "زیارتِ قبر نبوی" از محدث العصر علامہ محمد بشیر سہسوانی رحمہ اللہ

[2] موضوع. الفوائد المجموعة (ص: ١١٨)

ساتھ آہستہ آواز کے ساتھ نبی ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو سلام بھیجے، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہاں متعدد اوقات میں درود پڑھے جس طرح عام لوگوں کا خیال ہے، اسی طرح حجرہ نبویہ یا دیگر مقامات پر ہاتھ پھیرنا اوران کو چھونا بھی جائز نہیں جس طرح لوگ کرتے ہیں۔ اللہ انھیں ہدایت دے۔

لہٰذا حاجیوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے تمام افعال میں حبیب مصطفیٰ ﷺ کی سنت اپنائیں اورشریعت میں حرام کاموں اور بدعات سے مکمل اجتناب کریں۔ کیونکہ رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے:

《من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد》[1]

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے امر کے خلاف ہوتو وہ مردود ہے۔''

سنت کو اپنا کر ہی ان کا حج قبول ہوگا اور ان کی کوشش کی قدر افزائی ہوگی، اس طرح ان کے گناہ معاف ہو جائیں گے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہوگا کہ وہ ان کو اس دن کی طرح گناہوں سے پاک کرکے لوٹائے گا کہ جس دن وہ اپنی ماؤں کے پیٹوں سے معصوم پیدا ہوئے تھے۔[2] اور اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں۔

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ، اللہ تعالیٰ کی مکمل نعمتوں پر اس کا شکریہ بجا لاؤ، اس کی مسلسل نوازشوں پر اس کی تعریف کے گن گاؤ، اور اس کی بڑھائی بیان کرو۔

''الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله، والله أكبر، الله أكبر، ولله الحمد.''

حج کے اثرات سمیٹ کر جاؤ:

احباب کرام! پیارے حاجی بھائیو! تم یہاں اس مقدس جگہ اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے، لبيك اللهم لبيك کی صدائیں بلند کرتے ہوئے، توحید خالص کا اعلان کرتے ہوئے اور اس شریعت کو مطلقاً قبول کرتے ہوئے تشریف لائے ہو، اور اب تم نے اپنے حج کے بہت سارے مناسک ادا کیے ہیں، لہٰذا جو عبادات باقی ہیں ان کے متعلق ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، لہٰذا ان کا خاتمہ اچھے انداز میں کرو، کیونکہ اعمال کا دارومدار ان کے خاتمے پر ہوتا ہے۔[3] آئندہ ایام میں بھی اللہ کا

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧١٨)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٤٤٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٣٥٠)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٢٣٣)

خوف دامن گیر رکھو، اور ہمیشہ اور صریحاً ہر وقت لبیك اللهم لبیك کا اعلان کرتے رہو، ایک حکم پورا کرنے کے بعد دوسرے کے انتظار میں رہو، تاکہ حج کے آثار اور اثرات تم میں سے ہر ایک کی پیشانی پر جھلک رہے ہوں اور تم میں سے ہر فرد حج سے پہلے جو اس کی حالت تھی اس سے بہترین بن کر لوٹے۔ ہر حاجی اپنے رب کے ساتھ یہ عہد کرے کہ وہ سیدھی راہ پر چلتا رہے گا، واضح حق کو تھامے رکھے گا اور نبی امین ﷺ کی سنت کی پیروی کرے گا۔

بیت اللہ کی روحانی یادوں میں اپنے مظلوم بھائیوں اور قبلہ اول کو بھی شریک کرو:

اللہ تعالیٰ کے معزز گھر کا حج کرنے والو! اب جبکہ تم ان ابدی ایام کی فضاؤں تلے سانس لے رہے ہو کیا تم یہ منظر اپنی آنکھوں میں لا سکتے ہو کہ تمھارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کے ساتھ بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے ہیں؟ کیا تم اپنے نبی ﷺ کو یاد کرسکتے ہو کہ وہ یہاں ان مقامات پر کھڑے ہوئے تھے؟ آپ نے لوگوں کو دین کی دعوت دی اور کلمہ حق بلند کرنے کے لیے جہاد کیا اور کوئی بھی دعوت کی راہ میں روڑے اٹکانے والا آپ کے راستے کی رکاوٹ نہ بن سکا؟

تم یہاں اس امن والے اور مبارک گھر کے صحن میں کھڑے ہو، کیا تمھیں یاد ہے کہ اس کا ایک بھائی بھی ہے جو امت اسلامیہ کے دشمنوں کے شکنجے میں جکڑا ہوا سسکیاں لے رہا اور چیخ چیخ کر تم کو پکار رہا ہے کہ اس کو ظالم اور خائن یہودیوں صیہونیوں کے پنجہ استبداد سے آزاد کراؤ؟ وہ مبارک مسجد مسجد اقصیٰ ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کو جلد از جلد آزاد کرا کر ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک بخشے، آمین۔

ہر جگہ تمھارے ہم عقیدہ بھائیوں کی کتنی ہی غم کی داستانیں بکھری پڑی ہیں جو قتل و موت اور بے گھری کے سائے میں یہ عید گزار رہے ہیں۔ و الله المستعان، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم.

حج کے فوائد:

ایمان وعقیدے کی مہک اور تاریخ وعظمت کی خوشبو میں رچی بسی یہ یادیں، اسباق اور عبرتیں ایسی روشن مشعلیں ہیں جو دین کی تائید کے لیے سب کچھ خرچ کرنے، اللہ کے بندوں کی خدمت کرنے، دین کو سر بلند کرنے، امت اسلامیہ کے حالات بہتر بنانے، وحدت امت اور اتحاد ملت کا خواب پورا کرنے کے لیے امید کی روح پھونکتی ہیں، ہمت کو مہمیز لگاتی ہیں اور ارادوں کو حوصلہ بخشتی

ہیں۔ خصوصاً ان عالمی حالات اور بین الاقوامی تبدیلیوں کے بعد کہ جب امت اسلامیہ کے بدترین حالات غیرت مند افراد کا منہ چڑا رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حج کا موقع ایک ایسا فریضہ ہے جو عظمتِ اسلام کے مختلف پہلوؤں، شریعت کی رواداری، اس کی تہذیب کی قدامت، اس میں انسانی حقوق کی مکمل پاسداری اور دہشت گردی و تشدد پسندی کے ان تمام الزامات سے براءت کا یقینی اظہار کرتا ہے جو مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعے اس پر لگائے جا رہے ہیں۔

یہ کتنا عظیم فریضہ ہے جو اتفاق واتحاد اور تعاون اور ڈائیلاگ کا داعی ہے۔ دین اسلام اور مسلمانوں کی تہذیب ہی عالمگیریت کا حق رکھتی ہے خصوصاً جبکہ اس رسوائے زمانہ گلوبلائزیشن کا پول کھل چکا ہے جو ہمارے دین، عقائد، اخلاق اور اقدار پر سودے بازی کر کے اپنا آپ منوانا چاہتی ہے۔

استقامت مطلوب ہے:

حجاج کرام! اللہ تعالیٰ سے ڈر جائیں، اپنے اعمال کی تنقید و اصلاح اور محاسبے کا ایک صفحہ کھول لو، اور یہ بھی جان لو کہ اس طرح کے مواقع لوگوں کی زندگی میں کوئی عارضی تبدیلی نہیں ہوتے بلکہ یہ تبدیلی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے، اس لیے حاجی جب واپس پلٹتا ہے تو اس کی حالت پہلے سے بہتر ہوتی ہے جو قبولیتِ حج کی علامت اور نشانی ہے جو ہر حاجی کا مقصد ہوتا ہے، لہٰذا نیک اعمال پر استقامت اختیار کرو اور گناہوں سے توبہ کی تجدید کرتے رہا کرو:

﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ [الحجر: ٩٩]

''اور اپنے رب کی عبادت کر، یہاں تک کہ تیرے پاس یقین (یعنی موت، جس کا آنا یقینی ہے) آجائے۔''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے ہمارے اعمال قبول فرمائے اور ہمیں نیکی کی توفیق دے، وہ سب سے بہتر ہے جس سے سوال کیا جائے اور وہ سب سے زیادہ کریم ہے جس سے امید لگائی جائے۔

حقیقی بندگی

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر صالح بن حمید ﷾

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

لوگو! تمھارا رب خوب جانتا ہے جو تمھارے دلوں میں ہے لہٰذا اس سے چوکنا رہو، تمھارا کوئی بھی معاملہ اس سے مخفی نہیں اس لیے اس کی نگرانی کا خیال دل میں رکھ کر اس سے اس طرح ڈرو کہ اس کا اثر تمھارے تمام جسم پر ہو، اس نے اپنے اسما اور صفات کے ساتھ تمھیں اپنا تعارف کروایا ہے اور اپنی نعمتوں اور نوازشوں کے ذریعے تمھیں اپنا پیارا بنایا ہے، وہ پرہیزگاروں سے محبت رکھتا ہے اس لیے تقویٰ کی طرف بڑھ چڑھ کر آؤ، وہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے لہٰذا اچھے اعمال کرو، وہ صبر کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے اس لیے صبر کرو، وہ توکل کرنے والوں کو اچھائی کی نگاہ سے دیکھتا ہے لہٰذا اگر تم مومن ہو تو اسی پر توکل کرو۔ وہ پاک ہے۔ جو اس کی حمد کے ذریعے اس سے ہدایت طلب کرے تو وہ اسے ہدایت نصیب فرماتا ہے اور جو اس پر اعتماد کرے وہی اس کو کافی ہوتا ہے۔

بندگی اصل الاصول:

مسلمانو! یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو تمام بنی آدم کا مسئلہ ہے، یہ ایک ایسا رکن ہے جو تمام مکلفین (شرعی احکام کے پابند لوگوں) کے ارکان کی بنیاد ہے بلکہ یہ ایسی چیز ہے جو انسانی زندگی کے تصرفات، احساسات اور تعلقات میں سب سے بڑھ کر اثر انداز ہونے والی چیز ہے، یہی نہیں بلکہ یہ انسان کی کھانے پینے کی ضروریات سے بھی زیادہ سخت ضرورت ہے۔

یہ ایک ایسی چیز ہے جو اس کائنات کے اس طرح منظم انداز میں چلنے کو برقرار رکھنے والی اور اس کی ہر چیز کو اس کے مخصوص مدار میں کنٹرول کرنے والی ہے۔ اس میں اگر کوئی خلل واقع ہو جائے تو نظام زندگی درہم برہم ہو جائے، اگر اس میں کوئی درست راہ سے ہٹ جائے تو تمام کی تمام انسانیت اندھے پن، انحطاط اور فساد کے گڑھوں اور غاروں میں گم گشتہ راہ ہو جائے۔ یہ مسئلہ اللہ واحد وقہار کی بندگی کا اہم مسئلہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ جو پاک ہے، قابل تعریف ہے، اس کا نام بڑا بابرکت ہے، اس کی بزرگی بہت بلند ہے، اور اس کے سوا کوئی بھی سچا عبادت کے لائق نہیں۔

عبودیت...انسان کی اندرونی پکار:

بندگی اور عبودیت ایک ایسا لازمی اور حتمی مسئلہ ہے کہ کسی بھی انسان کے لیے کسی بھی حالت میں اس سے کسی طرح کا کوئی بھی چھٹکارہ یا رہائی ممکن نہیں۔ یہ ہر زمانے میں اور ہر جگہ لوگوں کی واقعاتی زندگی میں یقینی طور سے موجود رہتی ہے۔ یہ ایک انتہائی لازمی چیز ہے کیونکہ ہر انسان ضرورت مند، فقیر اور کمزور ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ دو حالتوں کے درمیان رہتا ہے جن کی تیسری کوئی صورت نہیں ہوتی، یا تو وہ اپنی عبادت، عاجزی، اور انکساری کا رخ اللہ واحد و قہار کی طرف موڑ لیتا ہے اور توحید پرست، فرمانبردار، مطمئن اور خوش نصیب ہو جاتا ہے، یا پھر وہ جو بہت سارے جھوٹے معبودوں، بتوں، خواہشات، شہوتوں، مال و دولت، لذتوں، قوانین، اشخاص، رسوم رواج، اور فرقوں کے آگے جھکنے والا ان کا اسیر اور ان کے لیے جبین نیاز کو جھکانے والا ہو جاتا ہے، اور جس کو بھی وہ اپنا محبوب، راہبر، یا پیشوا مانتا ہے تو اس کے ساتھ تعلقات میں اعتدال کی حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ [يوسف: ٣٩]

''کیا الگ الگ رب بہتر ہیں یا اللہ، جو اکیلا ہے، نہایت زبردست ہے؟''

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [التوبة: ٣١]

''انھوں نے اپنے عالموں اور اپنے درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا۔''

﴿ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾ [الجاثية: ٢٣]

''پھر کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنا لیا؟''

سچی بندگی...سعادت کی راہ:

مسلمانو! اللہ مالک کی عبادت ہی وہ لگام ہے جو انسانیت کی سرکشی کو لگام دے کر اسے شہوت رانی میں منہ مارنے سے روک سکتی ہے، یہی وہ راستہ ہے جو امتوں کو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف منہ زوری سے روک لگا سکتا ہے۔

سچی بندگی ہی وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس نفس کے لیے ایک سرگرم محرک ثابت ہو سکتی ہے تاکہ یہ نفس ہر سچ، بھلائی اور سعادت کی راہ اپنا سکے۔ صرف سچی بندگی انسانیت کو مختلف طاقتوں، نظاموں، حالات اور اشخاص کی تذلیل سے نجات دے سکتی ہے۔ اسی طرح یہی حقیقی بندگی وہ

چیز ہے جو اس کو خرافات، دیومالائی قصوں اور توہم پرستی کی رسوائی سے بچا سکتی ہے۔ عبادت اور بندگی میں خلل حقیقت میں انسانی زندگی کے نظام میں خلل اور نقص ہے۔

حقیقی بندگی...فلاح کی ضامن:

اے امت اسلامیہ! انسان کی کامیابی، آزادی اور سعادت کا دارومدار صرف اس چیز پر ہے کہ وہ اپنے رب، خالق، مالک اور معبود برحق کی بندگی کو یقینی بنائے، جو حقیقی بادشاہ، نہایت پاک، سلامتی والا، نگہبانی کرنے والا، سب پر غالب، اپنی مرضی کرنے والا، بہت بڑائی والا، پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے۔

﴿ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ﴾ [الأنعام: ١٦٤]

''کہہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی رب تلاش کروں، حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے۔''

﴿ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ [الأنعام: ١٤]

''کہہ دے کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوست بناؤں جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔''

﴿ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا﴾ [الأعراف: ١٤٠]

''کہا کیا میں اللہ کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود تلاش کروں؟''

کمالِ خضوع...کمالِ رفعت:

یہ ہے وہ بندگی جس کے ساتھ آزادی حاصل ہوتی ہے، اور یہ ہے وہ اطاعت گزاری جس کے ساتھ عزت کے درجات ترقی کرتے ہیں۔ جس قدر خضوع اور عاجزی ہوگی اسی قدر بلندی و ترقی نصیب ہوگی۔ جب آدمی احسن انداز میں اور خلوص کے ساتھ عبادت کرتا ہے تو وہ کمال انسانی کے درجات میں ترقی کر جاتا ہے۔ اس کی زندگی بامقصد اور قیمتی ہو جاتی ہے اور اس کا عمل لذیذ ہو جاتا ہے۔ اگر حقیقی دولتمندی نفس کی دولتمندی ہو تو آزادی حقیقت میں دل کی آزادی کا نام ہے جس طرح اصل غلامی دل کی غلامی ہے۔

عبودیت کا مفہوم:

برادران اسلام! اگر بندگی اور عبودیت کی اتنی زیادہ اہمیت وعظمت ہے تو ہمیں علم ہونا چاہیے کہ عبودیت کس کو کہتے ہیں اور اس کی حقیقت کیا ہے؟

حقیقت میں عبودیت (بندگی) دل، زبان اور اعضاءِ بدن کے ان تمام اعمال و اقوال کے مراتب کا ایک جامع نام ہے جنھیں اللہ تعالیٰ پسند کرے اور اس کی رضا ان میں شامل ہو۔

بندگی اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک کر اس کی اطاعت گزاری کا نام ہے، لہٰذا مسلمان جو شریعت کا مکلّف (قانونی طور پر پابند) ہو وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور عظمت کی خاطر اپنی خواہش کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ حقیقی عبادت، ظاہر میں حرکات، باطن میں اعتقاد، نفس میں طمانیت اور دل اور اعضاء کی عبودیت کے درمیان مکمل ہم آہنگی سے تشکیل پاتی ہے۔

محبت اور خضوع ساتھ ساتھ:

عبادت میں محبت الٰہی اور خضوع کو ایک ساتھ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ بندہ اپنے رب کے ساتھ ہر چیز سے بڑھ کر محبت کرتا ہے اور ہر چیز سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو تعظیم دیتا ہے، اس لیے خالص محبت اور مکمل خضوع (فرمانبرداری) صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

بندگی کی بنیاد... تسلیم و رضا:

بندگی کی بنیاد جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے انھیں کرنے اور جن سے منع کیا گیا ہے ان سے رک جانے میں اطاعت و انقیاد پر قائم ہے۔

﴿ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾

[الأحزاب: ٣٦]

''اور کبھی بھی نہ کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں کہ ان کے لیے ان کے معاملے میں اختیار ہو اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو یقیناً وہ گمراہ ہوگیا، واضح گمراہ ہونا۔''

عبادت کی بنیادیں... قلبی اعمال:

برادران اسلام! عبادت کے اصول اور بنیادیں جن چیزوں پر قائم ہیں وہ یہ ہیں: جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی ذات کے متعلق، اپنے اسماء و صفات اور افعال کے متعلق فرشتوں کے بارے

میں اور ہر اس چیز کے بارے میں جو ہم سے پوشیدہ ہے، جس کی رسولوں نے خبر دی ہے، جو (آسمانی) کتابوں میں نازل ہوا ہے اس کے مطابق صحیح عقیدہ رکھنا۔

عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا اور اس کو اس میں بالکل اکیلا رکھنا، اس کے ساتھ ساتھ جو دل میں مخفی اعتقادات اور اعمال ہیں، جیسے دل میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے میں مکمل یقین ہونا، اسی کی طرف لوٹنا، اس سے ڈرنا، اور اس کی رضا و رحمت کی امید بھی رکھنا، اور صرف اس کے لیے دین کو خالص کرنا۔

اعضائے بدن کے اعمال:

پھر اعضاء کے اعمال میں بھی کئی طرح کی عبادتیں شامل ہیں، جیسے نماز پڑھنا، زکاۃ دینا، روزہ رکھنا، حج کرنا، والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا، صلہ رحمی کرنا، امانتیں ادا کرنا، وعدے پورے کرنا۔ پڑوسی، یتیم، مسکین، مسافر اور بنی آدم میں سے ہر ایک محتاج کے ساتھ ہر طرح کی اچھائی کرنا نہ صرف انسان بلکہ حیوانات کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرنا، کیونکہ حدیث میں ہے: "في كل كبد رطبة أجر" [1] ہر جاندار کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے میں اجر ہے۔ زبان کے اعمال یہ ہیں: قرآن کریم کی تلاوت کرنا، ذکر کرنا، حق بات کہنا، اچھی بات کرنا، نیکی کا حکم دینا، برائی سے منع کرنا، پڑھنا پڑھانا، ہر ظاہری اور باطنی فحش گوئی سے اجتناب کرنا، حرام کاموں سے رکنا اور تکبر، ریاکاری، خود پسندی، حسد، منافقت، غیبت، چغلی اور ہر منع کردہ کام سے اپنی زبان کو محفوظ رکھنا۔ اگر تحقیق کی جائے تو یہی حقیقت سامنے آئے گی کہ بندگی دراصل سارے دین کا نام ہے۔ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے اسلام، ایمان اور احسان کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا:

«هذا جبرئيل أتاكم يعلمكم دينكم» [2]

"یہ جبرئیل تمھیں تمھارا دین سکھانے کے لیے تشریف لائے ہیں۔"

بندگی تمام مقامات میں سے اشرف و اعلیٰ:

برادران اسلام! بندگی تمام مقامات میں سے اشرف اور تمام مقاصد میں سے اعلیٰ ہے۔ اللہ کے فرشتے اس بندگی کی وجہ سے معزز اور صاحب شرف ہوئے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٣٦٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢٤٤)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٨)

﴿ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ﴾
[الأنبياء: ٢٦، ٢٧]

''بلکہ وہ بندے ہیں، جنھیں عزت دی گئی ہے۔ وہ بات کرنے میں اس سے پہل نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم کے ساتھ ہی عمل کرتے ہیں۔''

﴿ وَ مَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ﴾ [الأنبياء: ١٩، ٢٠]

''اور جو اس کے پاس ہیں وہ نہ اس کی عبادت سے تکبر کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔ وہ رات اور دن تسبیح کرتے ہیں، وقفہ نہیں کرتے۔''

یہ عبودیت انبیاء اور رسل کے حق میں مقام شرف ہے، جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور فرستادہ ہیں وہ عبودیت کے مراتب میں تمام مکلفین اور مسلمانوں سے بڑھ کر اس بلند مرتبے پر فائز ہیں۔

﴿ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى﴾ [النمل: ٥٩]

''اور سلام ہے اس کے ان بندوں پر جنھیں اس نے چن لیا۔''

﴿ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ﴾ [الصافات: ١٧١]

''اور بلاشبہ یقیناً ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے لیے ہماری بات پہلے طے ہو چکی۔''

﴿ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ﴾
[صٓ: ٤٥]

''اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کر، جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے۔''

ذرا دھیان سے اللہ کے انتہائی صابر بندے حضرت ایوب علیہ السلام کا یہ خوبصورت وصف سنیں:

﴿ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ﴾ [صٓ: ٤٤]

''بے شک ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا، اچھا بندہ تھا۔ یقیناً وہ بہت رجوع کرنے والا تھا۔''

وہ جو وسیع و عریض بادشاہی کا مالک تھا جو اس کے بعد کسی کے حصے میں نہ آئی، اس کو اس کا رب اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿ وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾ [ص: ۳۰]

''اور ہم نے داود کو سلیمان عطا کیا، اچھا بندہ تھا، بے شک وہ بہت رجوع کرنے والا تھا۔''

وہ عیسیٰ علیہ السلام جنھیں عیسائیوں نے مقام الوہیت پر فائز کر دیا، اس کے بارے میں اس کا رب فرماتا ہے:

﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ﴾ [الزخرف: ۵۹]

''نہیں ہے وہ مگر ایک بندہ جس پر ہم نے انعام کیا۔''

پھر افضل الرسل، اشرف الانبیاء، ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا کہنے کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے وصف عبودیت کے اعلیٰ مقام کے ساتھ بیان کر کے شرف بخشا جو تکریم و احترام کا اعلیٰ مقام ہے۔ رات کو اللہ تعالیٰ نے انھیں بیت المقدس کی سیر کروائی، اور پھر انھیں آسمان کا معراج کروایا:

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾

[الاسراء: ۱]

''پاک ہے وہ جو رات کے ایک حصے میں اپنے بندے کو حرمت والی مسجد سے بہت دور کی اس مسجد تک لے گیا جس کے ارد گرد کو ہم نے بہت برکت دی ہے، تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بلاشبہ وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''

﴿ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى﴾ [النجم: ۱۰]

''پھر اس نے وحی کی اس (اللہ) کے بندے کی طرف جو وحی کی۔''

لہٰذا تمام انبیائے کرام علیہم السلام مراتب عبودیت میں سب سے بلند ہیں۔ انبیائے کرام کے بعد اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی چوٹی میں صدیقین، شہدا، مجاہدین، علما، اور ایثار و نیکی کرنے والوں کا نام آتا ہے، یہ سارے نیک لوگ اس عبودیت کے درجات میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں جنھیں اللہ کے سوا کوئی احاطۂ شمار میں نہیں لا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مخلوق میں سے کامل ترین، افضل، اعلیٰ اور اس کا سب سے زیادہ قرب پانے والا وہ ہے جو ان میں اللہ تعالیٰ کی بندگی میں سب سے زیادہ طاقتور، سب سے زیادہ ہدایت یافتہ اور اسے سب سے زیادہ مکمل کرنے والا ہے۔

ہر نیکی کی گہرائی میں عبودیت:

اے امت اسلام! اگر آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے درجات اور منازل میں مطلوب چیز پر غور کریں تو آپ کو اعتقادات، عبادات، عمومی نیکیوں اور کردار و اخلاق کے آداب میں جامعیت اور باریکی نظر آئے گی۔

﴿ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَ لَا خِلٰلٌ ﴾ [إبراهيم: ٣١]

''میرے بندوں سے جو ایمان لائے ہیں، کہہ دے کہ وہ نماز قائم کریں اور اس میں سے جو ہم نے انھیں دیا ہے، پوشیدہ اور ظاہر خرچ کریں، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی۔''

﴿ وَ قُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴾ [الإسراء: ٥٣]

''اور میرے بندوں سے کہہ دے وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہو، بے شک شیطان ان کے درمیان جھگڑا ڈالتا ہے۔ بے شک شیطان ہمیشہ سے انسان کا کھلا دشمن ہے۔''

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ [الزمر: ٥٣]

''کہہ دے اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی! اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بے شک اللہ سب کے سب گناہ بخش دیتا ہے۔ بے شک وہی تو بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

عباد الرحمٰن کی صفات:

اللہ کے ان بندوں کی جلیل القدر صفات اور عمدہ ترین اخلاق یہ ہیں:

﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴾ [الفرقان: ٦٣]

''اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان

سے بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام ہے۔''

اللہ کی عبادت کی خاطر یہ قیام اور رکوع وسجود کرتے ہیں:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴾ [الفرقان: ٦٤]

''اور وہ جو اپنے رب کے لیے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے رات گزارتے ہیں۔''

جہنم کے عذاب سے خوف کھاتے ہیں:

﴿ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ إِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴾ [الفرقان: ٦٥، ٦٦]

''اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب پھیر دے۔ بے شک اس کا عذاب ہمیشہ چمٹ جانے والا ہے۔ بے شک وہ بری ٹھہرنے کی جگہ اور اقامت کی جگہ ہے۔''

نیز وہ توحید کو اپناتے ہیں، شرک سے دور بھاگتے ہیں، اور کبیرہ گناہوں سے پہلو بچاتے ہیں:

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴾ [الفرقان: ٦٨]

''اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں، جسے اللہ نے حرام کیا ہے، مگر حق کے ساتھ اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو یہ کرے گا وہ سخت گناہ کو ملے گا۔''

وہ شیطانوں اور ان کے وسوسوں سے محفوظ رہتے ہیں:

﴿ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴾ [الحجر: ٤٢]

''بے شک میرے بندے، تیرا ان پر کوئی غلبہ نہیں، مگر جو گمراہوں میں سے تیرے پیچھے چلے۔''

وہ زمین کے وارث اور اس پر غلبہ پانے والے ہیں:

﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴾ [الأنبياء: ١٠٥]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ بے شک یہ زمین، اس کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔''

سچی بندگی کے اثرات:

اللہ کے بندو! سچی بندگی کے ہوتے ہوئے روح بلندیوں کو چھونے لگتی ہے، بندے کی طبعی خواہشات اور شہوتیں مہذب اور درست ہوجاتی ہیں، بھلائی کا پلڑا برائی کے پلڑے پر بھاری ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کی کیفیت بندے پر آشکار ہونے لگتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے علم، عظمت اور وسعت کو اپنی آنکھوں کے سامنے پاتا ہے۔ صحیح عبادت کا انسان پر بڑا عظیم اثر ہوتا ہے اور دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، اس دنیا میں عبودیت وہ عظیم چیز ہے جس کے ذریعے بندہ سعادت، اللہ کی رضا اور اس کی رضا کے گھر جنت کے حصول میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ حدیث قدسی ہے:

«یا ابن آدم تفرغ لعبادتي أملأ صدرك غنى وأسد فقرك، وإن لم تفعل ملأت صدرك شغلا ولم أسد فقرك»[1]

''اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لیے وقف ہوجا، میں تیرے سینے کو غنا (تونگری) سے بھر دوں گا اور تیری فقیری کو ختم کردوں گا، اگر تونے ایسا نہ کیا تو میں تیرے سینے کو مشغولیات کے ساتھ بھردوں گا اور تیرے فقر کو ختم نہیں کروں گا۔''

دل جب عبادت اور اخلاص کے ذائقے سے آشنا ہوجائے تو پھر اسے اس سے زیادہ کوئی چیز میٹھی، لذت بھری اور مزیدار نہیں لگتی۔ اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ ہمارے رب کو اطاعت کرنے والوں کی اطاعت کوئی فائدہ دیتی ہے نہ نافرمانوں کی نافرمانی ہی کوئی نقصان پہنچاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو عبادت کی ضرورت نہیں:

حدیث قدسی ہے:

«یاعبادی، إنکم لن تبلغوا ضري فتضروني، ولن تبلغوا نفعي فتنفعوني، یا عبادي لو أن أولکم وآخرکم وإنسکم وجنکم کانوا علی أتقیٰ قلب رجل واحد ما زاد ذلك في ملکي شیئا، یا عبادي، لو أن أولکم وآخرکم وإنسکم وجنکم کانوا علی أفجر قلب رجل ما نقص ذلك من ملکي شیئا»[2]

---

[1] **صحیح**. سنن الترمذي، رقم الحدیث (٢٤٦٦) سنن ابن ماجه، رقم الحدیث (٤١٠٧)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٥٧٧)

”اے میرے بندو! تم مجھے نقصان پہنچانے والے کسی ایسے مقام پر نہیں پہنچے کہ مجھے کوئی نقصان پہنچاؤ، نہ تم کسی ایسے نفع کے مقام پر ہو کہ مجھے کوئی نفع ہی پہنچا سکو۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے پہلے اور پچھلے انسان اور جن تمام کسی سب سے زیادہ پرہیز گار دل کے مالک آدمی کی طرح ہو جائیں تو میری بادشاہت میں اس سے کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے پہلے اور پچھلے انسان اور جن کسی سب سے زیادہ نافرمان دل کے مالک کی طرح ہو جائیں تو بھی میری بادشاہت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔“

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اس بے پرواہی کے باوجود وہ پرہیز گاروں، نیکی کرنے والوں، صبر کرنے والوں، توبہ کرنے والوں اور طہارت اختیار کرنے والوں کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔

سال کا اختتام اور محاسبۂ نفس

امام وخطیب: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر اُسامہ خیاط حفظہ اللہ

خطبۂ مسنونہ اور حمد وثنا کے بعد:

اللہ کے بندو! ﴿ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ﴾ [المائدۃ: ۳۵]

''اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔''

﴿ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴾ [لقمان: ۳۳]

''اور تمھیں دنیا کی زندگی کہیں دھوکے میں مبتلا کر دے اور نہ دھوکے باز (شیطان) دھوکے ہی میں ڈال دے۔''

وقتِ وداع:

مسلمانو! الوداع کا وقت بڑا ہیجان خیز ہوتا ہے کیونکہ وہ غم کو دوبالا کر دیتا ہے اور کسی کے چلے جانے یا مٹ جانے کا وقت ہوتا ہے۔

اللہ کے بندو! زمانے کی عمر سے ایک سال اور گزر گیا ہے۔ اس ایک سال کے دوران میں حالات نے کئی کروٹیں بدلی ہیں، کتنی موتیں واقع ہوئی ہیں اور امتِ اسلامیہ کتنے مصائب و آلام اور خوفناک حالات سے دوچار ہوئی ہے جنھوں نے راتوں کی نیندیں اچاٹ کر دیں ہیں، عقلوں کو مضطرب و پریشان اور دلوں کی تراوتوں کو خشک کر کے رکھ دیا ہے۔

ایک غافل اور ایک عاقل کا اندازِ فکر:

اللہ کے بندو! غفلت میں مبتلا اور لہو ولعب کے رسیا لوگوں کے نزدیک زمانے کا گزرنا تو محض شب و روز کا بدلتے رہنا ہی ہے لیکن اہل بصیرت کے یہاں تو یہ انتہائی باعثِ عبرت چیز اور نصیحت و موعظت کا مصدر و ذریعہ ہے۔

اس بات کو بیان کرنے کے لیے حسن بصری رحمہ اللہ نے نہایت بلیغ انداز اختیار کر کے اس کی خوب نقشہ کشی کی ہے اور کہا ہے:

«یا ابن آدم! إنما أنت أیام، فإذا ذهب یوم ذهب بعضك» [1]

[1] حلیة الأولیاء (۲/ ۱۴۸)

”اے ابن آدم! تم خود ایام ہو اور جب ایک دن گزر جاتا ہے تو سمجھو کہ تمھارے وجود کا ایک حصہ تم سے رخصت ہو گیا۔“

دقیق محاسبۂ نفس:

اللہ کے بندو! یہ ایک لمحہ فکریہ ہے جس میں ہم اپنی ذات کی طرف رجوع کریں اور اپنے نفس کا خوب محاسبہ کریں، جس طرح ایک سمجھدار تاجر اپنے مال کا حساب کتاب کرتا ہے، آپ نے دیکھا نہیں کہ وہ ایک طے شدہ زمانہ اور مقرر وقت پر اپنے حسابات چیک کرتا ہے تاکہ دیکھے کہ اس نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ کتنا نفع کمایا اور کتنا نقصان اٹھایا؟ پھر وہ نقصان کے اسباب ڈھونڈتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کہاں غلطی ہوئی اور کہاں معاملہ صحیح رہا؟ ایک سمجھدار و عقلمند اور باہوش مسلمان کو بھی یہی انداز اختیار کرنا چاہیے تاکہ اس کے اغراض و مقاصد اور غایات و اہداف کے شرف میں اضافہ ہو۔ کیونکہ محاسبۂ نفس حقیقی منافع اور کمائی کے تحفظ کا باعث ہے۔ ایسا کرتے رہنے سے تجارت میں نقصان ہوتا ہے نہ کساد بازاری آتی ہے اور نہ نفع ہی میں کمی واقع ہوتی ہے، کیونکہ مسلمان کا بزنس تو نیکیوں کی کمائی ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے بہت بلند مقام اور عالی شان بنائی ہے اور دیگر تمام دولتوں پر اسے فوقیت عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ اَمَلًا ﴾ [الكهف: ٤٦]

”یہ مال و دولت محض دنیوی زندگی کی ایک ہنگامی آرائش ہے، اصل میں تو باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک نتیجے کے لحاظ سے بہتر ہیں اور انھی سے اچھی امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔“

یہی وجہ ہے کہ اہل عقل و بصیرت ذات کے محاسبہ پر بڑی توجہ دیا کرتے ہیں اور بیدار مغز لوگ اپنے نفس کا محاسبہ کرنے کے بڑے حریص ہوا کرتے ہیں، اہل عقل و رشد کا یہی طریقہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والوں کا یہی انداز ہے۔ اس مراجعہ و محاسبہ سے انھیں اس دنیا کے لہو و لعب، لغویات اور آرائش و زینت جیسی کوئی چیز نہیں روک سکتی۔ وہ زندگی کا سفر

بڑے حظ وافر کے ساتھ طے کرتے ہیں، اپنی تمناؤں کو پاتے اور امیدوں سے ہمکنار ہوتے ہیں اور ٹھوکر لگنے سے محفوظ ہوتے ہیں۔

محاسبۂ نفس کے فوائد:

مراجعۂ ذات اور محاسبۂ نفس کے ذریعے آدمی ہمیشہ خوب سے خوب تر اور بہتر سے بہترین کی طرف تغیر و ترقی کر سکتا ہے اور اس تغیر و ترقی کا گہرا رشتہ اس محاسبہ کے ساتھ قائم ہے۔ مراجعہ و محاسبہ بندے کو خرابی و خلل اور نقصان کا پتہ دیتے ہیں، اگر بندے کا عزم صحیح ہو، نیت خالص ہو، راستہ روشن اور طریقہ واضح ہو اور اس سب کچھ کے ساتھ ساتھ ہی عمل اور جد و جہد بھی ہو تو اللہ کی مدد مل جاتی ہے، حسن انجام حاصل ہو جاتا ہے، حالات بدل جاتے ہیں اور بندہ اپنی لیلائے مراد کو پا لیتا ہے۔

محاسبے کی ضرورت کسے؟

مراجعہ و محاسبہ کے نہج کو اختیار کرنا صرف بعض افراد یا کسی خاص جماعت و گروہ کے لیے ضروری نہیں بلکہ پوری امت کو اس نہج کے اختیار کرنے کی ضرورت ہے، اس کا اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ امت ان دنوں ایک سال کو الوداع کرنے والی ہے اور نئے سال کا استقبال کرنے والی ہے۔ البتہ امت کے حق میں یہ مراجعہ و محاسبہ بڑے وسیع انداز میں ہوتا ہے اور اسکا فائدہ بھی اتنا ہی وسیع و عام ہوتا ہے کیونکہ اسے وسیع نظر سے پورے عالم کے حالات کو دیکھنا اور ان عبرتوں و نصیحتوں کا مطالعہ بھی کرنا ہو گا جن سے ہماری تاریخ قدیم و جدید بھری پڑی ہے، اور اس کے بعد بھر پور کوشش کر کے اپنی راہ صحیح کرنا ہو گا تاکہ ہم ایسی زندگی جینے کی راہ اختیار کر سکیں جو کتاب و سنت کی ہدایات کے مطابق اور انھیں کے نور سے منور ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ [الحشر: ١٨ تا ٢٠]

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ تمھارے ان اعمال سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو، ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ (کے احکام) کو بھول گئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں خود اپنا نفس بھلا دیا، یہی لوگ فاسق ہیں، دوزخ میں جانے والے اور جنت میں جانے والے کبھی یکساں نہیں ہو سکتے، جنت میں جانے والے اصل میں کامیاب ہیں۔‘‘

وقت خزانہ یا سیف:

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔ شب و روز کا گزرنا اور سالوں کا گزر جانا تمھارے لیے عبرت کا ایک بہترین ذریعہ ہونا چاہیے، وہاں ہر وہ چیز سنبھال کر رکھنا چاہیے کہ جس کے بغیر اس دن کوئی چارہ ہی نہیں ہوگا جس دن کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی، وہ دن کہ جس دن تمام لوگ اپنے رب کے سامنے جواب دہی کے لیے کھڑے ہوں گے۔